قال امام الصوفیہ جنید رحمۃ اللہ علیہ

(عِنْدَ ذِکْرِ الصَّالِحِیْنَ تَتَنَزَّلُ الرَّحْمَۃُ)

سرخیل جماعت صوفیہ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ:

(صالحین کے حالات کے بیان کے وقت رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے)

(بناءً علیہ)

حالاتِ مصلح الامۃ

حصہ (یعنی) اوّل

مصلح الامۃ عارف باللہ حضرت مرشدنا مقتدانا مولانا

شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری اعظمی حنفی چشتی صابری اشرفی

نور اللہ مرقدہ کے حالات زندگی

(ولادت و طفولیت سے لیکر علوم ظاہری سے فراغت تک)

(بحکم)

مخدوم و محترم جناب مولانا حافظ قاری محمد مبین صاحب مدظلہ العالی

خلیفہ و جانشین حضرت مصلح الامۃ قدس اللہ سرہ العزیز

(بقلم)

عاجز و ہیچمدان عبدالرحمٰن جامی عفی عنہ

مقیم خانقاہ و یکے از خدام حضرت والاؒ

نام کتاب .... حالات مصلح الامتؒ

مرتّب .... حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب جامی
علیہ الرحمۃ

ناشر .... دائرۃ الاشاعت خانقاہ مصلح الامتؒ
۲۳/۲۵ بخشی بازار الٰہ آباد۔

صفحات ۳۹۲

سن طباعت ۱۹۹۵ء

زیر نگرانی .... سعادت علی (گورینی)

قیمت حصہ اوّل .... ۵۰ ارروپئے

قیمت حصہ دوم .... ۵۰ ارروپئے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

کاوش کا دل تقاضہ کرے ہے کہ ہے ہنوز
ناخن پر قرض اس گرہ نیم باز کا،
اعد ذکر نعمان لنا ان ذکرہ،
هو المسك ما كررته يتضوع،

ہمارے سامنے نعمان کا ذکر بار بار کرو اسلئے کہ انکا ذکر مشک کی طرح ہے کہ اسکے تکرار سے خوشبوئیں پھیلتی ہیں۔

بعض شخصیات اپنی آفاقیت اور ہمہ گیری کی بناء پر ناقابل فراموش ہوا کرتی ہیں انکی یادوں کے نقوش ہمیشہ تازہ اور انمٹ ہوا کرتے ہیں شب و روز کے رواں دواں قافلوں کی گرد سے اس کی تابندگی ماند نہیں پڑتی، اور نہ ہی گردشِ دوراں اسکی چمک پر اثر انداز ہوتی ہے بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ انکی قدر و قیمت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، اہل اللہ کے ذکر قلوب کو متأثر کرتے ہیں، روح میں تازگی پیدا کرتے ہیں، اور عمل کا جذبہ بیدار کرتے ہیں، ان کا ذکر ہمیشہ گرمیٔ محفل کا سبب بنا کرتا ہے، نہ تو ان کا بار بار ذکر تکرار ثقل پیدا کرتا ہے اور نہ ہی سماعت پر گراں گذرتا ہے، بلکہ ایمان کو قوت اور مشام جان کو معطر کرتا ہے انکے ذکر کا اجالا جس قدر پھیلے گا،

ہدایت کی راہیں اسی قدر واضح ہوتی جائیں گی۔

حضرت اقدس مصلح الامت عارف باللہ مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ العزیز کی ذات بابرکات بھی اس صدی میں ناقابل فراموش رہی ہے، آپکی تعلیمات حسن عمل وحسن اخلاق اور خلوص وللہیت کی ضیاء باری سے دنیا ہمیشہ فیض یاب ہوتی رہے گی۔ اہل تعلق اور ارباب علم وفضل کو ہمیشہ آپکے احوال وکوائف معلوم کرنے کی جستجو رہے گی، حضرت اقدس مصلح الامۃ قدس سرہٗ کے وصال کے بعد اصحاب تعلق اور ارباب علم وفضل کا اہل خانقاہ سے آپکی سوانح حیات کی اشاعت کا تقاضہ برابر ہوتا رہا، اور خود اہل خانقاہ کی بھی تمنا اور شدید خواہش تھی کہ حضرت والا علیہ الرحمۃ کی سوانح حیات قلمبند ہوجائے، جیسا کہ جانشین مصلح الامت حضرت مولانا قاری محمد مبین صاحب مدظلہٗ "حیات مصلح الامت" کے ابتدائیہ میں تحریر فرماتے ہیں "سیدی وسندی، مرشدی ومولائی حضرت مصلح الامت کے زمانۂ حیات میں بندہ کا نیز اور بھی احباب کا قلبی تقاضہ تھا کہ حضرت کی سوانح حیات قلمبند ہوجاتی تو بہت بہتر ہوتا کہ خود اپنے لئے بھی موجب تسلی ہوتی اور بعد والوں کیلئے بھی، حضرت کے کوائف اور حالات جاننے کا ایک ذریعہ ہوجاتی لیکن چونکہ خود حضرتؒ ہمارے درمیان موجود تھے اسلئے گویا کہ حضرت کی ساری حیات ہی نگاہوں کے سامنے تھی، پھر یہ کہ جو لوگ حضرت والا کے انداز تربیت سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ حضرت نے اپنے تمام متوسلین کو تو ایک مرکز فکر کے ساتھ مربوط کر رکھا تھا اور وہ تھا فکر آخرت، اور اصلاح نفس، اس میں انہماک کسی دوسری چیز کی طرف متوجہ ہونے کی مہلت نہیں دیتا تھا، پھر ایک دن وہ بھی آیا کہ سفر حج کے دوران یک بیک آپکا جلوہ ظاہری نگاہوں سے اوجھل ہوگیا، اب نہ اصلاح وتربیت کے وہ روح پرور مناظر رہے اور نہ مواخذہ وداروگیر کے ایمان افروز نظارے، دل اب بھی انھیں مناظر کا طالب

تھا مگر حیف کہ ع

روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

اب یہ خیال ہوا کہ حضرت اقدس کی زندگی کا نقشہ اب تک دیکھنے والوں کی نگاہوں میں ہے اس امانت کو سینے سے سفینے میں منتقل کر دینا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے مولانا عبدالرحمٰن صاحب جامی کو کہ انھوں نے پوری کاوش کر کے حضرتؒ کے حالات جمع کئے اور رسالہ رسالہ معرفت حق میں اور حالاً وصیۃ العرفان میں شائع کئے۔

خانقاہ سے شائع ہونے والے رسالہ میں ۱۹۷۱ء سے حالات مصلح الامۃ کے عنوان سے مشاہیر کے خطوط اور تاثرات سے یہ سلسلہ شروع ہوا، ماہ بماہ قسط وار رسالوں میں حالات طبع ہونے لگے، مگر تشنہ لبوں کو شبنم کے قطروں سے سیرابی کہاں حاصل ہو؟ "دل حریص گفتگو چشم خوباں کم سخن" ایسے میں آسودگی اور تسکین ممکن نہیں، راہ حق کے جویا حضرتؒ کی حیات مبارک کے مقدس نقوش یکجا مل جانے کے طلب گار تھے، اسی خواہش و تمنا کے پیش نظر ۱۹۷۴ء میں حضرت والا کی ایک مختصر سوانح عمری حیات مصلح الامۃ کے نام سے خانقاہ مصلح الامۃ سے شائع کی گئی۔

لیکن حضرت اقدس علیہ الرحمۃ کی عظمت اور شخصیت کی گیرائی اور گہرائی کا تقاضہ تھا کہ اگر اس اختصار کی تفصیل نہ کی گئی اور اس گرہ نیم باز کو پورے طور پر نہ کھولا گیا تو ناخن پر یہ قرض ہمیشہ رہے گا اور دل برابر کاوش کا تقاضہ کرتا رہے گا۔

گو حیات مصلح الامت زیادہ تر حالات مصلح الامت کے مواد پر ہی مبنی تھی لیکن اسکی ترتیب میں جامعیت سے زیادہ اختصار مدنظر تھا کیونکہ مفصل حالات مصلح الامت کا سلسلہ زیر ترتیب تھا، پھر جب استاذنا المحترم مولانا مفتی عبدالرحمٰن صاحب جامی علیہ الرحمۃ کے محبت آمیز اور عقیدت سے لبریز

قلم سے یہ سلسلہ پوری تفصیل سے مرتب ہو گیا جس میں آپ نے حضرت کے حالات کی ہر ہر جزئی کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا اور آپکا مزاج، طریقۂ اصلاح و تربیت، معمولات، وظائف، ابناء زمانہ کے ساتھ مراسم و تعلقات معاصر علماء و صلحاء سے مکاتبت و مراسلت ان تمام امور پر تفصیل سے روشنی ڈالی تو دائرۃ المعارف خانقاہ مصلح الامت کی شدید خواہش اور تمنا ہوئی کہ وہ حالات مصلح الامت جو ابتک قسطوار ماہنامہ وصیۃ العرفان میں شائع ہوئے ہیں یکجا کتابی شکل میں شائع ہو جائیں لیکن محدود وسائل کی بناء پر ۱۵۰۰ صفحات کی ضخیم کتاب کی اشاعت بظاہر ممکن نہ تھی۔

لیکن پھر خالق اسباب اللہ رب العزت نے غیب سے اسکی یہ صورت پیدا فرمادی کہ محترم جناب عبدالوکیل صاحب کاظمی ادام اللہ ظلہ کے دل میں اسکا داعیہ پیدا فرمادیا اور آں موصوف نے خود ہی اسکی اشاعت کی پیش کش بڑے اصرار کے ساتھ کی، ممدوح کی حضرت مصلح الامت سے عقیدت و محبت اور تعلق کی بناء پر یہ تمنا تھی کہ یہ کتاب جلد از جلد طبع ہو کر منظر عام پر آجائے اور عام افادہ و استفادہ کا سبب بنے، اللہ تعالیٰ موصوف کو دارین میں اسکا صلہ عطا فرمائیں، اور حضرت کے فیوض و برکات سے مالا مال فرمائیں، اور صحت و عافیت کیساتھ دین متین کی مزید خدمت کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔ اب یہ کتاب انہی کے تعاون سے دائرۃ المعارف خانقاہ مصلح الامت سے شائع کی جارہی ہے۔

حالات مصلح الامت کی پہلی ترتیب بعض وجوہ کی بنا پر (جنکا ذکر مرتب علیہ الرحمۃ نے خود اپنے مقدمہ میں فرمایا ہے) دوسری تھی، لیکن پھر حضرت مرتب علیہ الرحمۃ نے اسکو از سر نو سوانح کی ترتیب پر مرتب فرمایا اور اسکی فہرست مضامین بھی خود ہی تیار کی، اب یہ آخری ترتیب کے مطابق شائع کی جارہی ہے افسوس کہ اس طبع جدید کے موقعہ پر استاذنا المکرم حضرت مرتب مولانا عبدالرحمٰن

صاحب جامع، اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں انکو اعلیٰ مراتب نصیب فرمائے ہمارے درمیان نہیں ہیں اسلئے محترم کاظمی صاحب نے انکے حقیقی چھوٹے بھائی جناب مفتی عبدالقدوس صاحب رومی سے مقدمہ ثانیہ لکھنے کی فرمائش کی، ہم انکے شکر گذار ہیں کہ موصوف نے باوجود اپنے ضعف اور گوناگوں مشاغل کے وقت نکال کر مقدمہ تحریر فرمادیا۔

آخر میں یہ عاجز اپنے لئے ناظرین سے حسن علم حسن عمل حسن اخلاص اور حسن خاتمہ کی دعا کی درخواست کرتا ہے،

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

احمد مکین عفی عنہ
۱۰ رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ
خانقاہ حضرت مصلح الامۃ الہ آباد

فہرست

مضامین	صفحہ
حرف آغاز	۳
کافیہ حضرت مصلح الامۃ کے شارح	۱۰
محرک اصلی تالیف حالات مصلح الامت رح	۱۸
مقدمہ از مرتب	۱۹
اعتذار	۲۱
مولانا ابوالحسن علی ندوی کی خانقاہ تشریف آوری اور تقریر	۲۹
سوانح کے سلسلے میں ایک بزرگ کی دعا	۴۰
حضرت اقدس کا وطن اور سلسلہ نسب ۔	۴۵
حضرت اقدس کا دولت خانہ ،	۴۸
فتحپور تال نرجا کی مسجد ،	۴۹
خاکہ عمارت مدرسہ و خانقاہ اور دولت خانہ ،	۵۲
ابتدائی حالات ،	۶۴
سن پیدائش اور زمانہ طفولیت	۶۵
حافظ ولی محمد صاحب رح ،	۷۱
ابتدائی تعلیم کے مختلف دور ،	۷۵
دیوبند کا قیام ،	۷۹
حضرت کے ہم سبق بعض حضرات	۹۳
قیام تھانہ بھون کے حالات و واقعات	۹۹

مضامین	صفحہ
درِ شیخ کا ادب اور احترام	۱۲۵
تسہیل بیان القرآن سے متعلق مولانا عبدالباری صاحب ندوی کا مکالمہ ۔	۱۲۹
قیامِ وطن	۱۳۷
تاریخ فتحپور ـــ حضرت کا ارشاد	۱۳۸
حضرت مصلح الامت کے دور سے قبل یہاں مشائخ کی آمد	۱۴۲
حضرت مصلح الامت کا دور ،	۱۴۴
حضرت کی ایک پیشینگوئی ،	۱۶۴
حضرت والا کا نکاح ،	۱۶۶
حضرت کی اولاد ،	۱۶۸
قصبۂ مبارکپور کا قیام ،	۱۷۰
کانپور میں تدریس ،	۱۷۹
پورہ معروف کا قیام ،	۱۸۲
حضرت کے تقویٰ کے چند واقعات ،	۱۹۸
حضرت مصلح الامت اور گوپا گنج ،	۲۱۷
مولانا فاروق صاحب کی نظم "وادیٔ ایمن" ۔	۲۳۹
مسند ارشاد اور طریق کار ،	۲۶۰

مضامین	صفحہ
نظام الاوقات برائے سالکین،	۲۷۹
ہدایات،	۲۸۰
ایک مردِ کامل کی شان آئینہ نصیحت	۲۸۴
مولوی عبدالقدوس رومی کی حضرتؒ سے پہلی ملاقات،	۲۹۸
تربیت اور حسنِ اخلاق کا اجتماع،	۳۰۱
حضرت کا پسندیدہ طریق،	۳۱۸
وصیۃ السالکین،	۳۱۶
حضرت کا طریق کار اور مولانا محمد الیاس صاحب رح کا طریق کار،	۳۲۷
قاری سعید احمد صاحب کے نام حضرت کا خط،	۳۳۳
مولوی ابو اللیث صاحب اصلاحی کی درخواست اور حضرت کا جواب	۳۳۸
حضرت مصلح الامت اور تبلیغی جماعت،	۳۴۲
مولانا منظور صاحب نعمانی کا خط اور حضرت کا جواب،	۳۵۱
بعض تعلیمات حضرت مصلح الامتؒ	۳۵۸
ہر کام میں خدا کی مرضی اور اخلاص کی فکر ضروری ہے،	〃
اصلاح سے پہلے صلاح کا ہونا ضروری ہے،	۳۵۹
پہلے اپنی اصلاح ضروری ہے ـــ	۳۶۱

مضامین	صفحہ
ـــ اس لئے کہ اصلاح صلاح کی فرع ہے،	
"کار خود کن کار بیگانہ مکن"،	۳۶۴
دوسروں کی اصلاح کیلئے اپنا دینی زیاں مناسب نہیں،	۳۶۵
حدود شرکت کی تعیین پر حضرت مصلح الامت کی تحسین،	۳۶۶
یہ ضروری نہیں کہ ہم ہر کام میں شریک ہی ہو جائیں،	۳۶۸
میری تعلیمات کا خیال آپ لوگوں کو ضروری ہے۔	۳۶۹
اگر آپ لوگ بھی میرے طریقہ کو نہ سمجھیں تو کس سے توقع رکھوں،	۳۷۱
آپ لوگوں کی بدفہمی سے تو میں عاجز آگیا ہوں	۳۷۴
"الدین النصیحۃ"،	۳۷۶
جو طریق اسلم اور انسب سمجھ میں آئے اختیار کیجئے	۳۷۸
وطن میں تبلیغی جماعت کے امیر سے خدام کی گفت گو،	۳۸۵
صوفی عبدالرب صاحب کا خط حضرتؒ کے نام،	
دوسرا خط اور اس کا جواب،	
تیسرا خط اور جواب،	

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

کافیہ حضرت مصلح الامۃؒ کے شارح

مولانا عبدالرحمن جامیؒ

اگر علم نحو میں کافیہ ابن حاجب کو کافی کہا جا سکتا ہے تو علم تصوف وسلوک میں سیدی و مرشدی حضرت مصلح الامۃ کی تعلیمات و اصلاحات بھی دور حاضر میں کافیہ و شافیہ کہی جانے کی مستحق ہیں۔

حضرت مصلح الامۃ کی تعلیمات کی اشاعت کا آغاز ماہنامہ "الاحسان" دفتر مکتبہ جامی واقع "حسن منزل" الہ آباد سے ہوا تھا جو ۱۹۵۰ء کے قریبی زمانہ میں احقر راقم السطور کی ادارت میں تقریباً تین سال کی مدت تک نکلتا رہا تھا، یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت مصلح الامۃ اپنے وطن مالوف فتحپور تال نرجا میں مقیم اور برادر محترم مولانا جامی صاحبؒ ان کی خدمت میں فروکش تھے۔

حضرت مصلح الامۃ جب ترک وطن فرما کر الہ آباد تشریف لائے تو حضرت کی تعلیمات کی اشاعت کیلئے پہلے رسالہ معرفت حق اور حضرت کی وفات و رحلت کے بعد دوسرا رسالہ وصیۃ العرفان نکلنا شروع ہوا، یہ رسالہ تا حال اشاعت پذیر ہے۔

برادر محترم مولانا جامی صاحب نے حضرت مصلح الامۃ کے احوال و سوانح کا ایک بے تکلف و برجستہ اور دلچسپ سلسلۂ مضمون "حالات مصلح الامۃ" کے عنوان سے لکھنا شروع کیا تھا جو تقریباً پندرہ سال کی مدت تک جاری رہا، اس طویل مدت میں بھائی صاحب مرحوم نے جو کچھ لکھا اسکی مجموعی ضخامت تخمیناً چودہ سو صفحات تک پہنچ گئی۔

بھائی صاحب ہر ماہ میں حالات مصلح الامۃ سے متعلق صفحات رسالہ سے علیحدہ کر کے اپنے پاس جمع کرتے رہے تھے اور جب پورا مضمون مکمل ہو گیا تو اسے جمع کر کے تین جلدوں میں مجلد بھی کرالیا اور خود ہی فہرست مضامین بھی اپنے قلم سے تیار کر دی تھی، یہ کام اس حد تک ہو چکا تھا کہ اُن کا وقت موعود آ گیا اور ۱۰ رمضان المبارک سنہ ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۷ مارچ سنہ ۱۹۹۱ء کو انکی وفات ہو گئی، انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت مصلح الامۃ علیہ الرحمۃ کی وفات کے بعد جب لوگوں کو حضرت کے حالات جاننے کی ضرورت محسوس ہوئی تو حضرت کے خویش نمبر ۲ مولانا قمر الزماں صاحب زید مجدہم نے مسابقت کی اور تذکرہ مصلح الامۃ کے عنوان سے ایک تذکرہ شائع کر دیا، اور کچھ دنوں بعد حضرت کی خانقاہ اور دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان کی جانب سے ایک دوسری سوانح "حیات مصلح الامۃ، مولانا اعجاز احمد اعظمی کے قلم سے نکلی جو اس وقت حضرت ہی کے مدرسہ وصیۃ العلوم میں مدرس تھے۔

اس پس منظر میں بہ ظاہر یہ امید تو موہوم ہی سی رہ گئی تھی کہ حضرت مصلح الامۃ کا وہ مفصل و مبسوط تذکرہ جو حالات مصلح الامۃ کے عنوان سے قسط وار نکلتا رہا ہے وہ اب اشاعت و طباعت کے مراحل سے بھی گذریگا لیکن جیسا کہ ہمارا عقیدہ و ایمان ہے کل امر مرھون باوقاتہ ہر کام اپنے مقرر وقت کے ساتھ مقید ہوتا ہے۔

اس معاملہ میں بھی یہی ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے غیب سے صورت اشاعت وطباعت پیدا فرما دی اور محترم و مکرم الحاج عبد الوکیل صاحب کاظمی بر نا (الہ آباد) (جزاہ اللہ احسن الجزا) نے لوجہ اللہ تعالیٰ اسکی اشاعت و طباعت کیلئے مکمل تعاون کی پیش کش فرمادی اور اب حالات مصلح الامۃ کا وہ بیش بہا تحفہ طباعت کیلئے دے دیا گیا ہے، محترم جناب کاظمی صاحب کیلئے یہ خدمت مقدر تھی جنکے دل میں اس کام کا داعیہ محترمی جناب الحاج

عاشق حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مجاز حضرت مصلح الامۃ کی برکت سے پیدا ہوا۔ محترم کاظمی صاحب نے احقر سے فرمائش کی کہ بہتر ہوگا کہ اس مضمون کے ساتھ مرتب مضمون مولانا جامی صاحب علیہ الرحمۃ کے کچھ حالات جمع کر دیئے جائیں اور مجھے حکم ہوا کہ یہ کام میں انجام دوں، موصوف کا یہ حکم ایسا نہ تھا کہ اسے ٹالا جائے اسلئے مختصر طور پر کچھ لکھنا منظور کر لیا (ویسے برادر محترم کا مفصل تذکرہ حیات مصلح الامۃ کے مصنف مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی ترتیب دے چکے ہیں جو زیر طباعت ہے)

حالات مرتب حالات مصلح الامۃ

برادر محترم مولانا عبد الرحمٰن صاحب جامیؒ کی ولادت ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۶ فروری ۱۹۱۹ء بروز چہارشنبہ کو صبح صادق کے وقت محلہ قضیانہ قبصہ مچھلی شہر (ضلع جون پور) میں ہوئی۔ قصبہ

جد امجد مرحوم حافظ قاری فضل حق صاحب نے عبد الرحمٰن جامی نام رکھا، ہمارے جد امجد حضرت قاری عبد الرحمٰن صاحب مکی الہ آبادی علیہ الرحمۃ کے خصوصی شاگرد تھے۔

بھائی صاحب عمر میں مجھ سے چار سال بڑے تھے، میری پیدائش ۲ / شوال ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹ / مئی ۱۹۲۳ء بروز شنبہ کو بوقت صبح ہوئی۔

۱۹۳۰ء کے قریب کسی زمانے میں والد محترم مولانا محمد سراج الحق صاحبؒ کا تعلق حکیم الامت حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ سے قائم ہو گیا تھا اس وقت تک والد صاحب کا ارادہ یہ تھا کہ وہ احقر کو تو حفظ قرآن مجید کے بعد عربی تعلیم دلائیں گے لیکن بھائی صاحب کو وہ انگریزی پڑھانا چاہتے تھے، چنانچہ انھوں نے بھائی صاحب کا نام اسی گورنمنٹ اسکول میں لکھوا دیا تھا جہاں وہ عربی و فارسی کے استاد تھے۔

حضرت والد صاحب نے اپنے ایک خط میں حضرت حکیم الامت علیہ الرحمۃ

کو اطلاع دی کہ میرے دو لڑکے ہیں بڑے کو میں انگریزی پڑھا رہا ہوں اور چھوٹے کو قرآن مجید حفظ کرا رہا ہوں اسے عربی تعلیم دینے کا ارادہ ہے۔

حضرت کی طرف سے جواب آیا جواب میں یہ استفسار تھا کہ جس لڑکے کو انگریزی پڑھا رہے ہیں اسکے دین کی حفاظت کا کیا انتظام ہے؟

حضرت علیہ الرحمۃ کا جواب آتے ہی والد صاحب نے پہلا کام یہ کیا کہ بھائی کا نام اسکول سے کٹوا دیا، بھائی صاحب اسوقت آٹھویں درجے میں پڑھ رہے تھے، لوگوں نے والد صاحب کو بہت بہت سمجھایا کہ آٹھویں تک کی تعلیم تو پوری ہو جانے دیجئے، ایک سرٹیفکٹ رہے گا شاید کسی وقت کچھ کام آجائے مگر والد صاحب نے کسی کی بھی بات نہ سنی اور شیخ کا منشا سمجھ لینے کے بعد کسی قسم کی حیل وحجت اور قیل وقال کی گنجائش نہ دیکھی۔

برادر محترم مولانا جامی صاحب کی زندگی کا یہ اہم موڑ تھا جہاں اللہ تعالیٰ نے انھیں صراط مستقیم پر لگا دیا، یہ موڑ انکی سوانح کا ایک جزو اعظم ہے جسے کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

اسکول سے علیحدگی کے بعد والد صاحب نے بھائی صاحب کو اور انھیں کے ساتھ احقر کو بھی کچھ دنوں موضع مریاڈیہہ ضلع الہ آباد میں محترم حافظ محمد یاسین علیہ الرحمۃ (مجاز حضرت مولانا سید محمد عیسیٰ صاحب الہ آبادیؒ) کی خدمت میں رکھا جہاں احقر تو (حفظ قرآن کے بعد) دور کرتا رہا، اور بھائی صاحب حافظ صاحب سے کچھ فارسی اور اردو کی دینی و اصلاحی کتابیں پڑھتے رہے۔

کچھ دنوں کے بعد مدرسہ اشرفیہ (دائرہ شاہ عبدالجلیل محلہ چک) الہ آباد میں بھائی صاحب نے داخلہ لے لیا۔ اور عربی کی ابتدائی کتب کافیہ ابن حاجب تک وہیں پڑھیں، اسکے بعد سہارنپور چلے گئے، جہاں شرح جامی وغیرہ کتابوں میں داخلہ ہوا، اگلے سال احقر بھی مظاہر علوم پہنچ گیا، ۱۳۶۲ھ مطابق سنہ ۱۹۴۳ء

میں بھائی صاحب نے مظاہر علوم سے فراغت حاصل کی، ابھی وہ زیر تعلیم ہی تھے کہ استاذ محترم مولانا عبد الوحید صاحب صدیقی مدظلہ صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ فتحپور سہارن پور تشریف لے آئے، انھیں اپنے مدرسہ کیلئے ایک مدرس کی ضرورت تھی وہ بھائی صاحب سے ایک درخواست لکھوا کر اپنے ساتھ لیتے گئے اور فتحپور پہنچ کر اپنے مدرسہ کیلئے بھائی صاحب کا تقرر کر لیا، شعبان میں بھائی صاحب سالانہ امتحان سے فارغ ہوئے ہیں اور صرف رمضان شریف کا مہینہ گھر پہ گذرا ہے کہ شوال کے مہینے میں مدرسی کے فرائض انجام دینا شروع کر دیئے، انھیں اپنی ملازمت کیلئے نہ کہیں آنا پڑا نہ جانا پڑا، نہ کہیں انٹرویو کی نوبت آئی،

۱۹۴۷ء کی آزادی کے بعد فتحپور کے مدرسہ میں اچانک حالات نے ایک خطرناک موڑ لیا جس سے دل برداشتہ ہو کر برادر محترم اور صدیق مکرم مولانا صدیق احمد صاحب باندوی نے مدرسہ سے علیحدگی اختیار کر لی، مولانا صدیق احمد صاحب نے تو اپنے وطن ہی میں گھر پر مدرسہ قائم کر لیا جو آج ملک کے مشہور و قابل ذکر مدرسوں میں شمار ہوتا ہے،

اور برادر محترم نے فتحپور تال نرجا کے کہف میں پناہ لی بلکہ یوں کہئے کہ ہجرت ہی کر گئے، مگر یہ ہجرت بھی ایک عجیب و غریب قسم کی ہجرت ثابت ہوئی کہ کچھ دنوں بعد چشم فلک کے ساتھ ساتھ اہل نظر نے یہ بھی دیکھا کہ الہ آباد کے اس مسترشد کے ساتھ ساتھ حضرت مرشد بھی بہ نفس نفیس الہ آباد کو ہجرت کر کے آگئے۔

اور وہی مولانا جامی جو فتحپور تال نرجا میں حضرت مصلح الامۃ کے زیر سایہ رہتے ہوئے شیخ کے حاضر باش، خادم اور میر منشی و پیشکار بنے ہوئے تھے وہ الہ آباد آنے کے بعد بھی بالکل اسی طرح حضرت ہی کے جوار و سایہ میں رہے کسی نے بھی کبھی یہ نہیں دیکھا کہ الہ آباد آنے پر ایک دن بھی مولانا جامی نے اپنے

والدین کے ساتھ گذارا ہو۔

حضرت مصلح الامۃ علیہ الرحمۃ کی رحلت کے بعد جب فہرست مجازین مرتب ہو رہی تھی، اور کچھ لوگ اس فہرست میں اپنے اپنے ناموں کے اندراج کیلئے ہر طرح کوشاں تھے، اسوقت برادر محترم اور ہمارے والد بزرگوار حضرت مولانا محمد سراج الحق صاحب علیہما الرحمۃ بھی کس طرح دامن کشاں رہے تھے ان حضرات کی سوانح نگاری کے وقت ان کے ایسے احوال پر نظر ڈالنے اور غور کرنے کی ضرورت ہے۔

فنا اور اسکی قسموں (فنا فی اللہ، فنا فی الرسول، فنا فی الشیخ وغیرہ) کا تذکرہ تو لوگوں نے اکثر سنا ہی ہوگا مگر فنا فی الشیخ کی ایسی مثال شاید لوگوں نے دیکھی ہو اس موقع پر بھائی صاحب کی وہ بات یاد آرہی ہے جب ایک موقع پر حضرت قاری صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند کی اس فرمائش پر کہ "دار العلوم کیلئے ایک اچھے معتمد و مستند مفتی کی ضرورت ہے حضرت کے علم میں کوئی صاحب ہوں تو مرحمت فرمادیں"۔ حضرت مصلح الامۃ نے بھائی صاحب سے فرمایا "اگر تم جانا چاہو تو تمہارا نام تجویز کردوں"، عین ممکن ہیکہ حضرت مرشد نے اسطرح اپنے مسترشد کا امتحان ہی لیا ہو، اسوقت بھائی صاحب کا جواب صرف یہ تھا کہ میں تو آپکی خدمت میں رہنے ہی کیلئے آیا ہوں کہیں جانے کیلئے نہیں آیا وہاں جاکر کیا کرونگا،،

اب ہم آپ خود اندازہ کریں کہ حضرت مصلح الامۃ بھائی صاحب کے اس جواب سے کیسے کچھ مسرور و مطمئن ہوئے ہونگے،

اسی طرح حضرت کی رحلت کے بعد حضرت قاری امین صاحب دامت برکاتہم کو جانشین شیخ کی حیثیت سے بھائی صاحب نے جس بے نفسی اور صدق دلی سے تسلیم کیا اسکی مثال انکے اقران و امثال میں مشکل ہی سے ملیگی بھائی صاحب کی یہ فنائیت و بے نفسی بھی حقیقت یہ ہیکہ خود حضرت مصلح الامۃ

کی انتہائی تواضع ومسکنت کا پرتو تھی جسکا اندازہ اس واقعہ سے بہ آسانی لگایا جاسکتا ہے اس واقعہ کا راوی صرف یہ راقم السطور ہی ہے۔

جس سال احقر مدرسہ مظاہر علوم میں دورۂ حدیث میں شریک تھا اخیر سال ماہ شعبان میں حضرت مصلح الامتہ علیہ الرحمتہ نے تھانہ بھون کا سفر فرمایا تھا اور واپسی میں مولانا ظہور الحسن صاحب علیہ الرحمتہ کے مکان کتب خانہ امداد الغرباء میں قیام ہوا اسی موقع پر مدرسہ مظاہر علوم میں ہم لوگوں کا درس بخاری شریف ختم ہو رہا تھا، احقر (چونکہ اسوقت بھی حضرت ہی سے وابستہ تھا) حاضر خدمت ہوکر عرض کیا کہ آج ہمارے ہاں بخاری شریف ختم ہو رہی ہے اگر جناب بھی شرکت فرمالیں تو خوشی ہوگی، حضرت اپنی خمول پسندی کی بناء پر لوگوں سے میل ملاقات کا مزاج ہی نہ رکھتے تھے، اسلئے اہل مدرسہ میں سے کسی کو خبر بھی نہ تھی کہ مولانا ظہور الحسن صاحب علیہ الرحمتہ کے ہاں ٹھہرے ہوئے ہیں اسلئے ان حضرات کی طرف سے کوئی دعوت بھی نہ تھی، پھر یہ بات بھی تھی کہ اس وقت واقعۂ ختم بخاری تھا، آج کل کی طرح اسکی نمائش اور تشہیر کہاں ہوتی تھی۔ ع ہم میکدے سے نکلے کہ دنیا بدل گئی

احقر کی درخواست پر حضرت نے بے تأمل شرکت پر آمادگی ظاہر فرمادی، مگر دوسرے ہی لمحہ یہ سوال بھی فرمالیا کہ "جہاں بیٹھ جاؤنگا وہاں سے اٹھاکر کہیں اور بیٹھنے کو تو نہ کہا جائیگا؟"

احقر نے عرض کیا یہ کیسے ہوسکے گا وہ لوگ جناب کی شایان شان جگہ پر تو ضرور بٹھانا چاہیں گے، یہ سنکر انکار فرمادیا کہ پھر تو میں نہ جاؤنگا، حضرت کی اس فنائیت اور تواضع ومسکنت کا پرتو برادر محترم کی زندگی میں نمایاں تھا، جسے انکی یہ فنائیت نظر نہ آئی ہو اسکا صاحب بصیرت ہونا مشتبہ ہے۔

بھائی صاحب نے ہجری لحاظ سے تقریباً چوہتر سال کی عمر پائی، آخر کے

کے پانچ سات سال معذور کن بیماری میں گذرے، لیکن انکی خوش مزاجی وبذلہ سنجی ایسی شدید و مدید بیماری میں بھی مطلق بیمار نہ ہو سکی، وہ اسی طرح ہشاش وبشاش رہے اور اسکا منشاء صرف انکی خوش مزاجی ہی نہ تھی، بلکہ اسمیں خوئے تسلیم و رضا اور جذبہ صبر و شکر کی بھی پوری پوری کارفرمائی تھی، اللہ تعالیٰ انھیں مقام قرب وجوار رحمت نصیب فرمائے۔ آمین

عبدالقدوس رومی
مفتی شہر آگرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(سببِ ظاہری اور محرکِ اصلی جمعِ حالاتِ ہٰذا)

یہاں لوگوں میں ذکر آیا کہ حالِ مصلح الامّت رح
بہت ہی خوب ہوتا اسکو گر جامی بھی لکھتے
سنا میں نے تو یہ کی عرض حضرت کام ہے مشکل
دلے گر حکم ہی دیتے ہمیں قاری مبیں لکھتے

چنانچہ ان دنوں مخدوم و محترم جناب قاری صاحب مدظلہ نے مجھے کیف ما تفق حالات کے جمع کرنے کا حکم فرمایا لہٰذا ان کے امر کا امتثال کرتے ہوئے۔ بنامِ خدا، برائے نفع خلق خدا ــــــ ناظرین کرام سے اختتام کی دعا کی درخواست کرتے ہوئے اب اس کو شروع کرتا ہوں

وما توفیقی الا باللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حالات حضرت مصلح الامۃ قدس سرہ

(مقدمہ)

"حالات مصلح الامۃؒ" کے عنوان سے معرفت حق میں ایک سلسلہ عرصہ سے نکل رہا ہے مقصد اس سے یہی تھا کہ حضرت والا کے کچھ واقعات اور حالات ذکر کر کے محبین اور مشتاقین کے جذبۂ شوق ومحبت کی فی الجملہ تسکین کا کچھ سامان فراہم کر دیا جائے کیونکہ حضرت اقدسؒ کے اس دنیا سے تشریف لیجانے کے بعد ہی سے "سیرت والا" کے تحریر کئے جانے کا مطالبہ اس راقم سے کچھ اس شد و مد سے ہوا کہ باوجود اپنی کم علمی، معلوماتی بے بضاعتی اور اس میدان کے نشیب و فراز سے قطعی ناواقفیت کے بالآخر مجبور ہو کر کمر ہمت باندھکر اس میدان میں قدم رکھنا ہی پڑا۔ چنانچہ اپنی آسانی ہی کیلئے احقر نے پہلے "حضرت مصلح الامۃؒ اور مشاہیر ہند" کے عنوان کے تحت اکابر امت اور حضرت مصلح الامۃؒ کے مابین جو مکاتبت ہوئی تھی اسے ہی پیش کرنا چاہا۔

چنانچہ حضرت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانیؒ۔ حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریاآبادی مدظلہ۔ حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ، حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ۔ حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب مدظلہ العالی

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی ثم کراچوی حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہ اور جناب ڈاکٹر محمد عبد الحیٔ صاحب جون پوری ثم کراچوی مدظلہ (مجاز بیعت حضرت تھانوی قدس سرہ) حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی مدظلہ۔ حضرت مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیث مدظلہ۔ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب دامت برکاتہم۔ حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب قدس سرہ۔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کے خطوط انھیں صفحات میں ناظرین کے ملاحظہ سے گذر چکے ہیں۔ اس سلسلہ بیان کو احباب کے ایک طبقہ نے تو بہت پسند کیا چنانچہ بعض حضرات نے کہا بھی کہ رسالہ جب آتا ہے تو سب سے پہلے اسی مضمون کو نکالکر پڑھتا ہوں اور اس سے لطف اندوز ہوتا ہوں۔ خیال یہی تھا کہ یہ سارا مواد تو موجود ہی ہے جب تک یہی نکلتا رہے اور اس درمیان میں حضرت اقدسؒ کے ابتدائی حالات فراہم کرلئے جائیں اور اسکا بھی معتدبہ حصہ جمع ہوجائے تو بعد میں اسکو بھی شائع کردیا جائے چنانچہ اسی نہج پر یہ سلسلہ ابتک چلتا رہا اور ابھی کچھ عرصہ اور چلتا لیکن اپنے احباب خاص ہی میں سے ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو اس طریقہ سے "ذکر حالات مرشدؒ" کے ذریعہ خاطرخواہ تسکین اور لطف نہ حاصل کرسکا بلکہ ان لوگوں کی خواہش یہ ہوئی کہ حضرت والاؒ کی سیرت کو بھی سوانح کی معہود و معروف شکل میں پیش کیا جائے ________ یعنی (۱) حضرت والاؒ کے بچپن کے واقعات سے ابتدا کی جائے اور بیان کیا جائے کہ اس زمانہ کے حضرتؒ کے حالات کیا تھے (۲) پھر ابتدائی تعلیم و تعلم کا دور حضرتؒ کا کہاں اور کیونکر گذرا اسے بیان کیا جائے (۳) نیز زمانۂ قیام دیوبند اور پھر تھانہ بھون کے کچھ تفصیلی حالات سامنے لائے جائیں بعدہٗ (۴) حضرتؒ کا اپنے وطن کا قیام وہاں کا کام اور اس زمانہ کے حضرت والاؒ کے اصلاحی اور تربیتی نظام سے لوگوں کو آشنا کیا جائے (۵) پھر وطن سے ہجرت فرمانے کے اسباب کیا ہوئے اسکو بیان کیا جائے اور اس سلسلہ میں گورکھپور کی تقدیم اور پھر الہ آباد کے انتخاب کے وجوہ کیا تھے اور پھر الہ آباد کے قیام کے حالات و واقعات کو ذرا مفصل بیان کیا جائے اور اسی سلسلہ میں اسفار بمبئی۔ علی گڑھ۔ لکھنؤ اور جون پور جو پیش آئے ہیں انکی کچھ تفصیلات بیان کی جائیں اور (۷) پھر آخر میں بمبئی کے قیام اور وہاں کے مرجوعۂ انام (یعنی خواص و عوام) کا کچھ تفصیلی نقشہ پیش کیا جائے اور (۸) سفر حج اور پھر راستہ

ہی سے سفرِ آخرت کا مفصل حال بیان کیا جائے اور اسی سلسلہ میں حضرت والا کی عادات و صفات، حالات و تعلیمات اور (۱۰) اصلاحی خصوصیات نیز کشف و کرامات کے بھی کچھ واقعات بیان کر دیئے جائیں تو اس سے انشاء اللہ تعالیٰ طالبین و معتقدین کو بھی کچھ روحانی سکون حاصل ہوگا اور دوسرے لوگوں کو بھی دینی نفع پہونچنے کی توقع ہے۔

ان احباب کی یہ خواہش اپنی جگہ بالکل حق اور صحیح تھی لیکن اسکے متعلق اپنی جو مجبوری تھی اسکو ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں تاہم اپنے طور پر ہم اس سے غافل بھی نہیں رہے یعنی وقتاً فوقتاً جس جس سے اور جہاں جہاں سے بھی اس درمیان میں حضرت اقدسؒ کے حالات مل سکے ہم معلوم کرتے رہے اور انکو جمع کرتے رہے جو کہ اہل اشتیاق کی خواہش کے بقدر تو شاید اب بھی نہ ہو سکے ہوں تاہم سلسلۂ کلام شروع کرنے کیلئے اتنے بھی کافی ہیں۔

صفحاتِ آئندہ میں بیانِ حالات کے عنوانات معمولی فرق کے ساتھ تقریباً وہی ہونگے جو اوپر دس نمبروں میں قائم کئے جا چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حسنِ ترتیب اور پسندیدہ طرز کے ساتھ انکو اس ہیچمداں سے ادا کرا دے اور ہمارے لئے نیز ناظرین و سامعین کے لئے اسکو نافع بنائے آمین۔ اسلئے کہ حضرت اقدسؒ ہی سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ حضرت حاجی صاحبؒ کا ارشاد ہے کہ "اہل اللہ کے حالات اور انکے ملفوظات نامرد کو مرد اور مرد کو شیر مرد بنا دیتے ہیں" اور امام الطائفہ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ عند ذکر الصالحین تتنزل الرحمۃ یعنی صالحین کا جہاں ذکر ہوتا ہے وہ جگہ موردِ نزولِ رحمت بن جاتی ہے۔

(اعتذار)

ناظرین کی خدمت میں مکرر عرض ہے کہ محض اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے ارادہ تو کرلیا ہے کہ حضرت مصلح الامتؒ کی سوانح حیات بقدر اپنی طاقت کے جمع کر کے پیش کروں لیکن اس راہ کی دشواریوں کا تصور اور اللہ والوں کے حالات کی ترجمانی کا تعسر اور اس مرتبہ و مقام کی نزاکت ہمت کو کھلنے اور قلم کو لکھنے سے مانع ہو رہی ہے۔ حسن اتفاق کہ ان ہی دنوں تذکرۃ الخلیل کا مقدمہ نظر سے گذرا اور اسمیں حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھیؒ نے بھی اپنی جن دشواریوں کا ذکر فرمایا ہے

طابق النعل بالنعل بلکہ علی وجہ الاتم وہ سب کی سب اپنے راستہ میں بھی حائل نظر آئیں تو یہ اندازہ ہوا کہ اپنی یہ ہچکچاہٹ بلا وجہ نہ تھی بلکہ اگر کسی کو نہ ہو تو وہ معرض خطر میں ہے۔

تاہم یہاں اس سے اپنی اس رکاوٹ کی تائید ملی وہیں کچھ نہ کچھ پیش ہی کر دینے کیجانب رہنمائی بھی حاصل ہوئی۔ چونکہ ہر ایک کیلئے تذکرۃ الخلیل کی فراہمی اور اسکا مطالعہ آسان نہیں اس لئے اس موقع کا تھوڑا سا اقتباس ہم اسی سے یہاں نقل کرتے ہیں اور اسکو ہمارے مقدمہ کا بھی گویا جزو سمجھ لیا جائے۔ فرماتے ہیں کہ

"حضرتؒ کی (مراد اس سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبیٹھوی ہیں) سوانح کس قلب اور کس قلم سے لکھوں کہ خود یتیم اور مصدوم القلب ہوں اور ریوں بھی۔۔ سال کا زمانہ (مجروح ۱۲) گذر جانے کے سبب نہ وہ امنگ دابھار ہے اور نہ قلب وقلم میں وہ طاقت وزور کہ ہر قوت انحطاط پذیر ہے۔ مگر سمجھتا ہوں کہ اسوقت سوانح کا مقصود تمامی احوال کا استیعاب تو ہے نہیں کہ جس شخص نے اپنی عمر کے۔۔۔ سال کے ان گنت لمحات کو دینی خدمات میں صرف کیا ہوا سکا احاطہ تو وہی کرسکتا ہے جو ہر لمحہ ساتھ رہا ہوا اور ہر قول وفعل کو ضبط اور محفوظ بھی کرتا رہا ہو اور ایسا دنیا میں کوئی بھی نہیں ہے۔

بلکہ جس کے ساتھ قلوب کو محبت وعقیدت ہوتی ہے اسکی زندگی میں کسی کو یہ خیال بھی نہیں آتا کہ وہ دن بھی خدا دکھائے گا کہ یہ سایہ ہمارے سروں سے اٹھ جائے گا اور لوگ ہم سے خواہشمند ہونگے کی انکی سوانح لکھو ـــــ اسلئے جو واقعات نظر سے گذرتے بھی ہیں وہ محفوظ نہیں رہتے اور اگر انکو سوچا بھی جائے تو زلت اور غلطی کا احتمال انکو لکھنے سے روکتا ہے اور اور ان وجوہ سے صاحب سوانح کے متوسلین میں سے جن سے بھی درخواست کیجائے کہ اپنی معلومات قلمبند کر دیجئے کہ سب کو فراہم کر کے سوانح حیات مرتب کرلی جائے تو چہار طرف یا تو سکوت تھا یا یہ جواب ملتا ہے کہ ـــــ کوئی بات یاد نہیں ـــــ بایں وجہ سوانح میں کسی بزرگ کے ہزار کمالات میں سے ایک کا بھی اظہار دشوار ہے۔

البتہ محض نمونہ کے درجہ میں چند محاسن تذکرہ میں آجاتے ہیں جنکا مقصود صرف یہ ہے کہ جن قلوب میں تعلق مع اللہ کی استعداد ہے انکو اتباع کا شوق اور رغبت پیدا ہو جائے

اور یہ ذریعہ بجائے ہدایت کا اور اس نور کے شیوع کا جو بوسائط اکابر امت سلسلہ بسلسلہ قلب محمدی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی مشعل و مشکوٰۃ سے حاصل ہوا اور تا روز قیامت منور اور منتقل ہوتا رہے گا۔

پس جو کچھ بھی بن پڑا شکستہ دلی اور ہجوم قلب کے ساتھ ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں پیش کرتا ہوں اور ہم عصر حضرات سے مستدعی ہوں کہ مورخ کی مشکلات اور نااہل کی دشواریوں پر نظر فرما کر مسامحۃ اور چشم پوشی سے کام لیں اور ناقدانہ و معترضانہ نگاہ نہ ڈالیں کہ اپنے علمی و عملی ہر قسم کے ضعف کا مجھے خود اقرار ہے

جس نیت سے قلم اٹھانے کی ہمت ہوئی ہے حق تعالیٰ اسکو قبول فرمائے اور زلت قلم کو محو و معاف فرمائے تو انشاء اللہ کسی درجہ میں یہ میرے لئے نیز ناظرین کیلئے دینی بہبودی اور روحانی نفع سے خالی نہیں وماتوفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ اُنیب۔

(صے تذکرۃ الخلیل)

یہاں حضرت مولانا میرٹھی رح نے یہ جو فرمایا کہ ــــــ مقصود (کسی بزرگ کی سوانح کے پیش کرنے سے صرف) یہ ہے کہ جن قلوب میں تعلق مع اللہ کی استعداد ہے انکو اتباع کا شوق اور رغبت پیدا ہو جائے الخ ــــــ اس میں راقم کے خیال کی عین ترجمانی موجود ہے کیونکہ میرا مقصد بھی حالات مصلح الامۃ رح کے جمع و تالیف سے یہی ہے کہ حالات کے علم سے لوگوں کو صاحب سوانح کی معرفت ہو جائے اور اسکی وجہ سے انکے ارشادات، ملفوظات اور تعلیمات کی جانب التفات تام ہو تاکہ یہ ذریعہ بن سکے انکے علوم و معارف سے استفادہ کا۔ کیونکہ بزرگوں کے ارشادات اور ملفوظات کو اصلاح امت میں ایک خاص دخل ہے اور ان میں ایسی زندگی موجود ہے کہ دوسری مستقل تصنیفات اور تحریرات تک میں ویسی زندگی نہیں ہوتی اس مضمون کو حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب مدظلہٗ نے ایک موقع پر نہایت عمدہ عنوان سے بیان فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"بزرگوں کے ملفوظات اور انکی مجالس کے قلم بند کرنے کا سلسلہ ہندوستان میں بہت قدیم ہے۔ یہ ایک بڑا مبارک اور نہایت دانشمندانہ تصنیفی اقدام تھا۔ ان ملفوظات اور مجالس میں جو زندگی و بیساختگی پائی جاتی ہے وہ قدرتی طور پر علمی تصنیفات اور عام تحریرات میں نہیں

ملتی پھر زندگی کے مختلف معاملات و مسائل میں مختلف المزاج لوگوں کو ان سے جو رہنمائی حاصل ہوتی ہے اسکی توقع بھی لگے بندھے ہوئے طریقہ پر لکھی ہوئی کتابوں سے نہیں کیجا سکتی سادگی، بے تکلفی، شفقت و رعایت، نباضی و مزاج شناسی، عمومی بیماریوں اور کمزوریوں سے گہری واقفیت اور انکا صحیح علاج ہمیشہ سے بزرگان دین اور صوفیائے کرام کا شیوہ رہا ہے اور اسکا بہترین نمونہ انکے ملفوظات و مجالس میں ملتا ہے۔ ہم میں سے اکثر لوگوں کو ان اہل دل اور اہل یقین کی مجالس میں شرکت کا شرف حاصل ہوا ہے اور اکثر ان حضرات کے ارشادات و تحقیقات کو دوستوں کو سنایا تو بڑا نفع محسوس ہوا۔

یہ زبانی سلسلہ کچھ زیادہ اعتماد کے قابل نہیں حافظہ پر اعتماد اور لکھنے میں کوتاہی کی وجہ سے اس دولت کا بہت بڑا حصہ ضائع ہوگیا ہے۔ اور حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی ذات کو مستثنیٰ کر کے اکثر معاصر بزرگوں کے ملفوظات اور انکی نادر تحقیقات تلف ہوگئیں۔

(صحبتے با اہل دل ص۵۸)

مولانا ندوی مدظلہ العالی نے بالکل صحیح فرمایا کہ مشائخ اور بزرگان دین کے ارشادات اور ملفوظات (اور میں کہتا ہوں کہ اسی طرح سے انکے حالات کو اگر ضبط تحریر میں نہیں لایا جاتا تو وہ بالآخر ضائع اور تلف ہی ہوجاتے ہیں اور قید کتابت میں لانے کے بعد انکا تحفظ ہوجاتا ہے اور ہوسکتا ہے کہ کسی وقت بھی کسی اللہ کے بندے کیلئے وہ رفع تشنگی باطن کا سبب اور ذریعہ بنجائے چنانچہ ہمارے سامنے بقول مولانا ندوی مدظلہ العالی حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانوی قدس سرہٗ کی تصنیفات و تالیفات کے علاوہ آپ کے ارشادات و ملفوظات اور حالات کے ضبط کئے جانے کا نفع آج کھلی آنکھوں مشاہد ہے کہ ان سے مستفید ہونے والا بس ایسا سمجھتا ہے گویا حضرتؒ آج بھی خانقاہ تھانہ بھون میں تشریف فرما ہیں۔ یہ احساس اسی کا ثمرہ اور نتیجہ ہے کہ آپ کی ذات گو دنیا میں موجود نہیں ہے مگر آپ کی بات اور آپکے ارشادات آپکی نیابت کر رہے ہیں بقول علامہ شعرانی و نابت عنھم رسائلھم بعد موتھم فی نصح المریدین یعنی ان حضرات کے رسائل بھی انکے بعد نصح مریدین کے باب میں وہی کام انجام دیتے ہیں جو انکی زندگی میں انکی ذات سے ہوا کرتا تھا۔

الحمدللہ کہ اسی جذبہ کے تحت حضرتؒ کے حالات جمع کرنے کا داعیہ پیدا ہوا کہ لوگوں کو بھی اس شیریں گھاٹ کیجانب رہنمائی کیجائے جسکی جانب شاید انکو اب تک کسی وجہ سے کامل التفات نہوا ہو۔ چنانچہ حضرت مصلح الامتؒ کا پیغام، حضرت اقدس کی مجالس کے علاوہ حضرت کی تعلیمات و تصنیفات کے ذریعہ بھی امت تک پہونچا اور ادہر بارہ سال سے تو مسلسل رسالہ معرفت حق الہ آباد کے صفحات اسکی اشاعت میں مصروف ہیں۔ خیال ہوا کہ ہوسکتا ہے کہ "حالات" اور "سیرت" کا علم بھی شاید کسی کے لئے ان چیزوں سے استفادہ کا سبب بنجائے کیونکہ حضرت اقدسؒ کے حالات اور ملفوظات میں بڑی کشش ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ کے اس تاثر کا بھی کچھ اقتباس نقل کردوں جسے انھوں نے حضرت مصلح الامتؒ کے وصال کے چھ سال بعد خانقاہ وصی اللہی الہ آباد میں تشریف آوری پر ایک مجلس میں بیان فرمایا۔ حضرت مولانا ندوی مدظلہ سے جب مجلس میں بیان فرمانے کی درخواست کی گئی تو فرمایا کہ جو صاحب مجلس میں بیان فرماتے ہوں بیان کریں، میں بھی آخر میں کچھ کہدونگا، جو نظام یہاں کا ہو اس میں فرق نہیں ہونا چاہیئے۔ چنانچہ حضرت مولانا کے اس فرمانے پر راقم نے کچھ تھوڑا سا تعارفی بیان کیا وھو ہذا۔ میں نے عرض کیا کہ:۔

حضرات! یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ آج یہاں مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ العالی تشریف لائے ہیں۔ ہم لوگوں نے مولانا سے درخواست کی تھی کہ حضرت آج کی مجلس میں آپ ہی کچھ ارشاد فرمائیں۔ مولانا نے فرمایا کہ جس طرح مجلس ہوا کرتی ہے وہ طریقہ باقی رکھا جائے اور آپ لوگوں میں سے جو صاحب بھی بیان کرتے ہوں وہ بیان فرمائیں میں بھی آخر میں چند کلمات عرض کردونگا۔ چنانچہ حضرت مولانا کی اس خواہش کے مطابق اس وقت مولانا کی تقریر سے پہلے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

میں نے سوچا کہ اسوقت کیا بیان کروں تو دل میں یہی آیا کہ حضرت مولانا ندوی مدظلہ اور حضرت مصلح الامۃ نوراللہ مرقدہٗ کے درمیان جو مکاتبت یا مخاطبت ہوئی تھی انھیں باتوں میں سے کچھ اسوقت بیان کروں تاکہ حضرت مولانا کے سامنے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی باتیں ہوجائیں

اسلئے کہ میں نے اپنے اساتذہ سے سنا ہے کہ جب امام شافعیؒ امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مزار پر حاضر ہوئے تو لوگوں سے یہ فرمایا کہ

اعد ذکر نعمان لنا ان ذکرہ ھو المسک ما کررتہ یتضوع

یعنی ہمارے سامنے نعمان بن ثابت کا تذکرہ کرو اور بار بار کرو اسلئے کہ انکا ذکر مانند مشک کے ہے جس قدر بھی اسکو رگڑو گے اتنی خوشبو اس سے پھوٹے گی۔ اس خیال کے پیش نظر میں نے حضرت مولانا ندوی کے سامنے حضرت نوراللہ مرقدہ کا قدرے ذکر کرنا تجویز تو کرلیا لیکن اسکے ساتھ ہی ساتھ مجھے حضرت مولانا ندوی کا ایک واقعہ بھی یاد آتا ہے وہ یہ کہ حضرتؒ کی حیات میں ایک بار مولانا یہاں تشریف لائے۔ حضرت نے میرے ہی واسطے سے مولانا موصوف کے پاس یہ کہلایا کہ مولانا سے کہو کہ میں تو یہاں مجلس میں روزانہ ہی بیان کیا کرتا ہوں اب آپ تشریف لائے ہیں لہٰذا آج مجلس میں کچھ آپ ہی بیان کر دیجئے۔ مجھے یاد ہے کہ یہ سنکر مولانا نے فرمایا کہ حضرتؒ سے یہ عرض کر دیجئے کہ میں استفادہ کے لئے اور کچھ سننے کے لئے حاضر ہوتا ہوں کچھ کہنے کے لئے نہیں آتا اور یہ عرض کر دیجئے کہ میں بلاکسی تصنع کے یہ عرض کرتا ہوں کہ مجھ سے یہاں کچھ بولا بھی نہ جائے گا۔ راقم نے مولانا کا یہ جواب حضرت والاؒ سے عرض کردیا حضرتؒ مسکرا کر خاموش ہوگئے۔ انداز سے معلوم ہوا کہ اس جواب کو بہت پسند فرمایا اور اسکے بعد فوراً ہی مجلس میں تشریف لائے اور نہایت عالی مضامین بیان فرمائے۔ اس موقع پر اسی نوع کا ایک اور واقعہ مجھے یاد آیا وہ یہ کہ جب حضرت والاؒ کا قیام گورکھپور میں تھا تو ایک اور مولوی صاحب حضرت والاؒ سے ملنے کیلئے تشریف لائے حضرت نے میرے ہی واسطے سے انکے پاس بھی یہی پیغام کہلایا تو یہ دیکھا کہ وہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور خطبہ پڑھکر وعظ کہنا شروع کر دیا۔ حضرت والاؒ مکان کے اندرونی حصے میں تشریف فرما رہے تاکہ مولوی صاحب کو بیان کرنے میں کچھ تکلف نہ ہو اور مولوی صاحب نے بھی میدان خالی پاکر نہایت اطمینان کے ساتھ ایک گھنٹہ تقریر فرمائی پھر میں نے اسکا اثر یہ بھی دیکھا کہ لوگ حضرت والاؒ کی مجلس کے تأدب کیوجہ سے اٹھکر گئے تو نہیں لیکن بہت سے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ افسوس آج حضرت کے فیض صحبت سے ہم لوگ محروم رہ گئے۔ وعظ تو ہم سنا ہی کرتے ہیں اور

ایک سے ایک بڑھکر مقرر آتے ہی رہتے ہیں لیکن حضرت والا کی مجلس کی اور ہی بات ہے حضرتؒ تشریف لاتے اور خاموش ہی بیٹھے رہتے تب بھی وہ وقت ہمارا اس سے اچھا ہی گذرتا۔

میں یہ نہیں کہتا کہ ان مولوی صاحب نے کوئی غلطی کی بلکہ وجهةٌ هو مولّيها۔ انھوں نے بھی حکم والا پانے کے بعد امتثال امر کو ضروری جانا ہوگا چنانچہ الامر فوق الادب کے ماتحت تقریر کرنے کھڑے ہوگئے۔ لیکن حضرت مولانا ندوی مدظلہ نے جس تواضع اور جس تأدب اور عظمت شیخ کا ثبوت اپنے اس قول وعمل سے دیا وہ ان ہی کا مقام اور انکا خاص حصہ تھا وذلك فضل الله يؤتيه من يشآء

چنانچہ اب میرے سامنے دونوں واقعات ہیں تو مجھے بھی ڈر معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کی موجودگی میں میرا کچھ بولنا کہیں بے ادبی نہ شمار ہو اور اگر یہ نہ بھی ہو تو اسکا اندیشہ تو ضرور ہی ہے کہ آپ حضرات میں سے بہت سے حضرات یہ کہتے ہونگے کہ ہم تو مولانا علی میاں کی تقریر سننے آئے تھے یہ بیچ میں کون آگیا اور کیا بیان کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ اس ڈر اور اندیشہ کے پیش نظر میں یہ کوشش کرونگا کہ آپ کا بہت کم وقت لوں اور جو وقت لوں اس میں حضرت اقدسؒ ہی کا کچھ حال بیان کروں اسکو سنئے اور پھر حضرت مولانا کی تقریر سے مستفید ہو جئے۔

چنانچہ پہلے تو میں نے حضرت علی میاں صاحب مدظلہ کے مکاتیب سے آخر کے دو تین خطوط اور حضرت اقدس کا جواب سنایا اسکے بعد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کا تعزیت نامہ جو البلاغ کراچی میں شایع ہوا تھا وہ سنایا اور اسی طرح سے اور چند ملفوظات جو میرے پاس محفوظ تھے کیف ما اتفق سنائے (ان میں سے خطوط تو حالات میں گذر چکے ہیں اسلئے بوجہ تکرار انھیں حذف کرتا ہوں اور دوسرے ملفوظات آگے اپنے موقع پر حالات ہی میں آجائیں گے لہٰذا انکا ذکر بھی خالی از طوالت نہیں اسلئے انکو بھی یہاں حذف کرتا ہوں۔ البتہ آخر میں حضرت والاؒ کا ایک ملفوظ سنایا چنانچہ مولانا ندوی مدظلہ نے بھی اپنی تقریر کی اساس اسی کو قرار دیا اس لئے اسے نقل کرتا ہوں) ۔ میں نے عرض کیا کہ:۔

حضرت اقدس نے ایک مولوی صاحب سے دریافت فرمایا کہ "آپ نے بہت سے بزرگوں کو دیکھا ہے آپ سے پوچھتا ہوں کہ جو اتباع سنت کا بیان کر رہا ہوں اس سے کچھ

نفع آپ کو ہو رہا ہے ؟ اور یہ آپ نے کہیں پایا ہے ؟ اسکے متعلق کچھ فرمائیے؟ —
ان مولوی صاحب نے عرض کیا کہ —— " حضرت حق اور صحیح بات کہنے میں کوئی عار نہیں ہے اسلئے عرض کرتا ہوں کہ یوں جانے کو تو میں حضرت تھانویؒ کے یہاں بھی گیا لیکن اب یہ کہتا ہوں کہ وہ سب آنا جانا رسم سے زیادہ نہیں تھا اسلئے کہ دین کی حقیقت اور تصوف کی اہمیت سے قطعی ناواقف تھا ۔ لہٰذا حقیقت کی طلب سے بھی عاری تھا پھر جب دل ہی میں کسی چیز کی طلب نہ تھی وہ چیز حاصل کیسے ہوتی ؟ بس دین کی جتنی طلب تھی اسی قدر دین آسکا یعنی معمولی اور ظاہری ۔

اسکے بعد حضرت مولانا تھانویؒ نے مولانا . . . . . کی خدمت میں دیا تو وہاں بھی اصلاحِ نفس کے متعلق بعض رذائل کی نشاندھی فرمائی گئی اور یہ سمجھ میں آیا کہ یہ ضروری چیز ہے ۔ اور واقعی اصل زندگی وہی زندگی ہے جو ان حضراتؒ کی ہوتی ہے —— لیکن تصوف کا ذوق اور دین کی حلاوت اب بھی نہ پا سکا ۔ لہٰذا دنیوی ماحول سے کچھ کٹ کر معمولی نماز روزہ اور قدرے ذکر و تسبیح پر قانع رہا ۔

مگر جب سے حضرت والاؒ سے تعلق ہوا ہے اور حضرت والا کی صحبت میسّر ہوئی ہے اور ارشادات سننے کا موقع ملا تو الحمد للہ دین کی کچھ حقیقت ایمان کی کچھ حلاوت نصیب ہوئی اور تصوف اب علم سے متجاوز ہو کر ذوق کے درجے میں بھی الحمد للہ محسوس ہونے لگا ہے جہاں تک خیال کرتا ہوں نیت فاسد تو نہ حضرت تھانویؒ کے یہاں تھی اور نہ مولانا . . . . صاحبؒ ہی کے یہاں فاسد رہی مگر یہ کہہ سکتا ہوں کہ دین اور تصوف کا ذوق اور مزا یقیناً وہاں سے نہ ملا تھا ۔ فرض و سنت صرف خدا و رسولؐ کے حکم کا درجہ رکھتے تھے اس سے زیادہ انکی جانب کوئی قلبی لگاؤ اور طبعی رغبت نہ پیدا ہوئی تھی لہٰذا ضابطے ہی کا عمل رہا ۔ لیکن حضرت والاؒ کے ارشادات جب ذوق و حال کے ساتھ سنے تو اس سے حکمِ خدا محبوب اور اور سنتِ رسول لذیذ ہو گئی ۔ چنانچہ اب الحمد للہ ان دونوں پر عمل ذوق کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ بات حقیقتِ مسلمہ کے طور پر ذہن نشین ہو گئی کہ حقیقی تصوف دراصل اتباعِ سنت ہی کا دوسرا نام ہے اور نسبتِ احسان ایمان ہی کی ایک دوسری تعبیر ہے ۔

اگر یہ صحیح سمجھا ہوں تو حضرت والا سے درخواست ہے کہ ان امور کے باقی رہنے بلکہ ان کے مزید ترقی اور توفیق کی دعا فرمائیں"۔

(حضرت مصلح الامۃؒ کا جواب)

"فرمایا کہ آپ نے جو فرمایا ہے سب بالکل صحیح ہے اس سلسلہ میں ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ آپ نے جو یہ بیان کیا ہے کہ "نماز روزہ محض رسمی طور پر کرتا رہا"۔ تو اسکے متعلق کہتا ہوں کہ ایک آپ ہی نہیں ہیں بلکہ آج عام لوگوں کا یہی حال ہو گیا ہے کہ تھوڑا بہت حصہ جو دین کا حاصل کر لیا ہے تو وہ بھی رسم سے زیادہ نہیں ہے۔ اس لئے اتباع سنّت پر زور دیا کرتا ہوں۔ اس سے میرا مقصد یہی ہوتا ہے کہ جتنا حصہ بھی دین کا کسی کو حاصل ہو تو چاہیئے کہ وہ ایسیں مخلص ہو یعنی رسم سے نکل چکا ہوا اور یہ چیز بدون اتباع سنت کے پیدا ہونا مشکل ہے۔ اسلئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دین پیش فرمایا وہ تھا تو یہی نماز روزہ لیکن رسمی نہیں تھا بلکہ اس میں حقیقت تھی آج دیکھتا ہوں کہ ——— لوگ مشائخ کے ملفوظات پر گرے پڑتے ہیں گر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی جانب ذرا التفات نہیں۔ اسی ترک سنّت کی نحوست ہے کہ باوجود ظاہری دین ہونے کے لوگوں میں جاذبیت نہیں رہ گئی۔ جو کام کرتے ہیں وہ روح سے خالی جو بات کہتے ہیں وہ تاثیر سے خالی ہوتی ہے"۔

بس مجھے جو کچھ عرض کرنا تھا عرض کر چکا۔ اب میں حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ سے درخواست کرونگا کہ وہ اپنے ارشادات اور نصائح سے ہم لوگوں کو مستفید فرمائیں۔

(حضرت مصلح الامۃؒ کی خانقاہ میں مولانا علی میاں صاحب مدظلہ کی تقریر)

خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا کہ ——— اما بعد۔ حضرات! جن لوگوں کو کسی مدرسہ میں پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے یا وہ کسی بزرگ کی خدمت میں استفادہ اور تربیت کیلئے حاضر ہوئے

ہیں انکو اسکا بخوبی اندازہ ہوگا کہ زمانہ خواہ کتنا ہی گذر جائے اس طالب علم کے لئے اپنے مدرسہ میں کھڑے ہوکر کچھ بیان کرنا یا اس جگہ جہاں وہ استفادہ کے لئے حاضر ہوا کرتا تھا کچھ عرض کرنا کتنا مشکل کام ہے۔

میری مثال بالکل ایسی ہی ہے اسلئے کہ میں ہمیشہ اپنے بزرگوں کی خدمت میں اور خصوصاً اس آخری دور میں حضرت مولانا (شاہ وصی اللہ صاحبؒ) کی خدمت میں محض اسلئے آتا تھا کہ کوئی ایسی بات سننے میں آوے جس سے دل میں کچھ کیفیت پیدا ہو، یقین میں اضافہ ہو اور ایمانی حلاوت نصیب ہو اور رسم وصورت میں حقیقت پیدا ہو۔

بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو لوگ کچھ لکھ پڑھ جاتے ہیں یا انکو کچھ تصنیف وتالیف کا اتفاق ہوتا ہے اور انکی طرف کچھ نگاہیں اٹھنے لگتی ہیں، کہ ہم بھی کچھ جانتے بوجھتے ہیں تو پھر انکو اب کچھ سننے کی اور کہیں جانے کی اور کسی سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت نہیں تو انکا یہ خیال بالکل صحیح نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی دور میں بھی اور کسی عمر میں بھی، گمنامی اور شہرت کی کسی حالت میں بھی استفادہ سے بلکہ اصلاح سے مستغنی نہیں ہوتا۔ ہمہ شما کا تو خیر کیا ذکر ہے جن کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جیسی صحبت حاصل تھی جسکو کیمیا اثر کہنا بھی حقیقت میں اسکی کچھ تعریف نہ ہوگی بس یوں سمجھئے کہ ایسی پاک صحبت جس کے بعد کسی صحبت کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا اور کوئی صحبت اس سے بڑھکر موثر نہیں ہوسکتی مگر پھر بھی صحابۂ کرامؓ کو آپ کے بعد ہمیشہ اس بات کی فکر وطلب رہتی تھی کہ اپنے ایمان میں اضافہ کریں اور ہمارے قلوب میں وہی سوز وگداز اور وہی کیفیات پیدا ہوں جو صحبت نبوی میں حاصل ہوا کرتی تھیں یا کم از کم اسکا اثر یا عکس ہی نصیب ہو جائے۔ چنانچہ بخاری شریف میں ایک جلیل القدر صحابی کا قول امام بخاریؒ نے نقل کیا ہے "اجلس بنا نؤمن ساعۃً" آؤ بھائی تھوڑی دیر بیٹھکر ذرا ایمان کی باتیں کریں اور ایمان کا مزا اٹھائیں، ایمان کے جھونکے آئیں اور ہم اس سے لطف اندوز ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ کو اسکی ضرورت محسوس ہوئی تو بعد والے کیونکر اس سے مستغنی ہو سکتے ہیں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے اور جن لوگوں کو تجربہ ہے وہ جانتے ہیں کہ کہنے سننے سے آدمی کے قلب میں ضرور ایک بے کیفی سی پیدا ہو جاتی ہے اور اس

ہیں کہنا' سننے سے زیادہ اثرانداز ہوتا ہے۔ سننے سے اتنی بے کیفی قلب میں نہیں پیدا ہوتی ہے جتنی کہنے سے ہوتی ہے۔ اسلئے ایسے آدمی کو اسکی زیادہ ضرورت ہے کہ کبھی وہ سامع ہوں قائل نہوں اور کبھی صرف مستفید ہوں' مفید نہوں، اور کبھی صرف مخاطَب ہوں، مخاطِب نہ ہوں اور ہمہ تن گوش ہو کر کسی اللہ والے کی باتیں سنیں تاکہ قلب میں ایسا کیف پیدا ہو جس سے قلب کی زندگی ہے۔

غرض جن لوگوں کو ذرا بھی تجربہ ہے اور انکے قلوب مردہ نہیں ہو چکے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ انکو دوسروں سے ہزار درجہ زیادہ اپنے ایمان کو تازہ کرنے کی ضرورت ہے اور اللہ والوں کی بات ادب و تعظیم کیساتھ سننے کی حاجت ہے۔ اگر وہ سمجھیں کہ ہم مستغنی ہیں یا ہم بھرے ہوئے ہیں تو ان سے زیادہ محروم و بدقسمت کوئی نہیں۔ بزرگان دین نے اسکی ایسی مثال بیان فرمائی ہے کہ اگر کوئی فقیر اسطرح صدا لگائے کہ یوں تو میرے پاس سب کچھ ہے ہمارا کشکول بھی بھرا ہوا ہے پھر بھی صدا لگاتا ہوں تو بڑے سے بڑے سخی کے اندر بھی سخاوت کا جذبہ نہیں پیدا ہوگا۔ اسکے لئے تو اسبات کی ضرورت ہے کہ اپنے کو محتاج ظاہر کیا جائے۔ یہی حال اب یہاں بھی ہونا چاہئے (یعنی اللہ والوں کے یہاں کہ) ان حضراتؒ کے یہاں اسطرح حاضر ہونا چاہئے کہ ہم بالکل خالی ہیں مفلس و محتاج بنکر آپ کی خدمت میں کچھ لینے کے لئے آئے ہیں ؎

مفلسانیم آمدہ در کوئے تو — شیئاً للہ از جمال روئے تو
دست بکشا جانب زنبیل ما — آفریں بردست وبربازوئے تو

واقعہ یہ ہے کہ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد مجھے اسکی ضرورت محسوس ہوتی تھی کہ میں ایسے حضرات کی خدمت میں حاضری دوں ——— اور پھر ایسے دور میں اور ہمارے جوار میں حضرت مولاناؒ سے زیادہ شفقت کرنیوالا میری نظر میں کوئی نہیں تھا اور مناسبت کی بات تو بالکل غیر اختیاری ہے اسکے لئے کوئی معلوم اور متعین اصول نہیں ہیں۔ کیوں ہوتی ہے؟ کب ہوتی ہے؟ کیسے ہوتی ہے؟ اسکے اصول تو کسی بڑے سے بڑے حکیم نے بھی نہیں بتائے۔ تو مناسبت من جانب اللہ ایک چیز ہے۔

بہر حال حضرتؒ کی صحبت سے مجھے فائدہ ہوتا تھا ۔۔۔ حضرتؒ کی شفقتوں کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں وہ تو ہمارے دوستوں کو اور یہاں کے حاضر باش بزرگوں کو یاد ہونگی ـــــ باقی سب سے بڑا فائدہ یہاں کی حاضری میں مجھے یہ ہوتا تھا (جسکی شاید آپ حضرات توقع نہ کرینگے وہ یہ) کہ معلوم ہوتا تھا کہ ہم یہاں بالکل عامی ہیں اور گنوار ہیں۔ ہمیں ان چیزوں کی ہوا بھی نہیں لگی۔ اور یہ کہ دین کی حقیقت ان ہی حضرات کے یہاں آکر معلوم ہوتی ہے۔ اگر کوئی اور فائدہ نہ ہوتا سوا اس اصولی اور کلی فائدے کے تو سب سے بڑا فائدہ یہی تھا کہ کہیں تو آدمی کو یہ معلوم ہو کہ وہ کچھ نہیں جانتا۔ کہیں تو آدمی کو معلوم ہو کہ وہ محتاج ہے ـــــ تو سب سے بڑی چوٹ جو یہاں آکر دماغ پر لگتی ہے وہ یہ کہ ہم تو بالکل عامی اور جاہل ہیں۔ ہمیں تو صرف نقوش آتے ہیں۔ باقی دین کی حقیقت تو اس سے ہم بہت دور نظر آتے ہیں۔ اسی کو اقبالؒ نے کسی کے متعلق کہا ہے ؎

سرِّ دیں ما را خبر اُو را نظر ۔۔ اُو درونِ خانہ ما بیرونِ در

یعنی ہمارے لئے دین کی حقیقت سنی سنائی چیز ہے اور ان کے لئے جانچی پرکھی دیکھی بھالی اور چکھی ہوئی چیز ہے وہ گھر کے اندر ہیں اور ہم گھر سے باہر۔ غرض بزرگان دین کے یہاں جا کر آدمی کی سمجھ میں یہ بات آجاتی ہے خاصکر پڑھے لکھے لوگوں کی سمجھ میں کہ ہمیں اپنی صورت میں حقیقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے اور اپنے قالب میں روح پیدا کرنے کی حاجت ہے۔ یہ سب سے بڑا فائدہ ہے (اسی سلسلہ میں فرمایا) ـــ مجھے یاد ہے کہ حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ نے جب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے رجوع کیا تو انکے بہت سے عالی معتقدین کو ناگوار ہوا اور سید صاحب سے احتجاج کیا کہ ہماری جماعت کی ایک طرح کی سبکی ہوئی کہ ہم نے تو آپ کو بڑا بنایا تھا گویا آپ شیخ الکل تھے اور ہر چیز میں آپ امام کا درجہ رکھتے تھے اور آپنے دوسرے کا دامن پکڑ لیا تو اس سے ہماری خفت ہوئی اس پر ایکدن سید صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ عجیب لوگ ہیں ایکطرف تو میرے معتقد بنتے ہیں دوسری طرف مجھ ہی پر اعتماد نہیں کرتے یعنی میں اپنا فائدہ سمجھکر وہاں گیا تو انکو اس سے اختلاف ہے گویا میرے استاذ بنکر مجھکو مشورہ دیتے ہیں کہ آپ کہاں چلے گئے؟ اسکا مطلب تو یہ ہوا کہ میں ان سے پوچھکر وہاں جاتا میں تو اپنا فائدہ اسمیں دیکھتا ہوں اور آپ کی خاطر وہاں نہ جاؤں گویا اس دولت سے میں محروم رہوں۔

ان حضرات کے یہاں جو باتیں ملتی ہیں وہ صرف نکتے اور موشگافیاں نہیں ہیں وہ تو ذہانت کا نتیجہ ہیں (اسکے بعد مولانا نے ذہانت کے چار درجے قائم کر کے انکا ذکر فرما کر آخر میں ارشاد فرمایا کہ) جو ذہانت کا آخری درجہ ہے وہ روح کی ذہانت ہے۔ یہ روح کی ذہانت ایسی لطیف ہے کہ اسکا بیان الفاظ میں مشکل ہے۔ جہاں سرحدیں ختم ہوتی ہیں دماغ کی ذہانت کی (جس سے پہلے زبان کی ذہانت کا درجہ تھا) وہاں سے قلب کی ذہانت شروع ہوتی ہے۔ اور جہاں قلب کی ذہانت کی سرحد ختم ہوتی ہے وہاں سے روح کی ذہانت کی سرحد شروع ہوتی ہے اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کے ان مخلص اور مقبول بندوں کو حاصل ہوتی ہے جن سے اللہ تعالیٰ تربیت کا کام لیتے ہیں۔ اسمیں سامنے ہونا نہونا، مسافت کا قرب و بعد۔ معرفت و عدم معرفت سب برابر ہے۔ کوئی چیز اسکے لئے شرط نہیں۔ ان حضرات کی روح اتنی براق اتنی سریع الادراک ہوتی ہے کہ بلا کسی شرط کے خیر و شر کی تمیز انکو حاصل ہو جاتی ہے خصوصی طور پر ان حضرات کے یہاں جو چیز مجھے محسوس ہوتی ہے وہ یہی ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا مجھ پر بہت فضل ہے کہ بغیر کسی وجہ کے جسکی وجہ مجھے خود نہیں معلوم اللہ تعالےٰ نے ایسے بندوں کے پاس مجھے پہونچا دیا

(حضرت) مولانا الیاس صاحبؒ کے یہاں ہم نے روح کی ذہانت کے کھلے نمونے دیکھے، اور پھر حضرت (شاہ وصی اللہ صاحب) رحمۃ اللہ ہیں۔ میں نے (ان دونوں بزرگوں میں) بہت زیادہ مشابہت دیکھی۔ اگرچہ اللہ تعالےٰ نے ان دونوں بزرگوں سے الگ الگ کام لیا۔ ذوق بھی دونوں کا الگ الگ تھا لیکن بہت سی چیزوں میں مشارکت تھی خصوصاً قلب کی ذہانت اور روح کی ذہانت میں

(راقم عرض کرتا ہے کہ واقعی حضرت علی میاں مدظلہٗ نے جس بات کو اللہ تعالیٰ کا فضل فرمایا یعنی بزرگوں کی معرفت اور انکی صحبت و معیت کی سعادت بلاشبہ وہ فضل خداوندی ہی ہے جس بندہ کو نصیب ہو جائے ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت اقدسؒ کی خدمت میں بہت سے علماء پہونچے مگر ایسی بات کسی نے نہیں کہی۔ اور مولانا

علی میاں صاحب مدظلہ کو جتنا موقع حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے مستفید ہونے کا ملا تھا شاید اتنی صحبتیں حضرت والاؒ کی نہ ملی ہونگی مگر اللہ تعالےٰ نے چونکہ دیدۂ بینا سے نوازا تھا (جسے چاہیئے تو خود مولانا مدظلہ کے الفاظ میں ذہانت دماغی وقلبی کہہ لیجئے) اس کے ذریعہ مولانا نے کیا عمدہ بات فرمائی کہ یہ دونوں بزرگ باوجود ذوق اور اپنا اپنا میدان کار علحدہ رکھنے کے بہت سی باتوں میں ایک دوسرے سے مشابہ تھے بالخصوص قلبی اور روحی ذہانت میں توان دونوں میں کمال یکسانیت تھی جو بطور خود اگر ہمکو نظر نہ آئے تو مولانا کے اعتماد پر اسکی تصدیق توکرنی ہی چاہیئے) آگے مولانا علی میاں مدظلہ فرماتے ہیں :۔

بہر کیف میں ان حضرات کے یہاں اسلئے آیا کرتا تھا کہ کبھی تو اس نفس پُر رعونت اور فریب خوردہ کو یہ محسوس ہوکہ وہ کچھ نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے بڑھکر آدمی کیلئے کوئی چیز خطرناک نہیں ہے کہ اسکو کبھی یہ محسوس نہو کہ کوئی کوچہ ایسا بھی ہے جس سے وہ واقف نہیں اور خاص طور سے دین کے متعلق اگر یہ ذہن میں آجائے کہ مجھے سب معلوم ہے اور اب مجھے کسی کے پاس جانے کی ضرورت نہیں تو اس سے زیادہ خطرناک کوئی چیز نہیں ہے۔ ایسا آدمی جو بھی دعویٰ کردے بعید نہیں ہے اور اسی طرح کے لوگوں نے دعویٰ کیا بھی ہے۔ ان لوگوں نے دعویٰ نہیں کیا جو پہاڑ کے نیچے کھڑے تھے کہ جب سر اٹھاتے تو دیکھتے کہ آسمان بھی بہت اونچا ہے بلکہ جو لوگ سمجھے کہ ہم پہاڑ کی چوٹی پر پہونچگئے ہیں انھوں نے دعویٰ کیا ہے۔ انسان کے لئے اس سے بڑھکر کوئی چیز محافظ نہیں اور اس پر یہ بڑا فضل ہے کہ اس کو یہ معلوم ہو کہ دین کی ایسی جگہیں بھی ہیں جہاں جاکر دین کی وہ باتیں سننے یا دیکھنے میں آسکتی ہیں جس سے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ ہمارا میدان نہیں اور یہاں ہمارا گذر نہیں۔

کوئی شخص اگر ایسا ہو کہ بولنے پر آئے تو بولتا جائے اور لکھنے پر آئے تو لکھتا جائے اور دنیا بھر کے لوگ ملکر اسکی تعریف کرنے لگیں تو اس سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ "سرِ دین" جسکو علامہ اقبالؒ نے کہا ہے اسکو تلاش کرنے کی ضرورت ہے اور

وہ اللہ کے ان خاص بندوں ہی کے پاس ہوتا ہے ۔ یہی چیز تھی جسکی وجہ سے حضرت ملا نظام الدین بانیٔ درس نظامیہ نے سید عبدالرزاق بانسویؒ کا دامن پکڑا جو بالکل ہمارے بارہ بنکی اور لکھنؤ کے دیہات کی بولی بولتے تھے جیسے آوت ہے جاوت ہے (یعنی آتا ہے جاتا ہے) یہ تو انکی زبان تھی مگر ملا نظام الدین کا حال یہ ہے کہ مناقب رزاقیہ میں دیکھتے چلے جائیے تو معلوم ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو انکے سامنے بالکل ہیچ سمجھ رہے ہیں۔

اور آپ ہر دور میں اسکی مثال دیکھیں گے تیرھویں صدی میں مولانا عبدالحی صاحبؒ جنکو شاہ عبدالعزیز صاحبؒ خود شیخ الاسلام کا لقب دیتے ہیں اور مولانا شہیدؒ جنکو شاہ صاحبؒ ، حجۃ الاسلام کے لقب سے یاد کرتے تھے ۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام مولانا عبدالحی اور حجۃ الاسلام مولانا اسمٰعیل شہید دہلوی اگرچہ یہ دونوں میرے عزیز ہیں اور مجھ سے چھوٹے ہیں مگر اظہار حق واجب ہے اسلئے کہتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں کو وہ مقام عنایت فرمایا ہے کہ جو کم تر کسی کو حاصل ہے ۔ نیز فرماتے ہیں کہ انکو مجھ سے کم نہ سمجھو ۔ تو ان لوگوں کو دیکھئے کہ سید شہید رحمۃ اللہ علیہ سے رجوع ہوئے جو کہ امی تو نہیں تھے مگر محض فارسی داں تھے اور انکا یہ حال تھا کہ مشکوٰۃ کا مطالعہ کرتے تھے اور جو کوئی پاس سے گذرتا اس سے پوچھتے ارے بھائی اس لفظ کے کیا معنیٰ ہیں ذرا بتاتے جائیے ۔ ان کا علم یہ تھا اور مولانا عبدالحیؒ سے تو انھوں نے پڑھا بھی تھا اس کے باوجود ان دونوں حضرات نے سید صاحبؒ کی رکاب جو تھامی ہے تو مرتے دم تک نہیں چھوڑی جب کوئی پوچھتا کہ آپ لوگوں نے سید صاحبؒ میں کیا بات دیکھی جسکی وجہ سے انکی طرف رجوع کیا ؟ حالانکہ وہ علم میں بھی آپ کے مقابلے میں کوئی مقام نہیں رکھتے ۔ تو فرماتے بھائی ہم کو نماز پڑھنی بھی نہ آتی تھی انھوں نے نماز پڑھنا سکھایا ۔ روزہ رکھنا نہ آتا تھا انھوں نے روزہ رکھنا سکھایا

نیز فرمایا کہ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ جیسی اور بہت سی چیزیں ہیں یہ بھی

ضروری ہے کہ کوئی جگہ ایسی ہو جہاں پڑھے لکھوں کو بھی جا کر معلوم ہو کہ میں کچھ نہیں ہوں۔ اگر خدانخواستہ ایسی جگہیں ختم ہوگئیں اور ایسے اللہ کے بندے نہ رہے اگر صرف مدعیان علم رہ گئے اور ہم جیسے لوگ رہ گئے جن کے متعلق لوگ معلوم نہیں کیا کیا سمجھتے ہیں تو یہ بڑے خطرے کی بات ہے۔ ع

عالم نشود ویران تا میکدہ آباد ست

اللہ کا بہت بڑا فضل ہے کہ کچھ ایسے حضرات موجود ہیں جہاں نہ کسی خوش بیانی کی ضرورت اور نہ کسی بڑے وسیع مطالعہ کی حاجت۔ یہ سب چیزیں تو ہر جگہ موجود ہیں۔

میں تو کہا بھی کرتا ہوں اور اس میں میں تنہا نہیں ہوں کہ آجکل کے علماء کے وعظ میں میرا جی نہیں لگتا۔ جلسے کی تحقیر اور علماء کی تنقیص نہیں کرتا اور اسکے فائدہ کا بھی انکار نہیں۔ لیکن خدا جانے کیا بات ہے اسکو بیماری ہی سمجھ لیجئے کہ میرا جی نہیں لگتا۔ ہمارا جی تو بس ایسے وعظ میں لگتا ہے جسمیں خالص اللہ و رسول ﷺ کی بات پرانے انداز سے کہی جائے اور جنت و دوزخ کا تذکرہ کیا جائے

چنانچہ جب یہ حضرات تقریر کرتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ نہ یہ کتابی علم ہے نہ کتابوں کی باتیں ہیں بلکہ یہ عملی باتیں ہیں سیدھی سادی دین کی باتیں اور ایسے انداز سے کہی جاتی ہیں کہ ہم کو بھی اس سے فائدہ ہوتا ہے۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ کی خدمت میں بھی ہم جب آتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ جو کچھ فرما رہے ہیں وہ حقیقت ہے اور انکے یہاں لُب لباب ہے۔ یہ نہیں کہ ایک چیز کو خوب پھیلا کر بیان کیا جا رہا ہے۔ یہ چیز تو ہم کو دوسری جگہ نہیں ملتی۔ ہمارے یہاں کتب خانے ہیں اور دوسرے ذرائع ہیں جن سے ہم کسی بھی مضمون کو پھیلا سکتے ہیں لیکن ان حضرات کے یہاں جو حقائق ہیں انکی نوعیت ہی کچھ اور ہے۔

آخر میں مولانا جامی صاحب نے ایک عالم کا جو مکالمہ جو سنایا (جس میں یہ ذکر ہے کہ انھوں فرمایا کہ میں اور جگہوں پر گیا وہاں یہ چیز محسوس نہ ہوئی جو حضرتؒ

کی خدمت میں آکر محسوس ہوئی، اسکے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ بزرگوں کے یہاں کوئی نیا دین، کوئی نیا علم، کوئی نئی تحقیق، کوئی نیا انکشاف نہیں ہے اس بارے میں بھی لوگ بہت غلط فہمی میں ہیں۔ معلوم نہیں کیا سمجھتے ہیں کہ بزرگان دین کے یہاں جاکر کیسے کیسے دین کے اسرار و نکات اور عجیب عجیب تحقیقات سننے میں آئیں گی تو یہ بھی ہوتا ہے، چنانچہ محی الدین ابن عربی کے یہاں۔ مجدد الف ثانیؒ اور شیخ مخدوم یحییٰ بہاری کے یہاں تو ایسے ایسے نکات ہیں کہ بڑے بڑے فلسفی انکے سننے کے بعد کان پکڑ لیں اور سمجھیں کہ ہمیں تو علم کی ہوا بھی نہیں لگی۔ لیکن ان حضرات کے یہاں سے جو چیز لینے کی ہے وہ یہ کہ صورت اور رسم میں حقیقت پیدا کی جائے۔ اور میں تو سمجھتا ہوں کہ یہی خلاصہ بھی ہے تصوف کا۔ جسکا مطلب گویا بس اسکے سوا کچھ نہیں کہ نماز تو پڑھتے ہیں صحیح نماز پڑھنے لگیں، اور دین کے سارے شعبوں میں حقیقت نہیں تھی، نیت صحیح نہیں تھی، اخلاص صحیح نہیں تھا۔ رخ صحیح نہیں تھا۔ حقیقت پیدا ہو جائے اور نیت درست ہو جائے اور اللہ کی رضا کے لئے ہم اسکو کرنے لگیں اور شریعت کے احکام کی تلاش اور انکا اہتمام پیدا ہو جائے نیز انکا ادب واحترام پیدا ہو جائے۔ احکام شرعیہ کا اہتمام اور ادارا انتظام یہ یہ دونوں ہی چیزیں ضروری ہیں۔ بس یہ ہے تل اوٹ پہاڑ جس کے بارے میں لوگ سمجھتے ہیں کہ تصوف پتہ نہیں کیا چیز ہے اور تصوف کی حقیقت جو میں بیان کر رہا ہوں اسمیں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔

حضرت مولاناؒ کی تصنیف "نسبت صوفیہ" اس سلسلہ کی بہترین چیز ہے میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا پھر کہہ رہا ہوں کہ یہ کتاب اس قابل ہے کہ دوسری زبانوں میں بھی اسکا ترجمہ کیا جائے اور علماء خاص طور پر اسکو پڑھیں کیونکہ تصوف کی اصلاح نے ہی نے اس پر پردہ ڈالدیا ہے۔ لہٰذا بجائے تصوف کے جیسا کہ حضرت مولاناؒ کا معمول تھا اسکو "نسبت احسان" یا حقیقت سے تعبیر کیا جائے۔ اگر سب حضرات

ملکر اس بات کو قبول کریں اور گو یہ کام مشکل ہے لیکن اگر ہو جائے تو کیا خوب ہے کہ منکرین تصوف سے ہمارا آدھا اختلاف تو اسی سے ختم ہو جائے گا۔

نیز فرمایا کہ تصوف کا لب لباب اور خلاصہ یہی ہے کہ جو کچھ ہم صبح سے شام تک کرتے رہتے ہیں بغیر کسی نیت اور بغیر کسی احتساب کے وہ ہم احتساب اور نیت کے ساتھ کرنے لگیں ہمارے اندر اصلیت پیدا ہو جائے نیز اسکی اہمیت پیدا ہو جائے۔ گویا نمک ہے مگر اس میں نمکینی نہیں ہے شکر ہے مگر اس میں مٹھاس نہیں ہے مٹھاس پیدا ہو جائے۔ پانی ہے لیکن اس میں برودت اور تسلی دینے کی، پیاس بجھانے کی صلاحیت نہیں، وہ ایسا ہو جائے کہ اس سے ہمارا حلق تر ہو رہا ہو، ہمارا رونگٹا رونگٹا تر ہو رہا ہو اور ہر بُن مو سے اللہ کا شکر ادا ہو۔ ہمارے اور پانی کے درمیان جو رشتہ ہے حقیقت میں وہ ٹوٹ گیا ہے پانی بھی موجود ہے اور ہم بھی ہیں لیکن پانی سے جو فائدہ ہم کو پہونچنا چاہیئے وہ نہیں پہونچ رہا ہے اسمیں پانی کا نقص کم اور ہمارا نقص زیادہ ہے۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ ہمارے اور اسکے درمیان پل ٹوٹ گیا ہے۔ پل تعمیر کر لیجئے کہ پانی اپنا کام کرنے لگ جائے۔ اللہ کی نعمتیں بٹ رہی ہیں اللہ کی دنیا بالکل اسی طریقے سے ہے جیسی تھی لیکن اس سے استفاذے کے جو وسائل تھے وہ کمزور ہو گئے ہیں بقول اکبر مرحوم

اللہ کی راہ ہے اب تک ہے کھلی آثار و نشاں سب قائم ہیں
اللہ کے بندوں نے لیکن اس راہ پہ چلنا چھوڑ دیا)

یہی حال دین کی نعمتوں کا ہے۔ قرآن وہی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات وہی۔ احکام شرعیہ سب وہی اور ان پر اللہ کے جو وعدے ہیں سب برحق لیکن ہمارے اور ان کے درمیان جو رشتہ ہونا چاہیئے تھا، اعتقاد کا، یقین کا، بھروسے کا اور شوق کا وہ ٹوٹ چکا ہے اسی کو پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

بس یہی چیز ان حضرات سے لینے کی ضرورت ہے اور اسی کے وہ امام

تھے۔ انکی تحریریں اور انکے ملفوظات اور ارشادات اب بھی موجود ہیں اور ان میں وہی تاثیر ہے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ نے جو گرامی نامہ میرے نام تحریر فرمایا تھا اس میں خواجہ محمد معصومؒ کی ایک عبارت بھی نقل فرمائی تھی جسمیں ہے فَفِرُّوا اِلَی اللہ میں نے جب حضرتؒ کا وہ خط پڑھا تو مجھ پر کئی دن تک اس کا اثر رہا خواجہ محمد معصومؒ کا مضمون بالکل ایسا معلوم ہوا کہ ایک زندہ چیز ہے اور ابھی کسی اللہ کے بندے نے لکھا ہے۔ ایک تو حضرت خواجہ محمد معصومؒ کی تحریر پھر حضرتؒ کا اسکو نقل کرنا ان دونوں باتوں کے امتزاج سے اس میں اثر ہی دوسرا تھا۔

اور آخر میں فرمایا کہ ـــــ خدا کا شکر ہے "جائے بزرگاں بجائے بزرگاں" آج حضرتؒ تو نہیں ہیں مگر حضرتؒ کے جو معمولات تھے اور ان کے اصلاح و تربیت کا جو طریقہ تھا وہ آپ حضرات نے اللہ کے فضل اور اسکی توفیق سے جاری رکھا ہے اور حضرت رحمۃ اللہ کی یہ مقبولیت اور خصوصیت ہے ورنہ بہت سی جگہ دیکھا کہ جب وہ بزرگ اٹھ گئے تو سب چیزیں ختم ہوگئیں اور وہ جگہ خالی ہوگئی سوا اسکے کہ جاکر زیارت کر لیجئے۔ کوئی پیغام وہاں نہیں ملتا اور دل کی دوا وہاں نہیں ملتی۔ بزرگوں نے اسی موقع کیلئے یہ مصرع پڑھا ہے ؏

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

چنانچہ جہاں جائیے یہی نظر آتا ہے کہ جن کی دوکان تھی وہ واقعی بڑھا گئے لیکن خدا کا شکر ہے کہ آپ نے حضرتؒ کے کام کو جاری رکھا رسالے کے ذریعہ، مجلسوں کے ذریعہ خطوط کے ذریعے اور حضرتؒ کے جو جو افادے کے طریقے تھے اس کے ذریعہ آپنے ان چیزوں کو باقی رکھا۔ بیشک دین زندہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیشہ اسکا انتظام رہے گا کہ حقیقی دین باقی رہے اور وہ زندہ انسانوں کے ذریعہ سے زندہ رہے گا۔

لہٰذا اب اسکی دعا رہے کہ اللہ تعالیٰ ان تحقیقات اور ملفوظات کے

ساتھ ساتھ ان کے سلسلے اور ان کے خاندان اور ان کے دوستوں کو اسکی توفیق دیتا رہے کہ وہ اس کام کو جاری رکھیں اور خود ان سے بھی دوسروں کو وہی پیغام ملتا رہے اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے اور یہ فیض جاری رہے۔

آپ کا یہ شہر تو ہمیشہ سے مرکز رہا ہے اور یہاں کیسے کیسے اللہ کے بندے ہوئے ہیں اور آخر میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی جگہ کا انتخاب فرمایا اور وہ چیز زندہ ہوگئی ؎

ہنوز آں ابر رحمت درفشاں است — خم و خمخانہ با مہر و نشاں است

الحمد للہ کہ ابھی خم و خمخانہ مہر و نشان کے ساتھ باقی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ حضرتؒ کے بعد اتنے دن گذر جانے کے باوجود بھی الحمد للہ جگہ خالی نہیں ہے اور یہاں سے وہی پیغام ملتا ہے اور وہی بات کہی جاتی ہے۔ بس اب ختم کرتا ہوں۔ ع۔

اللہ رکھے آباد اں ساقی ترا میخانہ

راقم عرض کرتا ہے کہ اسی سلسلہ کی یہ "سیرت" بھی ایک کڑی ہے اللہ تعالیٰ ان ناتواں ہاتھوں سے اسکی تکمیل فرما دے اور سب سے پہلے اس احقر کو اور پھر جملہ ناظرین کو اسکے فیض و برکات سے نوازے اور حضرت رحمۃ اللہ کے نور عرفان سے ہم سب کے قلوب کو منور فرما دے

اب آخر میں حضرت مولانا عبد الباری صاحبؒ کا ایک خط اور اسکا جواب جو دعا اور توجہ پر مشتمل تھا اور اس میں شک نہیں کہ میرے لئے سبب ہمت افزائی بھی بنا پیش کرتا ہوں اور اسکو بھی جزو مقدمہ بناتا ہوں۔ وہو ہذا۔

(حضرت مصلح الامۃؒ کی سوانح حیات کے سلسلہ میں)

(ایک بزرگ کی مسرت۔ دعا اور ایک زرّین مشورہ)

حضرت اقدس مصلح الامۃ قدس اللہ سرہ کے حالات کے جمع کرنے کا جب شروع شروع خیال پیدا ہوا اور اسکی پہلی قسط معرفت حق میں نکلی اور وہ شمارہ حضرت مولانا عبد الباری صاحبؒ ندویؒ کی خدمت میں بھی پہونچا تو مضمون کو سنکر حضرت مولاناؒ نے جناب قاری محمد مبین صاحب جانشین حضرت مصلح الامۃؒ کے پاس ایک خط بھیجا

چونکہ مولانا موصوف کا یہ خط غایت اخلاص اور حضرت مصلح الامۃ رح کی عظمت اور حضرت کی تعلیمات کی افادیت اور اسکی اشاعت کی ضرورت پر مشتمل تھا اسلئے جناب قاری صاحب مدظلہٗ کے مشورہ سے جی چاہا کہ اسکو بھی جزو سوانح بنا دیا جائے کہ معاصر اہل علم میں سے سب سے پہلے مولانا موصوف نے ہی اس سوانح کے لکھے جانے کی پرزور تائید، دعا اور اس سلسلہ میں اپنے زریں مشورہ سے نوازا تھا بلکہ عملاً بھی شرکت کیلئے تیار ہو گئے تھے اللہ تعالیٰ انما الاعمال بالنیات کی رو سے مولانا کو بھی اس تالیف کے اجر و ثواب میں شریک فرما دے اور مولانا کے اس صدق تعلق اور صادق تواضع سے ہم سب کو بھی حصہ وافر نصیب فرمائے۔

اب حضرت مولانا ندوی رح کا خط اور حضرت قاری محمد مبین صاحب مدظلہٗ کا جواب ملاحظہ ہو۔

مخدوم زادہ ام (اے میرے مخدوم زادے: از مرتب)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کے "تازہ" "معرفت حق" سے یہ معلوم کرکے مسرت بھی ہوئی کہ آپ حضرات حضرت علیہ الرحمۃ کی سوانح لکھنے کی تجویز فرما چکے ہیں انشاء اللہ العزیز اللہ تعالےٰ پورا فرمائے گا۔ دل و جان سے دعا ہے کہ یہ مقصد پورا ہو جائے۔ آپ حضرات کی سہولت کیلئے میں ایک سرسری خاکہ پیش کرتا ہوں۔

ایک باب تو آپ رکھئے جسمیں ولادت سے لیکر کے ابتدائی تعلیم کے حالات ہوں۔ اور ایک حصہ میں حضرت رح کی (دیوبند وغیرہ جہاں تکمیل ہوئی ہو دینی تعلیم کی وہاں کے حالات۔ اور تیسرا حصہ ہو مرشد تھانوی رح (نور اللہ مرقدہٗ) سے تعلق کی ابتداء سے لیکر دونوں حضرات کے وصال تک

باقی اصل چیز یہ ہے اور وہی میرے نزدیک حضرت فتحپوری رح کی سوانح کا بہترین حصہ ہوگا جس سے لوگ انشاء اللہ ہمیشہ فائدہ اٹھاتے رہیں گے، وہ یہ کہ حضرت رح (کے وطن) کی مجالس اور جہاں جہاں بھی حضرت رہے مثلاً الہ آباد اور گورکھپور وغیرہ وہاں کی مجالس۔ ان سب کو بڑی محنت سے جمع کیجئے۔ جس سے ہمیشہ

انشاءاللہ العزیز لوگ فائدہ اٹھاتے رہینگے اور وہی اصل سوانح حضرت رح کی ہوگی اور حضرت رح کی مجالس ہی حضرت رح کے اجرداریں کے لئے فائدہ مند ہونگی۔

باقی آپ یہ کیجئے کہ ابتدائی حصے کو جیسا کہ میں نے بتایا ہے وہ جب مکمل ہو جائے تو کوئی آنے جانے والا مل جائے تو ایک نظر مجھے دکھا دیجئے۔ اگرچہ میں اب لکھنے پڑھنے کے قابل نہیں رہا ہوں لیکن اس خدمت کو سعادت سمجھوں گا۔ (حضرت مولانا ندوی رح کے اس جملہ میں خلوص و محبت اور حضرت اقدس رح سے تعلق اور عقیدت کے عطر مجموعہ کی جیسی کچھ خوشبو موجود ہے وہ اہل ذوق پر مخفی نہیں۔ جامی)۔

البتہ یہ فرمائیے کہ وہاں کے جو مستقل مقامی حضرات ہیں ان میں سے اس کا کون زیادہ ذمہ دارانہ طور پر حق ادا کر سکتا ہے؟ مثلاً ہمارے جامی صاحب یا ان کے والد صاحب (مولوی سراج الحق صاحب) مدظلہ یا جو صاحب بھی میری تجویز کے مطابق مواد جمع کر سکیں، کرنا شروع کر دیں۔ باقی مجالس تو امید ہے کہ محفوظ ہونگی بس انکو مناسب طور پر مرتب و مدون کرنا ہوگا۔

امید ہے کہ اور سب خیریت ہوگی۔ اپنے گھر میں خصوصیت کیسا تھ سب کو میری طرف سے سلام کہئے اور جو دیگر متعلقین ہوں انکی خدمات میں بھی میں خود بھی دعا کا طالب ہوں اپنی صحت و مغفرت کے لئے۔

والسلام مع الاکرام

مکرّر دعا جو و دعاگو احقر العباد

عبدالباری

۱۵/جون ۱۹۷۱ء

یہاں سے اس خط کا یہ جواب گیا:-

مخدومی و محترمی حضرت مولانا دام مجدکم

عنایت نامہ ملا۔ بعض عوارض کی بنا پر جواب میں تاخیر ہوئی۔ بڑی مسرت

اسکی ہوئی کہ آپ کو یہ سلسلہ پسند ہوا۔ دعا و توجہ سے اعانت فرمادیں
اصل میں تو بعض احباب نے آپ ہی کے مضمون "چار ہفتہ ایک کہف میں"
کے متعلق خواہش ظاہر کی تھی بلکہ اصرار کیا تھا کہ "معرفت حق" میں اسکا اعادہ کیا جائے۔
ادہر لوگ حضرتؒ کے حالات کے بھی خواہش مند تھے اس لئے کہنا چاہیئے کہ
اضطراراً ہی یہ سلسلہ شروع ہو گیا۔ جمع و ترتیب کا کام تو بیچارے حامی صاحب
ہی انجام دے رہے ہیں لیکن حضرت کے ابتدائی حالات نہ معلوم ہوسکنے
کی وجہ سے وہ بھی سیرت و سوانح کے انداز پر کچھ لکھنے سے گھبراتے ہیں۔ البتہ
متفرق حالات کے عنوان پر کچھ مواد جمع کر دینے پر آمادہ ہوئے ہیں۔ اس لئے
اب ان سے آپ کی ترتیب کا مطالبہ اسی امر کا مطالبہ ہوگا جس سے وہ گویا عاجز
ہیں اور جس کے نہ مل سکنے ہی نے اب تک اس سلسلہ کو مؤخر رکھا۔

بہرحال سلسلہ شروع ہو چکا ہے اور بات میں بات نکلتی ہی آرہی ہے
تو ہوسکتا ہے کہ آگے کسی منزل پر گاڑی پٹری پر آہی جائے۔ ورنہ مواد تو جمع
ہو ہی جائے گا اور کبھی کوئی اور اللہ کا بندہ ان منتشر اور بکھرے ہوئے موتیوں
کو ایک لڑی میں پرو کر منظم کر ہی دے گا۔

غرض یہ کہ چونکہ مواد ہی مسلسل ادوار کے موجود نہیں ہیں تو اصلاح کیلئے
کیا ارسال کیا جائے۔ جو حالات شایع ہو رہے ہیں انکے آخذ، نقل خطوط کے
رجسٹر اور مضامین منتخبہ کی کاپیاں وغیرہ ہیں۔ پھر تعلیم مدرسہ، انتظام رسالہ سے
متعلق خدمت بھی کچھ نہ کچھ ان کے ذمہ میں ہے اس لئے وقت کی قلت اور
ان سب پر مزید یہ کہ تحریری سلیقہ ہم میں سے کسی کو نہیں، اس لئے ما لا
یدرک کلہ لایترک کلہ کے پیش نظر اتنا بھی سلسلہ شروع کر دیا گیا ہے۔
اپنے یا اپنے احباب خاص سے متعلق کوئی خاص واقعہ جناب بھی اگر کسی سے
لکھوا دیں تو اسکو بھی جزو بنا دیا جائے۔

یوں تو آپ کے مضمون "چار ہفتہ" سے حسن ابتدا کر دی ہے لوگوں کے خطوط

بھی اسکی تحسین کے سلسلہ میں آرہے ہیں۔ اللہ تعالےٰ اسی طرح سے خوبصورتی کے ساتھ اسکو اختتام کو بھی پہونچا دے۔ اور اسکو اور ہم سب کو حسن خاتمہ کی دولت سے نوازے۔ آمین۔ والسلام

کمتر ین محمد مبین عفی عنہٗ

اواخر جون ۱۹۷۱ء

بس اسی جواب پر میں یہ مقدمہ ختم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنی حسن توفیق کو ہر موقع میں ہمارا خیر رفیق بنائے اور ہماری سب کوششوں اور کاوشوں کو محض اپنی رضا کے لئے بنا دے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمدٍ والہٖ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔ آمین۔

خادم عبد الرحمٰن جامی اشرفی وصی اللّٰہی
۲۳۔ بخشی بازار۔ الہ آباد
شعبان المعظم ۹۶ھ مطابق اگست ۷۶ء

(حضرت مصلح الامۃ کا وطن مالوف اور سلسلۂ نسب)

وطن مشرقی یوپی میں اعظم گڈھ ایک مردم خیز اور مشہور و معروف شہر ہے جو کہ اپنے حدود اربعہ کے اعتبار سے شمالاً گورکھپور اور فیض آباد سے اور جنوباً بنارس (وارانسی) سے، شرقاً غازیپور اور بلیا سے اور غرباً جون پور سے ملتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ عہد جہانگیری میں گوتم راجپوتوں کے خاندان کا کوئی شخص مسلمان ہوا تھا پھر اسی کے خاندان میں کے ایک نامور فرد راجہ محمد اعظم شاہ نے اپنے نام پر اس شہر اعظم گڈھ کو بسایا تھا یہی وہ ضلع ہے جسے ہمارے حضرت مصلح الامۃ نور اللہ مرقدہ کے وطن ہونے کا شرف حاصل ہوا

اسی ضلع میں واقع ہونے والی ایک تحصیل گھوسی ہے اس میں بجانب جنوب ومغرب، تقریباً ۴½ میل کے فاصلہ پر نرجا نامی تال کے کنارے پر ایک موضع فتحپور آباد ہے یہی فتحپور تال نرجا ہمارے حضرتؒ کا وطن مالوف ہے۔

جیسا کہ نسب نامہ سے معلوم ہوگا ہمارے حضرتؒ نور اللہ مرقدہ کے سلسلۂ نسب میں بارھویں پشت پر ایک صاحب ملک فتح خاں نامی گذرے ہیں جو کہ اس خاندان کے مورث اعلیٰ ملک دیندار کے پر پوتے تھے۔ یہ موضع فتح پور انھیں کے نام سے موسوم ہے۔ باقی فتحپور نامی مقامات چونکہ صرف یوپی میں بھی متعدد تھے اس لئے ہر بستی والے نے تعارف کی غرض سے اپنی اپنی بستی کو ایک فصل سے ممتاز کردیا، چنانچہ نرجا تال کے کنارے آباد ہونے کی وجہ سے اسکو فتحپور تال نرجا کہا جانے لگا اور آج بھی اسکے ڈاکخانہ کا نام فتحپور تال نرجا ہی ہے۔ جیسا کہ فتحپور نامی اور دیگر مقامات میں سے کسی کو تال رتوے۔ کسی کو سیکری اور کسی کو ہسوہ کی قید سے مقید کیا گیا۔

فتحپور کا جائے وقوع ابھی بیان کیا جاچکا ہے کہ تحصیل گھوسی ضلع اعظم گڈھ میں موضع واقع ہے اسکے شمال میں تقریباً ۲½ میل کے فاصلہ پر ایک

چھوٹا سا موضع کاریسا تہہ نامی واقع ہے۔ ہمارے حضرت اقدس قدس سرہٗ کے خویش بزرگ اور جانشین خاص جناب حافظ قاری محمد مُبین صاحب دام مجدہم کا نیز حضرت والاؒ کے دیگر خویشان ثلثہ کا یہی وطن ہے۔ اُس سے دو میل شمال و مشرق کی جانب قصبہ وتحصیل گھوسی واقع ہے۔ اور اسکے جنوب میں وہی زہا نامی تال واقع ہے جسکی جانب یہ موضع منسوب ہے۔ تال کے دوسرے کنارے پر متصلاً ہی دھوریا سات نامی ایک بستی ہے اور اس سے کچھ آگے پورہ معروف نامی مشہور بستی ہے جسکا فاصلہ فتحپور سے تقریباً ۳ میل ہے اور اسکے مغرب میں دو میل پر حمید پور اور اُسکے ایک میل آگے کوریاپار واقع ہے۔ اور بجانب شمال و مغرب فتحپور سے تقریباً ۳ میل کے فاصلہ پر ندوہ سرائے ہے اور اس کے مشرق میں ہر واس پور اڑورہ وغیرہ تو قریب ہی ہیں۔ اس سے آگے یعنی فتحپور سے تقریباً ۵-۶ میل کے فاصلہ پر قصبہ کوپا گنج واقع ہے۔

یہی وہ خوش نصیب بستی ہے جسکو حضرت اقدسؒ نے اپنے دینی کام کے لئے انتخاب فرمایا اور اپنی تبلیغی و اصلاحی سرگرمیوں کا مرکز اور محور بنایا۔ اور بڑی بات یہ کہ یہاں کے لوگوں نے حضرت والاؒ کی کوششوں اور خواہشوں کو بارآور بھی کیا یعنی یہ کہ پہلے خود دین پر لگے، دیندار بنے، حضرت اقدسؒ سے بیعت ہوئے اور ایک صادق مخلص ماننے والے کیطرح سے خود کو حضرتؒ کے سامنے پیش کیا اور پھر دین کی متعدی خدمات میں بھی بیش از بیش حصّہ لیا اور آخر دم تک حضرت والاؒ کو خوش رکھنے کی کوشش میں لگے رہے۔ حضرتؒ سے خوب خوب دعائیں لیں۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اس دنیا میں بھی یہ لوگ خوب ہی پھلے پھولے اور آئندہ بھی اگر ان لوگوں نے اسی طرح سے حضرت والاؒ کے طریقہ اور تعلیمات کو اپنائے رکھا تو انشاء اللہ تعالیٰ انکی آخرت بھی سنور جائے گی اور حشر میں بھی حضرتؒ کی معیت نصیب ہوگی۔ اور سب سے بڑھکر یہ کہ اللہ و رسول کی خوشنودی اور انکے سامنے سرخروئی ان کو حاصل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ توفیق دینے والے ہیں۔

فتحپور کا راستہ الہ آباد سے گورکھپور تک ایسٹرن ریلوے (چھوٹی لائن) جاتی ہے اسپر بنارس سے آگے اَوڑِھیار کے بعد مئو جنکشن نامی ایک بڑا

اسٹیشن واقع ہے۔ یہ قصبہ مئو ناتھ بھنجن کا ریلوے اسٹیشن ہے جو کہ ضلع اعظم گڈھ کا ایک مشہور ترین قصبہ ہے اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہٗ یہیں کے رہنے والے ہیں۔ یہاں دارالعلوم اور مفتاح العلوم دو عربی کے بڑے مدرسے ہیں نیز اسکے علاوہ اور بھی کئی چھوٹے بڑے مدارس ہیں جنکی وجہ سے یہاں اہل علم اور فارغین حضرات کی تعداد جسقدر دیکھنے میں آتی ہے شاید ہی کسی اور جگہ آتی ہو۔ حضرتؒ کے حالات میں اس مئو کو بھی نمایاں مقام حاصل ہے چنانچہ حالات میں جہاں کہیں بھی مئو یا اہل مئو آئیگا اس سے یہی جگہ مراد ہوگی۔ یہاں سے دُہری گھاٹ ہوتے ہوئے جو سڑک گورکھپور کو گئی ہے اس پر مئو سے ۶ میل کے فاصلہ پر قصبہ کوپا گنج واقع ہے اور پھر اسکے ۶ میل آگے قصبہ گھوسی آتا ہے۔ اور پھر اسکے ۱۲ میل آگے دُہری گھاٹ (دریائے گھاگھرا) واقع ہے۔

خانقاہ فتحپور تال نرجا کا جانے والا یہ بھی کر سکتا تھا کہ مئو سے بذریعہ ریل یا موٹر کوپا گنج پہونچے اور پھر وہاں سے خام راستہ ۶ میل پیدل چلکر فتحپور پہونچ جائے ۔ اور یا مئو سے گھوسی جاکر وہاں سے ۴½ میل خام راستہ طے کر کے کاریسا تہہ ہوتا ہوا فتحپور پہونچے۔ گو ان راستوں سے آنے کے لئے یکّے بھی مل جاتے تھے مگر اکثر و بیشتر حصے میں ان سے آنے والوں کو اپنی سواری سے اتر کر خود ہی اسکو دھکا دینا پڑتا تھا جسکی وجہ سے خانقاہ فتحپور کا مسافر تو بس کسی مزدور کے سر پر اپنا سامان رکھوا کر خود تسبیح پڑھتا ہوا خراماں خراماں پیدل چلنے ہی کو ترجیح دیتا تھا۔ اسطور پر اسکے لئے چار چھ میل پیدل چلنے سے مفر نہ تھا۔ چنانچہ ایک سے ایک امیر کبیر۔ نازک بدن اور لطیف المزاج رئیس۔ طلبہ و طالبین۔ علمائے دین۔ جویائے طریق مولیٰ اور قاصدِ دین متین سب ہی کے لئے یہ راہ طے کرنی ناگزیر تھی۔ یہ سب سے پہلا مجاہدہ ہوتا تھا جو واردین و صادرین کو اس راہ میں پیش آتا تھا۔ یوں کوئی ضعیف و مریض ہی ہوتا تو اسکے لئے حضرت والاؒ پالکی اور کہاروں کا بھی انتظام فرما دیتے تھے۔ اسکا بھی نظم ہو جاتا تھا لیکن شاذ و نادر ہی اور بہت کم۔

(فتحپور کی مسجد، خانقاہ اور حضرتؒ کا دولت خانہ)

اب جبکہ ناظرین کرام فتحپور تال نرجا تک پہونچ ہی گئے ہیں تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حضرت مصلح الامۃؒ کی خانقاہ۔ یہاں کی مسجد اور حضرتؒ کے دولت خانہ کی بھی ذرا سیر نظری کرتے چلیں۔ کیونکہ جب کسی سے محبت ہوتی ہے تو فطری طور پر جی چاہتا ہے کہ دیار محبوب کی بھی زیارت کیجائے۔ چنانچہ ابھی حال میں ہمارے ایک دوست نے غازی پور سے خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ :-

"معرفت حق" دیکھنے کے بعد حضرت اقدسؒ سے اور حضرتؒ کے مضامین سے الحمدللہ عشق سا ہوگیا ہے اور اب تو یہ خیال شدید تقاضے کی صورت میں سامنے آنے لگا ہے کہ اپنی ان آنکھوں سے ان در و دیوار کو بھی دیکھوں جنکے درمیان سے یہ "مضامین معرفت" پھیلے ہیں۔ انتہیٰ۔

خیال ہوا کہ اس جذبہ کے رکھنے والے ایک تنہا یہی محترم تو ہوں گے نہیں! ہوسکتا ہے کہ اور بہت سے احباب عالم میں ایسے ہوں جو اس باب میں مجنوں ہی کا مسلک رکھتے ہوں۔ چنانچہ دیار لیلیٰ کے پاس سے گذرتے وقت اپنے حال کا نقشہ اس نے یوں کھینچا ہے، کہتا ہے کہ ؎

اَمُرُّ علی الدیار دیار لیلیٰ ۔۔۔ اُقَبِّلُ ذا الجدار و ذا الجدارا
وماحب الدیار شغفن قلبی ۔۔۔ ولکن حبّ من سکن الدیارا

یعنی میں جب کبھی ان بستیوں پر سے گذرتا ہوں جن میں کبھی میری لیلیٰ رہا کرتی تھی تو وہاں پہونچکر میں یہ کرتا ہوں کہ کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں اور کبھی اس دیوار کو بوسہ دیتا ہوں باقی اے مخاطب! دیوار اور مکان پر اس طرح سے شیدا اور فریفتہ ہونا کچھ میری عادت اور طبیعت نہیں ہے اور مجھے اس چیز سے کوئی خاص شغف نہیں ہے بلکہ میں یہ سب محض اس ذات کی خاطر اور اسکی محبت کیوجہ سے کرتا ہوں جو کبھی ان دیواروں کے درمیان رہا کرتی تھی۔

اسیطرح سے ایک اور شاعر نے اسی مضمون کو یوں بیان کیا ہے کہتا ہے ؎

ومن دَیدنی حب الدیار لاھلھا   وللناس فیما یعشقون مذاھب

یعنی اے لوگو میں صاف کہتا ہوں اور اپنی ایک عادت اور طبیعت کا بیان تم سے کرتا ہوں کہ میں کسی گھر کے رہنے بسنے والے کی خاطر خود اس گھر سے بھی محبت کرتا ہوں اور یہ سمجھتا ہوں کہ (لوگ اسمیں مجھے معذور جانیں گے اسلئے کہ محبت کا باب بہت وسیع ہے اور عاشقوں کے انداز محبت مختلف ہوا کرتے ہیں) لہٰذا جسکو جس چیز سے محبت ہو اور اس سلسلہ میں اسکا جو بھی مذہب ہو اسکی اپنے پسند کی بات ہے کسی دوسرے کو اس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے۔

(مسجد فتحپور تا ل نرجا)

یہاں ایک نقشہ تو ہاتھ کا بنایا ہوا آپکی نظروں سے گذرے گا اس سے آپ کو یہ اندازہ ہو جائے گا کہ حضرت والاؒ کے دولت خانہ کے مغرب کی جانب تقریباً ۵۰ قدم کے فاصلہ پر) مسجد کا دروازہ ہے اور اس سے مغرب کی جانب (تقریباً اتنے ہی فاصلہ پر) خانقاہ کا پھاٹک ہے یوں تعمیر کی رو سے تو خانقاہ مسجد کے غربی جانب متصلاً ہی واقع ہے صرف ۸/ ۱۰ فٹ کا ایک راستہ درمیان میں حائل ہے لیکن مسافت کے اعتبار سے دونوں کے دروازوں کا فاصلہ تقریباً ۵۰ قدم کا ہو جاتا ہے۔

نیز علاوہ اسکے ایک نقشہ مسجد و خانقاہ اور حضرت والاؒ کے مکان کا اور بھی آپ ملاحظہ فرمائیں گے جو فوٹو سے حاصل کیا گیا ہے اس سلسلہ میں چھ نقشے آپ کے پیش نظر ہیں ایک۱ میں مسجد کا اندرونی منظر نمایاں ہے۔ دوسرے۲ میں ذرا فاصلہ سے مسجد کا نقشہ سامنے لایا گیا ہے اور تیسرے۳ میں مسجد کا صدر دروازہ دکھایا گیا ہے۔ چوتھا۴ اور پانچواں۵ خانقاہ کا نقشہ ہے جو دو مختلف جانبوں سے لیا گیا ہے اور چھٹا۶ نقشہ حضرت کے در دولت کا ہے جسکے اندرونی ہال نما کھپریل کے چھپر میں عرصۂ دراز تک ایمان و عرفان، محبت و معرفت کی دولت تقسیم ہی نہیں بلکہ لٹائی جاتی رہی۔ ان سب کا قدرے تفصیلی ذکر الگ الگ

بھی آجائے گا۔

مسجد کی جو تصویر آپ کے سامنے ہے یہ اسکے نشاۃ ثانیہ کی ہے۔ ابتدار میں تو یہ مسجد بہت ہی مختصر سی تھی باقی اسکے علاوہ بستی میں چونکہ تین مسجدیں اور بھی ہیں اس لئے اس سے کام چلتا رہا۔

تعمیر مسجد مولوی عبدالقیوم صاحب مدظلہٗ کا بیان ہے کہ یکم جنوری ۱۹۳۰ء کو اس مسجد کی بنیاد پڑی لوگوں نے تعمیر کے لئے چندہ کیا چنانچہ میرے پاس اسکی تعمیر کے سلسلے کا آمد و خرچ آج بھی موجود ہے۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ نے بھی ایک روپیہ چار آنہ چندہ مرحمت فرمایا۔ حضرت والاؒ پہلے جب اپنے آبائی مکان میں قیام فرماتے تھے تو گاؤں کے شمالی جانب ایک مسجد تھی جو کہ باہری مسجد کے نام سے موسوم تھی حضرت والا اسی میں نماز ادا فرماتے تھے لیکن جب وطن میں مستقل قیام فرمایا اور تال پر اپنا جدید خام مکان بنوالیا اسوقت سے حضرتؒ بھی اسی مسجد میں نماز پڑھنے لگے اور اسکو یہاں کے لوگ تال والی مسجد کہنے لگے جو بعد میں خانقاہ کی مسجد کہی جانے لگی۔ حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی جب یہاں تشریف لائے تھے اور چار ہفتہ قیام کے بعد واپسی پر اپنا سفرنامہ "چار ہفتہ ایک کہف میں" کے عنوان سے تحریر فرمایا (جسکو ناظرین حالات مصلح الامتہؒ کے اوائل ہی میں ملاحظہ فرما چکے ہیں) اسوقت یہ مسجد مختصر ہی سی تھی چنانچہ بعض دفعہ تو عام ایام میں بھی اور رمضان میں تو خصوصاً تراویح میں باہر تک صف قائم ہونے کی نوبت آجاتی تھی چنانچہ اسی مسجد کی تراویح تھی جس کا نقشہ مولانا ندویؒ نے اپنے مضمون میں کھینچا ہے اور ختم قرآن کے موقع پر لوگوں کی گریہ وزاری اور آہ و بکا کی آواز اپنے ثقل سماعت کے باوجود خود مولاناؒ نے بھی سنی، اور لکھا ہے کہ حضرتؒ نے تھوڑی دیر کے بعد فرمایا کہ بس مبین بس ۔ یہ سنکر جناب قاری صاحب نے دعا ختم فرمائی۔

توسیع مسجد ان حالات میں مسجد کی توسیع ناگزیر تھی چنانچہ اسکا بھی وقت آیا اور کام شروع ہوگیا۔ لیکن فتحپور تال نرجا کا جائے وقوع کچھ ایسا ہے کہ نہ تو یہاں تک کیلئے کوئی پختہ سڑک ہی ہے اور نہ کسی جانب سے ہموار خام ہی راستہ ہے اسلئے سامان تعمیر اینٹ

سریا۔ گاڈر۔ چونا اور سیمنٹ وغیرہ) کا یہاں پہونچنا کچھ آسان نہ تھا مگر یہ حضرت کی گویا کرامت ہی تھی کہ ایسی کوردہ جگہ میں ایسی عالیشان مسجد بات کی بات میں تعمیر ہو گئی۔

نصرتِ خداوندی سب سے زیادہ خرچ تعمیر میں ظاہر ہے کہ اینٹوں کا ہوتا ہے اور یہاں اسی کے پہونچنے کے وسائل نہیں تھے اللہ تعالےٰ نے اس سال اس کثرت سے بارش عطا فرمائی کہ گاؤں کا تال بالکل لبریز ہو گیا اور فتح پور سے کوپا گنج تک پانی ہی پانی ہو گیا اور وہاں سے لیکر یہاں تک کشتی کا راستہ بن گیا چنانچہ کوپا گنج سے گاؤں تک بلکہ عین مسجد کے پاس تک کشتی آنے لگی اور اس طرح سے یہ مسئلہ بھی (یعنی سامان تعمیر کا پہونچنا) بہت کچھ آسان ہو گیا۔

یہ مسجد دوہرے دالان پر مشتمل ہے اور ہر دالان میں دو صفیں ہوتی ہیں اور اس کے بعد ایک نہایت وسیع صحن ہے جس میں تقریباً بارہ صفیں ہیں اور ہر صف میں کم و بیش چالیس نمازی کھڑے ہوتے ہیں پھر صحن کے بعد پورب جانب وضو خانہ ہے اسکے درمیان میں اُتر دکھن لانبا ایک اونچا حوض ہے جسکے دونوں جانب ٹونٹیاں لگی ہوئی ہیں اور بیک وقت پچیس آدمی اس سے وضو کر سکتے ہیں۔ اسی وضو خانہ کے جنوبی جانب مسجد کا صدر دروازہ ہے اور شمالی جانب غسلخانہ وغیرہ ہے۔ چنانچہ اسکی ظاہر شوکت اور مسجد کی خوشنمائی اور سبک پن تو دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے تاہم کسی قدر اندازہ تصویر سے بھی عیاں ہے۔ بعض احباب نے تو اسے دیکھکر بڑی حیرت سے کہا کہ اس مسجد کا نقشہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے شاہان مغلیہ کے دَور کی دہلی کی کوئی مسجد ہو۔

توسیع مسجد کے وقت کنوئیں کا پاٹا جانا قدیم مسجد میں شمال کیجانب حدود مسجد سے باہر ایک کنواں تھا جسکا پانی نہایت ہی شیریں اور ٹھنڈا ہوتا تھا اسی سے اہل مسجد وضو کرتے تھے، اہل خانقاہ اپنی ضرورت پوری فرماتے اور بعض اہل بستی بھی اپنے استعمال کے لئے پانی لیجاتے تھے۔ جب مسجد کی توسیع کی تجویز ہوئی تو اس خیال سے کہ یہاں غیر مسلموں کی عورتیں (بے پردہ) پانی بھرنے آتی ہیں اور یہاں ہر وقت مہمانوں کی کثرت سے آمد و رفت ہو رہی ہے اسلئے یہ ارادہ ہوا کہ کنوئیں کو پُر کر کے اسے حدود مسجد میں لیا جائے

خاکہ عمارت مدرسہ و خانقاہ و مسجد اور

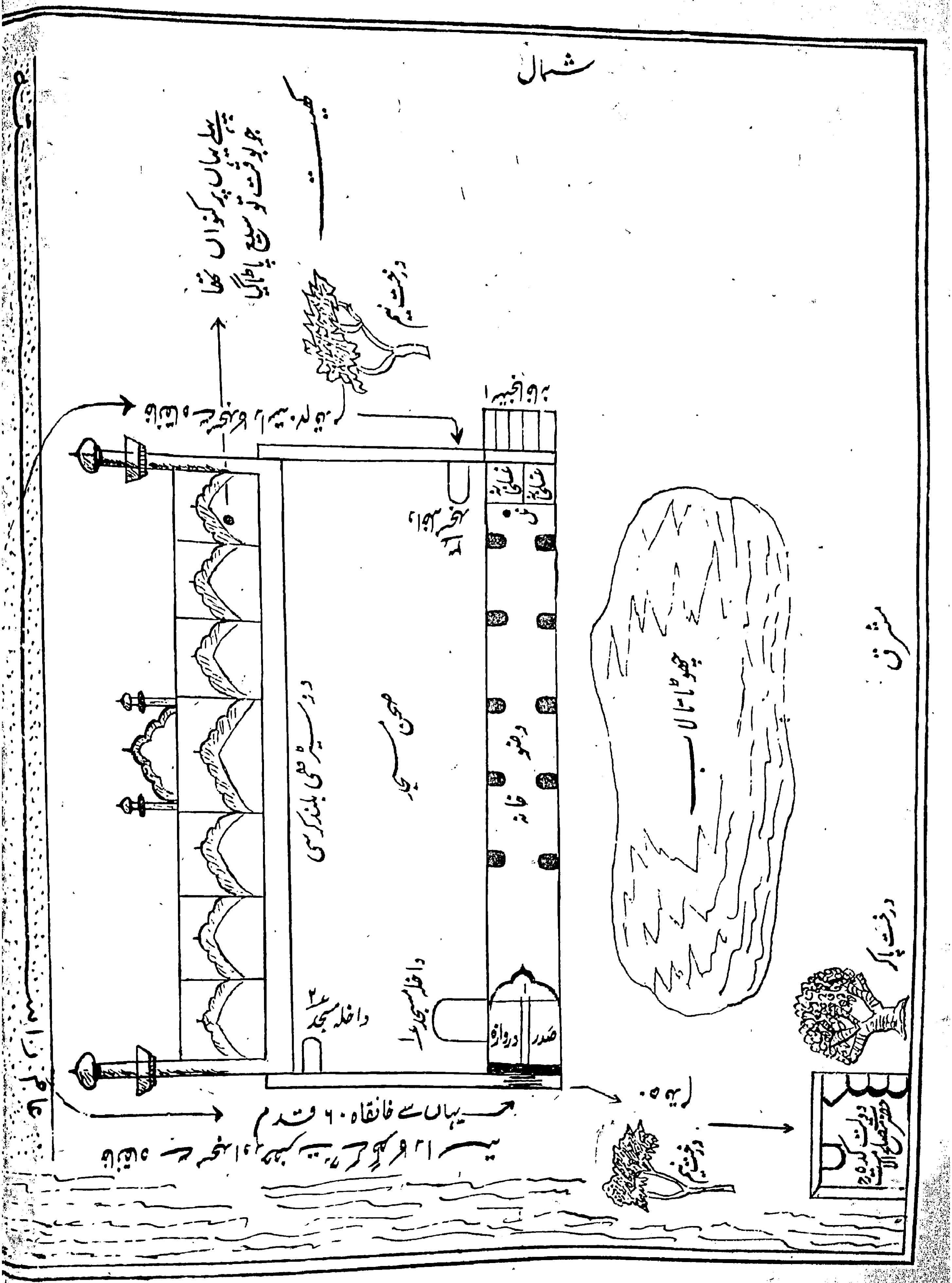

دولت خانہ حضرت مصلح الامت قدس سرہ

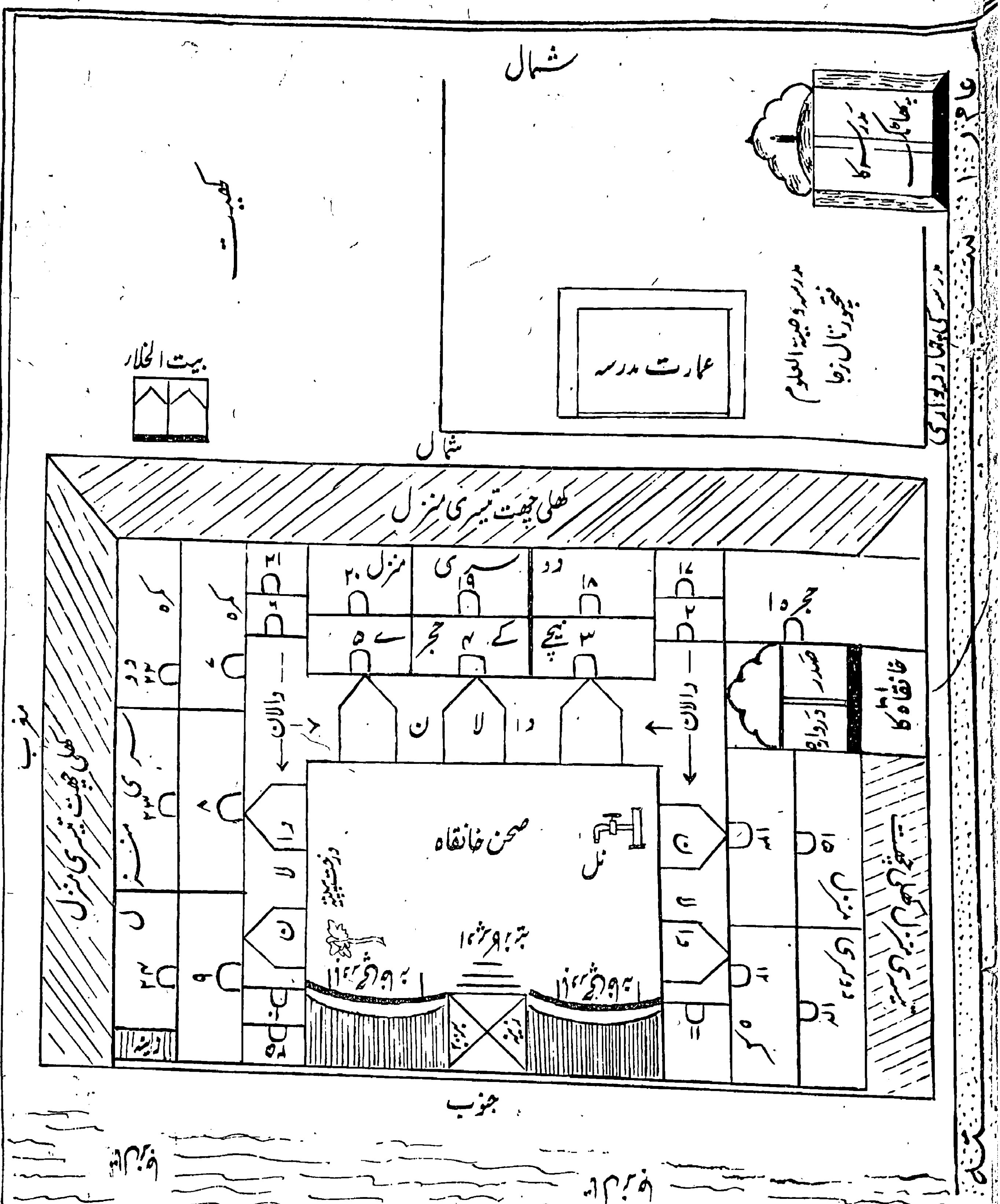

اور نمازیوں کے لئے وضو خانہ میں ہینڈ پائپ نصب کر دیا جائے اور گاؤں والوں کے لئے بھی مسجد سے ذرا فاصلہ پر ایک دوسرا نل لگا دیا جائے تاکہ انکو بھی تکلیف نہ ہو چنانچہ ایسا ہی کردیا گیا

کنوئیں کا پاٹنا: یوں تو کسی کنوئیں کا پاٹنا کوئی غیر معمولی کام اور نئی بات نہیں ہے لیکن یہاں اس کنوئیں کا پاٹا جانا بھی عجیب شان سے ہوا اسکا واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ کنواں مسجد سے شمالی جانب تھا لہٰذا توسیع کے بعد جب شمالی جانب کی دیوار کا خط لگایا اور اسکی نیو بھر دی گئی تو اب کنواں بھی حدود مسجد کے اندر تھا گو اہل خانقاہ اس سے پانی اب بھی لیتے تھے لیکن آداب مسجد کا لحاظ کر کے حضرت والاؒ نے گاؤں میں اعلان کرا دیا کہ غیر مسلم لوگ بالخصوص عورتیں اب اس کنوئیں پر نہ آئیں اور اپنا کام دوسرے کنوؤں سے چلائیں چنانچہ ان لوگوں نے پانی بھرنا بند کر دیا اور تعمیر مسجد دوسری جانب سے شروع کر دی گئی۔ ایک دن لاعلمی میں یا ٹھنڈے پانی کے لالچ میں بالقصد ایک غیر مسلم عورت دوپہر کو سبھوں کو سوتا پا کر اور موقع کو غنیمت جان کر چپکے سے اس کنوئیں پر پانی لینے کے لئے آگئی۔ حضرت والاؒ نے اوپر اپنے کمرہ سے اسکو پانی بھرتے دیکھ لیا۔ مولوی انوار صاحب کوپاگنجی کا بیان ہے کہ میں حضرت کے سر پر تیل رکھ رہا تھا کہ حضرت یکایک بڑی زور سے اٹھے اور سیدھے نیچے اترے اور دروازے ہی پر سے اسکو بڑی زور سے ڈانٹا اور بہت تیزی سے دوڑ کر مسجد پر پہونچے عورت نے جو حضرتؒ کو آتے دیکھا تو رسی ڈول چھوڑ کر بے تحاشا بھاگی۔ حضرتؒ کی آواز سنکر اور لوگ بھی آگئے حضرتؒ بہت خفا ہوئے اور غیر مسلموں کے پاس کہلا بھیجا کہ جب منع کر دیا گیا تھا تو یہ عورت یہاں کیوں آئی (حضرت والاؒ کا پورے گاؤں بلکہ اطراف کے مسلم و غیر مسلم پر بڑا رعب تھا سب حضرت اقدسؒ کی ناراضگی سے بہت ڈرتے تھے) اس لئے ان سب لوگوں نے معافی مانگی اور عذر کیا کہ مولانا صاحب اسکو معلوم نہیں تھا غلطی سے آگئی اب ایسا نہ ہوگا۔ مگر تیر اب دوبارہ کیا ہوتا۔ غرض کنواں پاٹے جانے کے لئے یہ واقعہ بھی محرک بن گیا چنانچہ ظہر کی نماز میں حضرتؒ نے فرمایا کہ کنواں اب پٹ ہو جانا چاہیئے پھر کیا تھا لوگ اہتمام میں لگ گئے اور پھاوڑے اور ٹوکرے جمع کرتے کراتے تین چار بجے کا وقت ہو گیا، ادھر بڑی زوردار بارش بھی ہونے لگی۔ سیلاب پہلے سے تھا ہی مسجد کے تین طرف پانی ایک طرف بستی تھی

بہت دور سے مٹی لائی گئی، گاؤں کے نوجوان، خانقاہ کے سب مہمان اس مہم پر لگ گئے چنانچہ کوئی مٹی کی ٹوکری، کوئی مٹی کا بڑا ڈھیلا اور کوئی شخص اینٹ و پتھر لانے لگا اور لاکر جھا جھم کنوئیں میں ڈالنا شروع کر دیا۔ اور ایک جانب کو صرف لنگی اور بنڈی پہنے ہوئے حضرت والاؒ بھی وہیں کنارہ پر کھڑے ہوئے تھے کسی شخص نے بارش کا زور دیکھکر چھاتا لگالیا تھا ورنہ تو حضرتؒ کو خود اسکا بھی کچھ خیال نہ تھا اسی درمیان میں عصر کا وقت آگیا۔ نماز ہوئی نماز کے بعد حضرت والاؒ نے فرمایا کہ ہاں بھائی چلو پھر کام شروع کر دو! اور یہ بھی فرمایا کہ مغرب میں اسی پر صف بنانی ہے حضرت والاؒ کے اس اعلان کے بعد لوگوں میں ایک نیا جوش پیدا ہو گیا اور پھر سب کے سب ایسا ہلہ بولے کہ غروب ہونے سے پہلے پہل کنواں بالکل بند ہو گیا اور مٹی کو برابر کر کے مغرب کی نماز میں سب سے پہلی بار اس نئی مسجد میں پوری صف کے ساتھ نماز ادا کی گئی۔

اور ایک یہی مہم کیا۔ تعمیر مسجد کے سلسلہ میں ایسی ایسی کتنی مہمیں پیش آئیں اور اللہ تعالیٰ نے اہل خانقاہ اور بستی کے لوگوں کے ہاتھوں اسکو سرفرمائیں۔ مہمان خانقاہ تو لوجہ اللہ کام کر رہے تھے اور گاؤں کے لوگوں کے لئے حضرتؒ نے اعلان فرما دیا تھا کہ مسجد تعمیر ہو رہی ہے جو شخص چاہے آکر اینٹ گارے کے کام میں شریک ہو جائے اسکو اجرت دی جائے گی دراصل بستی کے بہت سے غرباء کے لئے حضرت والاؒ نے معاش کا ایک یہ ذریعہ تجویز فرما دیا تھا کیونکہ غریب لوگ تھے اور سیلاب نے انکی رہی سہی کھیتی تباہ کر دی تھی۔ اسطرح سے روزانہ شام کو ہر جوان بوڑھے اور بچے سب کو ایک ایک روپیہ مزدوری کا مل جاتا تھا۔ حضرتؒ یہ نہیں چاہتے تھے لوگوں کو مفت خوری کا خوگر بنائیں اسلئے یہ ایک ظاہری حیلہ کام کا تھا اور یوں کام ہر شخص کے لئے بہت ہی ہلکا پھلکا تھا کیونکہ آدمی بہت ہو گئے تھے جو کام پوری محنت کے ساتھ ایک مزدور کر لیتا اس جگہ چار آدمی نظر آتے تھے۔

راقم عرض کرتا ہے کہ سبحان اللہ یہ حضرت والاؒ کی تربیت تھی کہ اپنے وطن کے غرباء کی امداد بھی فرمانا چاہتے تھے اور انکو نکما بنانا بھی پسند نہ تھا۔ اس پر مجھے حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مرادآبادیؒ کا واقعہ یاد آگیا اب یہ نہیں یاد پڑتا کہ حضرت اقدس ہی سے سنا تھا یا کسی کتاب میں دیکھا تھا کہ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمان صاحبؒ کا ایک معمول یہ بھی تھا کہ مکان کا

کوئی حصہ جہاں ذرا پرانا اور بوسیدہ ہوا اور حضرتؒ نے حکم دیدیا کہ اسکو گرا کر از سر نو بنایا جائے اسپر بعض مرتبہ خدام عرض کرتے کہ حضرت ابھی یہ دیوار ایسی شکستہ تو نہیں ہے کہ از سر نو گرا کر بنائی جائے معمولی سی مرمت اور لیپ پوت سے بھی کام چل جائے گا ابھی یہ مضبوط ہے گرنے والی نہیں ہے یہ سنکر حضرتؒ خفا ہوتے اور فرماتے کہ اچھا تو کیا جب یہ گر جائے گی اور لوگ چوٹ کھا جائیں گے تب اسکی مرمت کیجائے گی یہ کونسی عقلمندی کی بات ہوئی دانشمندی تو یہی ہے کہ کسی ناخوشگوار حادثہ سے قبل اسکی مرمت کرادی جائے۔ یہ فرما کر اسکے گرائے جانے کا حکم صادر فرما دیتے بعض حضرات بیان فرماتے ہیں کہ اصل راز اس میں یہ تھا کہ حضرت مولانا (گنج مرادآبادیؒ) اس طریقے سے اپنی بستی کے غربا کی خدمت اور انکی اعانت فرمانا چاہتے تھے۔ یہی صورت بعینہ ہمارے حضرتؒ نے بھی اختیار فرمائی اور اس بہانے سے گاؤں کے لوگوں کی بہت مدد فرمائی مجھے یاد ہے کہ حضرت مولانا عبدالباری صاحبؒ نے جب توسیع مسجد اور اسقدر عالیشان پیمانہ پر اسکی تعمیر کی خبر سنی تو اس راقم کو لکھا کہ :-

"ایک زحمت اور قبول فرمائیں مسجد تو اب غالباً مکمل ہوگئی ہوگی، پرانی مسجد میں تو کل ایک ہی درجہ تین دروں کا تھا نئی میں سامنے دو درجے اور سات در ہیں اندر باہر گنجائش بھی غالباً دوچند ہوگئی ہوگی اسطرح مزدور بھی تیس چالیس ہونگے اور جو معلومات مختصراً آپ دے سکیں ایک مقصد سے مطلوب ہیں۔ والسلام۔

راقم کا جواب تو ذرا طویل تھا "رسالہ معرفت دسمبر ۶۲ء" میں ملاحظہ فرما لیا جائے۔ حاصل اسکا یہ تھا کہ :-

"مسجد اب وسعت میں پہلے کی چار گنی ہوگئی ہے تین صفوں کا اگلا دالان ہے اور دو کا پچھلا اور گیارہ (۱۱ بارہ) صفوں کا صحن ہے ہر صف میں تقریباً ۳۵/ ۴۰ آدمی آتے ہیں ستون اور مینارے انتہائی سبک اور حسین ہیں۔ روزانہ سو سوا سو روپیہ بلکہ اس سے بھی زائد مزدوری میں دیئے جاتے ہیں اور مزدوروں سے زیادہ کام خود اہل بستی اور اہل خانقاہ نے جو کیا وہ الگ رہا۔

حضرت والاؒ نے از خود نہ خانقاہ بننے کی تحریک کی نہ مسجد کی توسیع کی لیکن جب ضرورت واقع ہوئی تو بعض مخلصین نے حضرت والاؒ سے اجازت لیکر تنہا اپنے کو اس خدمت کے لئے پیش کیا۔ چنانچہ خانقاہ کا اوپری حصہ اسی طرح بنا۔ اسکے بعد دوسرے صاحب نے مسجد کی توسیع کی اجازت لی، چنانچہ ایک ہی صاحب کا اس میں اتنا بڑا حصہ ہے کہ اگر کل ہی تعمیر کی انکی طرف نسبت کیجائے تو غلط نہ ہوگا۔ بایں ہمہ جن جن مخلصین پر اعتماد اور اعتبار ہوا انکی پیش کردہ رقوم سے انکار بھی نہیں فرمایا گیا باقی اب حضرت کو یاد بھی نہ تھا کہ کس نے کتنا دیا اور نہ اسکی ضرورت۔

یوں حضرت والا نے اس تعمیر مسجد کے ذریعہ آنے جانے والوں کو دنیوی عقل و فہم کی بھی تعلیم فرمائی۔ مقیمین خانقاہ علماء و غیر علماء سب نے خوب محنت سے کام کیا، اسی طرح سے اہل بستی نے شبانہ روز کام کیا جسکی وجہ سے بہت سا کام جلد اور کم خرچ میں پورا ہوگیا۔ اس طور پر حضرت نے ہم لوگوں کو معاش کے ایک اہم شعبہ کی تعلیم فرمائی ایسی کہ شاید ہی کوئی شخص بچا ہو جس نے کچھ نہ کچھ تعمیری تجربہ اس سے نہ حاصل کرلیا ہو۔ اور تھا بھی یہ ایک ضروری شعبہ کیونکہ ہر شخص کو دنیا میں اس سے سابقہ پڑتا ہے۔ یہ بھی ایک چیز یہاں ایسی ہوئی جسکی جانب شاید ہی کوئی التفات کرتا ہو۔ چونکہ آپ ان امور کی قدر فرماتے ہیں اس لئے آپ کو لکھدیا۔

والسلام۔ طالب دعا

۔ جامی

فتحپور تال نرجا ۱۳۷۴ھ

الغرض ۱۳۷۴ھ اور ۱۳۷۵ھ کے مابین مسجد کی توسیع اور تعمیر ہوگئی۔ اس جدید تعمیر کی تاریخ بھی بہت سے حضرات نے لکھی جس نے ابتدار کا خیال کیا اس نے ۱۳۷۴ھ نکالا اور جس نے انتہار کا لحاظ کیا اس نے ۱۳۷۵ھ نکالا۔ لوگوں کی تاریخ میں فرق کی یہی وجہ سمجھ میں آتی ہے چنانچہ سب سے پہلے میرے برادر عزیز حافظ عبدالقدوس رومی نے یہ تاریخ لکھکر بھیجی کہ

تاریخ + مسجد نو

مسجد حضرت اقدس جو بنی از سر نو ۱۳۷۴ھ دیکھکر رہ گیا ہر شخص جمالِ تعمیر

آپ ہی آپ نکل آئی یہ تاریخ بھی خوب — جس سے ظاہر ہے بجا طور یہ حالِ تعمیر
مسجد نو سے اگر آپ ملادیں تاریخ — سن ہجری میں نکل آئیگا سالِ تعمیر

۱۰۷+۵۶ ـــــ + ـــــ ۱۱ ۱۲۱۱

۱۳۷۴ھ

اسکے بعد مولوی ابوالحسنات صاحب فانیؔ کے والد ماجد اور حضرت اقدس کے قدیمی خادم جناب مولوی حکیم حفیظ اللہ صاحب کوپاگنجی رحؒ نے یہ تاریخ ارسال فرمائی ؎

دیگر

بفضل حق مکمل شد چو ایں تعمیر لاثانی — منور شد در و دیوار از الطاف ربّانی
بگفتا بہر تاریخ مورد انوار عرفانی — بنا شد مظہر الطاف حق از فضلِ یزدانی

۱۳۷۴ھ

اسیطرح سے عم محترم جناب صوفی عبدالرّب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ کے سلسلے میں اپنی یہ نظم ارسال فرمائی جس میں بوقت تعمیر حضرت مصلح الامۃؒ اور خدام کی کارکردگی کے منظر کو خیر القرون کے ایک منظر سے تشبیہ دیکر اس منظر کی یاد تازہ فرمائی ہے ؎

جیسے تاروں میں چاند جلوہ نما — وہ ہیں اصحابؓ میں رسولِ خداؐ
پیکرِ نور ہے غبار آلود — باغ طیبہ میں بن رہی ہے قبا
وہی عالم دکھا دیا تو نے — حبّذا بادشاہ صدق وصفا
زندہ باد اے خدا! وصی اللہ — چشمۂ فیض و بحرِ جود و سخا
زیر تعمیر از سر نو ہے — مسجد فتحپور، شکرِ خدا
مدرسہ، خانقاہ اور مزدور — ہمہ تن محو کار وسعی و دعا
مستعد خود کھڑے ہوئے ہیں حضور — جیسے کعبہ کے پاس کوہِ صفا
اسقدر جلد اور یہ کار عظیم — اک کرامت ہے تیری سرتاپا
سال ہجری میں یہ لکھی تاریخ — یاد کرکے حال و کیفِ قبا

چوں قبا کیف من بنیٰ للہ

(۵۹) ۱۰۳ ۱۱۰ ۹۰ ۶۲۰ ۶۵

مسجدٌ اُسِّسَ عَلَی التقویٰ

۱۰۷ ۱۲۱ ۱۱۰ ۵۴۷

۱۳۷۴ھ

اسیطرح سے اختتام تعمیر پر ایک تاریخ مولوی ابوالحسنات صاحب فانی نے بھی کہی جو کہ حضرت والاؒ کی اجازت سے مسجد کے صدر دروازہ پر لکھدی گئی۔ وہ یہ تھی ؎

(قطعۂ تاریخ از فانی)

خوشا مسجد و منظر نو بہارے — مرصع ز لعل و گہر خوش نگارے
بہر گوشہ تہلیل و تسبیح خوانی — بہ ذکر خدا مست ہر ہوشیارے
دلم گفت در سال تعمیر فانی — زہے مسجد شیخ من یادگارے

۷۴ — ۱۳۷۵ھ

بعض ہونے والے امور وقوع سے قبل لوگوں کی زبان پر خدا کی جانب سے آجاتے ہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کا کرنا کچھ ایسا ہی ہوا کہ تعمیر مسجد کو شاید ایک سال بھی پورا نہ گذرا ہوگا کہ ایسے کچھ ناخوشگوار واقعات اور اسباب پیش آئے کہ حضرت والاؒ کو اپنے وطن سے ہجرت ہی کرنا پڑا چنانچہ اوائل ماہ رمضان ۷۵ھ میں آپ یہاں سے گورکھپور تشریف لے گئے اور یہ مسجد حضرتؒ کی جانب سے بس حضرتؒ کی یادگار رہی بنکر رہ گئی اور آج بھی اسکا یہ عالم ہے کہ اپنے باطن میں نور کا ایک ذخیرہ رکھتے ہوئے اپنے ظاہر سے کسی کی یاد میں بالکل خاموش اور سوگوار بنی کھڑی ہے۔ گو پانچوں وقت اذان اور جماعت بھی پابندی سے ہوتی ہے مگر آہ! حضرت اقدس کے زمانے والی وہ بات کہاں؟ اللہ تعالیٰ اسکی اس تعمیر جدید کے ساتھ ساتھ اب اسکو دوبارہ آباد اور ذاکرین کے مجمع اور انکی برکت سے اہل بستی کے دل کو شاد فرما دے۔ آمین

(خانقاہ فتحپور تال نرجا)

ہم نے یہاں ادب و احترام کے خیال سے جدید مسجد کا ذکر پہلے کر دیا ہے لیکن زمانہ کے اعتبار سے جدید خانقاہ اس سے قبل بنی ہے اسکے بعد مسجد کی تعمیر نو وجود میں آئی۔ لوگوں کا بیان ہے کہ پہلے یہاں جدید یا قدیم کوئی خانقاہ نہ تھی۔ حضرت والاؒ اپنے مکان کے ایک کمرہ میں کتابوں کی الماریوں کے درمیان اپنے مسند پر تشریف فرما ہوتے تھے وہی حضرتؒ کا مصلیٰ تھا وہی جائے مطالعہ تھی اور دوپہر اور شب میں آرام گاہ، خوابگاہ یا عبادت گاہ ہوتی تھی

اور اگر کبھی کبھار کوئی مہمان آجاتا تو مجلس کیلئے اسے وہیں طلب فرما لیتے۔ یوں شب میں اگر اسکو قیام کرنا ہوتا تو مولوی عبدالقیوم صاحب کے دالان میں چارپائی ڈلوا دیجاتی وہیں وہ لوگ آرام کرتے اور دن میں اسجگہ مدرسہ لگتا تھا لوگ بقیہ اوقات مسجد میں گزارتے۔ لیکن جب لوگوں کی آمدورفت بڑھی تو پھر الگ سے انکے لئے جائے قیام کی ضرورت محسوس ہوئی۔ بنگال کیطرف سے ایک ڈاکٹر صاحب جو حضرت والاؒ کے پاس آتے تھے سنا ہے کہ انکی ہی تحریک پر قدیم خانقاہ معرض وجود میں آئی، جہاں آجکل خانقاہ ہے جگہ تو یہی تھی لیکن اس سے کم رقبہ میں۔ ایک مختصر سے صحن کے شرقی و غربی جانب دو دالان اور انکے اندر ہر جانب دو دو حجرے بس یہ اسکی کل کائنات تھی۔ جنوب کی جانب ایک چھپّر پڑا تھا جو کہ گویا باورچی خانہ تھا جسمیں مہمان اپنی ضرورت کی اشیاء چائے وغیرہ خود تیّار کر لیتے تھے۔ سوختہ کا انتظام خانقاہ کیجانب ہی رہتا تھا۔

راقم السطور جب فتحپور حاضر ہوا تو یہی خانقاہ موجود تھی جسمیں مستقل قیام کرنے والے تو کم اور روز کے آنے جانے والے زیادہ ہوتے تھے۔ چنانچہ مئو اور کوپا یا پورہ معروف اور ندوہ سرائے یا اور اطراف کے لوگوں کا قافلہ آجاتا تو یہ چاروں کمرے اور دونوں دالان اور تمام مسجد بھر جاتی تھی۔ اسکے بعد تو لوگوں کا مرجوعہ بڑھتا ہی رہا حتیٰ کہ بنارس۔ غازی پور۔ الہ آباد۔ جون پور۔ بلیا۔ دیوریہ اور گورکھپور سے کافی لوگ آنے جانے لگے جسکی وجہ سے یا تو پہلے یہ ہوتا تھا کہ دن میں اطراف سے لوگ آگئے خانقاہ پُر ہوگئی، ظہر و عصر کے مابین مجلس ہوتی تھی اسوقت تک خوب ہماہمی رہتی تھی لیکن عصر پڑھکر جانے والے اپنا جھولا لاٹھی لیکر چلدیتے خانقاہ خالی ہو جاتی بس دو ہی دو چار باہر کے مہمان رہ جاتے اور یا اب باہری مہمانوں کی کثرت کیوجہ سے دس بیس سا لکین برابر ہی نظر آتے تھے اور اتوار کو مئو کا بازار بند ہونے کیوجہ سے اور جمعہ کو مدارس عربیہ میں تعطیل کے سبب پنجشنبہ و جمعہ اور اتوار کو خاصا مجمع جمع ہونے لگا۔ اسیطرح سے تعطیل کے ایام میں انگریزی دفاتر کے لوگ آآکر ہفتہ عشرہ قیام کرنے لگے اور رمضان میں اطراف وجوانب کے علاوہ باہر کے لوگ حسب استطاعت کوئی ہفتہ بھر کے لئے کوئی عشرہ اخیر کے لئے اور کوئی کوئی تمام ماہ قیام کیلئے آنے اور رہنے لگا۔ اس لئے ظاہر ہے کہ یہ چار مختصر کمرے مہمانوں کے لئے کفایت نہ کر سکے۔ ضرورت توسیع خانقاہ کی ہوئی۔ زبانوں پر

ذکر اور چرچے آنے لگے، اہل فن نے نقشے بنا بنا کر پیش کرنے شروع کئے۔ جگہ کے متعلق طے یہ پایا کہ یہی رہے البتہ آس پاس سے کچھ زمین لمجائے تو قدرے اسکی توسیع کردی جائے۔

بہر حال زمین والوں نے بخوشی زمین دیدی، مشکل یہ آپڑی تھی کہ کسی جانب زیادہ گنجائش ہی نہ تھی اس لئے معمولی ہی سے اضافہ کے ساتھ جدید خانقاہ کا بنایا جانا طے ہوگیا۔ اتفاق سے حضرت والاؒ کے بڑے بھائی حافظ عبدالعلیم صاحب جو ریلوے میں ملازم تھے اور نقشہ نویس بھی تھے وہ تشریف لے آئے حضرت والاؒ نے ڈاکٹر محمد غفران صاحب مانی کلاں جونپوری سے فرمایا کہ بھائی صاحب آئے ہوئے ہیں ان سے بھی نقشہ کے سلسلہ میں ذرا مشورہ لو اس میں وہ بڑے ماہر ہیں چنانچہ حافظ صاحب ہی کا تجویز کردہ نقشہ پسند کیا گیا اور اسی کے مطابق خانقاہ بنی۔

جن دنوں یہ سب امور تجویز تھے حسن اتفاق کہ اسی درمیان میں شعبان کی پندرھویں تاریخ اور اس کے پہلے کی شب شب قدر آگئی۔ حضرت والاؒ نے بعد مغرب (یا بعد عشاء) فرمایا کہ گاؤں سے فلاں فلاں لوگوں کو بلالاؤ جن میں جناب منشی عباس صاحب جناب چودھری عبدالوحید صاحب جناب مولوی عبدالقیوم صاحب کے علاوہ اور بھی حضرات نیز کچھ جوان لوگ تھے۔ ان سے فرمایا کہ خانقاہ کا بنا تو طے ہی ہے اسوقت خیال آیا کہ کیوں نہ اس مبارک تعمیر کی ابتدا آج ہی کی مبارک رات سے کردی جائے۔ سب حضرات نے عرض کیا کہ حضرت نہایت مناسب ہے۔ فرمایا تو پھر کار خیر میں حاجت استخارہ نہیں، جاؤ پھاوڑے اور ٹوکریوں کا انتظام کرو اور گاؤں کے سب نوجوانوں کو اطلاع کردو۔ بس پھر کیا تھا۔ حضرت والاؒ بھی تشریف لائے اہل خانقاہ بھی سب تیار ہوگئے اور اہل بستی بھی آگئے۔ سب نے مل کر بات کی بات میں خام خانقاہ کی عمارت ڈھا کر ہموار میدان کردیا اور سارا ملبہ ایک کنارے قرینہ سے جمع کردیا تاکہ صبح کو سوت لگا کر خط کھینچنے میں زحمت نہو اتنا کام آدھی رات میں کرکے سب لوگوں نے غسل وغیرہ کیا اور کپڑے وغیرہ بدل کر بقیہ شب تلاوت، نماز اور مناجات وغیرہ میں گذاری۔ الحمدللہ کہ یہی خشت اس خانقاہ کی خشت اوّل تھی۔ اب صبح کو جو لوگوں نے یہ منظر دیکھا کہ مطلع صاف تھا تو سب کو بڑی حیرت تھی کہ اتنا بڑا کام نہایت ہی قرینے اور خوش اسلوبی کے ساتھ اتنی جلدی کیسے ہوگیا۔ راج گیر بلائے گئے اور ناپ جوکھ کرکے خانقاہ کی داغ بیل ڈالدی گئی۔

دیئے ہوئے فوٹو (تصویر) میں سے ایک سے اسکی چوڑان اور دوسرے سے اسکی لمبان ظاہر ہے۔ بہر حال یہ لق و دق عمارت اس کورہ دہ مقام پر دو قسطوں میں بنی لیکن مجموعی طور پر کل ۳۳ دنوں میں تیار ہوگئی۔ چنانچہ پہلی دفعہ میں صرف نیچے کا حصہ بنا جو کہ ۵ اشعبان سے شروع ہوکر آخری تاریخ شعبان کو کام بند کردیا گیا اور نیچے کا حصہ اس قابل ہو گیا کہ رمضان میں آنے والے مہمان اس میں قیام کر سکیں۔ پھر دوسری دفعہ میں (یعنی ایک سال کے اندر ہی اندر) دوبارہ کام لگا اور دوسری منزل بھی تیار ہوگئی۔ قلمی نقشہ میں کمرہ نمبر ا سے لیکر کمرہ نمبر ۱۳ تک پہلی دفعہ میں تیار ہوا اور کمرہ نمبر ۱۴ سے لیکر کمرہ نمبر ۲۵ تک اور سب سے اوپر کی تین طرف کی لق و دق چھت اور چاروں طرف کی خوشنما ریلنگ دوسری بار میں تیار ہوئی۔

حضرت والاؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے خانقاہ کے کمرے چھوٹے چھوٹے اسی لئے بنوائے ہیں تاکہ بس ایک ایک دو دو آدمی اس میں رہ سکیں اور تنہائی اور خلوت جو کہ خانقاہ کا اصل مقصد ہے وہ حاصل ہو ورنہ یہاں بھی آکر لوگ اگر انجمن ہی کریں گے تو یہاں کا قیام کچھ نفع بخش نہ ہوگا اور جب یہی سب کچھ کرنا ہے تو یہاں آنے کی کیا ضرورت ہے اپنا گھر ہی کیا بُرا تھا وہیں رہتے اور یہی سب کرتے۔

ناظرین کرام نے قلمی نقشہ میں ملاحظہ فرمایا کہ ایک جانب حضرت اقدسؒ کا دولت خانہ ہے اور دوسری جانب خانقاہ ہے اور اسکے درمیان میں مسجد ہے۔ حضرت والاؒ کے مکان کا یہ حصہ پختہ بن چکا تھا اور اب خانقاہ بھی دو منزلہ ہو چکی تھی، حضرتؒ کے بالا خانہ میں جس جانب دو کھڑکیاں ہیں اسی جانب کو مسجد ہے اور ذرا آگے خانقاہ ہے۔ ان کھڑکیوں میں سے جو کھڑکی داہنی جانب ہے اسی کے متصل اندر کمرہ میں حضرتؒ کا پلنگ بچھا تھا اکثر اوقات حضرتؒ پلنگ پر بیٹھے ہوئے اسی کھڑکی سے باہر کی سیر فرماتے رہتے۔ خانقاہ یا مسجد میں آنے جانے والے مہمانوں کی نقل وحرکت بھی یہاں سے نظر آتی اسوقت حضرت والاؒ نے متعدد حضرات سے بڑی ہی حسرت اور تاسف کے ساتھ بارہا یہ فرمایا کہ اجی! ہمارا مکان پختہ اور اونچا بن گیا اور خانقاہ پختہ اور دو منزلہ ہوگئی درمیان میں مسجد (یعنی اللہ کا گھر نیچا اور بوسیدہ ہے اچھا نہیں معلوم ہوتا جب اسکو دیکھتا ہوں دل پر ایک چوٹ سی لگتی ہے۔ چنانچہ مثل مشہور ہے

کہ ع میدہد یزداں مراد متقیں ۔ تکمیل خانقاہ کے بعد فوراً ہی تعمیر و توسیع کا انتظام بھی اللہ تعالیٰ نے کرا دیا جو اپنی تمام تر ظاہری خوبیوں کے ساتھ آپ کے سامنے ہے ۔ نقشہ سے تو نہیں کہہ سکتا لیکن اصل عمارت کو دیکھکر بہت سے اہل دل نے اسکے باطنی سکون اور نورانیت کا بھی احساس کیا اور کیوں نہ ہوگا جبکی تعمیر میں قطب زمانہ یعنی حضرت مصلح الامۃؒ جیسی ہستی اول سے آخر تک شریک رہی ہو اور نہ معلوم کتنے مولوی، مولانا، صوفی، بزرگ اور صاحب نسبت حضرات نے حصہ لیا ہو ظاہر ہے کہ وہاں بھی نور اور نورانیت نہ ہوگی تو اور کہاں ہوگی ؟

ہمارے ایک مخلص محترم جناب امین صاحب نے بھی ایک قطعہ تاریخ تعمیر خانقاہ کے سلسلہ میں کہا ہے اور اچھا کہا ہے ؎

عالم باصفا وصی اللہ — حق پسند و حق آشنا حق کوش
بہر اصلاح ما گنہگاراں — کرد تعمیرے فیض در آغوش
سال تعمیر آں بگفت امین — خانقاہے ز مردم با ہوش
سنہ ۱۳۷۷ھ

تعارف

گذشتہ شمارہ میں مسجد و خانقاہ اور حضرت اقدسؒ کے درِ دولت کا نقشہ نظر سے گذرا ہوگا اس کا ایک منظوم تعارف ہدیہ ناظرین ہے ۔

نظر آتی ہیں تمکو خوشنما جو پانچ محرابیں — مرے حضرتؒ کی مسجد کا یہ اک اندر کا منظر ہے
بظاہر چپہ چپہ اسکا گو خاموش و ساکت ہے — مگر ذکر خدا سے تر زباں ہے اور منور ہے
اور اسکے بعد کی تصویر میں پھاٹک ہے مسجد کا — یہ ناظر کیلئے تاریخ تیاری کا مظہر ہے
پھر اسکے بعد جو تصویر ہے بالکل ہی ظاہر ہے — کہ مسجد کا شمالی سمت سے باہر کا منظر ہے
مگر یہ بائیں جانب میں جو نیچے دونوں تصویریں — وصیُّ اللّٰہی ہے یہ خانقہ صوفی کا یہ در ہے
الٰہی پھر اسے آباد کر کے شاد کر ہمکو — یہی دل کی تمنا اور دعا - اے رب اکبر ہے
اور ان دونوں کے اوپر جو پہلو دالان اور حجرہ — جو آتا ہے نظر جامی وہ میرے پیرؒ کا گھر ہے

بس بقدر ضرورت آپنے فتحپور پہونچ کر حضرت اقدسؒ کے دولت خانہ اور مسجد و خانقاہ کی سیر کرلی اب حضرت والاؒ کے ابتدائی حالات سنئے ۔

(ابتدائی حالات)

سلسلۂ نسب بیان کیا جاتا ہے کہ جب محمد شاہ تغلق جونا کا دورِ حکومت جو ۱۳۲۴ء سے ۱۳۵۱ء تک تھا ختم ہوا اور اسکے بعد اسکا چچا زاد بھائی فیروز شاہ تغلق تخت نشین ہوا تو اس نے اپنے بھائی محمد شاہ تغلق جونا کے نام پر جونا پور نامی ایک شہر بسایا جو آج جون پور کے نام سے مشہور ہے ماہ شعبان ۸۴۴ھ میں کہ زمانہ ابراہیم شاہ لودی کا تھا جو شاہ شرقی کے لقب سے مشہور تھا۔ مغربی ہند سے آکر مضافات اعظم گڈھ میں بسے ہوئے ایک راجپوت خاندان کا ایک خوش نصیب اور سعادت مند سپوت راجہ کنور سنگھ جون پور جاکر جو کہ اسوقت ہند کا شیراز تھا سلطان لودی یعنی شاہ شرقی کے حضور میں مشرف باسلام ہوا اور اس طالع بخت انسان کا اسلامی نام ملک دیندار رکھا گیا۔ یہی وہ عزت مآب بزرگ ہیں جنکی پندرھویں پشت کو ہمارے حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے وجود با مسعود نے رونق بخشی۔ چنانچہ اب انکا نام دیندار ہونے کا راز بھی سمجھ میں آیا کہ علم الٰہی میں آئندہ ایک ایسا وقت آنا مقدر تھا کہ اس گھرانہ سے دین و دیانت۔ صدق و امانت۔ تقویٰ و طہارت۔ رشد و ہدایت۔ کتاب و سنت کی طرف دعوت۔ اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق اور سچی محبت اور ولایت و نسبت کی دینی دولت عام ہونے والی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے ہمارے حضرتؒ کی ذات والا صفات کو ان تمام دولتوں کا خزانہ اور ان دینی و روحانی نعمتوں کا سرچشمہ بنا دیا تھا۔ فالحمد للہ تعالیٰ علیٰ ذلک۔

سلسلۂ نسب حضرت اقدسؒ کا یہ تھا:۔

مصلح الامۃ عارف باللہ حضرت حافظ قاری مولانا شاہ محمد وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ۔

ابن ۱ حافظ محمد یعقوب خاں صاحب	بن ۲ فضل علی خاں صاحب	بن ۳ حسین علی خاں صاحب
بن ۴ محمد دین خاں صاحب	بن ۵ شہادت علی خاں صاحب	بن ۶ فاضل خاں صاحب
بن ۷ مصاحب خاں صاحب	بن ۸ پہاڑ خاں صاحب	بن ۹ سیف خاں صاحب
بن ۱۰ فیروز خاں صاحب	بن ۱۱ جنن خانصاحب	بن ۱۲ ملک فتح خاں صاحب
بن ۱۳ مبارک خاں صاحب	بن ۱۴ ملک ادھرن صاحب	بن ۱۵ ملک دیندار صاحب

اس شجرہ میں دسویں نمبر پر سیف خاں صاحب کا نام آتا ہے، ہمارے حضرت والاؒ کی اہلیہ مرحومہ (یعنی محترمہ جمیلہ خاتون المتوفیہ ۵ جون ۴۷ء بنت عبدالحیٔ خاں صاحب) کا شجرہ بھی نویں پشت پر ان ہی سے ملجاتا ہے۔ اس طور پر ان سے آگے کا سلسلہ حضرت والاؒ کے والد ماجد کا اور حضرتؒ کی اہلیہ کے والد ماجد کا ایک ہی ہے۔

(حضرتؒ کا سنِ پیدائش اور زمانۂ طفولیت)

سنِ پیدائش بقول حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی رحمہ اللہ کے کہ اکثر بزرگوں اور مشائخ کے حالات مخفی ہی رہتے ہیں اور غیر تو غیر خود اپنے لوگ بھی صحیح طور پر ذمہ داری کے ساتھ کم ہی باتیں بیان کر سکتے ہیں۔

اس لئے کہ ابتداء میں تو کسی کو یہ اندازہ بھی نہیں ہوتا کہ انکا مستقبل ایسا شاندار ہونے والا ہے۔ لہٰذا اس زمانہ کے بڑی عمر کے لوگ بھی جب کوئی واقعہ دیکھتے ہیں تو اس پر تعجب تو کرتے ہیں لیکن بس اسکو ایک اتفاق وقت پر محمول کر کے اس سے صرف نظر کر لیتے ہیں اور اسے یاد رکھنے اور تاریخوار صحیح صحیح بیان کرنے کی نہ تو انکی عادت ہی ہوتی ہے نہ کوئی ضرورت ہی محسوس کرتے ہیں جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعد کو جب انکی جستجو ہوتی ہے تو یہ لوگ خود کو تاریکی میں پاتے ہیں۔

یہی معاملہ ہمارے حضرتؒ کے ساتھ بھی پیش آیا کہ تفصیلی حالات تو نہ کسی نے نظر میں رکھے اور نہ تاریخوار واقعات معلوم ہو سکے۔ چنانچہ تاریخ پیدائش تو کیا معلوم ہوتی سن ولادت بھی حتمی اور یقینی طور پر نہ معلوم ہو سکا۔ تاہم تقریبی روایت یہ ہے کہ حضرت اقدسؒ کے ماموں زاد بھائی جناب ہدایت اللہ خاں صاحب ماہ پوری کا بیان ہے کہ ہماری اور حضرت مولاناؒ کی پیدائش ایک ہی دن اور ایک ہی تاریخ کی تھی۔ چودھری عبدالوحید خاں صاحب فتحپوری کہتے تھے کہ ہم اور ہدایت اللہ خاں صاحب ہم عمر تھے چنانچہ ان کے بیان کے مطابق گویا میں بھی سن پیدائش میں حضرت والاؒ کا شریک ہوں اور اس لحاظ سے حضرت مولاناؒ کا سن پیدائش

غالب گمان یہ ہے کہ ۱۳۱۲ھ مطابق ۱۸۹۵ء تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نیز چودھری صاحب ہی یہ بیان فراتے تھے کہ لوگوں کا کہنا ہے کہ حضرت اقدس کے والد بزرگوار جناب حافظ محمد یعقوب صاحب گاؤں کے ایک معزز زمیندار اور نیک شخص تھے اور حضرت کے دادا مرحوم افضل علی صاحب اپنے تین رفقار کے ہمراہ حج کے ارادہ سے روانہ ہوئے، اسوقت جونپور سے ریل چلتی تھی اور اعظم گڈھ سے وہاں تک کے لئے اونٹ گاڑی کی سواری تھی اسلئے یہ قافلہ اونٹ گاڑی پر سوار ہونے کے لئے اعظم گڈھ گیا اور وہاں دادا صاحب کو اونٹ گاڑی پر سوار کرا کے لوگ واپس ہی ہوئے تھے کہ اچانک خبر ملی کہ افضل علی صاحب کا تو انتقال ہوگیا چنانچہ لوگ فوراً واپس گئے اور جو لوگ ان کو وہاں پہونچانے گئے تھے وہی لوگ انکی نعش کو گھر لیکر آئے۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہوا کہ جد امجد کا جس طرح سفر حج میں انتقال ہوا تھا ہمارے حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے بھی اسیطرح سے سفر حج ہی سے سفر الی رب البیت فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا معاملہ اس خاندان پر اسی نوع کے فضل وکرم کا شروع ہی سے رہا کیا ہے۔ وذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء اور بقول حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ؏۔

خدا یہ موت دے سب کو ہم اس مرنے پہ مرتے ہیں

ہمارے حضرت نور اللہ مرقدہ جو کہ اپنے حسن باطنی اور کمالات روحانی کیوجہ سے عام لوگوں کی نظروں میں محبوب ہونے کی بنا پر گویا یوسف ثانی تھے۔ آپ کے والد ماجد حافظ محمد یعقوب صاحب کے دو بیویاں تھیں۔ محل اول سے حافظ صاحب کے ایک لڑکی تھی جنکا نام آمنہ تھا اور دو لڑکے تھے ایک کا نام عبدالحلیم خاں تھا حضرت اقدس بھوپال میں انھیں کے پاس کچھ دنوں رہے تھے۔ اور دوسرے کا نام حافظ عبدالعلیم خاں تھا یہی حافظ صاحب پہلے بینا میں محکمہ ریلوے میں ملازم تھے پھر جب بمبئی تبادلہ ہوگیا تو کرلا میں مستقل رہنے لگے، انھیں کے لڑکے عظیم خاں کے نام پر عظیم دواخانہ قائم ہوا اور کرلا میں سمیع بلڈنگ میں فتحپور یا اطراف فتحپور کے جو لوگ اسوقت موجود ہیں انکا یہاں کا قیام حافظ صاحب موصوف

ہی کا مرہون منت ہے۔ قومی کام کرنے کا بے حد شوق تھا اسلئے وطن کے لوگوں کو بمبئی بلابلاکر کام سے لگایا اور خود آپکی شخصیت یہاں بمبئی میں کافی مشہور و معروف گذری ہے۔ کرلا میں پائپ روڈ کی مسجد کے آپ تاحیات متولی رہے۔ وطن کے لوگ آپ کو بڑے حافظ جی کے نام سے پکارتے تھے اور وجہ اسکی یہ تھی کہ ہمارے حضرتؒ نے جن حافظ صاحب سے قرآن ختم کیا تھا ان کے سب شاگردوں میں حافظ عبدالعلیم صاحب مرحوم ہی نے سب سے پہلے حفظ قرآن ختم کیا تھا اور اس مکتب سے سب سے پہلے حافظ ہوکر یہی نکلے تھے۔ اور محل دوم سے حسب ذیل سات لڑکے تھے:۔

فصیح[۱] اللہ خاں صاحب۔ ہمارے[۲] حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ۔ سمیع[۳] اللہ خاں صاحب اسلام[۴] اللہ خاں صاحب۔ رفیع[۵] اللہ خاں صاحب۔ انعام اللہ خانصاحب[۶] اول اور انعام[۷] اللہ خاں دوم۔ اسطرح گویا حضرت والا کے چھ[۶] بھائی توحقیقی تھے اور دو[۲] علاتی تھے ان سب بھائیوں میں سے آج صرف رفیع اللہ خاں صاحب وطن میں اور اسلام اللہ خاں صاحب وانعام اللہ خاں صاحب پاکستان میں الحمدللہ بقید حیات ہیں۔ بقیہ سب حضرتؒ کی حیات ہی میں وفات پاگئے۔

حضرت والاؒ کے دادا فضل علی مرحوم کے ایک اور بھائی تھے اشرف علی خاں صاحب ان کے بھی دو لڑکے تھے عبدالغنی خاں صاحب اور عبدالرحمٰن خاں صاحب۔ یہی عبدالغنی خاں صاحب منشی محمد عباس خاں صاحب کے والد تھے۔ چنانچہ منشی جی کے والد حضرتؒ کے والد کے چچیرے بھائی ہوکر گویا منشی جی بھی حضرتؒ کے بھائی تھے۔ گاؤں کے پڑھے لکھے لوگوں میں انکا شمار ہوتا تھا، لوگ بھی منشی جی کا علم اور عمر کیوجہ سے احترام کرتے تھے۔ فتحپور کی زندگی کے بہت سارے واقعات اور معاملات میں یہی منشی عباس صاحب واسطہ بنائے جاتے تھے۔ حضرتؒ کے وصال کے بعد چار پانچ سال زندہ رہے بالآخر ۔۔۔ میں انکا بھی انتقال ہوگیا۔ اور دوسرے لڑکے عبدالرحمٰن خاں کے تین لڑکے تھے، حافظ[۱] سراج الدین صاحب۔ لیسین[۲] خاں صاحب اور ریاض[۳] الدین خاں صاحب۔ ان میں سے حافظ سراج الدین صاحب بھی بمبئی میں رہتے تھے۔

منشی یٰسین صاحب کے صاحبزادے ابوالحسن خان صاحب کا بھی قیام بمبئی ہی تھا۔ غرض حقیقی اور علاتی بھائیوں کے علاوہ حضرت والاؒ کے چار برادران یک جدی اور بھی تھے جن میں منشی محمد عباس صاحب کا حضرتؒ کے بعد اور سب کے آخر میں انتقال ہوا اور بقیہ تینوں حضرتؒ کے سامنے ہی انتقال کر چکے تھے۔ اس شجرہ سے حضرتؒ کے بھائیوں کی تفصیل معلوم ہو سکتی ہے۔

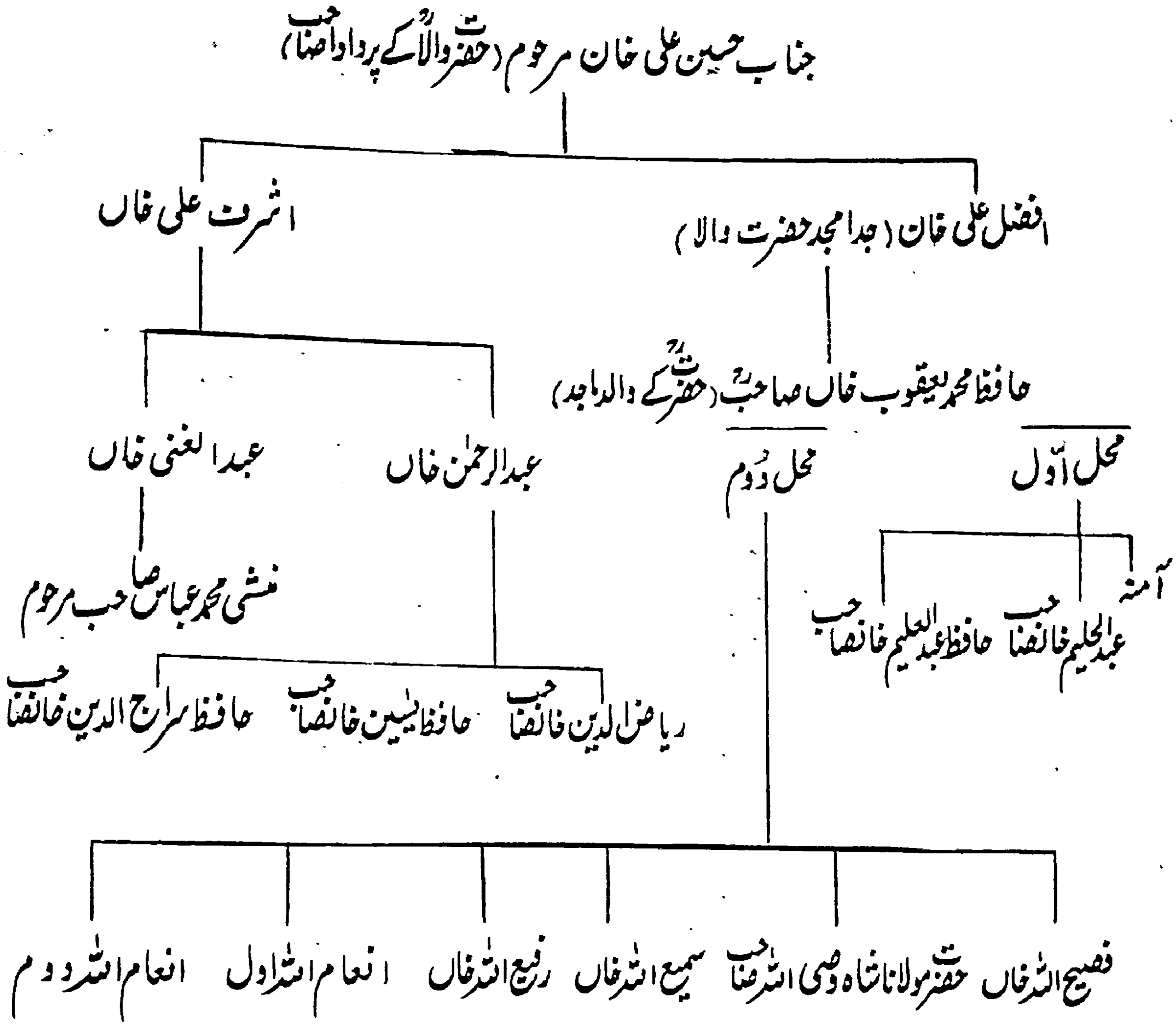

مذکورہ بالا تفصیل کے جان لینے کے بعد ناظرین کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ حضرت اقدس کے متعدد بھائی بھتیجے بمبئی میں تھے چنانچہ لکھنؤ میں مرض فالج سے صحت کے بعد تبدیلی آب و ہوا کے لئے جب کسی معتدل مقام کی تجویز ہوئی تو خود حضرت والاؒ نے بمبئی کو تجویز فرمایا اور یہ فرمایا کہ بمبئی چلونگا وہاں میرے بہت سے اعزہ ہیں اس سے یہی حضرات مراد تھے۔

طفولیت

مکرمی رفیع اللہ خان صاحب بیان کرتے تھے کہ بھائی صاحب (یعنی حضرت والاؒ) کے بارے میں والدہ صاحبہ بیان فرماتی تھیں کی اپنی عادت کے خلاف سب سے نرالی بات جو انکی دفعہ مجھے پیش آئی وہ یہ تھی کہ جب یہ پیٹ میں تھے تو مجھے قے بہت زیادہ ہوئی جسکی وجہ سے مجھے خیال ہوا کہ آخر یہ کیا بات ہے مگر اسوقت تو خیر کچھ سمجھ نہ سکی لیکن بعد میں جب انکے اور سب طور وطریقے بھی سب بچوں سے مختلف دیکھے اور رشد و صلاح اور انس ومحبت کے آثار ان میں نمایاں پائے تو اسیوقت سے ہی اتنا سمجھتی تھی کہ آگے چل کر انکی کچھ شان ہونے والی ہے۔ چنانچہ بیان کرتی تھیں کہ بچپن ہی سے یہ سب بچوں سے الگ تھلگ رہتے تھے اور اس عمر میں بچے عام طور سے جس قسم کے کھیل کود، تفریح وشکار وغیرہ میں مصروف رہتے ہیں اِنکو اُن سب میں کوئی دلچسپی تھی اپنے ہم عمر لڑکوں سے خلط ملط نہ رکھتے اور اپنے ساتھیوں میں سے کسی کی شکایت نہ گھر پر کبھی کسی سے کی اور نہ مدرسہ میں استاد سے کی۔

حضرتؒ کے ماموں ہدایت اللہ خاں صاحب کہتے تھے کہ بچپن میں ہم دونوں نے ایک ساتھ کچھ دنوں بکریاں چرائی ہیں۔ سبحان اللہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی یہ سنّت بھی حضرتؒ کے نصیب میں آئی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ کوئی نبی نہیں ہوا ہے مگر یہ کہ اس نے بکریاں ضرور چرائی ہیں۔ حضرات صحابہؓ نے یہ سنکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ نے بھی بکریاں چرائی ہیں آپ نے فرمایا کہ ہاں میں نے بھی چرائی ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حسنِ تربیت کا ایک نمونہ ہے کہ جن حضرات سے مخلوق کی تربیت وابستہ کیجاتی ہے انمیں اخلاقی اعتدال بالخصوص حلم اور شفقت پیدا فرمانے کے لئے پہلے بکریاں چروا کر اسکی عملی مشق کرادی جاتی ہے اور جانوروں میں سے بھیڑ بکری ہی کی صنف اسلئے منتخب ہوتی ہے کہ خود انسان کو تو یہ کوئی ضرر پہونچاتی نہیں، البتہ بعض مرتبہ اسکو بہت زیادہ پریشان کرتی ہے ایسا کہ آدمی عاجز ہوکر رو رو دیتا ہے ادھر بھاگتی ہے ادھر بھاگتی ہے۔ اب اگر انسان غصہ میں آکر اسکو ایک ڈنڈا رسید کردے تو ایک ہی ہاتھ میں اسکا کام ہی تمام ہو جائے اسلئے آدمی صبر اور تحمل سے کام لیتا ہے چنانچہ اسکے ذریعہ انسان میں یہی صفت پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے اور اسی

شفقت اور ضبط پر اسکو خدا کے یہاں نمبر ملتا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا کہ اے میرے رب! آپ نے مجھے صفی میری کس خوبی کی وجہ سے بنایا ہے (یعنی میری کیا بات آپ کو پسند آئی بتلادی جائے)۔ فرمایا کہ میری مخلوق پر تمہارے رحم وشفقت کرنے کی وجہ سے میں نے تمھیں منتخب کیا اسلئے کہ تم (حضرت) شعیب (علیہ السلام) کی بکریاں جب چراتے تھے تو ایک دن ایک بکری گلہ سے باہر نکل بھاگی تم نے اسکو دوڑایا وہ ادھر ادھر بھاگنے لگی بالآخر اس نے تمھیں خوب ہی تھکا ڈالا لیکن جب تم نے اسکو پکڑ پایا تو بجائے اسکے کہ اسکو مارتے پیٹتے تم نے یہ کیا کہ اسکو گود میں لیکر سینے سے لگا لیا اور انتہائی شفقت اور پیار کے لہجے میں اس سے یہ کہا کہ اے مسکینہ! آخر اتنا دوڑنے سے کیا نتیجہ نکلا سوا اس کے کہ تو خود بھی تھکی اور مجھے بھی تھکایا۔ بس تمہاری یہ ادا یعنی میری اس بے زبان مخلوق پر تمہارا اس طرح سے شفقت اور رحم کرنا مجھے پسند آگیا چنانچہ اسی کے صلہ میں میں نے تمھیں پیغمبری سے نوازا۔

(تنبیہ الغافلین)

بہرحال بکریاں چرانا جب انبیاء کا طریقہ رہا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایک مبارک طریقہ ہے۔ اگر کسی کے حصہ میں یہ سنت بھی آجائے تو اسکے لئے عین سعادت اور آئندہ کے لئے فال نیک بن سکتی ہے۔ چنانچہ الحمد للہ حضرت والا کو بھی اللہ تعالےٰ نے اس خُلق یعنی رحمت اور شفقت سے خوب ہی خوب نوازا تھا اور اصلاح امت کے منصب پر بھی آپکو فائز فرمایا اسکی تصدیق سے حضرتؒ کی پوری سیرت بھری ہے۔

مکتب میں داخلہ حضرت والاؒ جب سن شعور کو پہونچے تو گھر والوں نے آپکو جناب حافظ ولی محمد صاحب کے پاس بستی ہی کے ایک مکتب میں حفظ قرآن کے لئے بٹھادیا۔

حافظ ولی محمد صاحب مرحوم مئو کے پاس کسی گاؤں کے رہنے والے تھے پھر وہاں سے آکر حمید پور میں رہنے لگے تھے۔ یہاں سے فتحپور قریب ہی تھا برابر آمد ورفت رہا کرتی تھی ایک مرتبہ آئے تو لوگوں نے یہیں گاؤں میں انکو روک لیا اور درخواست کی کہ آپ یہیں رہیئے اور ہمارے بچوں کو قرآن شریف پڑھایئے۔ چنانچہ حضرتؒ ہی کے آبائی مکان کی بیٹھک اسکے لئے تجویز

کی گئی۔ اور حافظ صاحب اسی میں پڑھانے لگے اور خود حافظ صاحب کے رہنے کے لئے لوگوں نے کوئی مکان بھی بنوا دیا۔ حضرتؒ نے انھیں سے قرآن حفظ کیا اور حضرتؒ کے بڑے بھائی حافظ عبدالعلیم صاحب معروف بہ بڑے حافظ جی اسی مکتب کے درجۂ حفظ کے سب سے پہلے فارغ التحصیل طالب علم تھے۔

حافظ ولی محمد صاحبؒ یوں خاندان تو حافظ صاحب کا کچھ بہت زیادہ اعلیٰ نہ تھا مگر اِنَّ اَکرمکم عند اللہ اتقٰکم کی رُو سے حافظ صاحب موصوف صرف ولی محمد ہی نہیں بلکہ ولی اللہ بھی تھے یعنی ایک صاحب نسبت اور صاحب کشف وکرامت بزرگ تھے اور کیوں نہ ہوتے حق تعالےٰ شانہ نے ہمارے حضرتؒ کا اولین استاد ہونا انکی تقدیر میں لکھا تھا چنانچہ آپ کا تعلق پہلے شاہ علی احمد صاحب بھیرویؒ سے تھا اور ان کے وصال کے بعد حافظ صاحب حضرت مولانا تھانویؒ قدس سرہٗ سے متعلق ہو گئے تھے اور کیوں نہ ہوتے جس ذات کے لئے بخت نے ازل ہی سے حکیم الامۃؒ کا جانشین ہونا مقدر فرما دیا تھا اسکے لئے حضرت تھانویؒ کی نسبت سے فیضیاب ہونے کا اول دن سے ہی یہ انتظام کیا جا رہا تھا۔ مگر حافظ صاحبؒ اپنے اس تعلق کا بہت ہی زیادہ اخفار فرماتے تھے اور یوں خود بھی نہایت ہی خاموش گوشہ نشین قسم کے آدمی تھے اسلئے عام طور پر حضرت تھانویؒ سے آپ کا یہ تعلق لوگوں کے علم میں نہ تھا وہ تو کہئے کہ آپ کے انتقال کے بعد انکی کتابوں اور کاغذات میں سے حضرت تھانویؒ کے نام لکھے ہوئے چند اصلاحی خطوط ملکر اس کا مصداق ہوئے کہ ؎

چند حضرتؒ کی کتب اور چند اصلاحی خطوط بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ ساماں نکلا

انھوں نے ہی اس تعلق کی غمازی کی اور اب سب کو معلوم ہو گیا کہ حضرتؒ کے یہ استاد حضرتؒ کے پیر بھائی بھی تھے۔ راقم عرض کرتا ہے کہ حضرتؒ کے بعد کے حالات کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ اگر حضرت والا کا آخری یا وسطی دور حافظ صاحب پاتے تو مرید بھی ہو جاتے وذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

حافظ صاحب کے کشف کا ایک واقعہ بہت مشہور ہوا وہ یہ کہ بستی کے کسی آدمی

کو سرسام ہوگیا، کسی حکیم نے علاج کے لئے بگلی (چھوٹا بگلا) تجویز کیا اب اسوقت فوراً بگلی کہاں ملے لوگ اس سلسلہ میں پریشان تھے حافظ صاحب کو بھی اسکا علم ہوا انھوں نے ایک لڑکے سے کہا کہ تال میں جاؤ دیکھو فلاں طرف فلاں جھاڑی میں ایک بگلی پھنسی ہے اس کو پکڑ لاؤ۔ چنانچہ وہ لڑکا اس جگہ گیا تو دیکھا کہ واقعی ایک بگلی گھاس کے جال میں پھنسی پڑی ہے وہ اسکو پکڑ لایا۔ اس قسم کی بات تو بہت جلد مشہور ہو جاتی ہے آناً فاناً پورے گاؤں میں انکے اس واقعہ کا چرچا ہوگیا اور لوگ حافظ صاحب کے بہت معتقد ہوگئے۔ ان کے شیخ شاہ علی احمد صاحبؒ کو بھی اسکا علم ہوا انھوں نے حافظ صاحب کو بلوا بھیجا اور ان پر بہت خفا ہوئے اور کہا کہ بہت بگلا پھنساتے ہو! اور شاید یہ بھی کہا کہ کرامت دکھلاتے ہو؟ یاد رکھو سب سلب ہو جائے گا۔ کہتے ہیں کہ اسپر حافظ صاحب بہت روے اور شیخ سے اپنی معافی مانگی

خیر یہ تو شیخ کی ایک تنبیہ تھی جو بعض حالات میں ضروری ہوا کرتی ہے اور کوئی بھی مرید اپنے سلوک کی کسی منزل میں بھی اس سے بے نیاز نہیں ہوتا، مگر اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حافظ صاحب کا باطن نہایت ہی مصفّا اور منوّر تھا۔ چنانچہ الحمدللہ حافظ صاحب کی اس نورانی کیفیت سے ہمارے حضرتؒ نے بھی کافی حصہ پایا تھا اور آپ بھی نہایت زبردست صاحب کشف وکرامت بزرگ تھے یہ الگ بات ہے کہ کتاب وسنّت کا طریقہ اپنی طبیعت پر غالب فرمایا تھا جسکی وجہ سے کشف وکرامت کو حد سے متجاوز نہیں ہونے دیا بلکہ اعمال پر استقامت ہی کو اصل طریق قرار دیا۔ خود اپنے لئے بھی اسی کو پسند فرمایا اور عام مسلمانوں کے لئے بھی — فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

حافظ صاحب مرحوم، حضرت والاؒ سے بہت خوش رہتے تھے اور وجہ اسکی یہ تھی کہ حضرتؒ بس اپنے کام سے کام رکھتے تھے اپنا سبق خوب اچھا اور پختہ یاد کر لیتے تھے، ظاہر ہے کہ ایک استاد کی سب سے بڑی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اسکا شاگرد نیک صالح ہو، فرمانبردار ہو اور ذہین و محنتی ہو اور حضرت والاؒ میں اللہ تعالےٰ نے یہ تمام ہی خوبیاں جمع فرمادی تھیں اسلئے حافظ صاحب کو کبھی کسی قسم کی تنبیہ کی ضرورت ہی نہ پڑتی تھی بلکہ وہ حضرتؒ سے بہت زیادہ خوش مطمئن رہتے اور محبت فرماتے تھے۔

رفیع اللہ چچا کہتے تھے کہ ایام تعلیم قرآن میں حضرت والا کا ایک معمول تھا کہ مدرسہ سے جب گھر آتے تو سیدھے والدہ کے پاس جاتے سلام کرتے اور کہتے کہ اے اماں! حافظ جی کو سبق یاد کرکے سنادیا۔ اسوقت میری دادی مرحومہ بھی حیات تھیں وہ حضرت کو وصی کہکر پکارتی تھیں اسوقت دادی کی عمر ۸۰ / ۹۰ سال کی رہی ہوگی۔ جب حضرت والدہ صاحبہ کو مدرسہ کی روداد سنا چکتے تو دادی آواز دیتیں کہ اے وصی یہاں آؤ حضرت انکے پاس تشریف لیجاتے اور سلام کرنے کے بعد خود ہی کہتے کہ اے دادی! سبق حافظ جی کو سنادیا اس پر وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو سر پر پھیرتیں اور پٹر پٹر بلائیں لیتیں (یہ ایک طریقہ اظہار مسرت اور محبت کا ہمارے اطراف کی عورتوں میں رائج ہے جسکو بَلیّا لینا کہتے ہیں معلوم نہیں اور جگہ اسکا کیا نام ہے اور یہ طریقہ رائج ہے بھی یا نہیں) پھر اسکے بعد تکیہ کے نیچے سے کوئی نہ کوئی کھانے کی چیز نکالکر حضرت کو دیتیں جسکو وہ پہلے سے رکھے رہتی تھیں، یہ روزانہ کا معمول تھا۔ اس سے فارغ ہوکر کھانا وغیرہ کھاتے اور اگر کھانے کی تیاری میں قدرے تاخیر ہوتی تو ضد اور فساد وغیرہ نہ کرتے جیسا کہ عام بچوں کا طریقہ ہوتا ہے کہ اگر مدرسہ سے آنے کے بعد انکو فوراً کھانے کو نہ دیا جائے تو رونا دھونا، مچلنا اور شور مچانا شروع کردیتے ہیں۔ حضرت والا یہ سب کچھ نہ کرتے بلکہ اگر کھانا تیار رہتا تو کھالیتے تھے ورنہ خاموشی سے ادھر ادھر کہیں چلے جاتے۔

نیز رفیع اللہ چچا کا بیان ہے کہ والدہ مرحومہ برابر کہتی تھیں کہ یہ ادرزادہ ولی ہیں اور اور کہتی تھیں کہ ان سے مجھے کبھی کوئی تکلیف نہیں پہونچی۔ سبحان اللہ! وَلَا تَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا۔ یعنی تم انکو کبھی ہاں سے ہوں بھی مت کہنا اور نہ انکو جھڑکنا ان سے خوب ادب سے بات کرنا۔ اس حکم خداوندی پر اس مادرزاد ولی کا اُسیوقت سے عمل تھا جبکہ اُس نے اِس آیت کو پڑھا بھی نہیں تھا۔ انھیں کا بیان ہے کہ حضرت بچپن ہی میں والدہ سے کہتے تھے کہ اے اماں! سب ہی میرے بھائی ہیں مگر رفیع اللہ کی طرف طبیعت کیوں مائل ہوتی ہے۔ والدہ اسکے جواب میں کہتی تھیں کہ میں بھی تو اسکو مانتی ہوں (یعنی چاہتی ہوں) پھر تم کیوں نہ مانوگے۔

دس بارہ سال کی عمر میں حفظ ختم کرلیا اور ناظرہ حضرتؒ نے الگ سے نہیں پڑھا بلکہ تعلیم قرآن شریف کی ابتدا ہی آپ نے حفظ سے فرمائی یا یوں کہہ لیجئے کہ ناظرہ جو کچھ پڑھتے اسکو حفظ کرکے سنا دیتے تھے۔ چودھری عبدالوحید خاں صاحب کہتے تھے کہ ہم سب ساتھیوں میں حضرتؒ کا حافظہ مشہور تھا۔ اللہ تعالےٰ نے کمال کی یادداشت عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ آپ کے حفظ قرآن کی بھی عجیب کیفیت تھی سب طالب علم جانتے تھے کہ یہ سبق بہت جلد یاد کر لیتے ہیں بلکہ بغیر یاد کئے اور رٹے ہوئے صرف استاد کے پاس ایک دفعہ پڑھنے ہی سے انکو سبق یاد ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مولانا جب مدرسہ سے چھٹی کے بعد گھر جانے لگتے تو کبھی کبھی ہم لوگ یہ کرتے کہ انکا قرآن شریف چھین لیتے۔ حضرتؒ بڑی نرمی اور خوشامد کے ساتھ اپنا قرآن مانگتے ہم لوگ کہتے کہ جو سبق آج پڑھا ہے اسکو سنا دیجئے تب آپ کا قرآن دیں گے اس پر فرماتے کہ اچھا ایک مرتبہ سبق دیکھ لینے دو، چنانچہ ہم لوگ کبھی تو دیدیتے اور حضرت والا ایک نظر ڈالکر پھر ہم کو واپس فرما دیتے اور اپنا سبق سنا دیتے اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ہم لوگ جواب میں کہتے کہ نہیں قرآن شریف نہیں ملیگا پہلے سبق سنا دیجئے تب آپ کا قرآن ملے گا۔ اسپر بس ذرا سا تامل فرما کر وہیں کھڑے کھڑے اپنا سبق فرفر سنا دیتے۔ وعدہ کے مطابق ہم لوگ آپ کا قرآن واپس کر دیتے اور آپ گھر چلے جاتے۔ اس قسم کی چھیڑ خانی اکثر ہوا کرتی تھی۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ محترم چودھری صاحب موصوف نے تو یہ واقعہ حضرتؒ کی ذہانت، قوت حافظہ اور خوش خلقی کے سلسلہ میں سنایا اور یہ سب ایسے زمانے کے واقعات ہیں کہ انسان سو وقت نہ تو مکلف ہی ہوتا ہے اور نہ اسکو کسی کی معرفت ہی ہوتی ہے اس لئے کسی اللہ والے کا ادب فوت کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا۔ تاہم اللہ تعالےٰ چونکہ اپنے ولی کے بارے میں غیرت رکھتے ہیں اسلئے اس نوع کی غیر شعوری تقصیر کا بدلہ بھی ضرور عالم وجود میں آہی جاتا ہے۔ خود یہی چودھری صاحب موصوف — جو حضرت والا کے ہم عمر بھی تھے اور ہم مکتب بھی اور بہت سے معاملات میں حضرت والا کے مشیر خاص بھی ہوتے تھے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک ایسا وقت بھی آیا کہ حضرت اقدسؒ کے تنخصی یا

جماعتی مواخذہ پر بے حد پریشان ہو جاتے اور حضرتؒ کے سوال کا جواب دینا مشکل ہو جاتا تھا یوں حضرت اقدس بھی انزلوا الناس منازلھم کے اصول پر انکے مرتبہ کا لحاظ بھی فرماتے کہ بستی کے چودھری تھے اور گاؤں کے سن رسیدہ لوگوں میں سے تھے۔ لیکن چونکہ ان سب حضرات نے اپنی اصلاح حضرت والا سے متعلق کر رکھی تھی اسلئے حق مشیخت بھی پوری طرح ادا فرماتے اور دینی کوتاہی پر کسی کی دنیوی وجاہت ذرا اثر انداز نہ ہوتی۔ حضرت والا کا اکثر و بیشتر گاؤں کے عام لوگوں سے کسی کے واسطہ سے سوال ہو جاتا کہ ان لوگوں سے پوچھو مجلس میں کیسے بیٹھے ہیں؟ پہلے یہ لوگ اپنے اخلاص کا ثبوت دیں اور مجھ سے عقیدت ہو تو بیٹھ سکتے ہیں۔ یہ فرما کر صدر اور چودھری سب ہی لوگ اٹھا دیئے جاتے تھے۔ اب اس سوال کا اُس سوال سے جوڑ لگا لیجئے کہ پہلے سبق سنا دو تب قرآن شریف دینگے کہ آج اُدھر سے یہ سوال کیا جا رہا ہے کہ پہلے اخلاص کا ثبوت دو تب مجلس میں آکر بیٹھو۔ سبحان اللہ اس دیر مکافات میں غیرت خداوندی کے عجیب عجیب نمونے ہیں۔

ابتدائی تعلیم کے مختلف دور

قرآن شریف اور کچھ ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کرکے اپنے علاتی بھائی حافظ عبد العلیم صاحب کے ساتھ بینا تشریف لے گئے۔ حافظ صاحب مرحوم محکمہ ریلوے میں ملازم تھے ان دنوں بینا تبادلہ ہو کر آئے تھے اور انکے بڑے بھائی عبد الحلیم خانصاحب مرحوم نے بھوپال میں کچھ زمین وغیرہ لے رکھی تھی اس لئے بطور ایک رئیس کے انکا قیام بھوپال ہی میں تھا حضرت والا کچھ دنوں یہاں بھی رہے۔ حضرتؒ کے یہ دونوں بھائی عمر میں حضرت سے بڑے تھے۔ انگریزی تعلیم حاصل کرکے دنیا میں اپنا اپنا ایک مقام حاصل کر چکے تھے تعلیم جدید کا دور دورہ تھا اسلئے ان حضرات کا خیال حضرت والاؒ کے متعلق بھی کچھ اسی قسم کا تھا کہ یہ عربی پڑھکر کیا کریں گے انکو انگریزی تعلیم حاصل کرنا چاہیئے لیکن حضرت والا اسکے لئے بالکل تیار نہوتے تھے۔ بڑے بھائی منشی عبد الحلیم خانصاحب مرحوم کے صاحبزادے (جو حضرتؒ کے ہمعمر تھے)

حبیب احمد خاں اسوقت انگریزی تعلیم حاصل کر رہے تھے اسلئے وہی نمونہ نظروں میں بھی تھا اور جیسا کہ آپ بھی جانتے ہیں کہ ایسے موقع پر اعزہ اور اقربا بڑا زور لگاتے ہیں کوئی نصیحت و خیر خواہی کے انداز میں کوئی ذرا طنز و تحقیر کے طور پر عربی اور انگریزی تعلیم کے تقابل کے وقت انگریزی ہی کو ووٹ دیتا ہے حضرت والا کے ساتھ بھی زندگی کے اس موڑ پر یہی سب کچھ پیش آیا۔ کسی نے کہا کہ عربی پڑھکر قوم پر بار ہونگے اور کیا کریں گے۔ کسی نے کہا کہ مُلّا بنکر بھیک مانگیں گے۔ حضرتؒ فرماتے تھے کہ اپنے ہی گھر میں اپنے لوگوں سے اس قسم کی باتیں سنتا تھا اور تنہائی میں جاکر روتا تھا اور اللہ تعالےٰ سے رو رو کر دعا کرتا تھا کہ یا اللہ یہ لوگ تیرے دین کی تعلیم حاصل کرنے میں مزاحم بننا چاہتے ہیں میرے حال پر رحم فرما اور مجھے دنیا میں انکا دست نگر نہ بنا اور اے اللہ مجھے علم دین عطا فرما اور مجھے ایسی عزت سے نواز کہ ان لوگوں کو بھی معلوم ہوجائے کہ دین حاصل کرنے والا دنیا میں کبھی ذلیل نہیں ہوتا۔ یا اللہ میری عزت بس تیرے ہاتھ ہے۔ اپنے دین کو ان دنیا داروں کے سامنے ذلیل اور رسوا ہونے سے بچالے۔

حضرتؒ فرماتے تھے کہ بھائی صاحب یوں میرا احترام بھی فرماتے تھے چنانچہ اکثر و بیشتر ایسا ہوتا تھا کہ حبیب احمد کو اسکی حرکتوں پر مارتے ہوتے غصہ ور تو تھے ہی کسی کی ہمت بولنے کی نہ پڑتی بالآخر میں ہی ہمت کرتا اور جاکر اسکو چھڑاتا اور کہتا کہ بھائی صاحب بس کیجئے بس میری سفارش پر فوراً ہاتھ روک لیتے۔

اسی سلسلہ کا ایک واقعہ مولوی محمود حسن صاحب مدظلہٗ نے پرنام بٹ سے لکھا کہ حضرتؒ نے فرمایا کہ میں اپنے بھائی صاحب کے یہاں بھوپال میں تھا انکا ایک لڑکا تھا ذرا شریر کبھی کبھی بھائی صاحب اسکو بہت مارتے تھے یہاں تک کہ کپڑوں میں پیشاب تک کردیتا تھا میں ہی ان سے چھڑا کر اسکو کنوئیں پر لاتا اور نہلا دھلا کر کپڑے بدلواتا چنانچہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ اس شب میں وہ اسکی والدہ اور میں تینوں ہی بھوکے سو رہتے تھے۔ لڑکا تو اسلئے کہ وہ مار کھائے ہوتا تھا اس کے غم و غصہ میں یونہی سو رہتا اور ماں اپنے لڑکے کے غم میں کہ وہ بغیر کھائے ہوئے سو گیا ہے تو میں کیسے کھاؤں اور میں ان دونوں کے

غم میں کچھ نہ کھاتا کہ جب گھر کے سب لوگ ہی فاقہ سے ہیں تو میں اکیلا کیا کھاؤں اور کس طرح کھاؤں میں بھی بھوکا سو رہتا۔

نیز حضرتؒ ہی سے سنا فرماتے تھے کہ جس زمانہ میں میری یہ تعلیمی کشمکش جاری تھی اور کسی کو بھی اپنا چارہ ساز و ہمدم نہ پاکر میں پریشان ہوتا تھا تو اللہ تعالیٰ ہی سنبھال لیتے تھے مثلاً کوئی خواب دیکھ لیا اس سے تسلی ہوجاتی چنانچہ جن دنوں میں بھائی صاحب کے ساتھ بھوپال میں تھا تو مجھے وہاں کے قیام سے بہت فائدہ بھی پہونچا۔ باوجود اس گئی گذری حالت کے وہاں اسوقت بھی لوگوں میں دینداری کافی تھی۔ بات یہ ہے کہ والی اور حاکم جب مسلمان ہوتا ہے تو اسکا اثر رعایا پر بھی پڑتا ہے۔ چنانچہ وہاں حکومت کی طرف سے قاضی بھی مقرر تھے اور جس محلہ میں ہمارا مکان تھا قاضی صاحب کا مکان بھی اس کے بالکل قریب ہی تھا۔ ایک دفعہ میں نے خواب دیکھا اور اپنے کو پوشیدہ رکھنے کی غرض سے بھاوج صاحبہ کیجانب سے اسکو لکھکر قاضی صاحب سے اسکی تعبیر دریافت کرنے خود گیا۔ انھوں نے پرچہ لیکر خواب پڑھا اور پڑھکر فرمایا کہ نا بھائی یہ خواب کسی عورت کا نہیں ہوسکتا اس سے کوئی دوسرا ہی شخص مراد ہے اور وہ اسی گھر میں رہتا ہے اور وہ خدا کا ولی ہے۔ میں نے بھاوج صاحبہ سے گھر آکر یہ گفتگو نقل کردی۔ معلوم نہیں ان لوگوں نے اس سے کیا سمجھا؟ اور کچھ سمجھا بھی یا نہیں یہ بھی معلوم نہیں۔

بھوپال اور بینا کے زمانہ قیام میں کبھی کبھی وطن بھی آنا ہوتا تھا اسوقت یہاں وطن میں حضرت مولانا محمد عثمان خانصاحبؒ کا زمانہ تھا یعنی بستی کے بڑے عالم سمجھے جاتے تھے دیوبند سے فارغ ہوکر آئے تھے اور اطراف کے اپنے دور کے لوگوں کے استاذ الکل تھے آپ کا تعلق تعلیمی مدرسہ جامع العلوم کانپور سے تھا چنانچہ وقتاً فوقتاً گاؤں سے طلبہ کو اپنے ہمراہ کانپور لیجاتے تھے اسی سلسلہ سے حضرت والا کو بھی اپنے ہمراہ کانپور لے گئے کانپور میں قیام کی تفصیل تو نہ معلوم ہوسکی بہر حال واقعات سے معلوم ہوا کہ حضرت والا کا قیام کانپور دوبار رہا ہے۔ ایک مرتبہ تو یہی طالب علمی کے سلسلہ میں اور مولوی محمد عثمان خانصاحب کی معیت میں رہے جہاں جہاں وہ تشریف لے گئے حضرت بھی گئے۔

ع۵۔ حضرت شیخ الہندؒ سے بیعت تھے اور تحریک خلافت میں بعض نمایاں کام انجام دیئے تھے۔ ۱۲

اور دوسری مرتبہ فراغت کے بعد کچھ عرصہ کے لئے بسلسلہ تدریس بھی حضرتؒ نے یہاں قیام فرمایا غالباً اسی زمانہ میں قیام حاجی نظام الدین صاحب مرحوم کے مکان پر بھی رہا کیونکہ انکے صاحبزادے حاجی سلام الدین صاحب یا ان کے بعض اعزہ جب کانپور سے الہ آباد آتے تو حضرت انکا بہت زیادہ لحاظ اور خاطر وغیرہ فرماتے تھے اور ہم لوگوں سے فرماتے کہ ان سے ملو یہ لوگ ہمارے محسن ہیں ہم ان کے گھر پر کانپور میں رہ چکے ہیں۔

پہلی بار جب حضرتؒ کانپور تشریف لے گئے تو غالباً سب سے پہلے جامع العلوم میں گئے اسکے بعد مولوی عثمان صاحب مرحوم کے ساتھ ساتھ اشرف العلوم قلی بازار اور دیگر مقامات پر رہے۔ حافظ زکریا صاحب کہتے تھے کہ مولوی عبدالقیوم صاحب نے حضرتؒ کے استاذزادے حافظ حفیظ اللہ صاحب کے واسطہ سے بیان کیا ہے کہ حضرتؒ جب کانپور محلہ ٹپکاپور میں پڑھتے تھے تو ایک دفعہ مدرسہ کے طلبہ کی دعوت ہوئی سب کے ہمراہ حضرت بھی دعوت میں چلے گئے جانے کو تو چلے گئے مگر جیسے ہی پہلا لقمہ منھ میں ڈالا کہ طبیعت مالش کرنے لگی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ابھی قے ہو جائیگی۔ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور کسی طرح وہاں سے واپس آئے اسکے بعد سے پھر اس قسم کی کسی دعوت میں کہیں بھی تشریف نہیں لے گئے۔ وہ دعوت کسی میت کے ایصال ثواب کے سلسلہ کی تھی۔

چنانچہ خود مولوی حافظ عبدالقیوم صاحب کا بیان ہے کہ جامع العلوم میں حضرت مولانا تھانویؒ نے مولوی رشید[عـ۵] احمد صاحب اور مولانا محمد اسحاق[عـ۶] صاحب بردوانی وغیرہ کو مدرس مقرر فرمایا لیکن کچھ دنوں کے بعد مولانا محمد اسحاق صاحب کسی وجہ سے یہاں سے چھوڑ کر مدرسۂ عالیہ کلکتہ چلے گئے لوگوں نے یہاں دوسرا مدرسہ قائم کیا جس میں مولوی حبیب احمد صاحب کیرانویؒ کو بلایا اسی جدید مدرسہ میں مولوی محمد عثمان صاحب فتحپوریؒ بھی بمشاہرہ دس روپیہ مدرس مقرر ہوئے۔ ایک اور مدرس یہاں مولانا مقبول حسن صاحبؒ بھی تھے جو غالباً حضرت تھانویؒ کے شاگرد تھے مگر وہ بھی یہاں سے گوالیار کسی مدرسہ میں تشریف لے گئے اور وہاں سے مولوی عثمان صاحب کو بھی بلا لیا ان کے ہمراہ ہمارے حضرتؒ بھی تشریف لے گئے یہاں تھوڑا ہی قیام کر کے حضرتؒ یہیں سے دیوبند پڑھنے کیلئے تشریف لے گئے۔

عـ۵ ۔ مالک کتب خانہ رشیدیہ دہلی و شاگرد حضرت تھانویؒ ۔ عـ۶ ۔ شاگرد حضرت تھانویؒ ۔۱۲

(دیوبند کا قیام)

مولوی عبدالقیوم صاحب فتحپوری کا بیان ہے کہ میں ۱۹۱۳ء میں جب مولوی عثمان صاحب کے ہمراہ کانپور گیا تو حضرت مولاناؒ وہیں پڑھ رہے تھے۔ اور جس زمانہ میں حضرت دیوبند تشریف لے گئے ہیں وہ غالباً ۱۳۳۲ھ کا زمانہ تھا اور حضرت مولاناؒ ۱۳۳۶ھ میں فارغ ہوئے۔ اس لحاظ سے تو گویا حضرت مولاناؒ کا قیام دیوبند میں صرف ۵ سال رہا لیکن عزیزم میاں مولوی عبدالعلیم عیسیٰ سلمہ نے اس سلسلہ میں مجھے جو لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؒ کا قیام دیوبند میں ۸ سال رہا۔ واللہ اعلم۔ انھوں نے لکھا کہ آج اس عریضہ کو حضرت مرشدی علیہ الرحمۃ کے ابتدائی اور ضروری حالات کے سبب روانہ کر رہا ہوں جو مجھے خود دیوبند کے دفتر تعلیمات سے حاصل ہوئے ہیں۔ وہو ہٰذا

"حضرتؒ نے اواخر شوال ۲۸ھ میں داخلہ لیا اور داخلہ کے سال میں کیا کتابیں پڑھیں انکا علم نہو سکا۔ البتہ دوسرے سال یعنی ۲۹ھ میں نحو میر۔ دستور المبتدی شرح مائۃ عامل۔ پنج گنج۔ صرف میر پڑھیں۔ ۳۰ھ میں ہدایۃ النحو۔ شرح مائۃ عامل۔ فصول اکبری۔ مرقات۔ تہذیب ۳۱ھ میں مفید الطالبین۔ کافیہ۔ قدوری۔ شرح تہذیب۔ شرح جامی بحث فعل پڑھی ۳۲ھ میں شرح جامی بحث اسم۔ شرح وقایہ۔ نور الانوار۔ میر قطبی۔ سُلّم العلوم ۳۳ھ میں ہدایہ اولین۔ شرح عقائد نسفی۔ تلخیص المفتاح۔ مختصر المعانی۔ مقامات حریری۔ دیوان متنبی۔ میبذی۔ ملا حسن۔ میر زاہد۔ یہ کتابیں پڑھیں ۳۴ھ میں قاضی مبارک۔ حمد اللہ۔ مشکوٰۃ۔ نخبۃ الفکر۔ جلالین شریف اور ۳۵ھ میں مؤطا امام محمدؒ۔ مؤطا امام مالک۔ شمائل ترمذی۔ بیضاوی طحاوی اور صحاح ستہ پڑھی ________ اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہر سال اعلیٰ نمبر سے کامیاب ہوتے رہے۔" (انتہی تحریرہ)

مذکورہ بالا تفصیل دار العلوم کے دفتر تعلیمات کی بیان کردہ ہے اسلئے ظاہر ہے کہ یہی معتبر ہے

نیز حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے بھی تحریر فرمایا ہے کہ مولانا میرے ہم سبق تھے اور ہماری فراغت درس نظامی کی تکمیل سے ۱۳۳۶ھ میں ہوئی مولانا موصوف دیوبند سے فارغ ہو کر سیدھے تھانہ بھون چلے گئے اور علم و عمل کے مقاصد میں کامیاب ہوئے اور یہ ناکارہ دارالعلوم ہی میں درس و تدریس کی خدمت پر مامور ہو گیا۔ اس عرصہ میں جب کبھی اپنے اس خوش نصیب ہم سبق کی یاد آتی تو بیساختہ میری زبان سے یہ شعر نکل جایا کرتا تھا ؎

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوانِ عشق   او بصحرا رفت و ما در کوچہا رسوا شدیم

(البلاغ کراچی ص۵۵ شوال ۸۶ھ)

اور مدرسہ کی روداد سے حضرت والاؒ کا ۱۳۳۵ھ میں دورہ پڑھنا معلوم ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ۱۳۳۵ھ میں دورہ میں شریک ہونے والا ۱۳۳۶ھ ہی میں فارغ ہو گا۔

پھر متعین طور پر تو یہ نہ معلوم سکا کہ آپ نے وہاں کن اساتذہ سے کیا کیا کتابیں پڑھیں؟ تاہم ہم لوگوں سے حدیث کے اسباق میں مولانا حضرت انور شاہ صاحبؒ کی باتیں اکثر نقل فرماتے تھے اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کی فتح الملہم کا بھی بکثرت حوالہ دیا کرتے تھے اس سے ان دونوں بزرگوں سے خاص تعلق اور مناسبت کا اندازہ ہوتا ہے۔ یوں آپ کے اساتذہ میں سے جامع معقول و منقول حضرت العلامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی بھی تھے اور حضرت شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی بھی تھے اور حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب رحمۃ اللہ بھی تھے نیز حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری بھی تھے۔ علاوہ ازیں اس وقت یہ حضرات موجود تھے — حضرت مولانا میاں جی سید اصغر حسین صاحبؒ۔ حضرت مولانا غلام رسول صاحب ہزارویؒ۔ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ۔ حضرت حکیم احمد حسن صاحب (حضرت دیوبندیؒ کے برادرزادہ) مولانا مولوی شیر محمد صاحب۔ حضرت مولانا سراج احمد صاحب حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم مدرسہ (والد بزرگوار جناب قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ) حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نائب مہتمم مدرسہ۔

حضرت والاؒ نے خود فرمایا کہ نہ ہمارے باپ عالم تھے اور نہ اور کوئی شخص ہمارے خاندان میں پڑھا لکھا تھا جو کہ مجھے دینی تعلیم کی ترغیب دینے والا ہوتا۔ کچھ دنوں باہر رہا پھر جب خود ہی مجھے ہوش آیا تو اپنے آپ دیوبند چلا گیا کسی نے مجھے ترغیب نہیں دی۔

افسوس کہ زمانۂ قیام دیوبند کی کچھ زیادہ تفصیل نہ معلوم ہوسکی۔ ایک مرتبہ خود حضرت والاؒ ہی نے کچھ باتیں لکھوائیں وہی پیش کرتا ہوں:۔

فرمایا کہ میں اگر اپنی طالبعلمی کے زمانہ کے حالات آپ لوگوں سے بیان کروں تو آپکو بہت ہی زیادہ تعجب ہو، رنج اور قلق ہو اور عجب نہیں کہ غصہ بھی آئے۔ میں جب دیوبند گیا تو میرے ہمراہ ایک اور صاحب تھے جو میرے عزیز ہوتے تھے وہ کسی کی سفارش بھی لے گئے تھے اور میں یونہی گیا تھا چنانچہ ان صاحب کا داخلہ تو مع الطعام ہوگیا اور ہم سے کہا گیا کہ طعام کا انتظام مدرسہ سے نہوسکیگا۔ خیر میں اسی طرح رہنے لگا۔

میرے ایک مہربان مولوی علی ظہیر صاحب بلیاوی مرحوم وہاں معین مدرس تھے انھوں نے حضرت مہتمم صاحب سے نہ جانے کیا کہدیا کہ انھوں نے میرا کھانا مدرسہ سے کردیا اور وہ بھی اسطرح کہ اسکے لئے کوئی درخواست وغیرہ بھی نہیں دینی پڑی حالانکہ مدرسہ کا قانون تھا کہ طعام جاری کرانے کے لئے طلبہ درخواست دیتے تھے اور مہتمم صاحب کے اس پر دستخط ہوتے تھے لیکن ان مولوی صاحب نے خدا معلوم کس طرح سے مہتمم صاحب سے منظوری کراکے ناظم مطبخ کے پاس لے گئے اور انھوں نے میرا کھانا جاری کردیا۔

اب آپ لوگوں کو یہ سنکر قلق اور رنج ہوتا ہوگا اور واقعی ہے بھی بات تکلیف دہ کہ مدرسہ کا کھانا سب کے لئے تھا اور نہیں تھا تو میرے لئے دیکھئے کیسے بڑے بڑے لوگ تھے لیکن اس جانب توجہ ہی نہ تھی کہ کون طالب علم کیسا ہے اور کس درجہ کا ہے؟ پہچانا تو ایک صاحب نے اسی لئے میں مولوی صاحب مرحوم کا بہت احسان مانتا تھا مگر زمانۂ طالب علمی کے بعد پھر ان سے ملاقات ہی نہوسکی۔ ایک بار انکی اہلیہ میرے یہاں آئی تھیں تو میں نے لڑکیوں سے کہدیا کہ ان کے سر پر تیل دباؤ انکو کچھ تکلف ہوا مگر لڑکیوں نے کہا کہ ابا نے کہا ہے اس پر وہ خاموش ہوگئیں۔

چونکہ خود اپنے ساتھ یہ معاملہ دیکھ چکا ہوں اسلئے اسکا اہتمام کرتا ہوں کہ پاس رہنے والوں کو نظر غائر سے دیکھوں اور اسکا لحاظ رکھتا ہوں کہ کسی پر ظلم نہ ہوجائے اسلئے کہ کیا خبر کہ کل کو ان میں سے کون پا جائے اور خدا کا ولی ثابت ہو۔

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر   تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

یہ واقعہ میں نے دو وجہ سے سنایا ایک تو یہ کہ کسی طالب علم کو کمتر اور حقیر نہیں جاننا چاہیئے اہل مدارس اور ارباب خوانق کو اسکا لحاظ ضروری ہے اسلئے کہ انھیں پاس کے رہنے والوں میں سے کوئی کوئی اللہ کا بندہ اور عنداللہ مقبول ہوتا ہے لہٰذا اسکا ادب اور اسکی رعایت ضروری ہے۔ ثانیاً یہ کہ طالب علموں کو بھی نصیحت کرنا مقصود ہے کہ بس اپنی نظر اللہ تعالےٰ پر رکھیں اور اپنے کام میں یکسوئی کے ساتھ لگے رہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو کام کے لئے منتخب فرمالیتے ہیں اسکی تربیت خود ہی فرماتے ہیں۔ رہا رزق میں بسط و قدر کا معاملہ تو یہ اللہ تعالےٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے اور اسمیں اسی کی مصلحت کارفرما ہوتی ہے اور اگر اسکا واسطہ کسی متوکل علی اللہ سے ہوگیا ہے تب تو اس وابستگی کی اور قدر کرنا چاہیئے کہ اسی میں فلاح ہے۔"

فرمایا کہ ——— " میں دیوبند میں بھی دعوتوں وغیرہ میں نہیں جاتا تھا ایک دفعہ تمام طلبہ کی دعوت ہوئی ناظم مطبخ مولوی گل محمد صاحب نے میرا بھی نام لکھدیا میں نے کہا یہ تو قانون مدرسہ کا ہے نہیں کہ ہر شخص دعوت میں ضرور ہی جائے البتہ چونکہ دعوت پورے مدرسہ کے طلبا کی ہے اسلئے ظاہر ہے کہ ایک دو کیلئے مطبخ تھوڑا ہی کھلے گا اور اس میں مدرسہ کا نقصان بھی ہے لہٰذا ہم کھانا نہیں مانگتے۔ ہمارا کھانا بند کردیا جائے باقی دعوت میں تو ہم سے نہ جایا جائے گا۔ انھوں نے کھانا بند کردیا۔ ہمارے دوستوں میں سے ایک صاحب تھے جو حضرت مہتمم صاحب کے بھی بہت منھ لگے تھے انھوں نے حضرت مہتمم صاحب سے کہدیا (میرا نام لیکر) کہ وہ دعوت میں نہیں جایا کرتے انکا کھانا مولوی گل محمد صاحب نے بند کردیا ہے مہتمم صاحب نے مجھے بلوایا اور لگے میری تعریفیں کرنے کہ آپ ایسے ہیں آپ ویسے ہیں ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ کا کھانا مطبخ سے بند کردیا گیا ہے لہٰذا آپ آج کھانا ہمارے ساتھ کھائیگا میں یہ سنکر مارے شرم کے زمین میں گڑا جارہا تھا اور جی چاہتا تھا کہ سامنے سے بھاگ جاؤں تاکہ یہ کلمات مہتمم صاحب کی زبان سے خود نہ سنوں لیکن وہ موقع تو نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن کا مصداق تھا اسلئے خواہی نخواہی کھڑا سنتا رہا۔

فرمایا کہ ۳ "قیام دیوبند کے زمانہ میں ایک دفعہ مہتمم صاحب نے (یعنی قاری طیب صاحب کے والد حضرت حافظ احمد صاحبؒ نے) مجھکو بلوایا اور بلا کر فرمایا کہ مولوی صاحب! آپ کو ایک تکلیف دینا چاہتا ہوں وہ یہ کہ میاں طاہر (قاری محمد طیب صاحب کے برادر خورد) کا قرآن شریف نفل میں سن لیا کیجئے، میں نے عرض کیا کہ بہت اچھا۔ جب میں واپس ہونے لگا تو فرمایا مولوی صاحب سنیئے میں کسی سے کوئی کام بلا معاوضہ کے نہیں لیا کرتا لہٰذا اس خدمت کے عوض میں آپ کھانا ہمارے ہی یہاں کھائیں گے میں نے کہا بہت اچھا (اور دل میں سوچا کہ مہتمم صاحب کی دوسری بات ہے یہ تو مثل ہمارے ماں باپ کے ہیں ان کے یہاں سے کھانا لانے اور کھانے میں کیا حرج ہے) جب کچھ دور واپس ہوا تو پھر بلایا کہ مولوی صاحب سنیئے! کھانا لینے کے لئے آپ کو میرے مکان نہیں جانا پڑے گا بلکہ کھانا یہیں آتا ہے ہمارے ساتھ کھا لیا کیجئے گا۔ میں نے ان سے تو کہا بہت اچھا مگر دل میں خیال کیا کہ ساتھ بھلا کیا کھا سکونگا تنہا کھاتا تو کچھ کھا بھی لیتا۔"

فرمایا کہ ۴ دیوبند سے آنے کے بعد پھر اساتذہ میں سے کسی سے ملاقات نہ ہو سکی۔ صرف مولوی عبدالسمیع صاحب مدظلہ العالی سے ایک بار کانپور میں ملاقات ہوئی تھی میرا ان دنوں وہیں قیام تھا، مولوی صاحب کا حاجی دلدار خاں صاحب کے یہاں قیام تھا میں وہاں جاتا تھا اور اکثر مولوی صاحب بھی میری قیام گاہ پر تشریف لاتے تو فرماتے کہ بھائی مولوی صاحب آؤ ہمارے ساتھ قرآن شریف کا دور کرو چنانچہ مولوی صاحب پڑھتے تو میں سنتا پھر میں پڑھتا تو حضرت مولوی صاحب سنتے ایکدن فرمانے لگے کہ مولوی (حضرت والا کا نام لیکر) مجھکو تو تم پر رشک ہوتا ہے ماشاءاللہ تمہارا حال بہت اچھا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ آپ کیا فرما رہے ہیں! آپ میرے استاد ہیں میں نے آپ سے پڑھا ہے۔ کیوں آپ مجھے شرمندہ فرما رہے ہیں۔ کہنے لگے کہ نہیں بھائی سچ کہتا ہوں مجھکو تمھاری باتیں بہت پسند ہیں، ماشاءاللہ تمھاری حالت بہت اچھی ہے۔

مولوی ۵ محمود صاحب مدراسی مدظلہ لکھتے ہیں کہ حضرتؒ نے مجھ سے فرمایا کہ میں عام دعوتوں میں زمانۂ قیام دیوبند میں نہیں جاتا تھا چنانچہ یہ بات عام لوگوں تک میں مشہور

ہوگئی تو قصبہ کے لوگ پھر یہ کرنے لگے کہ صرف میری ہی تنہا دعوت کرتے اور نہایت اصرار کے ساتھ خود آکر اپنے گھر لیجاتے اور کھانا کھلاتے تھے۔

راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت والاؒ نے ایک دن مجھ سے بھی فرمایا کہ ہم دیوبند میں بہت دنوں تک اسٹیشن کی مسجد میں رہے ایک دفعہ مسجد سے مدرسہ یا مدرسہ سے مسجد آرہے تھے کہ راستہ میں ایک صاحب نے مجھے روکا اور کہا کہ مولوی صاحب ذرا سنتے جائیو! یہ کہکر وہ اپنے مکان لے گئے اور اندر سے روٹی کی ڈلیا اور سالن کی ہانڈی اور رکابی اور چمچہ لاکر میرے سامنے رکھدیا اور کہا کہ بس جی مولوی صاحب یہ لو دست خود اور وہاں خود اپنے ہاتھ ہی سے کھانا نکالو اور کھاؤ۔ اسی لئے تکلیف دی تھی۔ ان صاحب کے اس کہنے اور اسطرح معاملہ کرنے میں کچھ ایسا خلوص تھا کہ میں پھر انکار نہ کرسکا اور اپنے دلمیں میں نے کہا کہ ہاں دعوت جیسی ہونی چاہیئے آج اس شخص نے کی ہے۔ چنانچہ کھایا۔

نیز مولوی صاحب موصوف نے لکھا کہ حضرتؒ نے فرمایا کہ ابتو دیوبند کے حالات ہی بدل گئے جب میں وہاں تھا تو کسی سے ملنا ولنا نہیں تھا ایک گوشہ میں حجرہ مل گیا تھا بس اسی میں تنہا رہتا تھا۔ (بعض لوگوں نے بیان کیا کہ مدرسہ دارالعلوم کے دوسرے پھاٹک کے شمال کی جانب دارالاہتمام کے نیچے ایک مختصرہ سا حجرہ ہے حضرتؒ والا اسی میں رہتے تھے واللہ تعالیٰ اعلم)۔ جب مطبخ کھانا لینے جاتا تو ناظم مطبخ صاحب باورچی سے کہتے کہ بھائی مولوی صاحب کو اچھی روٹی دیکھکر دو، جلی ولی نہو۔ یہ بیچارے صرف روٹی ہی تو لیتے ہیں سالن تو لیتے نہیں۔ (احقر محمود نے) عرض کیا کہ حضرت پھر روٹی کیسے تناول فرماتے تھے؟ فرمایا کہ گڑ وغیرہ سے کھالیتا تھا۔

اسیؔ واقعہ کو حافظ زکریا صاحب نے یوں بیان کیا ہے کہ ——— مدرسہ سے حضرتؒ کو کھانا ملتا تھا لیکن تقسیم طعام کے وقت مجمع کی کثرت کے سبب لائن لگانی پڑتی تھی جس میں وقت زیادہ صرف ہوجاتا تھا اس لئے حضرت والاؒ طباخ سے پہلے ہی روٹی لے لیتے وہ بھی صرف ایک (ورنہ تو عام طور پر ہر طالب علم کو دو آبی روٹی تنوری ملا کرتی تھی) چنانچہ باورچی بھی یہ کرتا تھا کہ حضرت کو دور سے آتا دیکھتا تو ہاتھ کے اشارہ سے بلاتا اور گرم گرم روٹی فوراً

دیدیتا اس فی الجملہ امتیازی برتاؤ پر بعض طلبہ کو اعتراض ہوتا وہ حضرتؒ سے تو کچھ نہ کہتے باورچی سے الجھتے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ انکو بھی سب طلباء کی طرح نمبر پر کھانا ملنا چاہیئے طباخ نے کہا کہ مولوی صاحب جانتے بھی ہو یہ بیچارے صرف ایک روٹی خشک لیتے ہیں سالن کبھی نہیں لیتے آتے ہیں اور ایک روٹی لیکر چلے جاتے ہیں اپنے وقت کی قدر کرتے ہیں اسلئے ہم بھی انکی قدر کرتے ہیں۔ حضرتؒ کو چونکہ مدرسہ سے اسٹیشن کی مسجد جانا ہوتا تھا جس کا فاصلہ دو میل سے کسی طرح کم نہ تھا اس لئے بھی چاہتے تھے کہ جلدی سے کھانا ملجائے تو چلے جائیں تاکہ نماز وغیرہ میں بھی دقت نہو اور پھر جائے قیام پر آکر کبھی گڑ سے اور کبھی نمک سے وہ روٹی کھالیا کرتے۔ بہر حال چونکہ روزمرہ کا معمول تھا نمازیوں اور اہل محلہ پر مخفی نہ رہ سکا لوگوں نے دیکھا کہ ہمارے امام صاحب روکھی روٹی اسطرح کھاتے ہیں عرض کیا کہ حضرت سالن ہمارے گھر سے منگا لیا کیجئے مگر یہ بھلا حضرتؒ کی ذات سے کیونکر ممکن تھا اسلئے کبھی کبھی وہی لوگ تو سالن یا ترکاری پہونچا دیا کرتے تھے اسوقت حضرت انکار نہ فرماتے بلکہ قبول فرما لیتے تھے۔

۹ راقم عرض کرتا ہے کہ اسی مسجد کے متعلق ہے یا دیوبند ہی میں کسی اور محلہ کا واقعہ ہے کہ وہاں لوگوں نے حضرت مہتمم صاحب سے اپنی مسجد کے لئے ایک امام کی فرمائش کی مہتمم صاحب نے حضرت والا ہی کو وہاں نماز پڑھانے کے لئے متعین فرما دیا تھا پھر کچھ دنوں کے بعد اس محلہ کے ایک رئیس صاحب حضرت مہتمم صاحب سے ملنے آئے تو مہتمم صاحب نے ان سے پوچھا کہ کہئے شیخ صاحب ہم نے آپ کو کیسا امام دیا؟ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت بہت ہی عمدہ امام ہیں بہت ہی پابند نہایت مستعد اور بالکل بے زبان بالکل ولی انسان ہیں مہتمم صاحب نے فرمایا ہاں وہ ایسے ہی ہیں۔

۱۰ حضرتؒ فرماتے تھے کہ ساتھیوں میں سے ہمارا ایک طالب علم سے مقابلہ رہا کرتا تھا کبھی میں اوّل آتا اور کبھی وہ آجاتا تھا۔

۱۱ نیز فرمایا کہ جب دیوبند گیا تو وہاں بزرگوں کی مجالس میں سے حضرت شیخ الہندؒ کی مجلس پسند آئی چنانچہ حضرتؒ کیخدمت میں حاضری دیا کرتا تھا۔ پھر وہاں یہ دیکھا کہ کبھی کبھی

ع۵۔ سالن کا پیالہ لیکر تیز چلنا ممکن نہ تھا اسلئے سالن ہی حذف فرما دیا تھا۔۱۲ جامی۔

بیعت کا سلسلہ بھی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حاضرین میں سے بہت سے طلبہ بھی بیعت ہو جاتے اسی طور سے ایک مرتبہ میں بھی بیعت ہو گیا اسوقت عمر بھی میری کم تھی اور ابتدائی زمانہ تھا۔ مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد حضرت دیوبندی مالٹا چلے گئے۔ ادھر مدرسہ میں حضرت مولانا تھانوی بھی برابر تشریف لایا کرتے تھے، حضرت کے وعظ میں شریک ہوتا مجلسوں میں بیٹھتا چنانچہ حضرت اقدس تھانوی قدس سرہٗ سے مناسبت اور تعلق بڑھتا گیا یہاں تک کہ پھر حضرت ہی سے بیعت ہو گیا اور تھانہ بھون کی آمد و رفت بھی شروع ہو گئی۔

راقم عرض کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کا حصہ جہاں سے لکھے ہوتے ہیں بالآخر اسکو وہاں پہونچا ہی دیتے ہیں، ہمارے حضرت کے لئے چونکہ ازل ہی سے "جانشین حکیم الامت" ہونا مقدر ہو چکا تھا اس لئے اسکے اسباب بھی سامنے آ گئے۔ حضرت والا کو بھی حضرت تھانوی سے مناسبت ہوئی جو عشق اور والہانہ درجہ تک تھی لیکن حضرت والا اپنے کو چھپائے رہتے اسلئے حضرت خواجہ صاحب کی طرح شورش کی شکل نہ اختیار کر سکا۔ اور حضرت حکیم الامۃ نے بھی اس گوہر بیش بہا کا خوب ہی انتخاب فرمایا حضرت تھانوی پر حضرت والا کے ذاتی جوہر مکشوف ہو چکے تھے چنانچہ راقم سے تو حضرت نے خود فرمایا کہ جب میں دیوبند میں تھا تو وہاں ایک اور طالب علم تھے جو کسی امیر کے لڑکے تھے حضرت مولانا تھانوی سے انکا بھی تعلق تھا ایک مرتبہ انھوں نے حضرت مولانا تھانوی سے میری بابت نجانے کیا کہدیا میں نے یہ دیکھا کہ حضرت اسکے بعد سے مجھ سے بہت ہی محبت فرمانے لگے۔ چنانچہ ایک مرتبہ میں دیوبند سے تھانہ بھون حاضر ہوا تو حضرت نے خواجہ صاحب سے فرمایا کہ خواجہ صاحب دیکھئے یہی ہیں مولوی وصی اللہ۔ یہ سنکر خواجہ صاحب اٹھے اور بڑھکر مجھ سے معانقہ کیا اور دیر تک سینے سے لگائے رکھا۔

رفیع اللہ بھائی نے اس واقعہ کو یوں بیان کیا کہ حضرت تھانوی نے حضرت خواجہ صاحب سے فرمایا کہ چلو دیوبند تم کو ایک ولی دکھلاؤں چنانچہ حضرت دیوبند تشریف لائے اور میں امتحان دینے حضرت کے پاس گیا امتحان دیکر جب واپس ہونے لگا تو حضرت نے خواجہ صاحب سے فرمایا کہ دیکھئے یہی وہ صاحبزادے ہیں اسکے بعد خواجہ صاحب نے دوڑکر

مجھ سے مصافحہ کیا بس وہی خواجہ صاحب سے میری ملاقات کی ابتدا ہے پھر بعد میں تو ان دونوں پیر بھائیوں میں ایسی مناسبت ہوئی کہ جیسی ہونی چاہیئے چنانچہ حضرت تھانویؒ کے وصال کے بعد ہمارے حضرتؒ تو وطن ہی میں بیٹھ رہے اور خواجہ صاحبؒ غم مرشد کی تاب نہ پاکر بیقرار ادہر ادہر سکون کی طلب میں آتے جاتے رہے۔ اسی سلسلہ میں چند دن کے لئے فتحپور تال نرجا بھی تشریف لے گئے تھے۔ عجب اتفاق کہ حضرت والاؒ ان دنوں گاؤں والوں سے انکی کسی بات پر ناراض ہوکر بستی سے باہر کونڑہ نامی ایک جگہ پر وہاں ایک پھوس کا چھپر ڈالکر اور خام مسجد بنواکر وہیں مقیم تھے۔ حضرت خواجہ صاحبؒ کیلئے حضرتؒ نے چاہا کہ بستی میں حضرتؒ کے مکان پر آرام کے ساتھ قیام فرمائیں مگر خواجہ صاحبؒ نے اس کو منظور نہیں فرمایا اور فرمایا کہ جہاں آپ رہیں گے وہیں میں بھی رہونگا۔ چنانچہ حضرت والا کی معیت کے ساتھ ساتھ جنگل کی تنہائی ندی کا کنارہ اور وہاں کی خاموش فضا سب حضرت خواجہ صاحبؒ کے مخصوص مزاج کے عین موافق پڑی۔ جب تک رہے خوب خوش وخرم رہے یہ حضرت خواجہ صاحب سے ملاقات کی انتہا تھی۔ افسوس کہ آج نہ خواجہ صاحبؒ ہی رہے اور نہ حضرت اقدسؒ ہی رہے صرف ان حضرات کی یاد اور باتیں ہملوگوں کی عبرت اور اور نصیحت کے لئے موجود ہیں۔ اللہ تعالےٰ ہمیں سبق لینے کی توفیق بخشے کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔

حضرتؒ خود فرماتے تھے کہ زمانۂ قیام دیوبند میں جب میرا تعلق حضرت تھانویؒ سے ہوا اور حضرتؒ کی جانب سے بھی مجھ پر جو شفقت ہوتی اسکا حال لوگوں کو معلوم ہوا (اور حضرت مولاناؒ مدرسہ کے سرپرست بھی تھے اسلئے اکثر مدرسہ کے کاغذات تھانہ بھون لیکر کوئی شخص جاتا تھا اور حضرتؒ کی رائے لیکر یا دستخط کراکے واپس ہوتا تھا) تو اس تعلق کے بعد حضرت مہتمم صاحب نے یہ خدمت میرے سپرد فرمادی۔ چنانچہ جب کوئی ضرورت پیش آتی تو مجھے بلاکر فرماتے کہ مولوی صاحب تھانہ بھون جاؤگے؟ یہاں اندھا کیا چاہے دوآنکھیں۔ آستانۂ شیخ کی حاضری کی اجازت ہوا اور نہ صرف اجازت بلکہ مصارف سفر بھی ملیں تو بھلا اس موقع کو میں کب چھوڑتا۔ عرض کرتا کہ

حضرت ضرور جاؤنگا۔ پھر حضرت مہتمم صاحبؒ مدرسہ کے کاغذات مرحمت فرماتے اور اس سلسلہ میں جو کچھ ہدایات فرماتے سب کو سمجھکر حضرت مولاناؒ سے جاکر عرض کرتا اور مکمل کام کر کے واپس آجاتا۔ چونکہ حضرت مولانا تھانویؒ سے ملنا اور یہ اتنی گفتگو بھی کر لینا اور اس کام کا واسطہ بننا بھی آسان نہ تھا اس لئے اور کوئی دوسرا اس کام کے لئے جلد تیار نہوتا تھا۔ اور میں یہ سمجھتا تھا کہ میرے لئے حضرتؒ کی زیارت اور ملاقات کا یہ خدائی انتظام تھا اور میں چونکہ وہاں کے اصول حضرت مولاناؒ کے مزاج اور آداب خانقاہ سے پورا واقف تھا اس لئے مجھ پر یہ خدمت گراں کیا معنی میرے لئے تو ایک نعمتِ غیر مترقبہ تھی۔

ایک[۱۵] مرتبہ حافظ محمد احمد صاحبؒ مہتمم مدرسہ نے مدرسہ کے کاغذات دیکر فرمایا کہ مولوی صاحب اس دفعہ تو آپ ہی کو تھانہ بھون جانا ہوگا۔ چنانچہ کرایہ اور زادراہ کے لئے کچھ رقم مرحمت فرمائی۔ جب تھانہ بھون پہونچا اور حضرتؒ سے ملا تو حضرتؒ نے فرمایا کہ آپ کا کھانا میرے گھر سے آئے گا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! مہتمم صاحب نے مجھے پیسہ دیا ہے خانقاہ سے کھالونگا حضرت زحمت نہ فرمائیں۔ فرمایا کہ نہیں پیسے رکھیئے پھر کام آئیں گے کھانا میرے ہی یہاں سے آئیگا۔ چنانچہ میں کام ختم کر کے دیوبند واپس آیا اور کاغذات کے ساتھ ساتھ پیسے بھی واپس کئے فرمایا یہ کیسے ہیں؟ اس پر میں نے صورتِ حال بتائی کہ کھانے میں خرچ ہی نہیں ہوا فرمایا کہ اجی! تم ہی ایسے شخص ہو کہ اسطرح سے آمد و خرچ کا حساب دیتے ہو ورنہ تو کسی نے بھی اب تک ایسا نہیں کیا اچھا خیر خرچ نہیں ہوا نہ سہی اب سے یہ رقم تم ہی رکھ لو۔ حضرتؒ فرماتے کہ قہر درویش برجان درویش۔ الامر فوق الادب۔ اسوقت ادباً کچھ نہ کہہ سکتا پیسے رکھ لیتا۔

حضرت مولاناؒ فرماتے تھے کہ الحمدللہ حضرت مولانا تھانویؒ کو بھی مجھ سے تعلق تھا اور مجھ پر اعتماد اور اعتبار بھی تھا چنانچہ حضرت مولاناؒ بھی اپنی خصوصی تحریر اور مخصوص خطوط دیوبند سے میرے ہی ذریعہ سے بھیجتے تھے۔

فرمایا کہ[۱۶] ــــ دیوبند میں حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ سے سنا سبق میں فرماتے تھے کہ وعیدوں کو انکے ظاہر ہی پر حمل کرنا چاہیئے انکی تاویل اور توجیہ نہ کرنا چاہیئے تاکہ زجر بلیغ ہو ورنہ وعیدسے جو مقصود ہے وہ مقصود فوت ہو جائے گا۔

فرمایا کہ[۱۷] ــــ ہم نے خود دیکھا ہے کہ مدرسہ دیوبند کے دارالحدیث کی عمارت بن رہی تھی بنیادیں کھودی جاچکی تھیں کہ اچانک بارش ہوگئی اور اسقدر بارش ہوئی کہ ساری بنیادوں میں پانی بھر گیا جسکی وجہ سے آس پاس کی عمارت کو بھی خطرہ لاحق ہوگیا۔ حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ تشریف رکھتے تھے، مجھے یاد ہے کہ حضرت مہتمم صاحبؒ نے آکر حضرت دیوبندیؒ سے صورت حال عرض کی حضرت نے طلبہ سے کچھ نہیں فرمایا بس خود اٹھے اور برتن لیکر پانی میں گھس پڑے اور اپنے ہاتھ سے پانی نکال نکال کر باہر پھینکنا شروع کردیا پھر کیا تھا آپ کی دیکھا دیکھی طلبہ بھی پانی میں کود ے اور تھوڑی ہی دیر میں سارا پانی نکالکر پھینکدیا۔

معلوم ہوا کہ جب بڑے کوئی کام چھوٹوں سے لینا چاہتے ہیں تو پہلے خود اسے کرتے ہیں کیونکہ دستور ہے کہ اصاغر اپنے اکابر کی تقلید کرتے ہیں۔

فرمایا کہ[۱۸] ــــ دیوبند میں میرے ایک دوست تھے بہت نیک آدمی تھے کیسی اور شیخ سے بیعت تھے انکو لوگ صوفی جی صوفی جی کہا کرتے تھے اور سب طالب علم انکا ادب کرتے تھے اور انکا کام وغیرہ بھی کردیا کرتے تھے۔

اور وہ یہ کیا کرتے تھے کہ کاغذ کی اکنی، دونی چونی کاٹکر غریب طلبہ کو دیتے تھے کہ اسکو بازار لیجاؤ یہ سکّہ ہو جائے گا اس سے اپنا کام نکالو مگر خود اسکو استعمال نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ انھوں نے مجھ سے کہا کہ ہمارے شیخ ظاہر شرع کے کچھ پابند نہیں ہیں، باطن میں تو خیر ہیں۔ اور حضرت مولانا تھانویؒ ظاہر و باطن دونوں کے جامع ہیں یعنی باطن میں بھی اللہ تعالےٰ سے صحیح تعلق حاصل ہے اور ظاہر میں بھی متبع سنّت ہیں لہٰذا مجھے بھی حضرتؒ ہی سے بیعت کرادو۔ میں نے کہا بہت اچھا، پھر ایک بار حضرتؒ مظفر نگر تشریف لائے میں بھی ان صوفی صاحب کو ہمراہ لیکر مظفر نگر حاضر ہوا اور حضرتؒ سے انھیں ملایا اور انکے ارادے کی اطلاع کردی، حضرتؒ نے انھیں ایک نظر اوپر سے نیچے تک دیکھا اور پھر بیعت فرمالیا۔ سمجھ لیا ہوگا کہ کام کا آدمی ہے راستہ پر لگا ہوا ہے۔ خواجہ صاحبؒ

نے عرض کیا کہ حضرت تو پہلی ملاقات میں بیعت نہیں فرماتے! فرمایا کیا سب کے ساتھ ایک ہی معاملہ ہوتا ہے۔

دیکھئے! ان صوفی صاحب کو کتنا بڑا کمال حاصل تھا اگر اللہ تعالیٰ کی ہدایت شامل حال نہوتی تو اسی کو وہ تحصیل مال وجاہ کا ذریعہ بنا لیتے لیکن چونکہ اللہ تعالےٰ سے نسبت صحیح ہوچکی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی نسبت حاصل تھی اس لئے تتبع سنّت شیخ کی تلاش رہی چنانچہ حضرتؒ سے تعلق کے بعد پھر انھوں نے اس کام کو بھی چھوڑ دیا اور کہتے تھے کہ چونکہ حضرت مولانا اسکو جائز نہیں سمجھتے اسلئے اب ہم یہ کام ہی نکریں گے۔ اتباع شیخ کی کتنی زبردست مثال ہے۔

یہی صوفی جی مجھ سے کہتے تھے کہ حضرتؒ سے مصافحہ کیا حضرتؒ نے معلوم کیا کر دیا کہ ظہر سے لیکر عصر تک یہیں بیٹھا ہوا ہوں۔

غرض انھیں سنّت سے اسقدر محبت تھی کہ اسی کی کمی کی وجہ سے اپنے سابق شیخ کو چھوڑ دیا چنانچہ کام بھی انھیں حضرات سے زیادہ ہوا ہے جو ظاہر و باطن کے جامع ہوئے ہیں

(ص۲۶ ج ا ۱۳۸۹ھ)

علم دین کی ترغیب: فرمایا[۱۹] کہ دیوبند میں حضرت مہتمم صاحبؒ جب کسی کو سند دیتے تھے تو جنکو استعداد میں کم پاتے تھے اور درس و تدریس کا اہل نہیں سمجھتے تھے تو اسکے متعلق تو لکھتے تھے شابٌ صالحٌ اور جن طلبہ کو ذی علم اور ذی استعداد سمجھتے تھے انکے لئے لکھتے تھے ھو قادرٌ علی الدرس والتدریس (یعنی یہ صاحب ماشاء اللہ درس و تدریس کے پوری طرح اہل ہیں) اب بتلائیے کہ مہتمم صاحب کسکو بڑھاتے تھے؟ ظاہر ہے کہ جن کے علم اور استعداد کی شہادت دیتے تھے اسی کا درجہ بڑا سمجھتے تھے اور یہ اس لئے کہ مدرسہ تو علم ہی کی جگہ ہے لہذا جس نے علم حاصل کیا ان کے لئے وہی صاحب کمال ہے۔ اور صالح لکھنا اس بات کی طرف مشیر ہوتا تھا کہ اس نے علم نہیں حاصل کیا، اسلئے درس و تدریس کا اہل نہیں ہے (یوں نیک شخص ہے)۔

دو چیزوں سے نفرت: فرمایا[۲۰] کہ میں جب مدرسہ دارالعلوم میں پڑھتا تھا اس وقت بھی مجھے دو چیزوں سے بہت نفرت تھی، ایک تو علم دین پڑھکر طب پڑھنے سے، اسلئے کہ میں اس سے یہ نتیجہ نکالتا کہ اس نے علم دین کو سمجھکر نہیں پڑھا ہے اب یوں سمجھ رہا ہے کہ ہم اس علم کی وجہ سے تو دنیا حاصل نہیں کر سکتے

تو لا وُ طب ہی پڑھیں تاکہ ذریعہ معاش تو ہو جائے (اور پھر طب کی مشغولی اسد رجہ بڑھ جاتی ہے کہ فارغ التحصیل شخص نماز روزہ کے مسائل بتانے سے عاجز ہو جاتا ہے۔ کما ہو المشاہد)
دوسرے سند لینے سے اس لئے کہ میں یہ خیال کرتا تھا کہ عالم کی استعداد در اصل اسکی سند ہے اور اس پر شاہد عدل ہے۔ کیونکہ استعداد آدمی کو خود ہنوا لیتی ہے سند لیکر کیا ہوگا جب استعداد ہی نہ ہوگی۔

۲۱ عزیزم مولوی عبدالعلیم سیعلی مجھ سے بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ جب حافظ محمد عمر صاحب کھڑوی مدظلہ الہ آباد حضرت اقدس سے ملنے تشریف لائے تو خود حضرت والاؒ نے مجھ سے بیان فرمایا کہ میرے حضرت مولانا تھانویؒ تک جانے کا ذریعہ یہی حافظ صاحب موصوف ہی ہوئے تھے اسلئے یہ میرے بہت بڑے محسن ہیں۔

۲۲ انہی طرح سے بیان کیا کہ جن دنوں حضرت رحمۃ اللہ کا قیام دیوبند تھا۔ حضرتؒ کے حجرہ کے سامنے احاطہ مولسری میں کنواں تھا (جو آج بھی ہے) ایک مرتبہ جماعت کھڑی ہو چکی تھی حضرتؒ کو وضو کے لئے پانی کی ضرورت تھی بعض لوگوں نے دیکھا کہ حضرتؒ کنوئیں تک گئے اور لوٹے کو اپنے ہاتھ سے کنوئیں میں ڈالا اور پانی بھر کر نکال لیا حالانکہ عام طور سے رسی ڈول کے ذریعہ پانی نکالا جاتا تھا۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ میں نے محب مکرم مولوی حکیم عزیز الرحمان صاحب اعظمی سے بھی اس واقعہ کے متعلق پوچھا تو انھوں نے اسکی تصدیق کی اور فرمایا کہ حکیم سید محفوظ علی صاحب جو کہ حضرت انور شاہ صاحبؒ کے برادر نسبتی تھے اور حضرت والاؒ کے ساتھیوں میں سے تھے وہ مجھ سے خود کہتے تھے کہ ہاں بھائی مولوی وصی اللہ کا کیا کہنا وہ تو مادر زاد ولی تھا۔ چنانچہ کبھی کبھی احاطہ مولسری کے کنوئیں سے یونہی ہاتھ ڈالکر پانی نکال لیتا تھا۔ ہم لوگ اسکو جانتے تھے)۔

بہر حال کرامات الاولیاء حق تو ہے ہی اور حضرت والاؒ کا ولی ہونا بھی انشاءاللہ صحیح ہے لہٰذا اس نوع کی کرامت سے بھی اگر خدا تعالیٰ نے حضرت والاؒ کو نواز دیا ہو تو نہ تو انکار کی کوئی وجہ ہے اور نہ تعجب و حیرت ہی کا کوئی مقام ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضرتؒ کو جس رشد و ہدایت اور دینی استقامت پر فائز فرمایا تھا وہ ایسی ایسی ہزاروں کرامتوں سے بڑھکر ہے الاستقامۃ

کوئی الٹ کرامتیں حضرت والاؒ ہی کے تعلیمات کے صدقہ میں الحمدللہ اپنا تو یہی عقیدہ ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اہل دنیا بس انھیں چیزوں کو سب کچھ سمجھتے ہیں حالانکہ کمالات وہ چیزیں ہوا کرتی ہیں جو بندہ کی اختیاری ہوں۔ پس اس نوع کی چیزیں امارات تو بن سکتی ہیں کمالات نہیں کسی کی بزرگی کا ان امور پر انحصار صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اگر یہی سب چیزیں مدار بزرگی ہوجائیں اور عمل بالشرع اور اتباع سنت سے صرف نظر کرلیا جائے تو دین میں بڑا رخنہ اور خرابی واقع ہوجائیگی کیونکہ عوام الناس کے لئے کرامت اور استدراج میں فرق کرنا نہایت دشوار ہے اور اس میں شک نہیں کہ امت کیلئے ہے یہ ایک شدید امتحان —— اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو راہ ہدایت پر رکھے۔ آمین۔

ہمارے حضرتؒ کے اب تک کے حالات سے آپ کو اندازہ ہوا ہوگا کہ حضرت والاؒ انتہائی تنہائی پسند اور گوشہ خمول میں زندگی گزارنے والے لوگوں میں سے تھے۔ چنانچہ مدرسہ کی زندگی میں بھی سب سے الگ تھلگ ہی رہا کرتے تھے۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ مدرسہ میں ہر قسم کے طالب علم ہوتے ہیں، بعضے ایسے لوگ بھی ان عربی مدارس میں داخل ہوجاتے ہیں جو انتہائی آزاد اور دین سے بالکل بے تعلق ہوتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ وہ بے عملی ہی سے متصف ہوں بلکہ بعضے تو ان میں سے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ دین اور دینداروں کے ساتھ استہزا تک کرتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسے لوگوں کا عربی پڑھنے سے آخر کیا مقصد ہوتا ہے۔ بہرحال حضرتؒ کے ساتھیوں میں بھی بعض طلبہ اس مزاج کے تھے۔

۲۳ چنانچہ ایک مرتبہ حکیم ظہیرالدین صاحب اعظمیؒ جو حضرتؒ کے ساتھیوں میں سے تھے حضرتؒ سے فرمانے لگے کہ حضرت میری ملاقات فلاں صاحب سے ہوئی (جو دیوبند میں ان حضرات کے شریک درس رہ چکے تھے) یہ دیکھا کہ وہ خدا معلوم کس طرح نماز پڑھتے تھے یعنی بوڑھے ہوجانے کے باوجود انکے صحیح طریقے پر نماز نہ پڑھنے پر حکیم صاحب کو گویا تعجب تھا۔ حضرت والاؒ نے فرمایا حکیم صاحب آپکو یاد ہوگا کہ زمانۂ طالبعلمی میں بھی اس شخص کو نماز و جماعت سے کچھ سروکار نہ تھا ہم لوگ جب نماز پڑھتے تھے تو یہ شخص ہنستا تھا۔

۲۴ نیز حضرت والاؒ یہ بھی فرماتے تھے کہ آپ لوگوں سے کیا عرض کروں قرآن و حدیث کے مضمون میں کبھی کبھی ترغیب و ترہیب کا کوئی مضمون ایسا آجاتا تھا کہ جس سے کچھ قلب متأثر ہوجاتا تھا تو اسی حالت میں خاموش کسی قدر غم کا اثر قلب پر لئے ہوئے درسگاہ سے اپنے کمرے آتا اور چپ چاپ ایک کنارے بیٹھ جاتا تو بعض ایسے طالب علم بھی دیکھے جو ہمارے حال پر ہنستے تھے اور کہتے تھے کہ انکو دیکھو یہ صوفی ہیں اور سبق سے اثر لے کر آئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ع۔ چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی۔ جب کعبہ ہی سے کفر کا شیوع ہونے لگے تو پھر اب آپ کہاں اسلام تلاش کریں گے۔

جو حال اور اثر قرآن و حدیث سے عام طور پر قلوب پر ہونا چاہیئے وہ ان لوگوں کی نظروں میں عیب تھا یہ رنگ دیکھکر میں سب سے الگ تھلگ ہی رہتا تھا کسی سے لڑتا نہیں تھا نہ کسی کو حقیر سمجھتا تھا لیکن یہ ضرور سمجھتا تھا کہ بھیا ان لوگوں کے ساتھ اختلاط رکھنے میں اپنے دین کی خیر نہیں ہے۔

۲۵ بعض وہ حضرات جو دیوبند میں حضرتؒ کے ہم سبق تھے اور ان سے کسی نہ کسی درجہ میں بعد میں ربط و ملاقات رہی ان کے اسماء یہ ہیں:۔

(۱) جناب مولانا مفتی سلطان حسن صاحبؒ (مفتی آگرہ): آپ بمبئی میں تفسیر قرآن بیان فرماتے تھے ایک بار الہ آباد والوں نے اپنے یہاں جلسہ میں مدعو کیا اسوقت انھوں نے حضرتؒ سے ملاقات کی اور فرماتے تھے کہ حضرتؒ دیوبند میں میرے ہم سبق رہ چکے ہیں۔

(۲) جناب مولانا حکیم رمضان الحق صاحب (محمدی لکھیم پور): آپ بھی حضرتؒ کے ہم سبق تھے اور آپ ہی کا وہ واقعہ ہے جس میں آپ نے اپنے ایک عزیز سے فرمایا تھا (جبکہ پیرانی صاحبہ کے علاج کے لئے فتحپور تال نرجا حضرت والاؒ کے بلانے پر تشریف لے گئے تھے) کہ مولاناؒ کی باتیں بہت پسند ہوتی ہیں قلب کا میلان بھی ہوتا ہے مگر رہ رہ کر یہی خیال ہوتا ہے کہ میرے ساتھی ہیں۔ اس پر حضرتؒ نے اگلی مجلس میں اسی مسئلہ پر گفتگو ہی فرمائی جس کا حاصل یہ تھا کہ جس طرح طب جسمانی میں کسی سے رجوع کرنے کے لئے ساتھی ہونا مانع نہیں ہوتا اسی طرح سے طب روحانی میں بھی نہ چھوٹا ہونا مانع ہوتا ہے نہ ساتھی ہونا۔ تو حکیم صاحب نے مجلس کے بعد ان صاحب سے فرمایا کہ

اجی! مولانا صاحب کا کشف تو بڑا بیڈھب ہے دیکھو جو باتیں ہم دونوں کمرہ میں کر رہے اسوقت مجلس میں انھوں نے ساری کی ساری دہرا دیں۔

(۳) حکیم محمد سعد اللہ صاحب (مئو ناتھ بھنجن): آپ بھی حضرت مصلح امتؒ کے ساتھیوں میں سے ہیں۔ جن دنوں راقم الحروف کا قیام فتحپور تھا تو کبھی کبھی حکیم صاحب مئو سے تشریف لاتے تھے اسی وقت معلوم ہوا کہ حکیم صاحب بھی حضرتؒ کے ہم سبق ہیں لیکن دیکھتا یہ تھا کہ حکیم صاحب بڑے ادب و تعظیم کے ساتھ حضرت والاؒ سے پیش آتے تھے اور حضرت والا بھی انکا بہت ہی اکرام فرماتے کبھی کبھی حضرت والاؒ اپنے علاج کے لئے حکیم صاحب سے رجوع بھی فرماتے تھے۔ اور لوگوں سے فرماتے اچھے طبیب ہیں ان سے علاج کراؤ۔

(۴) جناب مولوی حکیم ظہیر الدین صاحب اعظمی: حکیم صاحب موصوف حضرت والاؒ کے وطن فتحپور سے قریب ہی موضع ندوہ سرائے کے رہنے والے تھے زمانۂ طالب علمی میں حضرت والاؒ کے ہم سبق رہے ہیں تیز اور ذہین طلبہ میں سے آپ کا شمار تھا۔ چنانچہ حضرتؒ فرماتے تھے کہ ہماری جماعت کو اکثر تکرار حکیم صاحب ہی کراتے تھے۔ فراغت کے بعد حکیم صاحب نے طب شروع کر دی اور علی گڈھ سے فارغ ہوکر وہیں طبیہ کالج میں ملازم بھی ہو گئے۔ مطب تو حکیم صاحب کا کچھ زیادہ مشہور نہیں ہوا لیکن فن طب کی تعلیم میں مشہور اساتذہ میں سے تھے۔ دیوبند میں حکیم صاحب کا تعلق میاں جی اصغر حسین صاحبؒ سے تو باقاعدہ بیعت کا رہا یوں اور دوسرے بزرگوں کی خدمت میں بھی حاضری ہوتی رہی۔ حکیم صاحب کے خویش بھائی انیس احمد صاحب کہتے تھے کہ حکیم صاحب مجھ سے خود فرماتے تھے کہ میں نے جب میاں جی اصغر حسین صاحبؒ سے بیعت کی خواہش کی تو فرمایا کہ میاں بیعت ہونے سے مقصد آپ کا کیا ہے؟ میں نے کہا حضرت "وصال حق" فرمایا کہ ماشاء اللہ آپ کے عزائم تو بہت ہی بلند ہیں۔ پھر فرمایا ارے بھائی بیعت ہونے سے غرض یہ ہونی چاہیئے کہ انسان سے اتباع سنّت ہونے لگے اور بس۔ باقی نسبت اور وصل وغیرہ یہ تو بڑے لوگوں کے حالات ہیں اور بزرگوں کی باتیں ہیں۔ چنانچہ اس دن بیعت نہیں فرمایا۔ دوسری بار پھر میں نے خواہش ظاہر کی اور عرض کیا کہ حضرت اتباع سنّت کے حصول کے لئے بیعت ہونا چاہتا ہوں تو منظور فرمالیا اور بیعت کر لیا۔ انیس بھائی کہتے تھے کہ چچا صاحب (یعنی یہی حکیم صاحب) کہتے

کے پاس حضرت میاں صاحبؒ کے بتلائے ہوئے بعض اوراد اور دعائیں لکھی ہوئی موجود تھیں اور اسکو وہ برابر ورد میں رکھتے تھے مگر پڑھنے پڑھانے کے مشاغل نے طرق کی جانب پوری طورسے توجہ کا کچھ موقع نہیں دیا۔ بہرحال نیک اور دیندار لوگوں میں سے شروع ہی سے تھے۔ علی گڑھ سے جب وطن تشریف لاتے تو حضرت والاؒ سے ملنے فتحپور تال نرجا بھی آتے۔ اس زمانہ میں حضرت والاؒ نے فتحپور میں اصلاح تربیت کا کام شروع فرمادیا تھا اور آہستہ آہستہ لوگوں کا مرجوعہ بھی بڑھتا جارہا تھا۔ حکیم صاحب کے سامنے حضرتؒ کا طالبعلمانہ دور تو تھا ہی کہ صلاح وتقویٰ سے حضرتؒ کو متصف دیکھ ہی چکے تھے اب جب اس دور میں حضرت کا کمال دیکھا تو عقیدت پیدا ہوئی اور وہ آہستہ آہستہ اسدرجہ بڑھی کہ حکیم صاحب موصوف نے باوجود ساتھی ہونے کے حضرتؒ سے وابستگی کو اپنے لئے ضروری ہی جانا۔ ابتداءً حضرت والاؒ نے یہ خیال فرماکر کہ شاید یہ ایک وقتی جوش ہو اور معاصرت اور سادات کا تعلق اس رشتہ کے حقوق کی ادائیگی میں قادح بنے بیعت کے تعلق کو ٹالا لیکن اس میں شک نہیں کہ حکیم صاحب کا یہ فیصلہ بصیرت کے ساتھ ہوچکا تھا اسلئے انھوں نے اپنی عقیدت کا ثبوت بیش سے بیشتر دیا۔ چنانچہ اس کے بعد حضرتؒ نے بھی انھیں داخلِ سلسلہ فرمالیا۔ اور پھر لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہ حکیم ظہیرالدین صاحب نے اپنے آپ کو بہت بدل دیا ہے (یعنی ہم جیسے کم فہموں اور ضعیف الاعتقاد لوگوں کو انکے تعلق اور عقیدت سے محجوج فرماتے تھے کہ تم لوگوں کو اس قسم کے واقعات سے سبق لینا چاہیئے)۔ چنانچہ اس کے بعد حکیم صاحب کی یکسوئی اور اپنے معمولات کی پابندی، نیکی اور دینداری اطراف میں ضرب المثل بنگئی تھی۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ کسی کے ساتھی لوگ اسکے حالات سے خوب واقف ہوتے ہیں لہٰذا انکا کسی کا معتقد ہوجانا بلاشبہ ایک قوی دلیل ہے اس شخص کے کمال کی۔ چنانچہ حضرت والاؒ کے ساتھ یہی معاملہ دیکھاجاتاہاکہ حضرتؒ کے جتنے بھی ساتھی تھے سب حضرتؒ کے ایک سے ایک بڑھکر معتقد تھے۔ واقعی جس کے ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہو اسکی شہادت کا اعتبار ہے)۔

(۵) جناب مولانا علی احمد صاحب کوڑیا پاری: کوڑیا پار بھی فتحپور تال نرجا کے قریب ہی

ایک موضع ہے وہیں کے آپ رہنے والے تھے بعض احباب سے سنا کہ بہت ذہین اور جید الاستعداد عالم تھے۔ آپ ایک عرصہ تک گھوسی کے مدرسہ عربیہ کے مدرس اوّل بھی رہ چکے تھے آپ بھی حضرتؒ کے طالب علمی کے زمانہ کے ساتھیوں میں ہیں لیکن زمانہ طالب علمی کے بعد حضرت والاؒ سے روابط کے واقعات کچھ ہمیں معلوم نہیں ہوسکے۔

(۶ و ۷) مولوی امین الحق صاحب رگھولوی (ضلع اعظم گڑھ)۔ اور مولوی محمد امین صاحب ادری (ضلع اعظم گڑھ)۔ یہ دونوں حضرات بھی حضرت کے زمانۂ طالب علمی کے ساتھی ہیں ان میں سے مولوی امین الحق صاحب تو کبھی کبھی فتحپور تشریف لاتے تھے حضرتؒ سے بھی ملتے تھے خانقاہ میں قیام فرماتے تھے۔ حضرت والاؒ بھی انکی خاطر مدارات کرتے رہتے تھے۔ کبھی کبھی اپنے والد ماجد شاہ عبدالرحیم صاحب رگھولوی جو ایک عرصہ تک مسجد پولیس لائن فیض آباد میں مقیم رہے انکے بارے میں حضرت والاؒ سے فرماتے تھے کہ برادری میں جو دین اور سدھار آپ سے پھیل رہا ہے اسکی خبر سُن سنکر والد صاحب قبلہ کو بھی بہت مسرت ہوتی ہے آپ کو بہت دعائیں دیتے ہیں۔ حضرت والا بھی فرماتے کہ میرا بھی ان سے سلام فرمادیجئے گا اور میرے واسطے بھی ان سے دعا کی درخواست کردیجئے گا۔

اور دوسرے بزرگ مولوی محمد امین صاحب ادری خود فرماتے تھے کہ حضرت والاؒ مجھ سے کچھ آگے تھے کسی ایک دو کتاب میں سبق کا ساتھ رہا۔ مولوی صاحب موصوف سے ہم لوگوں کی بھی خوب ملاقات رہی حضرت والا سے تعلق تھا برابر فتحپور تال نرجا حاضر ہوتے تھے اور آخر آخر میں تو جب مدرسہ دارالعلوم مئو میں مدرس ہوگئے تھے اسوقت برابر قاری ریاست علی صاحب۔ مولوی امین صاحب اور مفتی نظام الدین صاحب کا نام ساتھ ہی ساتھ سننے میں آتا تھا اور یہ حضرات اکثر ایک ہی ساتھ حضرت کی مجلس میں عموماً پنجشنبہ کو حاضر ہوتے تھے۔ مولانا محمد امین صاحب موصوف متواضع ایسے تھے کہ ہم لوگوں نے تو عرصہ تک آپکو حضرتؒ کا شاگرد ہی سمجھا بہت دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ آپ حضرتؒ کے ساتھی رہ چکے ہیں اسقدر تواضع اور جھکاؤ سے حضرتؒ سے ملتے تھے کہ ہمسری اور ہمعصری کا شائبہ تک کبھی ظاہر نہیں ہونے دیا۔ علم اور معرفت نے اپنا کام کردیا تھا جس کا اثر یہ ہوا کہ سنا ہے حضرت والاؒ نے آپکو اجازت بھی عطا فرمائی تھی اب آجکل بہت ضعیف اور کمزور ہوکر درس و تدریس سے معذور ہوکر اسے موقوف فرمادیا ہے اور اپنے وطن ادری ہی میں مقیم ہیں۔

(۸) جناب مولانا حکیم سید محفوظ علی صاحبؒ: آپ بھی حضرت مولانا کے ہم سبق تھے۔ حضرت انور شاہ صاحبؒ کے برادر نسبتی تھے۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ زمانہ طالب علمی کے بعد جب احباب منتشر ہو جاتے ہیں تو پھر سابقہ روابط مشکل ہی سے قائم رہتے ہیں۔ ہمارے حضرت دیوبند کے بعد تھانہ بھون پھر وہاں سے وطن و اطرافِ وطن میں مقیم رہے لہٰذا حکیم صاحب موصوف سے ظاہری تعلق کی کوئی صورت نہ رہ گئی اور نہ باہم ملاقات ہی کی نوبت آسکی لیکن جب حضرت والاؒ کا کام پھیلا اور حضرت کا شہرہ عام ہوا بالخصوص حضرت والاؒ کے مخصوص خدام جب دیوبند میں ہو گئے تو ان سے نیز اور دوسروں سے بھی حضرتؒ کے حالات سن سنکر جناب حکیم صاحبؒ موصوف کا تعلق تازہ ہوا۔ چنانچہ مولانا سید ابوالکلام صاحب مدظلہٗ مبلغ دارالعلوم دیوبند خود یوں فرماتے تھے کہ "حکیم صاحب موصوف میرے خسر ہوتے تھے میں نے حضرت مصلح الامۃ کا ذکر سب سے پہلے انھیں سے سنا تھا۔ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ میرے ساتھیوں میں سے اعظم گڈھ کیطرف کا ایک ساتھی تھا وصی اللہ اسکا نام تھا وہ صورۃً اور سیرۃً ولی معلوم ہوتا تھا کسی وقت میں وہ بڑا شخص ہوگا۔ چنانچہ جب حضرتؒ الہ آباد تشریف لائے اور ایکدم سے حضرت کی شہرت عام ہوگئی تو میں نے خسر صاحب سے کہا کہ حضرت مولانا وصی اللہ صاحب تو الہ آباد میں ہیں اور وہاں ماشاء اللہ حضرت کا بڑا فیض جاری ہے اسیوقت حکیم صاحبؒ نے مجھ سے ایک خط حضرتؒ کو لکھوایا اور حضرت نے اسکا جواب بھی دیا۔ پھر اسکے بعد سے تو سلام و پیام کا سلسلہ ہی شروع ہو گیا۔ حضرت والا نے بھی توجہ تام فرمائی اور ہر آنے جانے والے سے طلب خیریت اور ہدیہ سلام کا برابر سلسلہ رہا۔ اس تعلق کے ساتھ ساتھ مزید یہ ہوا کہ حضرت مولانا انظر شاہ صاحب مدظلہٗ نے بھی دو تین بار حضرت والاؒ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا اور مولانا اظہر شاہ صاحب مدظلہٗ بھی اپنے حلقۂ احباب میں حضرتؒ کا ذکر نہایت محبت اور عقیدت کے ساتھ فرمانے لگے۔ چنانچہ حضرت انور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی اہلیہ محترمہ بھی حضرتؒ کو بہت بہت دعائیں لکھواتیں اور حضرت والاؒ بھی بڑی نیازمندی اور محبت کے ساتھ حضرت شاہ صاحبؒ کے تعلق کو یاد کرکے ان کے ساتھ اسی طرح سے پیش آتے جیسے کوئی سعادتمند فرزند اپنی والدہ کا ادب و احترام کرتا ہو۔

(۹) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ دیوبندی ثم پاکستانی: آپ بھی ہمارے حضرتؒ کے درس کے ساتھی تھے جس کا علم ناظرین کو حالات ہی کے صفحات میں پہلے ہو چکا ہے جس کے اعادہ کی حاجت نہیں۔ حضرتؒ کے تذکرہ پر حضرت مفتی صاحبؒ اکثر یہ فرماتے تھے کہ ؎

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوانِ عشق　　او بصحرا رفت و من در کوچہا رسوا شدیم

اسی طرح سے حضرتؒ کے وصال کے بعد ایک موقع پر حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا (یہ راقم بھی اس مجلس میں موجود تھا) کہ مولانا وصی اللہ صاحبؒ کے جیسے کچھ حالات ہم لوگوں کے سامنے شروع سے تھے اس ابتدا ہی سے ہم نے آپکی خبر کا اندازہ لگا لیا تھا اس لئے ریڈیو پاکستان سے جب آپکی موت فی البحر کی خبر نشر ہوئی تو قلق و رنج تو بیحد ہوا مگر ہم کو تعجب کچھ نہیں ہوا کیونکہ وہ خود اکثر و بیشتر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

ہوئے مرکے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا
نہ کہیں جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

یوں تو حضرت والاؒ کے ہم سبق اور بھی بہت سے حضرات ہونگے لیکن ہم کو انکا علم نہیں ہو سکا اسلئے یہاں بس انھیں حضرات کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں

زمانۂ قیام[۲۶] دیوبند میں حضرتؒ کے ایثار کا ایک واقعہ یہ بھی سنا کہ اطراف اعظم گڈھ سے کوئی طالب علم دیوبند پڑھنے کے لئے گئے حضرتؒ سے بھی ملے، مدرسہ نے داخلہ تو انکا منظور کر لیا مگر بدون طعام کے یعنی یہ کہ کھانے کا خود انتظام کرنا پڑے گا، اسباق میں شریک ہو سکتے ہو۔ وہ بیچارے کچھ مفلوک الحال تھے گھر سے بھی امداد کی کچھ توقع نہ تھی بہت رنجیدہ اور افسردہ ہوئے کہ یا اللہ اب کیا کروں اور یہاں کیسے رہوں؟ مدرسہ سے تو کھانا ملے گا نہیں اور خود مجھ میں کفالت کی سکت نہیں ہے۔ حضرت والا کو بھی ان کے اس صورت حال کی اطلاع ہوئی ان سے فرمایا کہ بھائی ایک صورت یہ نکل سکتی ہے کہ ایک وقت کا کھانا میں مدرسہ سے لے لیا کروں اور ایک وقت کا تم کھا لیا کرو۔ بعض حضرات نے نقل کیا کہ یوں فرمایا کہ صبح کا کھانا تو تم مسلّم لے لیا کرو اور شام کے کھانے میں سے ایک روٹی مجھے

دیدیا کرو اسطرح تمھارا کام اگرچہ چل جائے تو میں تیار ہوں۔ چنانچہ ان صاحب نے منظور کرلیا اور بہت دنوں تک حضرت والاؒ صرف نصف یا ربع خوراک ہی پر گذر بسر فرماتے رہے اور شیخ سعدیؒ کے اس قول کو گویا حضرتؒ نے عملی جامہ پہنا دیا ؎

نیم نانے گر خورد مردِ خدا — بذل درویشاں کند نیمے دگر

سبحان اللہ! کیا ایثار تھا اور کیسا مجاہدہ تھا۔ انھیں سب امور کی جانب حضرتؒ کبھی کبھی اشارہ بھی فرماتے تھے کہ تم آج میرا یہ گدے پر بیٹھنا اور میرے پاس ہدایا اور تحف کا آنا اور یہ کہ یہ آرہا ہے اور وہ آرہا ہے کوئی سرد بار رہا ہے کوئی پیر دبار رہا ہے یہ سب دیکھ رہے ہو اور ان سب چیزوں کو جب دیکھتے ہوگے تو تمھارے منھ میں بھی پانی آجاتا ہوگا کہ او ہو یہ میدان بہت اچھا ہے اور ایک کامیاب لائن ہے۔ لیکن یہ سب تو آج ہو رہا ہے نا! اور وہ جو ابتدا میں ایسے لوگوں کو کرنا پڑتا ہے اور اللہ والوں نے طریق میں قدم رکھکر کیا ہے وہ سب باتیں بھی آپ کو پسند ہیں یا نہیں؟ اسکی بھی تو رغبت اور اسکا بھی تو شوق ہونا چاہیئے! اسی کو میں ہوشیاری اور دنیا داری کہتا ہوں کہ بزرگوں کے نفع میں تو شریک ہونا چاہتے ہیں اور محنت میں نہیں۔ اگر تمھارا یہی حال اور یہی خیال ہے تو سن لو کہ ہوسناکوں کو کچھ نہیں ملے گا۔ اس سے توبہ کرو اور اپنی نیت کی اصلاح کرو ؎

نان از برائے کنج عبادت گرفتہ اند — صاحبدلان نہ کنج عبادت برائے نان

(قیام تھانہ بھون)

ناظرین کرام نے ملاحظہ فرمایا کہ زمانۂ طالب علمی میں حضرت مصلح الامۃ کا تعلق اصلاحی حضرت تھانویؒ سے ہو چکا تھا چنانچہ فراغت کے بعد تکمیل علم یا بغرض تحصیل مقصد علم حضرت والاؒ وہیں سے اپنے شیخ کے پاس قیام فرمانے کے لئے تھانہ بھون تشریف لے گئے۔ لیکن جس طرح سے قیام دیوبند کے باب میں میں اپنے افسوس کا اظہار کر چکا ہوں کہ مجھے وہاں کے تفصیلی حالات نہ معلوم ہو سکے اسی طرح یہاں بھی ناظرین کرام کیخدمت میں اسکا اعادہ کرتا ہوں کہ یہاں کے

حالات کے سلسلہ میں تو ہم اور بھی زیادہ تشنہ رہ گئے۔ حالانکہ "معرفت حق" میں اپنی اس خواہش کا مکرر سہ کرر اعلان بھی کیا۔ نیز بعض مخصوص حضرات کی خدمت میں خطوط بھی لکھے لیکن نتیجہ صفر ہی رہا تاہم ادھر ادھر سے جو کچھ بھی مواد فراہم ہو سکا وہ پیش خدمت ہے جو بلاشبہ نہایت ہی کم اور نہایت ہی قلیل ہے مگر آخر کیا کیا جائے" مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ" امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس اتنے سے بھی حضرت والاؒ کی خانقاہی زندگی کا کچھ نہ کچھ نقشہ نظروں میں پھر ہی جائے گا۔ باقی یہ ضرور ہے کہ اپنی ان تمام کوششوں اور کاوشوں سے بھی اسکا اندازہ لگا کہ کسی بزرگ کی سیرت لکھنا کھیل نہیں اور نہ ہم جیسوں کا یہ میدان ہے۔ ناگزیر ہے کہ یا تو آدمی لکھنے پر آجائے تو رطب و یابس سب ہی بھر دے اور یا تحقیق پر آئے تو جگہ بجگہ اسکور کاوٹ پیش آئے اور بیاض ہی چھوڑنی پڑے۔ بڑے بڑے عالی ہمت ہیں وہ لوگ جو اس منصب کا حق ادا کرتے ہیں۔

بہرحال مجھے مسلسل تو واقعات معلوم نہ ہو سکے تاہم جو مواد بھی اس سلسلہ میں فراہم ہو سکا اسکو جستہ جستہ بیان کرتا ہوں جن میں سے بعض تو حضرت والاؒ سے متعلق لوگوں سے سنے ہوئے اقوال ہیں۔ اور بعض وہاں کے زمانۂ قیام کے خود حضرت والاؒ ہی کے اقوال ہیں۔ سب سے پہلے حضرت اقدسؒ کے زمانۂ قیام تھانہ بھون کے ایک خواب سے وہاں کے حالات کی ابتدا کرتا ہوں۔ واللہ الموفق۔

فرمایا کہ میں نے بہت پہلے تھانہ بھون میں ایک خواب دیکھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے ہیں اور کسی جانب کچھ اشارہ فرمایا۔ میں نے یہ خواب حضرت مولاناؒ سے عرض کیا۔ حضرتؒ نے تعبیر یہ فرمائی کہ متعین طور پر تو نہیں کہہ سکتا ہاں اس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے دین کا کام ہوگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منشار اور مرضی کے مطابق ہوگا۔ یہ تو بہت پہلے کا خواب تھا، ابھی رات آخر شب میں پھر یہ خواب دیکھا کہ کسی جگہ پر ہوں اور بہت سے لوگ ہیں کچھ لوگ مدینہ شریف جانے والے ہیں اور میں بھی جانے والوں میں ہوں کہ اتنے میں ایک نوجوان شخص میری جانب بڑھے اور میرے سر پر ایک نہایت ہی خوبصورت دھاری دار عمامہ باندھنے لگے۔ اسکا شملہ زیادہ سا لٹکایا اور مجھ سے

کہا کہ تم اسکو پکڑے رہو میں صافہ باندھ دیتا ہوں، چنانچہ باندھ دیا اور کپڑے بھی بہت عمدہ لائے تھے مگر عمامہ سب سے زیادہ خوبصورت تھا۔ مجھے خیال ہوا کہ یہ میری دستار بندی کی گئی ہے اور چونکہ مدینہ جانے والے لوگ ہی تھے اسلئے خیال ہوتا ہے کہ اُدھر ہی کے اشارہ سے ہوئی ہے الحمدللہ کام پسند ہے اور مقبول ہے۔ چنانچہ اسکے بعد سے طبیعت بہت ہی ہشاش بشاش ہے۔

فرمایا[۲] کہ جس زمانہ میں تھانہ بھون میں تھا حضرت مولاناؒ کے یہاں ایک مسلمان بڑھئی کچھ کام کر رہے تھے وہ کبھی کبھی مجھ سے اپنا خط لکھواتے بیچارے پڑھے لکھے نہیں تھے ایک دفعہ حضرتؒ کی خدمت میں عرض حال کے طور پر کچھ لکھوایا اور اس میں یہ شعر بھی لکھوایا ؎

دل کو آزارِ محبت کے مزے آنے لگے　　صدقے اس ساقی کے جسنے درد پیدا کر دیا

مجھے یہ سنکر بہت تعجب ہوا میں نے اپنے دل کہا کہ دیکھو اس شخص کا کیسا اچھا حال ہے ایسا تو ہمارا بھی نہیں ہے اسکو آزارِ محبت کے مزے آنے لگے۔ سبحان اللہ۔ ادھر تو آزار ادھر مزے کیا خوب اجتماع ضدین ہے۔ بس اسکے بعد سے میں سنبھل گیا کہ بھیا یہ دوسری جگہ ہے یہاں کے بڑھئی بھی بہت اچھے ہوتے ہیں کسی کے متعلق دم مارنے کی گنجائش نہیں ہے۔

فرمایا[۳] ایک مرتبہ تھانہ بھون میں مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک صاحب بعد میں آئے اور میرے آگے آکر بیٹھ گئے مجھے پہلے تو کچھ ناگوار ہوا مگر پھر میں نے سوچا کہ یہ ناگواری کی جگہ نہیں ہے بلکہ ناگواری یہاں برداشت کرنے کی جگہ ہے لہذا برداشت کرو۔ اور ایک یہی کیا یہاں ایسی ایسی بہت سی ناگواریاں برداشت کرنی پڑیں گی اسلئے کہ یہ اصلاح کی جگہ ہے اور تم اصلاح ہی کے لئے یہاں پڑے ہو تو سمجھ لو کہ یہ باتیں تمھاری اصلاح کے لئے مفید ثابت ہونگی۔ لہذا اس سے گھبراؤ نہیں۔ بس اس سے بہت تسلی ہوگئی۔ بعد میں بخاری شریف میں دیکھا کہ پھلانگ کر مجلس میں بڑھنا کہ اور شخصوں سے یہ شخص حجاب ہو جائے یہ منع ہے اور یہ ابتداءً اسلئے منع ہے کہ اس سے باہمی انشراح قلب نہیں رہ جاتا اور جب انشراح قلب نہ ہوگا آپس میں تعلقات خوشگوار نہ رہ سکیں گے۔

فرمایا[۴] کہ ہم لوگ حضرت مولاناؒ کے یہاں دن رات اس قسم کے معاملات دیکھتے تھے

مگر دم نہیں مارتے تھے۔ ایک مولوی صاحب نے حضرتؒ کے یہاں حاضری کی اجازت چاہی حضرت نے اجازت تو دیدی اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی تحریر فرما دیا کہ اثنائے قیام میں آپکو مخاطبت اور مکاتبت کی اجازت نہوگی۔ چنانچہ وہ تشریف لائے خانقاہ میں قیام فرمایا۔ ایک دن مجلس میں خواجہ صاحب اور کچھ حضرات کسی مسئلہ پر کچھ بول رہے تھے کہ یہ مولوی صاحب بھی بول پڑے۔ حضرت مولاناؒ نے فوراً ٹوکا کہ آپ کیوں بولے؟ انھوں نے کہا میں بھول گیا تھا حضرتؒ نے فرمایا کہ اچھا مجلس سے اٹھ جایئے۔ وہ صاحب کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ میں کچھ بتاؤنگا، فرمایا کہیئے! کہنے لگے کہ وہ شرط مجھے یاد تھی مگر میں اسلئے بولا کہ اور لوگ بول رہے تھے مجھے خیال ہوا کہ اگر میں نہ بولوں گا تو یہ سب لوگ مجھے نالائق اور بیوقوف سمجھیں گے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ جزاکم اللہ، میری بھی یہی تشخیص تھی، آپ نے صحیح بات کہدی اچھا بیٹھ جایئے۔ آدمی جب صدق اختیار کرتا ہے تو اسکا اثر ضرور پڑتا ہے۔

فرمایا کہ اسی طرح سے ایک مرتبہ دو آدمیوں کو مجلس سے اٹھا دیا۔ ان میں سے ایک نے مسجد میں جاکر خوب رونا شروع کیا۔ ہم لوگوں نے خیال کیا کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے۔ حضرتؒ نے فوراً ہی مسجد سے اسکو بلا لیا اور بدون معافی ہی کے اپنا حکم منسوخ فرما دیا۔ اسکے رونے کا اثر ہوا۔ ہم لوگوں نے دوسرے شخص سے کہا کہ دیکھو وہ تو رونے کیوجہ سے کامیاب ہوگیا اور بلا لیا گیا تم بھی روؤ۔ اس نے کہا کہ بھائی کیا کریں ہم کو رونا ہی نہیں آرہا ہے۔

فرمایا میں نے آپ لوگوں سے کہا تھا کہ تھانہ بھون میں ایک صاحب بہت ہی صاحب حال تھے، ہم لوگ سمجھتے کہ ان سے زیادہ صاحب حال کوئی نہیں۔ ایک مرتبہ وہ صاحب اور ہم دونو وہاں سے آئے وہ اپنے گھر چلے گئے اور میں اپنے گھر چلا آیا۔ جب ہم لوگ حضرتؒ سے رخصت ہوتے تھے تو حضرتؒ فرماتے تھے فی امان اللہ اور کبھی یہ بھی کہتے تھے کہ اللہ کے سپرد کیا۔ ہم لوگ سمجھتے تھے کہ حضرتؒ یہ سمجھتے ہونگے کہ یہ لوگ وہاں جاکر معلوم نہیں کس فتنہ میں پڑ جائیں اور معلوم نہیں کیا ہو۔ چنانچہ ان صاحب سے دوبارہ جب ملاقات ہوئی تو اپنا واقعہ خود مجھ سے کہتے تھے کہ ہم جب وطن گئے تو قبرستان میں اپنے بزرگوں سے خطاب کرکے کہا کہ جو چیز آپ کے یہاں سے چلی گئی تھی یعنی نسبت باطنی اسکو ہم لیکر آئے ہیں اور یہ بھی کہتے تھے کہ میں نے ازراہ عُجب یہ کہا تھا

بس یہ کہتے ہی جو کچھ برکات حضرتؒ سے ملے تھے سب سلب ہو گئے۔ پھر حضرت مولاناؒ کی برکت سے انکو اور چیزیں ملیں محروم نہیں رہے مگر وہ چیز جو سلب ہو گئی پھر نہیں ملی۔ وہ اپنا حال خود بیان کرتے تھے کہ جب اذان ہوتی تھی تو استحضار کا یہ حال تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ نفخ صور ہو رہا ہے اور جب نماز میں ہوتا تھا تو معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں کھڑا ہوا ہوں۔ مگر اب یہ سب چیزیں نہیں رہیں۔

فرمایاؒ کہ ایک مرتبہ گھر سے حضرت مولاناؒ کے یہاں (تھانہ بھون) جا رہا تھا ایک اور شخص میرے ساتھ ہو گیا۔ راستہ بھر میری خدمت کرتا رہا۔ جب اسٹیشن آتا اتر کر پانی لاتا مجھے وضو کراتا اسی طرح راستہ بھر معاملہ رہا جب سہارنپور آیا تو وہ مجھ سے رخصت ہونے لگا۔ معلوم نہیں کس طرح سے اسکو یہ معلوم ہو گیا کہ میں سفر حج پر جا رہا ہوں مجھ سے کہا کہ آپ وہاں جا رہے ہیں میرے لئے دعا کیجئے گا کہ میں مقرر ہو جاؤں۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اسکو دعا ہی کرانی تھی تو اسکی کراتا کہ مجھے علم آجائے عمل کی توفیق اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو۔ یہ بھلا کونسی دعا ہے کہ مجھے تقریر کرنا آجائے، مگر خیر چونکہ اس نے میرے ساتھ احسان کیا تھا اس لئے میں چپ رہا اور وہاں پہونچکر میں نے اسکے لئے دعا بھی کر دی۔ پھر معلوم ہوا کہ تھوڑے ہی دنوں بعد مقرر ہونے سے پہلے اسکا انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

فرمایاؒ حضرت مولاناؒ کے یہاں میرے عزیزوں میں سے ایک نئے صاحب آئے ہم سب لوگ مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے ان سے کچھ سوال ہوا، قریب تھا کہ وہ اگر کچھ گڑبڑ جواب دیتے تو حضرتؒ فرماتے کہ چلے جاؤ۔ میری تو کچھ ہمت پڑی نہیں کہ میں کچھ کہوں ایک دوسرے آدمی نے آگے بڑھکر حضرتؒ سے کہدیا کہ حضرتؒ یہ فلانے کے بھائی ہیں۔ یہ سنتے ہی حضرتؒ نے سوال بند کر دیا اور جہاں میں بیٹھا تھا انکو بھی وہیں بٹھا دیا۔ دیکھئے اپنے مرید کا ایک رشتہ دار ہے اسکے ساتھ ایک نسبت تھی جسکی وجہ سے سوال ہی بند کر دیا اور اسکی وجہ یہ بیان فرماتے تھے کہ یہ کہے گا کہ انکی تو یہاں اتنی وقعت ہے اور ہماری کچھ نہیں (اس سے ہو سکتا ہے کسی انسان میں جذبۂ حسد کا ابھار ہو جائے)۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ! یہ ہیں حکیم الامۃؒ، ایسی دقیق رعایتیں اور ایسے اعلیٰ خُلق کی تعلیم۔ اللہ تعالیٰ انکی قبر کو نور سے بھر دے۔

فرمایا[۹] کہ مجھ سے خانقاہ (تھانہ بھون) میں ایک صاحب کہنے لگے کہ اجی یہ کیا بات ہے کہ جن لوگوں کو استعداد نہیں ہوتی وہ تصوف میں آجاتے ہیں اور جو ذی استعداد ہوتے ہیں وہ دوسری طرف چلے جاتے ہیں۔ میں نے کہا یہ بات نہیں ہے کہ ادھر کی استعداد انکو اُدھر آنے سے روکتی ہے بلکہ اُدھر یعنی آخرت کی بداستعدادی انکو اس میں آنے سے مانع ہوتی ہے۔ اور میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ وہ سامنے جو بڑے میاں بیٹھے ہیں (مراد حضرت تھانویؒ تھے) وہ کیا ذی استعداد نہیں ہیں۔ اسی طرح سے مولانا قاسم صاحبؒ اور مولانا گنگوہیؒ ذی استعداد نہیں تھے؟ امام غزالیؒ ذی استعداد نہیں تھے۔ اس پر وہ بالکل خاموش ہوگئے اور کہنے لگے کہ اجی تم تو سمجھتے ہو۔ میں نے کہا خوب ہم ہی لوگوں پر تو اعتراض کرتے ہو اور ہم تمھارے طعن کو رفع بھی نہ کریں۔ کیا ہم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ بزرگوں کی خدمت میں رہتے ہیں۔ انکی برکت سے ہماری سمجھ کھل گئی ہے اسلئے بات سمجھتے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں۔

فرمایا[۱۰] تھانہ بھون میں ایک شخص کو دیکھا کہ تلاوت کر رہے تھے کہ یکایک حضرت مولاناؒ کی سہ دری میں قرآن شریف لئے ہوئے پہونچے اور حضرتؒ کی جانب قرآن شریف بڑھاتے ہوئے کہا کہ خذ یا شیخ! حالانکہ نہ وہ عالم تھے نہ عربی زبان ہی سے واقف تھے، حضرت مولاناؒ نے قرآن شریف ان کے ہاتھ سے لے لیا اور انکو اپنے پاس بٹھالیا اور پانی منگا کر دم کرکے انکو دیا کہ اسکو پی لو کچھ دیر کے بعد انکو سکون ہوا اور یہ کیفیت ختم ہوئی تو حضرت مولاناؒ نے خود ہی پوچھا کہ کیا ہوگیا تھا؟ انھوں نے کہا کہ حضرت اس آیت نے پکڑ لیا تھا اسلئے آگے بڑھنے ہی نہ پایا۔

فرمایا کہ ایک شخص نے حضرت مولاناؒ سے کہا کہ ہم سلام کرتے ہیں تو یہ رئیس لوگ ناخوش ہوتے ہیں (گویا حضرتؒ سے اپنی بستی کے رؤسا اور شیوخ کی شکایت کی کہ ان لوگوں میں یہ کبر موجود ہے حضرتؒ تو حکیم الامۃ تھے منشا اس کہنے کا سمجھ گئے فرمایا کہ) ہاں یہ بھی بُرا ہے کہ یہ لوگ تمھارے سلام کرنے سے ناخوش ہوں اور یہ بھی برا ہے کہ تم اس انداز سے سلام کرو کہ معلوم ہو کہ تم بھی رئیس کے برابر ہوگئے ہو۔ کچھ لوگ حضرت مولاناؒ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے وہ ہنسنے لگے اور عرض کیا کہ حضرت آپنے تو اسکی نبض پکڑ لی یہ آکر ہم لوگوں سے اسطرح ڈپٹ کر سلام کرتا ہے جیسے معلوم ہوتا ہے کہ لاٹھی مار رہا ہے۔

فرمایا[۱۲] کہ میں تھانہ بھون آتا جاتا تھا تو سہارنپور راستہ میں پڑتا تھا میں شہر میں کسی کے یہاں نہیں جاتا تھا بلکہ اسٹیشن کی جو مسجد ہے اسی میں بیٹھا رہتا تھا۔ کبھی کبھی مولوی اسعد اللہ صاحب سے ملاقات ہو جاتی تو کہتے تھے ہاں بھائی تم کاہے کو آؤ گے۔ میں نے کہا کوئی آجاتا ہے تو ملاقات کر لیتے ہیں اور کیا کریں؟ باقی یہ سب سے ملنا جلنا تو طریق کے خلاف ہی ہے۔

آپ سے کہتا ہوں کہ ایک مرتبہ ہم تھے اور ہمارے ایک دوست تھے (مراد اس سے مفتی محمد شفیع صاحبؒ ہیں اور گنگوہ کا یہ واقعہ ہے) ہم لوگوں نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ حضرت یہ فلاں بزرگ کا مزار ہے اگر اجازت ہو تو چلے جائیں۔ حضرتؒ نے فرمایا ہاں ہاں کیا حرج ہے یہ کہکر اندر تشریف لے گئے اور ہم لوگوں نے جب اُدھر جانا چاہا تو ہمارے قدم ہی نہیں اٹھتے تھے۔ ان صاحب نے بھی کہا کہ ہاں جی کیا بات ہے میرے بھی قدم بالکل نہیں اٹھتے میں نے ان سے کہا کہ اپنا بھی یہی حال ہے۔ پھر ہم نے کہا کہ ہٹاؤ جب قدم ہی نہیں اٹھتے تو واپس چلو۔ چنانچہ ہم لوگ واپس آگئے تو حضرتؒ اندر سے نکل آئے اور فرمانے لگے تم لوگ گئے نہیں۔ میں نے عرض کیا حضرت جاتے کیسے قدم ہی نہیں اٹھتے تھے۔ اسپر فرمایا کہ میں نے بھی کہا تھا کہ جاؤ دیکھیں کیسے جاتے ہو۔ تب میں نے سمجھا کہ ارے یہ بات ہے اور اس طریق میں اتنی نزاکت ہے! (کہ زندہ شیخ کو چھوڑ کر مردہ کیطرف رجوع ہونا دراصل اس شیخ کی بے ادبی ہے) پھر اس کے بعد سے میں نے کبھی کہیں جانے کا ارادہ ہی نہیں کیا۔

فرمایا[۱۳] میں نے ایک آدمی کو تھانہ بھون میں دیکھا حیرت ہوئی کہ وہ آیا اور حضرت کی مجلس میں بیٹھا حضرتؒ کو اس سے خصوصیت تھی مگر کچھ بولے نہیں اور اسکی طرف التفات بھی نہیں کیا۔ پھر شام کو میں نے اسکو دیکھا کہ خوب عمدہ لباس پہنکر آیا تو حضرتؒ نے فرمایا کہ ادھر آکر بیٹھو اور اپنے قریب بٹھالیا۔ (پہلے اسکا عمل لیری اثر نعمۃ اللہ علیکم کے خلاف تھا) میں نے اس سے سمجھا کہ پہلے حضرتؒ اس پر خفا ہوئے کہ اسکو کیا مار پڑی کہ ایسا معمولی لباس پہنکر آیا ہے کیا اس سے بزرگ ہو جائے گا۔ وہ آدمی بہت سمجھدار تھا حضرت مولاناؒ کے عدم التفات کی وجہ سمجھ گیا چنانچہ شام کو اچھا کپڑا پہنکر آیا حضرتؒ خوش ہو گئے۔

میں نے اپنے دل میں سوچا کہ بھائی دیکھو یہاں چلنے نہیں پاؤ گے یہ بال سے زیادہ

باریک اور تلوار سے زیادہ تیز راستہ ہے سنبھل کر قدم رکھنے کی ضرورت ہے اہل اللہ کی جگہیں ایسی ہی ہوتی ہیں اور ان کے یہاں کا معاملہ بہت نازک ہوتا ہے۔

فرمایا[۱۴] ایک مرتبہ حضرتؒ ظہر کی نماز پڑھکر فوراً مکان تشریف لے گئے حالانکہ اسوقت معمول خطوط کے جوابات لکھنے کا تھا جب واپس تشریف لائے تو ہم لوگوں سے فرمایا سنو! مجھے چھ ماہ سے قبض تھا گھر میں طبیعت خراب تھی متلی اور قے ہو رہی تھی میں نے انکو سہارا دیا اور انکی تیمارداری کی اسکی وجہ سے میرا باطنی قبض دور ہو گیا اور قلب میں انشراح ہو گیا حضرتؒ اس قسم کی باتوں کو بھی اسلئے بلا تکلف بیان کر دیتے تھے کہ ہم لوگوں کو عبرت ہو اور ان حقوق کی ادائیگی کی اہمیت ہو کہ اسکا بھی دخل امور باطنی کی ادائیگی میں ہوتا ہے۔

ایک اور[۱۵] واقعہ سنیئے: ایک مرتبہ حضرتؒ خطوط کے جوابات تحریر فرما رہے تھے، ایک خط کا جواب خاطر خواہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا تو ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے کہدیا کہ مرغیاں جو گھر میں بند ہیں انھیں جاکر کھول آؤ تو اسکا جواب بتادیں بس حضرتؒ فوراً اٹھے گھر جاکر مرغیاں کھولیں اور انکو دانہ پانی دیا اسی وقت جواب سمجھ میں آگیا۔

اب خیال فرمائیے کہ اتنے بڑے شیخ کامل جب اپنے متعلق یہ فرما رہے ہیں کہ فلاں مخلوق کا حق ادا کیا تو قبض دور ہوا تو پھر اب اس میں کیا شبہ ہے کہ ان اعمال کو باطن میں دخل ہے۔ آپ سے پوچھ رہا ہوں کہ کیا یہ انھیں حضرات کے ساتھ مخصوص تھا اب لوگ اگر ان احکام پر عمل کریں تو انکو کچھ فائدہ نہو گا۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ آج لوگ اسی سبب سے رو رہے اور اس زمانہ کی سب سے بڑی بدعت یہی ہو گئی ہے کہ شریعت کے وہ احکام جو حقوق العباد سے متعلق ہیں انکا بزرگی میں کچھ دخل نہیں سمجھتے۔

فرمایا[۱۶] کہ تھانہ بھون میں ایک مولوی صاحب میبذی پڑھاتے تھے ہر وقت اسی کے خیال میں رہتے تھے اکثر بعد عصر ہم لوگوں کے ساتھ ٹہلنے جایا کرتے تھے ایک روز ایک بڑے آدمی جو غالباً کسی اسکول میں ملازم تھے وہ بھی ہم لوگوں کے ساتھ ہو گئے، ان مولوی صاحب نے ان سے دریافت کیا کہ بارش کیسے ہوتی ہے؟ (سمجھتے تھے کہ انگریزی اسکول کے ماسٹر ہیں سائنس کے اصول پر اسکی کچھ تقریر کریں گے مگر) انھوں نے یہ آیت پڑھ دی وَاللّٰهُ الَّذِی یُحْ

اَرْسَلَ الرِّیَاحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحْیَیْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا کَذٰلِکَ النُّشُوْرُ ہ (اور اللہ ایسا ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے پھر وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں پھر ہم اس بادل کو خشک زمین کیطرف ہانک لیجاتے ہیں پھر ہم اسکے ذریعہ سے زمین کو زندہ کرتے ہیں۔ اور اسی طرح اٹھنا ہے حشر کے لئے)۔

اس جواب کو سنکر تھانہ بھون والے مولوی صاحب ایسے پھیکے پڑے کہ مغرب تک کچھ نہیں بولے، بالکل خاموش رہے۔ دیکھئے! یہ مولوی صاحب حضرت مولاناؒ کے یہاں رہتے تھے مگر انکو قرآن سے مناسبت نہ تھی مگر ایک اسکول کے آدمی نے اس موقع پر جھٹ سے یہ آیت پڑھ دی۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ مولوی صاحب یہ آیت پڑھتے مگر وہاں کتنے اسکول والے آکر سیکھکر چلے جاتے تھے اور بہت سے مدرسے والے اور پاس رہنے والے رہنے کے باوجود ...... ویسے کے ویسے ہی رہ جاتے تھے۔ کس قدر افسوس کی بات ہے۔

فرمایا کہ کانپور میں ایک نقشبندی بزرگ تھے میں کبھی کبھی ان کے پاس جاتا تھا تو معلوم ہوتا تھا کہ واقعی بزرگ شخص ہیں۔ ایک مرتبہ ظہر کی نماز کا وقت تھا اور وہ اندر اپنے مکان میں کچھ لوگوں کے پاس رہے ہونگے نماز کا وقت مقرر تھا انھوں نے لوگوں سے کہہ رکھا ہوگا کہ وقت مقرر پر نماز پڑھ لی جائے میرا انتظار نہ کیا جائے چنانچہ جب وقت ہو جاتا تو لوگ نماز پڑھ لیتے تھے۔ ایک مرتبہ جب انھیں باہر آنے میں دیر ہوئی تو لوگوں نے نماز پڑھ لی اس کے بعد جب وہ آئے تو وہیں لوگوں کے سامنے بیٹھکر وضو کیا اور پھر نماز پڑھی۔

ایسا ہی حضرت مولاناؒ کو بھی تھانہ بھون میں دیکھا کہ اگر کبھی اتفاق سے جماعت ہو جاتی اور حضرتؒ مکان سے دیر میں تشریف لاتے تو اپنی سہ دری سے باہر سائبان میں آکر وضو فرماتے وہیں سب کے سامنے تنہا نماز ادا فرماتے۔ مجھکو اس میں زیادہ خلوص معلوم ہوتا ہے کہ سبکو چھوڑ دیا کہ چاہے یہ لوگ معتقد ہوں یا نہوں۔ نماز پڑھنے سے زیادہ یہ خلوص ہے کہ معتقدین کی نظروں سے اپنے کو ساقط کیا جائے اور انکی پرواہ نہ کی جائے (یعنی خالق پر نظر ہو اور مخلوق کو نظروں سے ساقط کر دیا جائے)۔

چنانچہ حضرت یہ بھی فرماتے تھے کہ پہلے مجھکو لوگ حضرت وغیرہ کہتے تھے مگر جب تھانہ بھون

تو لوگ مولوی جی، مولوی جی کہتے تو ناگوار ہوتا تھا پھر خود ہی فرماتے تھے کہ اس پر میں نے کہا کہ یہ تو غضب ہو گیا یہ تو اچھا حال نہیں ہے چنانچہ پھر میں نے اسکی اصلاح کی اور اب اگر کوئی مولوی جی کہتا ہے تو بہت اچھا لگتا ہے اور اسکی طرف کان لگا کر بات سنتا ہوں

فرمایا[۱۹] ایک صاحب مجھ سے تعلق رکھتے تھے میں تھانہ بھون ہی میں تھا کہ وہ آئے اور ساتھ میں ایک بوتل میں حلوہ بھی لائے اور مجھ سے کہا کہ نصف تم لے لو اور نصف حضرت مولاناؒ کی خدمت میں پیش کر دو میں نے کہا بھئی یہ تو بہت مشکل ہے۔ حضرت مولاناؒ نئے آدمی سے ہدیہ نہیں لیتے اب دو ہی صورتیں ہیں یا آپ رکھ لیجئے یا مجھی کو کل دیدیجئے۔ انھوں نے مجھی کو کل دیدیا۔ اب لینے کو تو میں نے لے لیا لیکن یہ خیال ہوا کہ میں نے اپنا حصہ تو لیا ہی تھا حضرت کا حصہ بھی لے لیا یہ ٹھیک نہیں ہے لیکر ڈرتے ڈرتے حضرت کی خدمت میں لیجا کر اپنی طرف سے پیش کر دیا۔ حضرتؒ نے بہت خوشی خوشی لے لیا اور پنسل سے نصف بوتل پر نشان لگایا میں نے عرض بھی کیا کہ حضرت کل لے لیجئے فرمایا نہیں نصف میں اور نصف تم۔ میں دل ہی دل میں کہتا تھا کہ یہ تو کھلا ہوا کشف ہے اور یہ ہی کشف کیا وہاں تو دلوں میں نور داخل کیا جاتا تھا جو سب سے بڑی چیز ہے۔ (یہ قصہ بیان فرما کر حضرت والاؒ نے فرمایا کہ ایسی جگہ چوری نہیں چل سکتی، (جام جہاں نماست ضمیر منیر دوست)۔

فرمایا[۲۰] حضرت مولاناؒ سے سنا ہے ایک بزرگ فرماتے تھے کہ جب کوئی شخص میرے سامنے قرآن کی آیات اور حدیث کی روایات یا کوئی عربی عبارت پڑھتا ہے تو میں دیکھتا ہوں کہ اس میں نور ہے یا نہیں عام عربی عبارت میں تو نور ہوتا ہی نہیں۔ پھر جب نور دیکھتا ہوں تو یہ دیکھتا ہوں کہ نور قدیم ہے یا حادث۔ جب نور قدیم دیکھتا ہوں تو پہچان لیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور نور حادث دیکھتا ہوں تو سمجھ جاتا ہوں کہ یہ نبی کریم صلعم کا ارشاد ہے۔ حدیث میں بھی نور ہوتا ہے مگر وہ نور، نور قدیم نہیں ہوتا حادث ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام میں نور قدیم ہوتا ہے

[۲۱] مولوی محمود حسن صاحب مدظلہٗ (مدراسی) نے یہ واقعہ بیان کیا: حضرتؒ کے یہاں کوئی صاحب کچھ ہدیہ لائے وہ حضرتؒ کے اصول کے خلاف تھا حضرتؒ نے نہیں لیا۔ چونکہ کھانے پینے کی چیز

تھی خراب ہو جانے کا اندیشہ تھا ایسی چیزیں ایسے مواقع پر لانے والا خانقاہ میں مقیم حضرات پر تقسیم کر دیتا تھا۔ چنانچہ وہ بھی تقسیم کر دی گئی اور میرے حصے میں بھی اسکا کافی حصہ آیا۔ میں نے یہ خیال کیا کہ حقیقۃً یہ حضرت کے لئے آئی ہے وہ تو اس سے محروم رہیں اور ہم لوگ کھائیں کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا اس لئے میں اپنا حصہ لیکر حضرتؒ کے مکان پر پہونچا اور دستک دینے پر جب حضرت باہر تشریف لائے تو میں نے کہا کہ حضرت اتنی یہ چیز میری ہو گئی ہے مجھ سے قبول فرمالیجئے تو فرمایا اچھا یہ تم طالب علمانہ چال چلتے ہو؟ میں نے عرض کیا آپ کے ساتھ تو کبھی طالب علمانہ چال نہ چلونگا تو پھر حضرتؒ نے قبول فرمالیا اور اسکو لیکر اندر تشریف لے گئے۔

۲۲ نیز فرمایا کہ میں خانقاہ میں رہتا تھا حضرتؒ کھانے کے لئے مجھے پیسے دیتے تھے اور فرماتے کہ جب ختم ہو جائیں پھر لے لینا میں ختم ہونے کے بعد بھی نہیں مانگتا تھا۔ حضرتؒ ہی پھر از خود مجھے دیدیتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرتؒ کہیں طویل سفر کے لئے تشریف لے جارہے تھے تو میں بھی ساتھ ہو گیا حالانکہ میرے جیب میں ایک پائی بھی نہیں تھی۔ حضرتؒ ہر ایسے اسٹیشن پر پہونچ کر جہاں ٹکٹ لینا ہوتا مجھے پیسے دیدیتے تھے۔ ہمارے ساتھ ایک اور صاحب بھی تھے انکو بھی حضرتؒ پیسے دیتے تھے ایک بار انکو ڈانٹا کہ پیسے خود کیوں نہیں مانگ لیتے کیا انکی (مولوی وصی اللہ کی) ریس کرتے ہو؟ اس پر میں نے عرض کیا کہ حضرت اب میں بھی مانگ لیا کروں گا تو فرمایا کہ نہیں نہیں! تم نہیں لوگے میں جانتا ہوں۔ (فرق ان دونوں معاملات میں واللہ تعالیٰ اعلم یہ سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت تھانویؒ ان حضرات کے حالات اور اپنی قلبی بصیرت کی بنا پر سمجھتے ہونگے کہ حضرت مصلح الامۃؒ کا تو سوال نکرنا بوجہ قناعت اور توکل کے ہے اور یہ انکا قلبی سچا حال ہے یعنی اگر میں نہ دوں تب بھی انکو کچھ شکایت نہو گی۔ اور دوسرے صاحب کے بارے میں خیال فرماتے ہونگے کہ محض ریس میں ایسا کرنا چاہتے ہیں حالانکہ انکا قلبی حال انکے جیسا نہیں ہے۔ مجھ سے مانگیں گے نہیں نہ دونگا تو دل ہی دل میں مجھ سے شکایت بھی پیدا ہوگی۔ یہ بھی کوئی توکل ہوا)۔

۲۳ فرمایا کہ حضرتؒ میرے متعلق فرماتے تھے کہ ایسا غیور آدمی میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ پاس تو ایک پائی نہیں اور کسی سے مانگتا بھی نہیں۔

فرمایا[۲۴] (بمبئی میں خصوصی مجلس میں کہ) جب مجھ پر فالج کا حملہ ہوا حکیم شمس الدین صاحب گھبرائے ہوئے آئے کہ حضرت ابھی تو میں نے بیعت بھی نہیں کی ہے۔ اسی وقت سے مجھے الہام ہوا (یہ صراحتاً فرمایا) کہ تم ابھی نہیں مروگے ابھی کام کرنا ہے۔ چنانچہ میں نے لوگوں سے کہدیا کہ بھائی گھبراؤ نہیں میں انشاء اللہ ابھی نہیں مرونگا

نیز[۲۵] مولانا محمود حسن صاحب نے مجھے لکھا کہ :- حضرت مولانا محمد سعید صاحب کیرانوی مدراسی خلیفہ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے مجھ سے فرمایا کہ مولانا وصی اللہ صاحب حضرت کے بہت ہی عاشق تھے ایک وقت حضرت تھانوی نے کسی اصلاحی بات پر غصہ ہوکر ان سے فرمایا کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ مولانا وصی اللہ صاحب خانقاہ سے کہیں چلدیئے، پھر حضرت تھانوی رات بھر لالٹین ہاتھ میں لیکر تلاش فرماتے رہے۔ تھانہ بھون کے ہر ہر کنوئیں پر بھی جاکر دیکھتے کیونکہ اُن پر ایک حال طاری تھا حضرت کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں کسی کنوئیں میں جاکر نہ گر گئے ہوں۔ آخر تین دن کے بعد دہلی سے کسی حکیم صاحب کا سفارشی خط لیکر حضرت کے قدموں پر آکر گر گئے اور بیہوش ہوگئے۔ حضرت نے انکے سر کو اپنی گود میں رکھکر خود ہی پنکھا جھل رہے تھے۔ پھر ہوش آیا تو حضرت نے انکو بیعت کی اجازت مرحمت فرمادی۔ انتہیٰ

میں نے جب یہ واقعہ مولانا محمد سعید صاحب سے سنا تو اسکی تصدیق کے لئے اس واقعہ کو حضرت والا کی خدمت میں لکھا تو حضرت نے بس اتنا ہی اسپر تحریر فرمایا کہ "میرا حال بہت خراب تھا اور اب بھی ہے اب میں اپنی حالت اپنے قلم سے کیا لکھوں"۔ (مولانا محمود حسن صاحب کے بیان کردہ حالات ختم ہوئے)۔

راقم عرض کرتا ہے کہ میں نے یہ واقعہ اور حضرات سے بھی سنا اور یہ اتنا تو حضرت والا کی نظر سے بھی گذر چکا ہے۔ لوگ بتاتے ہیں کہ ابتداءً حضرت پر شورش اور عشق کا بڑا غلبہ تھا اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں کم وبیش ایسا ہوجانا کچھ ناگزیر سا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر انقطاع وحی کے زمانہ میں کچھ ایسا قبض طاری ہوا کہ آپ نے متعدد بار ارادہ فرمایا کہ کسی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھکر خود کو گرالیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر بار آپکو سنبھال لیا۔ اسی سنّت کے مطابق حضرت پر بھی ایک ایسا وقت آیا کہ حضرت شیخ کے مواخذہ کی تاب نہ لاکر انتہائی ضیق

اور گھٹن میں مبتلا ہو گئے کہ یا اللہ جب حضرتؒ ہی ناراض ہیں تو اب کیا کروں، کہاں جاؤں؟ اور حضرتؒ کو کیسے راضی کروں؟ یہ خیال فرما کر تھانہ بھون سے دہلی ریلوے لائن پکڑے ہوئے پیدل ہی چل دیئے اور معلوم ہوتا ہے حکیم صاحب سے کچھ تعلق رہا ہوگا وہاں ان سے سفارش حاصل کی۔ حکیم صاحب نے پہلا کام تو یہ کیا کہ کسی ذریعہ سے حضرت مولانا تھانویؒ کو فوراً اطلاع کر دی کہ مولوی وصی اللہ یہاں میرے پاس دہلی میں ہیں تاکہ حضرت اقدس کو اطمینان ہو جائے اور اس میں شک نہیں کہ ایک نہایت اصولی اقدام تھا چنانچہ حضرت تھانویؒ کو اطمینان ہوا ورنہ تو آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ قصبہ کے تقریباً سب کنوئیں میں لالٹین لٹکا لٹکا کر حضرتؒ کو تلاش کیا گیا حضرت حکیم الامتؒ کو قوی اندیشہ اسکا ہوا کہ کہیں خدانخواستہ ضیق حال کی تاب نہ لاکر کسی اور اقدام پر آمادہ نہ ہو جائیں۔ لیکن آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرتؒ کی واپسی کے بعد حضرت تھانویؒ نے کیا برتاؤ فرمایا مواخذہ اور معاتبہ اگر اصلاحی ضرورت سے تھا تو یہ سب معاملہ قلبی محبت کا اثر تھا اور مواخذہ اسی کا نافع ہوتا ہے جسکے اندر محبت کا بھی خزانہ ہوتا ہے۔ یہ ہوا کہ حضرت والاؒ حضرت حکیم الامتؒ کے قدموں پر گر کر بیہوش ہو گئے اور حضرتؒ نے اپنی گود میں لٹا لیا اور خود ہی پنکھا جھلنے لگے۔ سبحان اللہ اسی حالت کی تو تمنا کسی عاشق نے کی ہے کہ ؎

بیمار محبت کو جب ہوش میں لانا ہو زانو پہ لٹا لینا دامن سے ہوا کرنا (دیا)

فرمایا میں نے ایک شخص کو تھانہ بھون میں دیکھا کہ ہم لوگ تو ادھر افطار کر رہے ہیں اور وہ دوسری جانب جاکر دعا کر رہے تھے بنگال کے تھے عالم بھی تھے بہت دیر تک دعا کرتے تھے اور یہی کہتے تھے کہ یا اللہ تیرا شکر ہے تو نے توفیق دی اور میں نے روزے رکھ لئے۔

دیکھا آپ نے اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ سب لوگ تو افطار میں رہتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے میں مشغول ہو جاتے ہیں کہ یا اللہ آپ کا ہزار ہزار شکر ہے آپ نے فریضۂ صوم کو ادا کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی اور اسکو پورا بھی کرا دیا۔

فرمایا[۲۷] کہ تھانہ بھون میں ایک مرتبہ مثنوی ختم ہوئی مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی بھی درس کے افادات قلم بند کرتے جاتے تھے اور مولوی شبیر علی صاحب بھی انھیں دونوں کے مجموعہ سے مثنوی کی دو شرحیں مرتب ہوگئیں (چنانچہ دونوں شرحیں شرح شبیری اور شرح حبیبی کے نام سے بعد میں طبع بھی ہوگئیں) تو مثنوی کے اختتام پر اس نعمت کے شکریہ میں ایک جلسہ منعقد ہوا اور اس میں حضرت مولانا ہی کا بیان ہوا بہت سے مضامین تھے اس میں حق تعالےٰ کے بندوں سے تعلق کی نیز مرید اور شیخ کے تعلق کی ایک عجیب تمثیل بیان فرمائی تھی۔

فرمایا کہ کوئی آدمی بازار سے جاکر اپنے گھر والوں اور بچوں کے لئے کچھ خرید کر لاتا ہے تو بچے دوڑ کر اسے لینے کے لئے آتے ہیں تو کبھی وہ ایسا کرتا ہے کہ اپنا ہاتھ اوپر اٹھا لیتا ہے اب چھوٹا بچہ اچھل کود کر اسکو لینے کی کوشش کرتا ہے لیکن جب وہ دیکھتا ہے کہ باپ کے ہاتھ تک نہیں پہونچ سکتا کہ اس سے چیز لے سکے تو اپنے کو عاجز پاکر بڑی حسرت سے ماں کی طرف دیکھتا ہے اور اس سے بچہ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس چیز کو آپ ہی ابا سے دلا دیجئے۔ ماں اشارہ کرتی ہے کہ جاؤ انھیں سے لو وہ تمھارے ہی لئے لائے ہیں۔ اسیطرح مشائخ کی مثال ہے کہ مشائخ بھی بمنزلہ ماں کے ہیں۔ چنانچہ طالب جب اپنے شیخ سے کہتا ہے کہ ہم مجاہدہ کرتے ہیں محنت ومشقت کرتے ہیں یہ کرتے ہیں وہ کرتے ہیں مگر مقصود نہیں حاصل ہوتا ہے تو شیخ اسکی تسلّی کے لئے کہتا ہے کہ ارے بھائی وہ تمھاری سعی اور تمھاری طلب اور تڑپ ہی کو دیکھنا چاہتے ہیں تمھارے ہی لئے تو یہ سب کچھ ہے۔ تم سعی تو کر دیکھو پھر دیکھو ادھر سے کیا ملتا ہے چونکہ مشائخ اس راستہ سے واقف ہوتے ہیں اسلئے طالبین کو موقع بموقع سنبھالتے رہتے ہیں۔

حضرتؒ کی مجلس میں ایک شاہ صاحب بھی تھے یہ سنکر قریب تھا کہ وہ بے اختیار ہوکر زور سے چیخ پڑتے کیونکہ ایسے مضامین سے انکو وجد ہو جاتا تھا مگر اپنے کو سنبھالے رہے۔

۲۸ فرمایا کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے یہاں ایک صاحب تھے جن کا نام کالے خاں تھا۔ حضرتؒ نے انکو حکیم مصطفےٰ احسن صاحب کے سپرد کر دیا تھا اور حکم دیا تھا کہ پچیس خطوط اصلاحی حکیم صاحب کو لکھو اور وہ خطوط مجھکو دکھلاؤ۔ اس شخص نے جلدی جلدی پچیس خطوط لکھ ڈالے اور سب حضرتؒ کے سامنے پیش کر دیئے حضرتؒ نے ذرا بھر میں ان سب کو دیکھ کر فرمایا کہ اس میں تو ایک خط بھی اصلاحی نہیں ہے۔ اب سنیئے وہی شخص مجھ سے آکر کہنے لگا کہ حضرتؒ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ نماز میں پڑھتا ہوں، روزہ میں رکھتا ہوں، اور زکوٰۃ میں دیتا ہوں پھر مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ میں نے کہا بھائی مجھ سے کیا پوچھتے ہو تم جانو اور حضرتؒ جانیں میں کیا سمجھوں کہ وہ تم سے کیا چاہتے ہیں۔ کچھ دنوں کے بعد یہ ہوا کہ اس نے اقرار کیا کہ حضرتؒ کے ایک عزیز کے یہاں یہاں حضرتؒ کی ہمشیرہ کا گھر تھا جو ڈاکہ پڑا تھا میں اس میں ان ڈاکہ ڈالنے والوں کا سردار تھا۔ (استغفراللہ)۔ دیکھا آپ نے حضرتؒ کی فراست۔ اسی وجہ سے اسکو منھ نہ لگاتے تھے، اور وہ چاہتا تھا کہ اسی طرح ٹال مٹول سے کام نکال لیوے۔ حضرتؒ نے حکم دیا کہ جاؤ جن کے یہاں ڈاکہ ڈالا تھا ان سے معافی چاہو۔ چنانچہ اس نے وہاں جا کر معافی چاہی۔ چونکہ حضرتؒ کے یہاں آچکا تھا ان عزیز نے اسکو معاف کر دیا اور حضرتؒ کو اطلاع کر دی کہ میں نے اسکو معاف کر دیا۔ دیکھئے یہ اصلاح و تبلیغ فعلی ہے! حضرتؒ نے کس طرح اس سے جرم کا اقرار کرایا اور اسکی کیسی آسانی سے تلافی کرا دی۔ سبحان اللہ۔

۲۹ اس قسم کے واقعات حضرتؒ کے یہاں بکثرت ہوا کرتے تھے چنانچہ ایک واقعہ اور سنیئے: ایک شخص نے حضرتؒ کی خدمت میں اپنا ایک نہایت فحش اور قبیح گناہ لکھا اپنے گھر ہی میں اس سے ایسے فعل کا ارتکاب ہوا کہ وہ زبان پر نہیں لایا جا سکتا اور یہ بھی لکھا کہ میں حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ حضرتؒ نے لکھ دیا کہ آنے کی اجازت ہے مگر مجھکو یہ ہرگز مت بتلانا کہ میں وہی شخص ہوں کہ جس نے ایسا خط لکھا تھا۔ الغرض وہ آدمی آیا اسکے بیٹھتے ہی حضرت مولاناؒ بہت زور سے تڑپے اور اسکو ڈانٹ کر نکال دیا۔ دیکھا آپ نے یہ صریح کشف و فراست ہے۔ اس قسم کی باتوں میں عقل کو کیا دخل ہے؟ اور یہاں پر عقلاء کیا کہیں گے؟ اہل اللہ کی یہ باتیں وراء العقل ہیں ظاہر میں تو یہی سمجھیگا کہ دیکھئے بیچارے کو

بلا قصور کس طرح ڈانٹ کر نکالا۔ سچا معتقد ہی اس قسم کے واقعات دیکھکر ٹھہر سکتا ہے ورنہ کچے لوگ تو بدگمان ہو کر بھاگ نکلیں گے۔ اس قسم کا ایک واقعہ اور سنیئے:۔

تین شخص[۳] حضرتؒ کیخدمت میں حاضری کے لئے تھانہ بھون روانہ ہوئے تینوں ایک ہی لباس میں ملبوس تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ ہم تو اس لباس میں اسلئے چل رہے کہ مولانا تھانوی کو یہ لباس دیکھکر تکلیف ہو۔ ان دونوں نے کہا یہ کیا واہیات ہے ہم تو صرف حضرتؒ کی زیارت کے لئے جا رہے ہیں۔ جب تینوں پہونچے اوّل کو فوراً ہی نکال دیا اور ان دونوں کو خاطر سے بٹھلایا۔ اس ایک کا خبث باطن حضرتؒ پر مکشوف ہوگیا اسلئے اسکو نکال دیا اور ان دونوں کو بٹھلایا ورنہ لباس تو تینوں کا ایک ہی تھا۔

ایک شخص[۳۱] نے اپنا واقعہ خود بیان کیا کہ میں کچھ حضرتؒ پر اعتراض کیا کرتا تھا، تھانہ بھون حضرتؒ کے یہاں حاضر ہوا تو حضرتؒ نے مجھے نکال دیا۔ میں نے سمجھا کہ یہ میرے انھیں اعتراضات کیوجہ سے ہے۔ میں نے جاکر ان خیالات سے توبہ کی پھر حاضر ہوا۔

فرمایا[۳۲] حضرت مولاناؒ فرماتے تھے کہ ہندوستان سے حضرت حاجی صاحبؒ کیخدمت میں مکہ شریف کچھ روپیہ گیا تھا تقسیم کرنے کے لئے، حضرت حاجی صاحبؒ نے کسی سے فرمایا کہ جو لوگ میرے پاس رہتے ہیں انکے نام لکھکر دو میں مقدار لکھ دونگا پھر تقسیم کر دینا۔ تو بعض لوگوں کا نام انھوں نے لکھ لیا اور بعض کا نہیں لکھا۔ جب حضرت حاجی صاحبؒ کیخدمت میں پیش کیا تو فرمایا فلاں فلاں کا نام نہیں لکھا۔ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت وہ تو حاجیوں سے بھی لے لیتے ہیں۔ فرمایا انھیں کا نام تو لکھنا چاہیئے، اسلئے کہ جب انکو اللہ تعالے پر توکل نہیں ہے اور حاجیوں سے لے لیتے ہیں تو ہم انکے پیر ہیں ہم ہی سے لے لیں اور مجھ سے کوئی دینی فائدہ انکو نہیں پہونچ رہا ہے تو دنیا ہی لے لیں۔ اور فرمایا کہ جن کا نام تم نے لکھا ہے ہمارے پاس اسلئے یہ لوگ رہتے ہی نہیں، یہ تو ہفت اقلیم کی سلطنت کو لات ماردیں۔

جب حضرت مولاناؒ نے یہ فرمایا تو یہ بات ایسی دل کو لگی کہ میں نے اسکو یاد ہی کر لیا۔

(۵ محرم ۵۸ھ)

فرمایا کہ سنو! ایک مرتبہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کچھ بیان فرما رہے تھے، بہت

عمدہ عمدہ معرفت کی باتیں تھیں۔ مولانا عبدالغنی صاحب نے عرض کیا (میں بھی وہاں موجود تھا) کہ حضرت اولیاء اللہ کی معرفت بھی بہت مشکل ہے پھر اللہ تعالیٰ کی معرفت کیسی کچھ مشکل ہوگی۔ حضرتؒ نے انکی اس بات کو پسند کیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ جزاک اللہ آپ نے خوب ہی بات فرمائی ہیں کی حضرتؒ کو خوش کردیا۔ اور ہم لوگ ایسی ایک بات نہیں کرتے کتنے دنوں سے حضرتؒ کے پاس ہیں مگر آپ ہی کی معرفت نہیں ہوسکی تو پھر خدا تعالیٰ کو کیا پہچانیں گے۔

۳۳ فرمایا کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایک مولوی صاحب تھے بڑے فاضل اور جید عالم ایک مرتبہ حضرتؒ نے انکا نام لیکر فرمایا کہ ہمارے مولوی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب بولتے بہت ہیں پھر یہ فرمایا کہ انشاء اللہ اب نہ بولیں گے۔ چنانچہ اس کے بعد ہم لوگوں نے دیکھا کہ وہ صاحب بالکل ہی خاموش ہوگئے۔ خود کہتے تھے کہ اب بولنا بھی چاہتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی نے زبان پکڑلی ہو۔ میں کہتا ہوں کہ زبان ہی نہیں بلکہ کسی نے دل ہی کو پکڑلیا تھا۔ پھر اسکے بعد انکو نفع ہونا شروع ہوگیا اور وہاں سے کچھ پاکر ہی گئے۔

۳۴ فرمایا کہ حضرت مولاناؒ کے پاس ایک عالم نے عربی میں خط لکھا حضرتؒ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ "طریق میں نفع کی شرط یہ ہے کہ مفید، مستفید سے اکمل ہو۔ آپ عربی میں خط لکھنے پر قادر ہیں اور میں نہیں ہوں اسلئے مجھے معذور سمجھیئے"۔

جب یہ جواب پہونچا تو انکا دماغ درست ہوگیا پھر اسکے بعد اردو میں خط لکھا اور بہت معذرت چاہی۔ حضرتؒ نے ہم لوگوں سے انکا نام لیکر فرمایا کہ فلاں صاحب نے مجھے عربی میں خط لکھا تھا اپنے کو جتلاتے تھے اب ٹھیک ہوگئے۔

واقعی اپنے شیخ کے سامنے ادعاء علم بڑی بے ادبی ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے ؎

طریق العشق کلھا آداب

ادبوا النفس ایھا الاصحاب

۳۵ فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت تھانویؒ نے مجلس میں یہ شعر پڑھا ؎

بنمائے رخ کہ خلقے والہ شوند وحیران بکشائے لب کہ نالہ از مرد و زن برآید

تو خواجہ صاحبؒ مجھ سے فرمانے لگے کہ یہ شعر حضرتؒ نے آپ ہی کے لئے پڑھا ہے۔ حضرت والاؒ نے فرمایا کہ خواجہ صاحبؒ کے اس کہنے پر میں شرما گیا اور اپنے دل میں کہا کہ یا اللہ میں کیا اور میری حقیقت کیا، لوگ بھلا میری بات کیا سنیں گے ؟

(لیکن دنیا نے دیکھا کہ ایک ایسا بھی وقت آیا کہ واقعی حضرتؒ بولے اور مجمع کا یہ نقشہ بھی لوگوں نے دیکھا کہ ہر شخص تمنا کرتا تھا کہ حضرتؒ دو چار کلمات ہی سہی کچھ فرما دیتے۔ اور کبھی نہ بھی فرماتے تو گھنٹہ گھنٹہ بھر مجمع نہایت ہی ساکت و صامت خاموش بیٹھا رہتا ہے ہے۔ ع۔ قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید)۔

فرمایا ۳۵ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک بزرگ نے ایک مولوی صاحب کو خلافت دی اور اپنا معتمد خاص بنا دیا مگر جب وہ بہکا تو ایسا بگڑا ایسا بگڑا کہ ویسا بگڑتے تو میں نے کسی کو دیکھا ہی نہیں۔ انتہا ہی کر دی کہ جن بزرگ کو کسی زمانہ میں علامۂ زماں قطب دوراں وغیرہ لکھا کرتا تھا انھیں کو نصرانی لکھنے لگا۔ استغفراللہ۔

جانتے ہیں اس بگاڑ کا منشا کیا ہوا ؟ وہی عدم بصیرت۔ یہ نہیں کہ خرابی آج اسکے اندر پیدا ہو گئی تھی بلکہ ابتداءً امر ہی میں ان بزرگ کو شیخ بنانے میں بصیرت پر نہ تھا ورنہ بصیرت کہیں کسی معتقد کو غیر معتقد ہونے دیتی ہے۔ اب یہ کسقدر افسوس کی بات ہے کہ ایک عامی کا تو وہ حال ہو کہ وہ کہے کہ آپ کے پیر اور آپ کے پیر کے پیر اگر حکم دیں تب بھی نہ ہٹونگا اور اور عالم کا یہ حال ہے۔ بڑی ہی عبرت کا واقعہ ہے جیسا کہ میں نے ابھی کہا سمجھ میں نہیں آتا یہ کیا معاملہ ہے ! عامی کے اندر بصیرت موجود اور عالم کے اندر مفقود۔ چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ بزرگوں کا کوئی عامی اور جاہل معتقد بدلا نہیں بلکہ ایک حال پر رہا اور عالم کتنے بدل گئے۔

(۵ نومبر ۷۲ء)

فرمایا ۳۶ میں نے حضرت مولاناؒ کو دیکھا جمعۃ الوداع میں یہاں بہت لوگ آتے تھے ہر جمعہ کو آتے تھے مگر آخری جمعہ کو مجمع زیادہ ہو جاتا اور بعد نماز سب لوگ حضرتؒ سے مصافحہ کرتے تھے اور ایک ایک آدمی پانچ پانچ مرتبہ سات سات مرتبہ کرتا۔ حضرتؒ تھک جاتے تھے، کرسی پر بیٹھ جاتے تھے اور جب تعب برداشت سے زیادہ ہو جاتا تو حجرہ میں چلے جاتے

تھے اور اندر سے کنڈی دے لیتے تھے۔ لوگ جب یہ دیکھ لیتے تو آپس میں کہتے کہ "اندر کو پڑ گیا ہے اب کسی سے نہ ملے گا"۔ اس پر حضرتؒ فرماتے تھے کہ بوڑھا ہو گیا ہوں تھک جاتا ہوں اسلئے ایسا کرتا ہوں ورنہ ان مسلمانوں کے مصافحہ کو اپنے لئے ذریعۂ نجات سمجھتا ہوں۔

دیکھا آپ نے حضرتؒ کے قلب میں عامۃ المسلمین کی کیسی وقعت و عظمت تھی۔ اب عوام کے قلب میں بھی علماء کا ادب اور احترام نہیں رہ گیا ہے حالانکہ سب سے مقدم چیز بزرگوں کا ادب ہی ہے۔ اور سب سے زیادہ مضر شے طریق میں بے ادبی ہے۔ با ادب بانصیب بے ادب بے نصیب۔

(۲۲ نومبر ۷۲ء)

مئو ناتھ بھنجن سے ایک عالم صاحب نے حضرت والاؒ کو لکھا کہ:۔

مولانا حبیب اللہ صاحب مئوی ثمّ اردی ثمّ پاکستانی جب عرصہ کے بعد پاکستان سے تین ماہ کے لئے مئو تشریف لائے تو یہاں حضرتؒ (فتحپوری) کے حالات سنکر ملاقات کرنے فتحپور تال نرجا تشریف لے گئے اور وہاں سے واپس آکر حضرتؒ (فتحپوری) کا عجیب عجیب تذکرہ تھانہ بھون کے قیام کے زمانہ کا مجمع میں بیان کرتے، منجملہ ان کے ایک واقعہ یہ بھی ہے:۔

فرمایا کہ حضرت تھانویؒ نور اللہ مرقدہٗ کے آخر زمانۂ حیات میں بعض لوگ اکثر حضرتؒ سے عرض کرتے کہ حضرت! اپنا جانشین کسی کو مقرر فرما دیجئے۔ چنانچہ خواجہ صاحبؒ نے ایک مرتبہ میرے سامنے بہت اصرار کرکے یہی درخواست کی تو حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے فرمایا کہ:۔

بھائی! ہمارے احباب میں علماء و صلحاء و اتقیاء بھی ہیں مگر جانشینی کے لئے جو فنا اور جو آداب و شرائط ہیں وہ کسی میں نہیں بجز ایک آدمی کے، مگر وہ اسقدر گمنام ہے کہ تم لوگوں کی نگاہ اسکی طرف نہیں جا سکتی اور بس وہی ایک آدمی اسکے لائق ہے۔ لیکن اگر میں اسکا نام تم لوگوں کے سامنے لوں تو تم لوگ میری ہی تکذیب

کرنے لگو گے اسلئے میں معاملہ کو خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ جب وقت آئے گا تو اللہ تعالیٰ خود ہی کام لے لیں گے"۔ یہ فرما کر پھر فرمانے لگے کہ:۔

اسوقت تو ہم لوگ بالکل نہ سمجھے کہ اس سے یہ حضرت (یعنی ہمارے حضرت مصلح الامتہؒ) مراد ہیں، لیکن اب میں دیکھتا ہوں کہ بالکل خانقاہ تھانہ بھون ہی یہاں (فتحپور تال نرجا) میں منتقل ہو کر رہ گئی ہے۔ اور اب مجھے یقین ہو گیا کہ حضرت تھانویؒ کے اس جملہ سے یہی مراد تھے۔ یہ فرماتے اور بہت محظوظ اور خوش ہوتے۔

(بیاض ۳ ص ۶۶)

۳۸ رفیع اللہ چچا فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں مولوی عبد القیوم صاحب اور مولوی عبد الرزاق صاحب چھپراوی حضرت والاؒ کے ساتھ تھانہ بھون گئے حضرت والاؒ راستہ بھر یہی فرماتے رہے کہ بھائی میں حضرتؒ سے تم لوگوں کا تعارف کرا دونگا اور بس۔ وہاں پہونچکر میں کچھ نہیں ہوں، تم جانو اور حضرت مولانا جانیں۔ جب ہم لوگ سہارنپور پہونچے تو وہاں سے گاڑی بدلتی تھی اسٹیشن کی مسجد میں تھوڑی دیر کے لئے قیام کیا تو پھر فرمایا کہ نماز پڑھکر سب لوگ دعا کرو کہ اللہ تعالےٰ حضرت کو ہم سے خوش فرمادیں۔ اور ہاں! دیکھو! مجھے وہاں بدنام نکرنا۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ یہ جو فرمایا کہ "مجھے بدنام نکرنا" اسکا مطلب یہی سمجھ میں آتا ہے کہ میرے ساتھ چل رہے ہو میرے وطن کے ہو اگر وہاں کوئی کام قوانین خانقاہ کے خلاف سرزد ہوا تو تم تو نکالے ہی جاؤ گے ہو سکتا ہے کہ اسکا اثر مجھ پر بھی پڑیگا اور مجھسے بھی سوال ہو جائے کہ یہ آپ کے لوگ ہیں؟ آپ نے انکو کیا تعلیم و تربیت کی اس لئے بڑے احتیاط سے رہنا)۔

۳۹ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں تو جنگل کا آدمی تھا۔ یہ تو حضرت مولانا تھانویؒ کی تربیت تھی کہ مجھے سنبھال لیا۔ اور ایک زمانہ میں میرے مزاج میں نزاکت بھی بہت تھی اور شیخؒ نے بھی اس پر مہر ہی لگا دی تھی۔ چنانچہ ایک زمانہ میں تھانہ بھون میں دو آدمیوں سے مواخذہ ہوا جن میں سے ایک میں تھا، ایک اور صاحب تھے معذرت اور معافی کیلئے

جب میں سامنے گیا تو دور ہی سے مجھے دیکھکر حضرتؒ نے فرمایا آئیے نازک مزاج صاحب تشریف لائیے۔ اس وقت تو میں اس جملہ کا مطلب سمجھا نہیں بلکہ یہی کہتا تھا کہ یا اللہ میرے اندر نازک مزاجی کہاں؟ لیکن اب جب لوگوں کی ذرا ذرا بے عنوانیوں کا اثر قلب پر ہوتا دیکھا تب سمجھ میں آیا کہ حضرتؒ صحیح فرماتے تھے۔

حضرت والاؒ فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگوں کو کچھ لکھنے پڑھنے کا کام دیدیتا ہوں تو اس کو لیکر بیٹھے رہتے ہو ذرا محنت تم سے نہیں ہوتی۔ اور تھانہ بھون میں حضرت مولاناؒ بھی ہم لوگوں کو کام دیتے تھے، کوئی مسودہ لکھکر دیدیتے تھے اور فرماتے تھے کہ اسکو ابھی صاف کر کے لاؤ۔ اور حضرتؒ کی تحریر ایسی ہوتی تھی کہ کاغذ کا کوئی حصہ سفید نظر نہیں آتا تھا۔ قریب قریب سطروں میں لکھتے تھے اور ایک جانب سے لکھ لینے کے بعد اس کو الٹ کر بین السطور پھر لکھتے۔ اور کہیں کہیں خط کھینچکر یا نشان لگا کر مضمون کا جوڑ لگاتے چلے جاتے تھے۔ ہم لوگ جب اسکو صاف کرنے لگتے تو سر میں درد ہونے لگتا تھا مگر جو کام ملتا تھا کرتے تھے۔ چنانچہ بعض مرتبہ کام کی اسقدر کثرت ہوتی تھی کہ کھانا کھانے تک کا موقع نہ ملتا تھا اس لئے میں تو کبھی کبھی یہ کرتا تھا دال یا سالن جو بھی کھانے میں ہوتا اس کو پہلے ہی پی جاتا اور پھر تنہا روٹی کو توڑ توڑ کر کھاتا رہتا تھا اور نظر سے کسی لکھے ہوئے پروف کا مقابلہ کرتا جاتا تھا۔ اس طرح سے ہر نوالے کو سالن میں ڈبونے کی قید اور اسکی جانب توجہ کرنے سے بچ جاتا تھا، تنہا روٹی کھانے میں کوئی دقت نہ ہوتی کھاتا رہتا تھا اور کام کرتا جاتا تھا۔ ایک ہی وقت میں دو کام بسہولت ہو جاتا تھا۔

مجھ سے جناب مکرمی عبدالصبور خاں صاحب شیروانی علی گڑھی نے بیان فرمایا کہ مولوی محمد عمر صاحبؒ کٹھوروی (جو حضرت والاؒ کو تھانہ بھون لے گئے تھے) وہ فرماتے تھے کہ بھائی! مولوی وصی اللہ نے تو ابتدا رمیں بہت ہی ذکر کیا ہے ان کا سینہ

ہر وقت جلتا رہتا تھا اور قلب کے پاس کا حصہ سیاہ پڑ گیا تھا۔ چنانچہ اس سوزش اور گرمی کا اثر ان کے کرتے پر بھی کبھی کبھی جھلکتا تھا۔ ایک دن میں نے ان کے سینے کے پاس کے کرتے کے حصہ کی جانب اشارہ کر کے کہا کہ یہ کیسے سیاہ ہو گیا ہے؟ تو فرمایا کہ ارے بھائی! میری باطنی اور قلبی سیاہی کا اثر اور دھبہ ہے جو اندر سے نکلکر اوپر ظاہر ہو گیا ہے۔

اور یہ تو سابقہ واقعات سے آپ کو بھی اندازہ ہوا ہوگا کہ حضرت اقدسؒ کا ابتدائی دور بڑی شورش اور سوزش کا گذرا۔ خود فرماتے تھے کہ مجھے تو حضرت تھانویؒ نے سنبھال لیا ورنہ میں تو جنگل کا آدمی تھا۔ کبھی ہم لوگوں سے بوقت مواخذہ فرماتے کہ تم لوگوں سے سابقہ مقدر تھا جو یہاں نظر آ رہا ہوں ورنہ لوگوں کے درمیان سے ایسا غائب ہوتا کہ لوگ میری ہوا کو بھی نہ پاتے۔

چنانچہ اور حضرات سے بھی سنا اور خود حضرت والاؒ سے بھی مختصراً سنا کہ :-

فرمایا کہ میں تھانہ بھون میں ایک مرتبہ بہت بیمار ہوا کھانا وغیرہ بالکل چھوٹ گیا، بہت لاغر ہو گیا، یہاں تک کہ لوگوں نے دق تجویز کر دیا انھیں دنوں حکیم محمد مصطفےٰ صاحب مرحوم اللہ انکو بخشے تھانہ بھون تشریف لائے انھوں نے بھی مجھے دیکھا اور میرے حالات کچھ تو پہلے سے جانتے تھے کچھ لوگوں سے سنا، اور حضرت مولاناؒ سے عرض کیا کہ وصی اللہ کو میں اپنے ہمراہ میرٹھ لئے جاتا ہوں وہیں میرے یہاں رہیں گے اور میں انکا علاج کروں گا۔ حضرت دعا فرمادیں۔ حضرت مولاناؒ نے بخوشی اجازت دے دی۔ چنانچہ میں حکیم صاحب کے یہاں رہا اور انھوں نے میرا ذکر وشغل قطعی بند کر دیا اور علاج کیا میں تندرست ہو گیا نہ کہیں دق تھا نہ کہیں کچھ تھا۔

ایک[۲۸] مولوی صاحب کہتے تھے کہ قیام تھانہ بھون کے زمانہ میں ایک دور ایسا بھی دیکھا کہ حضرت شاہ لطف رسول صاحبؒ اور حضرت خواجہ صاحبؒ ہمارے حضرتؒ کو باری باری معمولی معمولی سی باتوں پر ٹوکتے تھے اور بظاہر انداز اسکا ایسا ہوتا تھا جیسے کوئی شیخ اپنے مرید سے مواخذہ کیا کرتا ہے، اور یہ بھی کہتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ معاملہ حضرت حکیم الامۃؒ کے اشارہ سے تھا، یعنی ہمارے حضرت والاؒ کے لئے بمنزلہ ایک امتحان کے تھا اللہ تعالیٰ نے اس میں ہمارے حضرتؒ کو اعلیٰ نمبر سے پاس کیا۔ یہ حضرت والاؒ کے حسنِ خُلق، تقویٰہم اخلاق اور تواضع وکسر نفسی کی دلیل تھی ورنہ تو دیکھا جاتا ہے کہ لوگ کبر کیوجہ سے اپنے بڑے بزرگ حتّٰی کہ پیر تک سے لڑ جاتے ہیں جب کہ ان کے نفس کے خلاف کوئی بات ہو جاتی ہے۔ پھر پیر بھائی کا تو پوچھنا ہی کیا اسکے ساتھ تو مساوات اور ہمسری کا دعویٰ ہوتا ہے اسلئے اسکے تیور کا سہار بجز کسی مخلص طالب صادق کے دوسرے لئے ناممکن ہے۔

مولوی عبد[۲۹] القیوم صاحب فتحپوری فرماتے تھے کہ حضرتؒ فرماتے تھے کہ میرا جب دوسرا دور شروع ہوا تو حضرت مولانا تھانویؒ ہر نشست میں میری تعریف فرماتے تھے (لیکن میرے سامنے نہیں میری عدم موجودگی میں) چنانچہ بڑی پیرانی صاحبہ بھی مجھے بہت ماننے لگیں اور کبھی مجھے کپڑہ وغیرہ بھی عطا فرمائیں۔ جب ان حضرات کی ظاہری شفقت مجھ پر بڑھی تو وہاں کچھ لوگوں کو رشک ہونے لگا۔ چنانچہ ایک خادم نے ایک مرتبہ میری شکایت حضرتؒ سے کردی کہ مولوی وصی اللہ عشاء کے بعد زور زور سے قرآن شریف پڑھتے ہیں۔ وہاں خانقاہ کا قانون تھا کہ نماز عشاء سے فارغ ہو کر لوگ فوراً سو جائیں تاکہ آخر شب میں اٹھنے میں آسانی ہو اور سنت طریقہ بھی یہی ہے اسلئے عشاء کے بعد زور زور سے باتیں کرنا یا کچھ پڑھنا پڑھانا وغیرہ جس سے کہ سونے والوں کی نیند میں خلل واقع ہو اسکی ممانعت تھی اسی بنا پر اس نے یہ شکایت کی۔ فرمایا کہ حضرت مولاناؒ نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ آپ خلاف قانون عشاء کے بعد زور زور سے کیوں تلاوت کرتے ہیں؟ فرمایا کہ میں نے عرض کیا کہ حضرت اسوقت میرا تلاوت

کا معمول نہیں ہے ہاں نماز سے فارغ ہو کر اپنے بستر پر لیٹ کر صرف سورۂ ملک پڑھ رہا تھا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ جائیے۔

۱۳۰ فرمایا کہ اسی زمانہ میں حضرت تھانویؒ نے مجھے خانقاہ کا امام بھی مقرر کر دیا چنانچہ نماز پڑھاتا رہا۔ رمضان شریف آیا خیال کیا کہ رمضان مکان پر گذاروں ابھی حضرتؒ سے اسکے متعلق کچھ عرض نہیں کیا تھا ایک دن حضرتؒ نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ امسال تراویح بھی تمھیں کو پڑھانی ہے

۱۳۱ حضرتؒ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا تھانویؒ کی مجلس میں غصہ کا ذکر تھا، فرمایا کہ غصہ میں کوئی حد پر نہیں رہتا اسلئے مشائخ کو بھی بڑی ہی احتیاط کرنی چاہیئے اور اس بارے میں کوئی میری ریس نہ کرے۔ ہمارے حضرتؒ نے مجلس کے بعد جائے قیام پر آکر اپنے رفقاء میں سے مولوی عبدالقیوم صاحب سے فرمایا کہ حضرت والاؒ یہ مجھی کو فرما رہے تھے لہٰذا آپ بھی ان سب لوگوں سے کہہ دیجیے جو ہمسفر ہیں کہ کوئی کام بھی خلاف نہ کریں حضرتؒ کا مطلب یہ تھا کہ بھائی میں جو غصہ کرتا ہوں تو بلا وجہ تھوڑا ہی کرتا ہوں لوگ اپنی حماقت سے ایسی کسی بات کے مرتکب ہوتے ہیں جو طبعاً ناگوار ہوتی ہے اسلئے حضرت والاؒ کے ارشاد کے مطابق میں تو عمل کرونگا لیکن آپ لوگوں کیلئے بھی ضروری ہے کہ اسکے مواقع نہ آنے دیں۔

۱۳۲ حضرت والاؒ کے برادر خورد بھائی رفیع اللہ خان صاحب بیان کرتے تھے کہ زمانۂ قیام تھانہ بھون میں جب ہمارے حضرتؒ کو خلافت ملی تو اسکے کچھ دنوں کے بعد وہاں ایک صاحب تھے جو غالباً حضرت حکیم الامتؒ کے قریبی عزیز بھی ہوتے تھے انکی یہ خواہش ہوئی کہ اپنی صاحبزادی کی نسبت ہمارے حضرتؒ سے کر دیں' اگرچہ دنیوی رسم و رواج کے مطابق انکا خاندان اور حضرت والاؒ کا خاندان الگ الگ تھا لیکن انھوں نے حضرت والاؒ کی دینداری اور تقوے کا چونکہ مشاہدہ کر لیا تھا اسلئے اسکی جانب سے صرفِ نظر کر کے خواجہ صاحبؒ سے کہا کہ آپ اس مسئلہ میں کچھ سلسلہ جنبانی فرمائیں۔ خواجہ صاحب کی براہ راست تو ہمت پڑی نہیں اس لئے

ان سے کہا کہ بہتر یہ ہے کہ آپ اپنے اس خیال کو خود مولوی وصی اللہ صاحب سے براہ راست ظاہر کر دیجئے یا اگر مناسب نہ ہو تو پھر حضرت اقدسؒ کو واسطہ بنایئے۔ چونکہ یہ خواہش ان صاحب کے قلب میں گھر کر چکی تھی اسلئے حضرتؒ کا رعب وڈر نکال کر ایک دن ہمت کر کے حضرت مولانا تھانویؒ سے اپنی اس خواہش کا اظہار کر ہی تو دیا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہا کہ حضرت سارا خرچ اپنی لڑکی کا اپنے ہی ذمہ رکھوں گا جب تک کہ مولوی صاحب کہیں برسرروزگار نہو جائیں مولوی صاحب پر اسکا کچھ بار نہ ہوگا صرف وہ نکاح کر لیں۔ حضرت مولاناؒ نے سنکر فرمایا کہ آپکی خاطر سے میں ان سے کہہ تو سکتا ہوں لیکن مناسب میرے نزدیک یہی ہے کہ آپ خود ہی ان سے گفتگو کر لیجئے اسلئے کہ میرا اور انکا تعلق آپ کو معلوم ہے۔ ایسا نہو کہ وہ میرے مشورہ کو حکم کا درجہ دیدیں اور میرا ان سے یہ کچھ کہنا انکی ذاتی رائے کے ختم کر دینے کا سبب نبجائے۔ ان صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ہی ان سے فرمادیں۔ چنانچہ حضرت مولانا تھانویؒ نے ایک دن حضرتؒ کو بلایا اور فرمایا کہ میں اسوقت آپ کو صرف ایک صاحب کا ایک پیغام پہونچانا چاہتا ہوں جو کہ نہ تو میرا حکم ہے اور نہ اس میں آپ مجبور ہیں میں صرف ایک واسطہ کی حیثیت رکھتا ہوں اسکے منظور کرنے نہ کرنے کا آپ کو پورا اختیار ہے۔ اور آپ کے اطمینان کیلئے یہ بھی کہتا ہوں کہ آپ اگر اس بات کو رد کر دیں گے تو مجھے ذرہ برابر ناگواری نہ ہوگی۔ اس کے بعد اُن صاحب کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ ہمارے حضرت نے سنکر ذرا تأمل کے بعد عرض کیا کہ حضرت ابھی تو میرا نکاح کا کوئی ارادہ بھی نہیں ہے اور اگر خیال ہوگا کبھی تو میری والدہ موجود ہیں انکے مشورہ سے کرونگا اور اپنے ہی خاندان میں کرونگا۔ حضرت مولانا نے فرمایا جزاک اللہ آپ کی اس صاف گوئی سے بہت طبیعت خوش ہوئی۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے یہ گفتگو۔ رفیع اللہ چچا فرماتے تھے کہ وہاں کی باتیں ہم لوگوں کو کیا معلوم خود مولاناؒ نے وہاں سے آنے کے بعد والدہ صاحبہ سے یہ سب

گفتگو نقل کی۔ یہ بھی کہتے تھے کہ مولاناؒ نے والدہ سے تو یہ گفتگو اسلئے نقل کی کہ اسطرح
سے آپ کے اور خاندان کے حوالے سے وہاں سے چھٹکارا ملا۔ چنانچہ حضرت نکاح کرنے
پر آتے ہی نہیں تھے جیسا کہ مولانا تھانویؒ سے بھی عرض کیا تھا کہ ابھی تو میرا نکاح
کا خیال بھی نہیں اور خود والدہ نے بھی اور اہل خاندان نے ابتک جب جب
اسکی گفتگو نکالی حضرتؒ نے رد فرما دی لیکن اس مرتبہ تھانہ بھون کی گفتگو جب
والدہ سے نقل کی جس میں اس امر کی تصریح تھی کہ والدہ کے مشورہ سے نکاح
کرونگا اور خاندان ہی میں کرونگا تو حضرتؒ کی والدہ نے اسی بات کو پکڑ کر فوراً
رشتہ کی تلاش شروع کردی، اور مولاناؒ سے کہا کہ میں بوڑھی ہو گئی ہوں تمنا ہے
کہ تم کو اپنی آنکھوں سے خانہ آباد دیکھوں اس لئے اب انکار نہ کرو ہم رشتہ تلاش
کرتے ہیں۔ اور بالآخر یہی واقعہ حضرت والاؒ کے نکاح کا پیش خیمہ بن گیا۔ نکاح کا
بیان آگے قیام فتحپور میں آئیگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

زمانۂ قیام تھانہ بھون میں بھی حضرت والاؒ اپنے مزاج کے مطابق جسکا علم ناظرین
کو حالات کے سلسلہ میں متعدد بار ہو چکا ہے، سب سے الگ تھلگ رہا کرتے تھے
کام کے لحاظ سے حضرت حکیم الامتؒ سے بہت قریب تھے۔ یہاں تک کہ حضرت مولاناؒ
اپنے مضامین کے مسودات صاف کرنے کے لئے حضرت والاؒ ہی کو مرحمت
فرمایا کرتے تھے۔ لیکن حضرت والاؒ صرف اپنے کام سے کام رکھتے تھے۔ ضرورت
کے وقت یا بوقت طلبی حضرت مولانا تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جو کچھ کہنا
سننا ہوا کہا سنا اور اسکے بعد اپنے حجرہ میں آکر اپنے کام میں لگ گئے۔ حضرت والاؒ
خود فرماتے تھے کہ وہاں بھی جب مجھے ذرا فرصت ملتی تو خانقاہ سے باہر دور جنگل چلا جاتا۔
حاصل یہ کہ لوگوں سے زیادہ اختلاط اور مجلس بازی سے حضرتؒ کو کچھ بھی مناسبت
نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا عبدالباری صاحبؒ نے جب حضرتؒ کے
کام کی اطلاع پائی اور حضرتؒ کا چرچا سنا تو اپنے بعض احباب سے یہ دریافت
کیا کہ حضرت مولانا وصی اللہ صاحب جو اپنے حضرتؒ کے مجاز ہیں انکے بابرکت حالات

سنتے ہی رہتے ہیں جس کی وجہ سے ملاقات کا بھی اشتیاق پیدا ہو رہا ہے لیکن یہ تو بتائیے کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ تھانہ بھون میں میں نے انھیں دیکھا ضرور ہوگا لیکن صورت شکل کچھ یاد نہیں آرہی ہے کہ اس نام کے کون صاحب وہاں تھے اور کس حجرہ میں رہا کرتے تھے! ہمارے حضرتؒ نے جب یہ بات سنی تو ہنسے اور فرمایا کہ بھائی میں تو مولانا عبدالباری صاحب کو خوب اچھی طرح جانتا ہوں۔ تھانہ بھون میں ان سے میری ملاقات بھی ہوئی ہے۔ باقی یہ ضرور ہے کہ میں وہاں چونکہ سب سے الگ تھلگ رہا کرتا تھا اسلئے ہوسکتا ہے کہ مولانا کو میں یاد نہ ہوں۔ اور میں تو تھانہ بھون خود کو مٹانے کے لئے گیا تھا نہ کہ اپنے کو پہچنوانے کے لئے۔

۳۴ اور حضرت والاؒ یہ بھی فرماتے تھے کہ خانقاہ میں میری دوستی خواجہ صاحبؒ اور مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور شاہ صاحب سے تھی یہ حضرات مجھے بخوبی جانتے تھے باقی وہاں کے اور آنے جانے والوں سے میں ملتا سب سے تھا سب کا ادب احترام ملحوظ رکھتا تھا لیکن ربط وضبط کسی کے ساتھ نہ رکھتا تھا اور اس زمانہ میں تعارف کا بالعموم یہی سبب ہوا کرتا ہے اور میں اس سے طبعاً دور تھا۔

۳۵ ہمارے حضرتؒ نے اپنے زمانۂ قیام میں خانقاہ کے مدرسہ میں کچھ دنوں درس بھی دیا چنانچہ مولانا سید ظہور الحسن صاحب مدظلہٗ کسولوی جو آجکل خانقاہ کے منتظم ہیں انھوں نے اسی زمانہ میں حضرت والاؒ سے کچھ ابتدائی کتابیں پڑھی تھیں۔ حضرت والاؒ کے ذاتی کمال اور فضل کے علاوہ یہ تعلق بھی سبب بنا اسکا کہ مولانا ظہور الحسن صاحب مدظلہ العالی حضرت والاؒ سے بڑی محبت اور حضرت کا غایت ادب واحترام فرماتے تھے۔ اسی طرح سے ہمارے حضرتؒ بھی مولانا موصوف کو مانند اپنی اولاد کے چاہتے تھے

(درِ شیخ کا ادب واحترام)

۳۶ ممکن ہے کہ اسکو حضرت اقدسؒ کا ایک خصوصی حال سمجھا جائے بہرحال دیکھا یہ گیا کہ جس گھر سے حضرتؒ کو باطنی دولت ملی تھی ساری عمر اسکا یکساں ادب واحترام

ملحوظ رہا یہاں تک کہ متعدد بار مختلف حضرات کی خواہش ہوئی کہ حضرت والا تھانہ بھون اطراف اور تھانہ بھون تشریف لے چلیں لیکن حضرتؒ اس پر کسی طرح راضی نہیں ہوئے۔ ایکمرتبہ مولانا ظہور الحسن صاحب مدظلہ العالی کی درخواست پر یہ فرمایا کہ مجھے کیا وہاں بلاتے ہو میرے وہاں آنے سے تم لوگوں کو کیا نفع ہوگا؟ میں وہاں جاؤنگا تو کچھ بولونگا تھوڑا ہی بلکہ جس طرح سے حضرتؒ کے زمانہ میں آیا کرتا تھا اسی طریقہ سے خاموش کسی حجرہ میں پڑا رہوں گا اور مجھ سے وہاں کچھ بولا بھی نہ جائے گا، پھر میرے وہاں آنے سے تمہیں کیا فائدہ ہوگا؟ لوگوں کو اگر مجھ سے محبت ہے اور مجھ سے کچھ فائدہ ہی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو یہاں کیوں نہیں آتے۔ نیز ہم خدام سے فرماتے تھے کہ کام کی ضرورت تھی ایسے وقت میں مولانا تھانویؒ جیسے بزرگ کی زمانہ کو حاجت تھی، حضرت مولاناؒ اس دنیا سے تشریف لے گئے اسی صدمہ کو کسی طرح برداشت کئے ہوئے ہیں اور لوگ ہیں کہ ہم کو چھیڑتے ہیں کرنا ورنا خاک نہیں بس محض رسمی طور پر بلانا چاہتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ وہاں کی حاضری کے بعد خانقاہ کے در و دیوار کو دیکھکر مجھ پر کیا گذر جائیگی اور کبھی کبھی یہ بھی فرماتے تھے کہ بھائی اس اطراف میں اسلئے نہیں جاتا کہ وہاں الحمدللہ حضرتؒ کے لوگ موجود ہیں۔ دیوبند میں قاری محمد طیب صاحب ہیں۔ سہارنپور میں مولانا اسعد اللہ صاحب ہیں، جلال آباد میں مولانا مسیح اللہ خاں صاحب ہیں اور یہ سب حضرات ماشاءاللہ کام بھی کر رہے ہیں لوگوں کا ان حضرات کی جانب مرجوعہ بھی ہے اور مخلوق خدا کو ان سے نفع بھی پہونچ رہا ہے اور مقصود در اصل کام ہی ہے تو اب کسی نئے آدمی کا ایسی جگہ جانا، ہو سکتا ہے کہ عوام کے لئے تشتت اور خلجان کا سبب بنجائے اسلئے میں اسکو بجائے مفید کے مضر سمجھتا ہوں۔ آدمی کو وہاں جانا چاہیئے جہاں کام کی ضرورت ہو اور جو خطہ اہل حق سے خالی ہو۔ پھر یہ کہ کام کرنے کیلئے اپنی جگہ اور اپنا وطن کچھ کم ہے؟ آدمی کو وہیں جم کر کام کرنا چاہیئے اور پھر جب آدمی ایک جگہ کچھ کام کرلیتا ہے تو دوسری جگہ بھی اس سے نفع ہوتا ہے ورنہ لوگ خیال کر سکتے ہیں کہ اپنی جگہ کتنا کام کرلیا ہے جو اب یہاں تشریف لائے ہیں!

اسلئے میں تو بھیا کہیں آنے جانے کا قائل نہیں ہوں۔

حضرت مولانا تھانوی کے وصال کے کچھ عرصہ بعد جب مولانا شبیر علی صاحب بھی ہند سے منتقل ہوگئے تو کسی مناسب ناظم نہونے کی وجہ سے خانقاہ تھانہ بھون بعض بدنظمیوں کا شکار ہوگئی جسکی درستگی اور اصلاح میں حضرت حکیم الامۃ کے تقریباً سبھی خلفاء نے حصہ لیا مگر کم لوگوں کو اسکا علم ہوگا کہ اسمیں ایک بڑا حصہ حضرت مصلح الامۃ کی توجہات کا بھی تھا۔ حضرت والا ہی کے حکم سے مولانا سید ظہور الحسن صاحب نے وہاں قیام فرمایا اور خانقاہ کا نظم ونسق بحمداللہ درست ہوگیا۔

حضرت چھوٹی پیرانی صاحبہ کا قیام یہاں جب تک رہا ہمارے حضرت برابر اور ہر ماہ پابندی کے ساتھ انکی خدمت میں کچھ رقم بطور ہدیہ پیش فرماتے رہے پھر جب وہ یہاں سے منتقل ہوگئیں تب بھی برابر انکی خدمت کسی نہ کسی عنوان سے فرماتے ہی رہے چنانچہ ایک دفعہ انھوں نے کسی سے کہلا بھیجا کہ مولوی وصی اللہ سے کہدو کہ الحمد للہ میں یہاں بہت آرام سے ہوں اور مجھے کسی چیز کی حاجت نہیں ہے لہٰذا اب وہ ہدیہ وغیرہ کی تکلیف نہ کریں۔ حضرت نے انھیں ایک صاحب کی معرفت کہلا بھیجا کہ حضرت پیرانی صاحبہ سے سلام کے بعد عرض کیجئے گا کہ حضرت کے گھرانے کا ہم خدام پر جو احسان ہے اس سے تو ہم ساری عمر عہدہ برآ نہیں ہوسکتے اور جو کچھ حقیر خدمت کی توفیق ہوجاتی ہے یہ حضرت محترمہ کو محتاج سمجھکر تھوڑا ہی کیجاتی ہے۔ یہ تو اپنے ذمہ ایک حق لازم ہے جسکو تاعمر ادا کرنا ہے۔ بہرحال حضرت والا اپنے اسی معمول پر آخر آخر تک قائم رہے

راقم عرض کرتا ہے کہ ملاحظہ فرمایا آپ نے شیخ کے در اور گھر کا ادب۔ انسان کے قلب میں جب یہ چیزیں پیدا ہوجاتی ہیں تو اسکو فیض ملا کرتا ہے۔ آج ہم لوگوں کا یہ حال ہے کہ شیخ کے اعزہ اور ان کے بال بچوں سے تو کیا تعلق رکھتے خود شیخ کے طریق اور انکے مسالک ہی سے بے تعلق ہوجاتے ہیں اور پھر چاہتے یہ ہیں کہ حق تعالیٰ کا فیض اسی پرنالہ سے ہمکو ملے لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ یہ محض خام خیالی ہے کسی سے فیض حاصل کرنے کیلئے شروع سے آخر تک بہت کچھ کرنا پڑتا ہے اور مسلسل کرتے رہنا پڑتا ہے۔

۳۹ فرمایا کہ حضرت تھانویؒ اپنی تصنیفات کے سلسلہ میں بھی مجھ سے اکثر کام لیتے تھے، چنانچہ حیوٰۃ المسلمین کے مقدمہ کی آیات واشعار کا ترجمہ ہمارے حضرتؒ ہی نے کیا ہے جو کہ کتاب کے شروع میں ضمیمہ کے عنوان سے طبع بھی ہو چکا ہے۔ اور حیات المسلمین حضرت تھانویؒ کی وہ معرکۃ الآرا تصنیف ہے جسکے متعلق خود حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہٗ نے یہ الفاظ فرمائے ــــ فرمایا کہ مجھکو اپنی تصنیف کے متعلق یہ خیال نہیں کہ یہ میری سرمایہ نجات ہے البتہ حیوٰۃ المسلمین کے متعلق میرا غالب خیال قلب پر یہ ہے کہ اس سے میری نجات ہو جائیگی، اسکو میں ساری عمر کی کمائی اور ساری عمر کا سرمایہ سمجھتا ہوں۔ مگر لوگ اسکو اردو میں دیکھکر بے وقعت سمجھتے ہیں

راقم عرض کرتا ہے کہ جس کتاب کے متعلق حضرت تھانویؒ ایسا ایسا فرما رہے ہوں دوسروں کی تو کیا شکایت خود ان لوگوں کے لئے کس قدر افسوس کی بات ہے جو کہ حضرت اقدس تھانویؒ سے عقیدت کا دم بھرتے ہیں اور اس کتاب کو اپنے دینی اور اور اصلاحی نصاب سے خارج کیے ہوئے ہیں نہ خود اسکا مطالعہ کرتے ہیں اور نہ اپنے اپنی احباب اور اولاد کی اسکی جانب رہنمائی کرتے ہیں۔ سوچنے کا مقام ہے۔ حضرت تھانوی نے تو آگے یہ بھی لکھا ہے کہ ــــ میرا تو ارادہ تھا کہ میں ایک بار حیوٰۃ المسلمین کو خود پڑھا دوں مگر ہجوم کے احتمال پر موقوف کر دیا۔ مسلمانوں کو جتنی ذلت اور پریشانی آجکل ہو رہی ہے اس کتاب میں ان سب کا علاج موجود ہے ــــ اسکو نقل کر کے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب صاحبؒ دیوبندی فرماتے ہیں کہ خداوند دو جہاں ہمیں اسکے سمجھنے اور اسپر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری ہر قسم کی پریشانیوں کو راحت سے بدل دے اور آخرت کی نعمتیں عطا فرمائے۔

اسی طرح سے حضرت تھانویؒ کی تربیۃ السالک جو حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کے منصب ارشاد و تربیۃ کا ایک درخشاں کارنامہ ہے اسکا مقدمہ بھی ہمارے حضرت مصلح الامۃ نوراللہ مرقدہٗ ہی نے تحریر فرمایا اسکی تفصیل چند صفحات قبل ناظرین ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

پچھلے صفحات میں یہ تفصیل نہیں لکھ پایا

اسی طرح سے حضرت حکیم الامۃؒ کی تفسیر بیان القرآن کے کچھ حصّے کی تسہیل بھی حضرت مصلح الامۃؒ نے فرمائی جسکو حضرت تھانویؒ نے ملاحظہ فرماکر پسند فرمایا تھا اگر وہ طبع ہوکر منظر عام پر نہ آسکی ورنہ فہم قرآن کے سلسلہ کی ایک چیز ہوتی۔ اسکا علم راقم الحروف کو کچھ تو خود حضرت والاؒ کی زبان مبارک سے بھی ہوا تھا اور کچھ حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندویؒ کے ایک خط اور اسکے جواب سے معلوم ہوا۔ وہو ہذا۔

(نقلِ خطِ حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندویؒ بنام حضرت مصلح الامۃؒ)

حضرت مخدوم و محترم مدظلہٗ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امید کہ مزاج مبارک بعافیت ہوگا اور سب خیریت ہوگی۔ مولانا شبیر علی صاحب نے بیان القرآن کا ایک خلاصہ حمائل پر حاشیہ کیصورت میں شایع فرمایا تھا لیکن چھپا وہاں بہت خراب اور غلطیاں بھی بہت ہیں۔ ضرورت اور طلب اسکی عرصہ سے بعض احباب محسوس فرما رہے ہیں کہ کوئی خلاصہ حاشیہ کی صورت میں شایع ہو۔ میں نے سلسلۂ تجدید میں اسکا ارادہ کیا تھا لیکن طباعت و اشاعت کے تجربات نے احقر کی ہمت تو ختم ہی کردی۔ خود سلسلۂ تجدید کی چوتھی کتاب بھی اسی کم ہمتی میں پڑی ہے۔

آجکل مولوی محمد حسن صاحب کاکوروی کراچی سے آئے ہوئے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کوئی صاحب وہاں اس خلاصہ کی طباعت و اشاعت کے لئے آمادہ ہیں موصوف ہی کا بیان ہے کہ وہ تلخیص غالباً آنمحترم ہی نے فرمائی تھی۔ اگر ایسا ہے تو کیا پھر اس پر کوئی نظر ثانی یا اس کی نسبت کسی حذف و اضافہ کے مشورہ سے مستفید فرمانے کا موقع نکال سکیں گے۔

ایمان پر خاتمہ اور دعائے قنوت کا خصوصاً طالب ہوں

والسلام مع الاکرام۔ احقر العباد عبدالباری غفرلہٗ ہہ ھ

(مولانا عبدالباری صاحبؒ ندوی کے خط کا جواب)

مخدمنا المحترم دام مجدکم وزاد عنایتکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ
گرامی نامہ صادر ہوکر کاشف حالات ہوا۔ گاہے گاہے آپکی اس یاد فرمائی سے قلبی مسرت ہوئی اور اس پر تہ دل سے آپ کا ممنون ہوں ۔ الحمد للہ میں بھی بخیریت ہوں ۔ خط سے بیان القرآن کی تلخیص کی ضرورت کا علم ہوا اس میں تو شک نہیں کہ تلخیص وتسہیل کے بعد اسکا نفع انشاء اللہ تعالیٰ عام ہوجائے گا ۔

مکرمی مولوی محمد حسن صاحب نے آپ سے جس تلخیص کا ذکر کیا ہے وہ بیان القرآن کی تلخیص نہ تھی بلکہ تسہیل تھی ۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مشکل عبارات کے بعد بین القوسین میں اپنے لفظوں میں اسکی عام فہم تقریر کردیا تھا جو بلا شبہ اس حیثیت سے تو نافع اور قابل اطمینان ضرور تھی کہ میں جسقدر لکھتا جاتا تھا حضرتؒ کو حرفاً حرفاً سناتا بھی جاتا تھا ۔ چنانچہ حضرتؒ نے اسکا اپنے منشار کے مطابق ہونا بھی ظاہر فرمایا تھا ۔ لیکن افسوس اسکا ہے کہ اسکی اب کوئی نقل میرے پاس موجود نہیں ، بلکہ اسکا مسودہ عبدالواحد صاحب نامی ایک صاحب کے پاس ہوگا جو کانپور کے تھے اور میں نے انھیں کی فرمائش پر حضرتؒ کے ایمار سے یہ تسہیل شروع کی تھی مگر ہنوز صرف ڈھائی پارہ کی ہی کرسکا تھا کہ بعض عوارض کی بنا پر وہ سلسلہ ہی ختم کردینا پڑا ۔ چنانچہ وہ سب انھیں کے حوالہ کردیا ۔

اگر آپکے حسب منشار وہ ہوا اور آپ کسی ذریعہ سے اسکو ان صاحب سے حاصل کرسکیں تو فبہا ۔ انشار اللہ وہ اتنا بھی مابقی کی تسہیل کے لئے ایک مستند نمونہ ہوگا جسکی اعانت سے بقیہ حصہ کی تسہیل آسان ہوجائیگی ۔ لیکن اگر وہ ان سے دستیاب نہ ہوسکے یا وہ آپ کے منشار کے موافق نہ ثابت ہو تو پھر میرا مشورہ یہ ہے کہ بجائے اسکے کہ از سرنو اس کام کے لئے کاوش شروع کیجائے اسی پہلے حمائل کو جو خرابی کتابت وطباعت کے باعث غیر نافع ثابت ہورہا ہے بعینہ یا کسی معمولی حذف اضافہ کے بعد

پھر اہتمام کے ساتھ دوبارہ طبع کرایا جائے بشرطیکہ کوئی قانونی مشکل درمیان میں حائل نہو۔ اس حمائل کے نسخے کمیاب ہوگئے ہیں تاہم نایاب نہیں ہیں اگر ضرورت سمجھی جائیگی تو احباب میں سے ایک صاحب کے پاس موجود ہے جو ان سے بآسانی بلا کسی معاوضہ کے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ حسب استطاعت مشورہ کے لئے ہر وقت حاضر ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائیں اور ہم سب کی مغفرت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔ آپ سے بھی اپنے لئے دل سے طالب دعا ہوں۔

والسلام خیر ختام ۔ وصی اللہ عفی عنہ

تسہیل بیان القرآن کے متعلق مذکورہ بالا تفصیل تو مولانا ندویؒ کی مکاتبت سے معلوم ہوئی باقی خود حضرت والاؒ نے جو ذکر فرمایا وہ یہ تھا کہ ـــــ ایک مرتبہ حضرت تھانویؒ سے کسی صاحب نے بیان القرآن کی تسہیل کی خواہش ظاہر کی، حضرت مولاناؒ نے فرمایا یہ تو میرے لئے بہت مشکل ہے ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی صاحب اسکی تسہیل کر دیں میں اسکو دیکھ لونگا یا مجھے سنا دیا جائے۔ چنانچہ ایک مولوی صاحب نے کچھ حصہ کی تسہیل کر کے حضرت تھانویؒ کی نظر سے گذرا ملاحظہ کے بعد فرمایا کہ ان مولوی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے سب صحیح لکھا ہے مگر یہ تو ایک مستقل تصنیف ہو گئی ہے میری تفسیر کی تسہیل نہیں ہے۔ اسکے بعد میں نے بھی کچھ حصہ کی تسہیل کر کے ڈرتے ڈرتے پیش کی۔ ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ ہاں یہ میرے منشار کے مطابق ہے اس میں میری ہی کہی ہوئی بات کی ترجمانی کی گئی ہے۔

فرمایا کہ حکیم محمد مصطفےٰ صاحب جب مجھے میرٹھ لے گئے اور وہاں سے میں اچھا ہو کر واپس آیا تو بھائی صاحب بھوپال سے آئے اور مجھے اپنے ہمراہ (تبدیل آب و ہوا کے لئے) حضرت تھانویؒ کی اجازت سے لے گئے، وہاں سے پھر جب میں تھانہ بھون واپس ہوا (براہ دہلی) تو اسٹیشن پر دیکھا کہ حضرت مولانا تھانویؒ اسی گاڑی سے نانوتہ تشریف لیجارہے ہیں ایک صاحب اور حضرتؒ کے ہمراہ تھے میں نے ملاقات کی تو فرمایا کہ تم آگئے ہیں تو نانوتہ جارہا ہوں اگر چلنا چاہو تو گارڈ سے اجازت لے لو، چلو

تم بھی چلو۔ چنانچہ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں میں گارڈ سے کہکر حضرتؒ کے ہمراہ ہوگیا اس سفر میں مجھے ایک بڑا علم حاصل ہوا وہ یہ کہ حضرت مولانا تھانویؒ کو جس نے مدعو کیا تھا طعام سے فراغت کے بعد جب رخصت کرتے ہوئے تھوڑی دور مشایعت کے طور پر آکر وہ واپس ہوا تو پھر پلٹ کر حضرتؒ کو آواز دی کہ حضرت ذرا سا ٹھہر جائیے حضرتؒ ٹھہر گئے وہ دوڑ کر آیا اور آکر کچھ رقم ہدیۃً پیش کی۔ حضرتؒ نے قبول نہیں فرمایا بلکہ اسپر بہت خفا ہوئے اور حضرتؒ جب کسی کا روپیہ واپس فرما دیتے تھے تو مجال نہ تھی کہ پھر وہ دوبارہ اصرار کر سکے۔ چنانچہ وہ شخص چلا گیا اس کے بعد حضرتؒ نے ہم لوگوں سے فرمایا کہ جانتے ہو اس شخص نے یہاں اتنی دور آکر کیوں ہدیہ پیش کیا؟ بات یہ ہے کہ اس نے دعوت کی پھر ہمارے چلنے کے بعد اسکو خیال ہوا کہ پیر صاحب کو صرف کھانا کھلا کر رخصت کر دیا ہے انکو کچھ ہدیہ دینا چاہیئے تھا لیکن مال کی محبت نے اس پر بھی جلد آمادہ نہیں ہونے دیا کہ کھانے سے قبل دیدیتا کھانے کے بعد دیدیتا۔ اسی حیص بیص میں دیر لگی بالآخر جب مجھے یہاں تک پہونچا کر واپس ہوا تو وہ داعیہ قوی ہو گیا اور مجھے روکا اور آکر ہدیہ دیا۔ چونکہ اس میں خلوص کامل نہیں تھا رسم کی کی آمیزش تھی اسلئے دل نے قبول نہیں کیا اور میں نے واپس کر دیا۔ میں نے جب حضرتؒ سے یہ سنا تو اپنے دل میں کہا کہ بڑی بات سمجھ میں آئی ہم لوگ تو اب تک یہ سمجھتے تھے کہ جو شخص ہدیہ دیتا ہے تو خلوص ہی سے دیتا ہوگا (کیونکہ مشہور ہی ہے سہ

ار جاں طلبی مضائقہ نیست   ور زر طلبی سخن دریں است)

لیکن آج معلوم ہوا کہ آدمی حیص بیص میں پڑ کر بھی مال دیدیتا ہے ظاہر ہے کہ اس میں خلوص کہاں؟

فرمایا ۵۵ کہ ہم تھانہ بھون میں رہتے تھے تو وہاں وظیفہ وغیرہ زیادہ نہیں پڑھتے تھے، بس وہاں کی سب باتوں کو غور سے دیکھتے سنتے تھے اور حضرتؒ کے بارے میں یہ سمجھتے تھے کہ یہ خدا کے ولی ہیں اور اپنے دل میں یہ کہتے تھے کہ ان کی باتوں کو سنو اور سمجھو ورنہ بعد میں دنیا والوں کے نزدیک بہت ذلیل ہونا پڑے گا۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ مراد حضرت اقدسؒ کی اس سے شاید یہی ہو (واللہ تعالیٰ اعلم) کہ زمانہ کا ڈھنگ بدلتا جارہا ہے، دین و دیانت کی کساد بازاری ہے، تقویٰ اور طہارت کی باتوں کو لوگ فرسودہ خیالات سمجھنے لگے ہیں، ایسے وقت میں کسی نیک اور دیندار بالخصوص مولوی کا تو گذر اس دنیا میں اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ اسکے پاس ایسی کوئی چیز موجود ہو جس سے اہل زمانہ بالعموم خالی ہوں اور اسکی انکو قدر بھی ہو، اور وہ ہے صدق و دیانت۔ اخلاص اور اخلاق کی دولت کیونکہ ان اقدار کی اہل زمانہ نے ہمیشہ قدر کی ہے اور ہمیشہ قدر کریں گے اور یہ دولت بزرگوں ہی سے حاصل کیجا سکتی ہے۔ لہذا یہاں رہتے ہو تو اس چیز سے بھی کچھ حصہ حاصل کرلو۔ ورنہ اگر حب دنیا، حبّ جاہ یا کبر و نفاق وغیرہ کا رذیلہ باقی رہ گیا تو پھر ابنائے زمانہ تم میں اور اپنے میں کچھ فرق نہ پاکر تم کو نظروں سے گرا دیں گے اور تم بس ذلیل ہوکر رہ جاؤ گے۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ آج یہ عوام بالخصوص اہل اموال لوگوں کو خوب پہچان لیتے ہیں اور ہر ایک کے مطابق اپنے دل میں ایک رائے قائم کئے ہوتے ہیں گو اخلاقاً خاطر مدارات سبھی کرتے ہیں اور ہم لوگ اسی اتنے سے خوش ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انکے دل میں ہماری عظمت ہے۔ حالانکہ بہت سے لوگ اپنے سوء خلق کی وجہ سے انکی نظروں سے کب کے گر چکے ہوتے ہیں۔ اللھم احفظنا)

حضرت مصلح الامۃؒ کا زمانۂ قیام تھانہ بھون کا یہ واقعہ بھی بعض لوگوں سے سنا کہ ایک مرتبہ عید کے دن حضرت مولانا تھانویؒ نے حضرتؒ سے فرمایا کہ آپ کہیں جائیے گا نہیں، گھر سے کچھ کھانا آپ کے لئے یہیں آجائے گا۔ حضرتؒ نے عرض کیا بہت اچھا! لیکن بعد نماز عید حسب احباب آپس میں ملے ملائے تو حضرت خواجہ صاحبؒ نے ہمارے حضرتؒ سے فرمایا کہ ہم لوگ ڈپٹی سجاد صاحب کے یہاں جارہے ہیں کچھ چرند خورند کا سلسلہ رہے گا چلئے آپ بھی چلئے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ حضرت مولانا (تھانویؒ) نے فرمایا ہے کہ میرے یہاں سے کھانا آویگا کہیں جانا نہیں۔ اس پر خواجہ صاحبؒ نے فرمایا ارے پانچ منٹ میں آئے جاتے ہیں حضرتؒ

کے یہاں سے ابھی آتے آتے کچھ دیر لگے گی، غرض لوگوں نے کچھ ایسا اصرار کیا کہ ہمارے حضرتؒ بھی چلے ہی گئے۔ ادھر یہ حضرات خانقاہ سے باہر گئے اور ڈپٹی صاحب کے یہاں پہونچے ہی ہونگے کہ ادھر حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانویؒ طباق میں کچھ لئے ہوئے خود بہ نفس نفیس خانقاہ میں آوارد ہوئے اور حضرتؒ کو حجرہ میں نہیں پایا مگر فوراً ہی حضرتؒ بھی آ گئے۔ حضرت مولانا تھانویؒ نے دریافت فرمایا کہاں گئے تھے؟ عرض کیا حضرت خواجہ صاحب کے ہمراہ ڈپٹی صاحب کے یہاں چلا گیا تھا۔ حضرت مولاناؒ نے ناگواری کے طور پر دریافت فرمایا کہ آپ سے تو کہیں جانے کے لئے منع کر دیا گیا تھا نا؟ پھر آپ کیوں گئے؟ اب حضرت والاؒ کے پاس اسکا کیا جواب تھا بجز اقرار خطا کے۔ یہ فرما کر حضرت تھانویؒ تو اپنے گھر واپس ہو گئے اور ہمارے حضرتؒ کے لئے یہ کھانا زہر ہو گیا اور وہ کھانا کرکرا۔ اپنے حجرہ میں جاکر بڑی زور سے اپنی زبان کو کھینچا اور چیخ مار کر گر گئے اور بیہوش ہو گئے۔ مطلب یہ تھا کہ اسی زبان کی بدولت آج یہ مواخذہ ہوا ہے اور یہ دن دیکھنا نصیب ہوا کہ حضرت مولانا تھانویؒ ناراض ہو گئے۔ بہرحال بہت کچھ معافی تلافی کے بعد معاملہ صاف ہوا۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ ملاحظہ فرمایا آپ نے حکیم الامۃؒ کی تربیت کہ جس کو کچھ سمجھتے تھے اسکی کیسی نگرانی فرماتے تھے۔ خواجہ صاحبؒ یا جناب ڈپٹی علی سجاد صاحب اچھے لوگ تھے لیکن انکا شمار بلاشبہ امراء اور رؤسا کے زمرہ میں ہوتا تھا اور ریاست اور مالداری کا ایک اثر ہوتا ہے جو دوسروں کے حق میں زہر ہوتا ہے۔ حضرت حکیم الامۃؒ اپنے اس غریب اور مولوی مسترشد کو اسی سے بچانا چاہتے تھے۔ جانتے تھے کہ اگر خدانخواستہ امراء کی مصاحبت اور ان کی بود و باش نظروں میں سما گئی تو ان صاحب کا تو بیڑا ہی ہو جائے گا۔ آگے انھیں سے کام لینا ہے اور انکو ابھی بہت کچھ کام کرنا ہے اور ہر طبقہ میں کرنا ہے۔ لہٰذا امراء سے اختلاط سے حضرت مصلح الامۃؒ کو بچایا گیا۔ چنانچہ اسی تربیت کا یہ اثر ہوا کہ

بعد میں خود حضرت والا سے بڑے بڑے رئیس اور امیر اور سیٹھ اور جاگیردار متعلق ہوئے لیکن حضرت والا کبھی انکو خاطر میں نہیں لائے اور نہ انکی مالداری کیوجہ سے انکی کوئی رعایت فرمائی۔ اصلاح کا موقع ہوا تو بڑے سے بڑا ہدیہ بھی واپس کردیا اور کسی بدخلقی کا صدور دیکھا تو بڑے سے بڑے رئیس کو بھی اپنے یہاں سے نکالدیا کہ پہلے اصلاح کرو تب آو، اور پہلے اس خصلت سے باز آجاؤ تب آؤ۔ سبحان اللہ یہ تھے حضرت حکیم الامۃ اور یہ تھی انکی تربیت! اللہ تعالے انکی قبر کو نور سے بھردے

غرض اس واقعہ سے آپکو بھی اندازہ ہوا ہوگا کہ جو ذات اس طرح سے دنیا میں چمکی اسپر ایک دور ایسا بھی گذرا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ خانقاہ اسی کو کہتے ہیں جہاں انسانوں کی گڑھائی اور کڑھائی ہوتی ہو یہ نہیں کہ وہاں بس نیک لوگوں کی ڈھلائی ہوتی جائے یعنی لوگ بس یونہی ڈھلتے چلے جاتے ہوں ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے   بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اور ؎

کہیں مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ   بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستور میخانہ

تہذیب اخلاق اور اصلاح رذائل کے لئے ایک ایک شخص کی مستقل نگرانی کرنی پڑتی ہے اور پورے انہماک کے ساتھ اسکے ہر قول و فعل، حرکات و سکنات پر نظر رکھنا پڑتا ہے تب انسان، انسان بنتا ہے اور اس حال میں اللہ اللہ کرکے اللہ والا بن جاتا ہے۔ اسی کو حضرت خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ؎

آئینہ بنتا ہے رگڑیں لاکھ جب کھاتا ہے دل   دوستو! یہ دل بڑی مشکل سے بن پاتا ہے دل

جیسا کہ میں پہلے عرض کرچکا ہوں زمانۂ قیام تھانہ بھون ہو یا قیام دیوبند کہیں کا بھی کوئی واقعہ حضرت مصلح الامۃؒ کا مرتب اور تاریخوار نہ ہم کو معلوم ہوسکا اور نہ اسطرح اسکو ہم لکھ ہی سکے چنانچہ تھانہ بھون کے بھی جو حالات ہمیں جہاں کہیں سے مل سکے ہم نے انھیں اوپر درج کردیئے اب وہ چاہے

جب کے بھی رہے ہوں۔ کیونکہ حضرت والاؒ نے دیوبند کی فراغت سے تھانہ بھون تشریف لے جانے کے بعد تو مسلسل چھ ماہ یا اس سے بھی زائد قیام فرمایا لیکن اسکے بعد بھی حضرتؒ کا متفرق طور پر قیام تھانہ بھون برسوں رہا مگر اسی طرح کہ درمیان درمیان وطن بھی آتے جاتے رہے کبھی ایسا بھی ہوا کہ کہیں کسی مدرسہ میں بھی مدرس مقرر ہو گئے ہیں اور خود اپنے طور پر ضرورت محسوس فرمائی یا حضرت تھانویؒ نے فرما دیا کہ آجکل ایک کام کر رہا ہوں تمھاری ضرورت تھی آجاؤ تو اچھا ہے تو بس پھر حضرت والا کو کوئی طاقت وہاں کی حاضری سے روک نہیں سکتی تھی فوراً رخصت لی اور تھانہ بھون روانہ۔ اسی کو میں نے عرض کیا کہ اگر اسطرح کا قیام مراد لیا جائے تو اسکی مدت تو سالہا سال کی ہو جائے گی۔ حاصل یہ کہ مذکورہ بالا سارے واقعات اسی زمانہ میں پیش آئے۔

غرض پہلے اور طویل قیام کے بعد جب حضرت والاؒ تھانہ بھون سے مکان (یعنی اپنے وطن) تشریف لائے اور الحمدللہ کہ حضرت حکیم الامتؒ کے مجاز ہو کر آئے تو چاہا کہ اب دین کا کچھ کام اپنے وطن اور اپنی برادری میں شروع فرمائیں چنانچہ مقامی فضا کے ماتحت ضروری ہوا کہ حضرت والا نہ صرف فتحپور بلکہ اطراف وجوانب کے مواضعات کا بھی دورہ فرمائیں اور سب مسلمانوں کو عموماً اور برادری کے لوگوں کو خصوصاً دین متین کی جانب متوجہ فرمائیں۔ اس کے لئے حضرت والاؒ نے آجکل کی اصطلاح میں جسے کہتے ہیں طوفانی دورہ، پورے اطراف وجوانب کا ایسا دورہ فرمایا اور لوگ بتاتے ہیں کہ اس قدر جوش اور شورش مزاج والا ہیں تھی کہ حضرت والاؒ سیماب صفت بس متحرک ہی نظر آتے تھے اور کسی وقت چین وسکون سے نہیں رہتے تھے۔ اس دور کے واقعات اور اسکی تفصیل تو آگے عرض کرتا ہوں اس سے قبل خود حضرت والاؒ کی زبان فیض ترجمان سے نکلے ہوئے اس بیان کو نقل کرتا ہوں جس میں حضرتؒ نے "تاریخ فتحپور" کے عنوان سے کچھ باتیں اس راقم کو بہ نفس نفیس املا کرائی تھیں۔

اسکے بعد اور بھی لکھواتے لیکن خدا معلوم کیا موانع پیش آگئے کہ بات یہاں تک بیان کرکے ختم کردی اور یہ بیان اسوقت تحریر کرایا تھا جب کہ وطن سے ہجرت فرماکر گورکھپور تشریف لے گئے تھے اور اسباب ہجرت کے لئے وطن کے حالات گذشتہ اور حالیہ کا بیان لوگوں سے فرمارہے تھے اور اس سلسلہ میں فتحپور کی ماضی کی تاریخ بیان کرنے کی ضرورت پیش آگئی تھی۔ یہاں ہم قیام وطن کے باب کو اسی بیان سے شروع کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں اس سے قبل ایک تمہید بھی اپنی جانب سے پیش کرتے ہیں تاکہ ناظرین کے لئے آئندہ صفحات میں آنے والے واقعات محض قصہ اور حکایت کا درجہ نہ اختیار کریں بلکہ لوگ اسکو عبرت اور ہدایت کا ذریعہ بنائیں اور یہ سمجھ لیں کہ ایک مصلح کو اصلاح کے سلسلہ میں کیا کیا مصیبت اٹھانی پڑتی ہے: اب وہ تمہید اور حضرت والاؒ کا بیان ملاحظہ ہو

(قیام وطن)

(راقم عرض کرتا ہے کہ انسان جسقدر متأثر اپنے ابنائے جنس کے حالات اور واقعات سے ہوتا ہے کسی اور شے سے نہیں ہوتا چنانچہ ایک فہیم اور ذی عقل شخص کے سامنے جب اگلے لوگوں کے واقعات دہرائے جاتے ہیں تو وہ ان سے اپنے لئے ایک سبق اور عبرت حاصل کرتا ہے۔ اسی مقصد کے پیش نظر اللہ تعالے نے بھی امم ماضیہ کے حالات اپنی کتاب عزیز میں بکثرت بیان فرمائے ہیں۔ اور پھر اس سنۃ اللہ کی اتباع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی گذشتہ امتوں کے واقعات منقول ہیں۔ پھر جسطرح سے یہ سلسلہ دین میں جاری ہے اسی طرح سے اہل دنیا کے یہاں بھی رائج ہے اور وہ لوگ بھی اس کے مفید ہونے کے قائل ہیں۔ چنانچہ علم تاریخ کی غرض ہی یہ بتائی جاتی ہے کہ اسکے ذریعہ سے پچھلے لوگوں کے حالات معلوم ہوتے ہیں اور سلطنتوں کے عروج وزوال کے اسباب دریافت ہوتے ہیں اور بعد والوں کو اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ فلاں چیز باعث ترقی تھی اسلئے قابل عمل ہے اور فلاں بات سبب زیاں تھی اسلئے لائق اجتناب ہے۔

غرض کوئی بھی سلسلہ ہو دینی ہو یا دنیوی سب لوگوں کا اسپر اتفاق ہے کہ کسی

واقعہ کا بیان دوسروں کے لئے باعث عبرت ونصیحت ہوا کرتا ہے اور عقل وفہم کے بڑھنے اور درست ہونے میں اس چیز کو بھی بہت دخل ہے کہ اہل فہم اور عقلاء کے حالات کا مطالعہ کیا جائے چنانچہ مشائخ اور مصلحین امت کی سیرت کے دیکھنے اور انکو پیش نظر رکھنے پر زور اسی لئے دیا جاتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے بھی آدمی بہت کچھ سبق لے سکتا ہے اور تجربہ حاصل کر سکتا ہے۔ اور یہ طریقہ سب اصناف میں عام ہے۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ ایک مفسر مفسرین کے کلام کو، محدث محدثین کے کلام کو طبیب اطبار کی تحقیقات کو پیش نظر رکھتا ہے۔ اسی طرح ارباب حل وعقد اور ارکان سلطنت نظام حکومت کے سلسلہ میں گذشتہ سلاطین کے قانون کا مطالعہ کرتے ہیں تاکہ اپنے لئے کوئی راہ عمل تجویز کریں۔ یہی حال مصلحین امت کا بھی ہے کہ جو شخص قوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھاتا ہے اسکے لئے ناگزیر ہے کہ وہ اپنے سے پہلے مصلحین کا طرز عمل اپنی اپنی قوم کے ساتھ دیکھے اور غور کرے کہ کس طرح سے اس شخص نے قوم کا مرض پکڑا ہے اور پھر کس کس طرح سے اسکا علاج کیا ہے۔ انتہیٰ جامی)۔

(تاریخ فتحپور کے سلسلہ میں ارشاد حضرت والاؒ)

(۲۶ رجب ۷۶ھ گورکھپور)

فرمایا کہ اس اطراف میں سب سے پہلے جو صاحب پڑھکر آئے وہ مولوی خادم صاحب گھوسی کے تھے۔ اس زمانہ میں مولوی مختار صاحب اور حافظ ولی محمد صاحب حمید پوری بھی موجود تھے۔ یہ سب لوگ نیک تھے مفسد نہیں تھے لیکن ہمارے یہاں کے لوگ انکی طرف رجوع نہیں ہوئے اور عذر یہ کرتے تھے کہ یہ غیر مقلد ہیں کچھ دنوں کے بعد حافظ ولی محمد صاحب فتحپور ہی آگئے اور یہیں رہنے لگے۔ یہ میرے استاد تھے میں نے حفظ انھیں سے کیا تھا وہ بہت ہی نیک اور بے ضرر انسان تھے مگر لوگوں نے انھیں بھی بہت دق کیا۔

اسکے بعد مولوی حنیف صاحب کا زمانہ آیا یہ کانپور سے آئے تھے حضرت تھانوی

رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے لوگوں نے ابتدا میں انھیں بھی بہت مانا اور بڑی انکی آؤبھگت ہوئی۔ اسوقت میں کم عمر تھا حافظ عبدالحلیم صاحب کی کانپور میں ٹینری تھی مولوی صاحب مظفرپور وغیرہ سے کھادی لاکر وہاں فروخت کرتے تھے جسکی وجہ سے مالدار ہو گئے تھے۔ مولوی ہوا اور مالدار ہو دنیا والوں کو یہ چیز ایک آنکھ نہیں بھاتی، اسکی وجہ سے مولوی صاحب کو بھی نظر سے گرا دیا اور مولوی کی صف ہی سے نکالدیا۔

اسکے بعد مولوی علیم اللہ صاحب کا دور آیا یہ جنگل وغیرہ میں رہتے تھے لٹ بڑھائے ہوئے تھے مشہور ہوا کہ شاہ فضل الرحمٰن صاحبؒ سے مرید ہیں بڑی دھوم رہی چونکہ انکی آواز وغیرہ بھی اچھی تھی لوگوں نے خوب مانا کتابیں وغیرہ منگوائی گئیں غنیمت یہ ہوا کہ کوئی مرید نہیں ہوا ورنہ اگر پیر ہو جاتے تو پھر اترنا مشکل تھا۔ مولوی حنیف صاحب اور مولوی عثمان صاحبؒ وغیرہ گاؤں میں جمعہ پڑھتے تھے اس لئے آپس میں اختلاف بھی نہ تھا لیکن مولوی عثمان صاحب کے شاگردوں میں سے بعض لوگوں نے جمعہ کے مسئلہ پر اعتراض کیا۔ چنانچہ دو آدمیوں نے اور بھی چھوڑ دیا اسکے بعد مولوی عثمان صاحب نے بھی پڑھنا چھوڑ دیا پھر اپنی ہی جماعت کے بعض لوگوں نے پڑھنا شروع کر دیا' بس یہیں سے رضائی مذہب کی بنا پڑی (یعنے ان لوگوں نے اسی کو لیکر اہل حق پر اعتراض کرنا اور انکو بدنام کرنا شروع کر دیا) چنانچہ لوگ مولوی امجد علی صاحب گورکھپوری کے پاس گئے انھوں نے مشورہ دیا کہ تم لوگ جمعہ کے مسئلہ کو لیکر نہ چل سکو گے یہ لوگ وہابی ہیں انکے مذہب کو لو چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اسکے بعد اپنے اکابر کو برا بھلا کہا جانے لگا (اس بات کو غنی عباس نے خود مجھ سے بیان کیا تھا)

اب مولوی عثمان صاحبؒ کا زمانہ آیا انکی بھی بڑی تعریفیں ہوئیں۔ خاندان میں ایک صاحب انکی بہت تعریف کرتے تھے بلکہ کبھی کبھی میری شکایت بھی لوگوں سے کر بیٹھے تھے۔ پھر مولوی عثمان صاحبؒ تو کانپور رہنے لگے اور یہاں جمعہ کا مسئلہ زوروں پر چھڑا ہوا تھا اور اسکے بانی جیساکہ ابھی بیان کیا گیا بعض اپنے ہی لوگ تھے اسی مسئلہ کا آڑ لیکر جاہلوں نے اپنے بزرگوں کو گالی دینا شروع کیا جس میں ایک خان صاحب پیش پیش تھے بالآخر یہ اختلاف میرے سر پڑا (یعنی جس وقت میں وطن میں قیام کے لئے آیا یہاں کے یہی حالات

تھے اپنے اکابر کو کھلم کھلا گالی دی جا رہی تھی اور جہالت کا شیوع تھا) اب بھلا بتائیے کہ اپنے اکابر کے متعلق بدزبانی کیسے برداشت کیجاتی؟ فتنہ بھی نہیں کرنا چاہتا تھا اور انکے متعلق اس قسم کے کلمات بھی سننا گوارا نہ تھا اسکی وجہ سے ہر وقت ایک ضیق سی رہتی تھی، سوچتا تھا کہ یا اللہ کیا کروں کہ اس مصیبت سے نجات پاؤں کوئی صورت سمجھ میں آتی تھی۔ چنانچہ کچھ برداشت کرتا رہا اور صبر کے تلخ گھونٹ پیتا رہا۔

پھر جب میرا وقت آیا تو میں نے دکھتی رگ پکڑ لیا وہ یہ کہ آخران لوگوں نے جن جن کو نہیں مانا تو آسکی وجہ کیا تھی تو سمجھ میں یہ آیا کہ انکے نہ ماننے کی وجہ یہ ہوئی کہ یہاں کہیں کوئی شخص اس قسم کا ہوا تو اسکے گھر والے ہی اسکے مخالف ہوئے انھیں لوگوں نے اس کو گالیاں دیں اسی لئے وہ چل نہ سکا۔ یہی مولوی حنیف صاحب کے ساتھ ہوا اور یہی مولوی علیم اللہ صاحب کے ساتھ ہوا۔ البتہ چونکہ مولوی عثمان صاحب یہاں رہتے نہیں تھے اسلئے وہ خاندان کی مخالفت سے بچ گئے۔ اب ہم رہ گئے ہم چاہتے تھے کہ شرعی اخلاق ہوں اور یہ لوگ چاہتے تھے کہ باپ دادا کے اخلاق ہوں۔ چونکہ میں نے ان لوگوں کے مرد عورت سب کے اخلاق دیکھے تھے تو یہ سوچا کہ یہ لوگ حسب دستور سابق مجھے بھی لے لیں گے۔ یا تو اپنی طرح بنالیں گے یا نہیں تو فساد کریں گے تو سوچا کہ کیا کروں؟ تو منجانب اللہ یہ بات سمجھ میں آئی کہ تم شریعت کی کسوٹی ان کے سامنے رکھدو پھر جو لوگ اس پر پورے اتریں انکو موافق سمجھو اور جو نہ اتریں انکے قول وفعل کا اعتبار نکرو۔ یہ اسلئے کہ دیکھتا تھا کہ خود ہمارے گھر کے لوگ ہمارے مخالف ہیں صرف تنہا تھا کیا کرتا؟ اس لئے بس یہی سمجھ میں آیا کہ جیسا جب میرا کوئی موافق نہیں حتی کہ گھر کے لوگ بھی مخالف ہیں تو اب ان میں زندگی دشوار ہے یہ سمجھ کر شریعت کی کسوٹی رکھی

نیز دیکھتا تھا کہ گھر گھر فساد ہے۔ جنگ کی ابتدا روٹی ہی سے ہوتی تھی ہوتا یہ تھا کہ ہر شخص مشترک چیزمیں سے بھی اپنے گھر کے لوگوں کو ترجیح دیتا تھا، حتیٰ کہ باہر سے کوئی شخص کسی کے لئے اگر روپیہ وغیرہ بھیجتا تھا تو دیکھتا تھا کہ جس کے لئے آتا تھا اسکو نہیں ملتا تھا اس منظر کو دیکھکر میں گھبرا گیا کہ یا اللہ میں کیا کروں اور یہاں سے کیسے بھاگ جاؤں؟ لوگ تو چاہتے

ہی تھے کہ باہر جاکر نوکری کریں کمائیں اور بھیجا کریں۔ لیکن مجھے کام کرنا تھا اس لئے گو لوگ شروع شروع میں ادھر ادھر سے گئے لیکن میں نے کہا کہ اسطرح سے نفع کچھ زیادہ نہوگا اسلئے بیٹھ گیا اور یہ خیال کیا کہ کام اسی طریقہ سے ہوگا۔ رہا روزی کا معاملہ روزی مقدر ہے اگر اللہ تعالےٰ کو مجھ سے کام لینا ہوگا تو یہاں رہکر بھی ہوگا۔ چنانچہ اسی اصول کو سامنے رکھکر کام کرنا شروع کردیا۔ پھر جب لوگوں نے دیکھا کہ انکا بازار کچھ چل نکلا تو میرے پاس بھی گھسنے لگے دل سے نہیں نفاق سے۔ میں نے اسکو بھی پکڑا اور اخلاص کا مطالبہ کیا اختلاف اور آپس کی لڑائی کو بند کیا۔ جب اسکو چھوڑا تو کچھ کچھ راستہ پر لگے۔ لیکن اُس جماعت (رضائی) کو دیکھا کہ ظاہراً تو دبنا شروع ہو گئے لیکن مخالفت اور عداوت ظاہر سے متجاوز ہوکر دل کے اندر اتر گئی جو تنافس سے تحاسد اور تحاسد سے تدابر اور پھر تباغض یہاں تک کہ اسکے بعد قتل وقتال کی صورت میں نموادار ہوئی۔ ورنہ تو میرا طریق یہ نہ تھا میں تو فتنہ و فساد سے کوسوں دور رہتا تھا۔ صبر کرتا تھا ایذا برداشت کرتا تھا اور بدزبانی کا جواب زبان تک سے دینا پسند نہ کرتا تھا۔

بہر حال میرے طریقۂ کار سے متاثر ہوکر اور کچھ یہ دیکھکر کہ یہ شر وفساد کی باتوں میں نہ رہتے ہیں اور نہ پسند کرتے ہیں لوگوں کا میلان میری جانب بڑھنے لگا اور مخلص ہونا تو اس زمانہ میں آسان نہیں ہے تاہم اپنا کچھ دنیوی فائدہ محسوس کرکے لوگوں نے میرے پاس آمدورفت شروع کی لیکن جیسا کہ قاعدہ ہے کہ کسی سے نفع حاصل کرنے کی اول شرط یہ ہے کہ اس سے موافقت کیجائے چنانچہ یہ ہلکی لوگ (یعنی شیوخ) جب کسی سے نفع حاصل کرنا چاہیں گے تو اسکو دوست بنائیں گے، اسکو راضی کریں گے۔ مگر ان پٹھانوں کی سرشت ہی یہ ہے کہ جب بھی نفع حاصل کرنا چاہیں گے تو اسکو ناراض کرکے اور اسکا پورا مخالف ہوکر بلکہ چاہے وہ سمجھ بھی جائے کہ یہ لوگ میرے مخالف ہیں تب بھی اس سے نفع حاصل کرنا چاہتے ہیں (غرض اپنے لوگ بھی نفاق برتا کرا ور میری مخالفت کرکے مجھے پریشان اور دق کرتے رہے)۔

اور ایک بات یہ کہ پہلے تو ان لوگوں نے مجھے بدنام کرنے کی کوشش کی کہ

یا اچھے نہیں ہیں پھر جب میں نے اسکو پکڑا تو کہنے لگے کہ وہ تو اچھے ہیں انکے آدمی ٹھیک نہیں ہیں۔ اور جب کسی کو اسپر پکڑا تو کہنے لگے کہ ہم نے نہیں کہا تھا اور اسپر بھی پکڑ گئے تو کہنے لگے کہ توبہ کرتے ہیں، توبہ کرتے ہیں۔ دل سے توبہ اسوقت بھی نہیں کرتے تھے محض زبان سے توبہ کا اظہار کرتے تھے۔ بات یہ ہے کہ یہ لوگ جب سے مسلمان ہوئے ہیں ایمان انکے دل میں اترا نہیں جس طرح ان لوگوں کا حال تھا جن کے بارے میں ارشاد ہے ۔
قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (یہ بدو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، آپ فرما دیجئے کہ ابھی تک تو ایمان تمھارے قلوب میں داخل نہیں ہوا ہے اسلئے بس تم یہ کہو کہ ہم اسلام لے آئے) یہی انکا حال ہے۔ میں نے اور برادریوں میں دیکھا کہ ان میں دیندار بھی ہیں لیکن ہماری برادری میں یہاں ایسے فاسق لوگ ہیں کہ شرعی طور سے جنکی گواہی معتبر ہو تلاش کیجئے گا تو ایک کو بھی نہ پایئے گا۔ حالانکہ اور جگہ اسی برادری کے لوگ نہایت معزز نہایت عاقل موجود ہیں۔ چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں علی گڑھ وغیرہ کی طرف سے کچھ لوگ آئے تھے وہ مجھ سے خود کہتے تھے کہ میں بھی تمھاری برادری کا ہوں میں نے دیکھا کہ نہایت سمجھدار اور فہیم لوگ تھے (بات یہ ہے کہ ان لوگوں میں کچھ علم تھا کچھ دین اور بزرگوں کی صحبت ملتی رہتی تھی۔ یہاں نہ علم ہی تھا نہ تدین اور نہ مستقل طور پر کوئی بزرگ ہی تھا جنکی صحبت سے ان میں جلا رہتا رہتا)۔

(حضرت مصلح الامۃؒ کے دور سے قبل یہاں مشائخ کی آمد)

فتحپور تال نرجا بلکہ اسکے آس پاس کے چند مواضعات میں ایک ہی برادری کے لوگ زیادہ تر آباد تھے۔ ظاہر ہے کہ جب کسی جماعت میں علم دین اور تدین کی کمی ہوگی تو جہالت اور اسکے لوازم یعنی قلب کی سختی۔ غصہ کی فراوانی اور نزاع و شقاق کا غلبہ ہو جانا تو لازم ہی ہے۔ یہی یہاں کے بھی عام لوگوں کا حال تھا الا ماشاء اللہ۔ چنانچہ ہمارے حضرتؒ سے قبل علماء مصلحین میں سے دو بزرگوں کا اس اطراف میں آنا جانا اور یہاں کے

لوگوں کے متعلق انکی رائے خود حضرت والاؒ سے جو سنی وہ یہ تھی کہ فرماتے تھے کہ :۔

(۱) ہمارے دیار کے لوگوں کا علمی تعلق جون پور سے تھا اسی طرف کے علماء بھی یہاں کبھی کبھی آجاتے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا سید محمد امین صاحب نصیر آبادی معروف بہ چھوٹے سید صاحب کا اکثر دورہ ہوتا رہتا تھا اور وہ اس اطراف میں تشریف لا کر بہت بہت دنوں تک قیام بھی فرماتے تھے۔ باری باری مختلف مواضعات کا سفر ہوتا وہاں وعظ ہوتا۔ زمیندار لوگ تو تھے ہی جس گاؤں میں مولانا کا قیام ہوتا ایک ایک شخص تنہا پوری جماعت کے کھانے کا کفیل ہو جاتا تھا۔ ان کے اصلاح کا یہ انداز تھا کہ نہی عن المنکر اکثر و بیشتر بیدہٖ فرماتے تھے یعنی منکر کو ہاتھ سے مٹا دیتے تھے۔ چنانچہ یہ بات مشہور تھی کہ ان کے سامنے کوئی شخص ٹخنوں سے نیچے پاجامہ پہنکر یا مونچھیں بڑھا کر گذر نہیں سکتا تھا۔ نظر پڑتے ہی خادم کو آواز دیتے اور وہ انکے پاجامہ اور مونچھ کی قینچی سے اصلاح کر دیتا تھا اور مجال نہ تھی کہ کوئی اسوقت کچھ دم مار سکتا۔ بڑے بارعب اور بابرکت متبع سنت بزرگ تھے لیکن آنا جانا چونکہ کبھی کبھار ہی ہوتا تھا اسلئے اصلاح بھی بس چند ہی لوگوں کی ہو سکی۔

اسی طرح ایک اور بزرگ کا یہاں کے لوگوں سے تعلق تھا ان کے بارے میں خود حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ ۔۔ ایک بزرگ اسی اطراف کے تھے کبھی کبھی تشریف لاتے تھے انکو یہاں کے لوگ مانتے بھی تھے میں نے انکی بات نقل کی کہ انکو تو مانتے ہو اور وہ تمہارے متعلق یہ کہتے تھے کہ میں پہلے اس اطراف کے لوگوں کو بیعت کر لیتا تھا مگر اب کرنا چھوڑ دیا ہے یہ سمجھکر کہ یہ لوگ درست نہ ہوں گے یعنی میں تو ان لوگوں کو خدا تک نہیں پہونچا سکتا یہ لوگ مجھے ہی اپنے مقام (غفلت) تک پہونچا دیں گے۔ اور اسکی وہ ایک مثال بیان کرتے تھے کہ لوگوں نے ایک بت پر بھینسا چڑھا دیا اس طور پر کہ اسکی رسی اسی بت میں باندھ دی بھینسا مضبوط تھا زور سے جو جھٹکا دیا تو یہ بت ہی اکھڑ گیا اور یہ بھاگا اسطرح پر کہ اسکے گلے میں رسی تھی اور رسی میں بت بندھا ہوا تھا۔ تو وہ بزرگ کہتے تھے کہ جس طرح سے وہ بھینسا قوی تھا کہ بت ہی کو اکھاڑ کر لے گیا اسی طرح سے یہ لوگ بھی اپنی غفلت میں قوی ہیں مجھے ہی اپنی جگہ سے ہٹا دیں گے (یعنی مقام ذکر سے مقام غفلت

پرلا ڈالیں گے)

اسی طرح سے ہمارے حضرتؒ یہ بھی فرماتے تھے کہ ہمارے دیار میں حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لے گئے تھے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ۔ علماء نے اس اطراف میں کام کم کیا ہے اور خدمت زیادہ لی ہے۔ فرماتے تھے کہ یہاں کے لوگ پالکی کے پیچھے پیچھے دوڑتے تھے۔ انسان کو فرعون بنا دیں۔

ایک مرتبہ اور حسب ہمارے یہاں سے واپس تشریف لے جارہے تھے تو گاؤں کے باہر ندی پڑتی ہے چھوٹی کشتی کے ذریعہ اسکو پار کرتے ہیں ایک صاحب نے اپنا کپڑا بچانے کے لئے اور ناؤ کو سہارا دینے کے لئے اپنی دھوتی گھٹنوں سے اوپر تک اٹھالی اور اس پار پہونچکر رخصت کرتے وقت حضرتؒ کو نذرانہ پیش کیا، حضرت نے لینے سے انکار فرمادیا۔ اسپر ایک اور صاحب بولے حضرت یہ میرے لڑکے ہیں اور نمازی اور دیندار ہیں انکا ہدیہ قبول فرمالیا جائے۔ فرمایا کہ یہی دینداری ہے کہ تم لوگوں سے دھوتی بھی ابھی تک نہیں چھوٹ سکی، اور ستر کے بھی کھل جانے کا احساس نہیں۔ اس پر وہ صاحب خاموش ہوگئے۔

(حضرت مصلح الامتؒ کا دور)

حاصل یہ کہ یہ خطہ الحمد للہ مشائخ اہل حق کی توجہات سے کبھی خالی نہیں رہا گو کسی مقامی مصلح کے نہونے کیوجہ سے لوگوں کی اصلاح حال بس خال ہی خال رہی اسکے بعد جب سے حضرت والاؒ کا قیام وطن میں رہنے لگا تو اسکے بھی دو دور گذرے ہیں۔ ایک تو وہ کہ حضرت والاؒ ایک جوان صالح اور عالم دین کی حیثیت سے گاؤں میں مقیم رہے اور اس زمانہ میں حضرت والاؒ کے علاوہ برادری میں دوسرے اہل علم حضرات بھی موجود تھے جنکو عوام کی اصلاح اور برادری کی سدھار کی خاصی فکر تھی اور وہ لوگ رواج زمانہ کے مطابق کام کر رہے تھے اور اسی طرح کرنا چاہتے تھے مثلاً نماز نہ پڑھنے پر جرمانہ رسم رواج پر عمل کرتے تو تاوان۔

لیکن ہمارے حضرت مصلح الامۃؒ کے پیش نظر تو حضرت حکیم الامت علیہ الرحمۃ کا طریقۂ کار تھا اسلئے اور دوسرے حضرات کے ساتھ پوری طرح یگانگت نہو سکی مگر حضرت والاؒ کا چونکہ ابتدائی دور تھا بعض ایسے لوگ بھی اہل علم موجود تھے اسلئے تواضعاً اپنے لئے حضرت والاؒ نے کوئی نمایاں مقام پسند نہیں فرمایا بلکہ سب کے ساتھ دینی اور اصلاحی حد تک لگے لپٹے رہے۔ اور دوسرا وہ دور آیا کہ جس میں حضرت اقدس ایک شیخ طریقت کی حیثیت سے بھی مشہور ہو کر مسند ارشاد پر جلوہ افروز ہوئے اور پھر اس مسند ارشاد سے رموز شریعت وطریقت کے وہ وہ موتی بکھیرے کہ آج بھی عالم انکی روشنی سے تاباں اور عالم انکی افادیت سے انگشت بدنداں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے یہاں حضرتؒ کی یہ خدمت اسدرجہ مقبول ہوئی کہ بالکل اسدن کی طرح آج بھی اسکی شیرینی سے کام ودہن شیریں اور قلب وذہن سرشار ہیں۔ من شاء فلیجرب۔

بہرحال اس پہلے دور کے بعض واقعات اور حالات کا علم مجھے حضرتؒ ہی کے ایک خادم حافظ مولوی محمد زکریا صاحب فتحپوری مدظلہ سے ہوا جو کہ حضرت والا کے لوگوں میں سے گویا سابقین اولین میں سے شمار کیے جاتے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ

ہمارے حضرتؒ کو بچپن ہی سے دینی باتوں کا خیال تھا اور انکے کرنے کا ایک جذبہ کارفرما تھا چنانچہ نہ صرف یہ کہ حضرت پنجوقتہ نماز ہی کے ابتداء سے پابند تھے بلکہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ آپ تہجد کے بھی اسی طرح پابند تھے جیسے نماز پنجگانہ کے تھے۔ غلہ کی کٹائی کے وقت لوگ کھلیان ہی میں سویا کرتے ہیں سب کی معیت میں حضرت والا سوتے تو وہیں تھے لیکن تہجد کے وقت خود بخود اٹھکر مسجد چلے جاتے تھے اور فجر کے بعد تک مسجد ہی میں رہتے، اس درمیان میں نوافل۔ ذکر۔ تلاوت سبھی کچھ ادا فرماتے۔

حضرت والاؒ کے اصلاحی دور کے پہلے موضع میں بلکہ ساری برادری میں کوئی باقاعدہ دینی مدرسہ نہیں تھا۔ ۱۳۵۰ھ میں فتحپور میں مدرسہ کا قیام وجود میں آیا جو آج مدرسہ وصیۃ العلوم فتحپور تال نرجا کے نام سے موسوم ہے۔ پہلے اسکا نام مدرسہ انوار العلوم تھا۔ اس میں تعلیمی خدمت مولوی عبدالقیوم صاحب مدظلہ نے اپنے ذمہ لیا اور اس میں

شک نہیں کہ پڑھانے کا حق ادا کر دیا۔ بڑی محنت اور جانفشانی کے ساتھ تعلیم کے کام میں مشغول رہے جس کا ثمرہ یہ ظاہر ہوا کہ دوسرے ہی سال چھ بچے کلام اللہ کے حفظ سے فارغ ہو گئے اور انکی دستار بندی استاذ الاساتذہ حضرت مولانا عثمان صاحبؒ کے زیر صدارت وقوع میں آئی اور اس مجلس دستار بندی میں ہمارے حضرتؒ بھی شریک تھے۔ پھر اسکے بعد تو سلسلہ ہی شروع ہو گیا اور موضع سے متجاوز ہو کر اطراف جوانب کے طلبہ بھی اس مکتب میں آنے لگے اور برادری کے کافی لوگ اس مدرسہ سے فارغ ہوئے۔ چنانچہ فتحپور تال نرجا کے رہنے والے جتنے ائمہ مساجد آج بمبئی میں ہیں سب اسی مکتب کے خوشہ چین ہیں۔

حضرت والاؒ کا ارشاد فرمودہ بیان (تاریخ فتحپور سے متعلق) ابھی ناظرین ملاحظہ فرما چکے ہیں اس میں چند حضرات کے نام آئے ہیں مثلاً مولانا عثمان خاں صاحب، آپ کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے ہمارے حضرت کے بلکہ اسوقت کے تمام ہی اہل علم کے استاذ تھے۔ وطن میں کم رہنا ہوتا زیادہ تر آپ کا کانپور وغیرہ قیام رہا۔ دیوبند کے فارغ تھے اور حضرت شیخ الہندؒ کے خاص لوگوں میں سے تھے۔

ایک اور بزرگ اس زمانہ میں تھے مولوی علیم اللہ خاں صاحب پرانے زمانے کے میلاد خواں قسم کے ایک مولوی تھے ہمارے حضرتؒ سے عمر میں بڑے تھے خود طبعاً نیک اور سادہ مزاج تھے بعض چیزیں جو بدعت شمار کی جاتی ہیں انکے مرتکب ضرور تھے لیکن رضا خانی قسم کے کٹر بدعتی نہیں تھے۔ رسالہ الامداد تھانہ بھون سے منگاتے تھے اور اسکے کبھی کبھی مضامین ممبر پر بیٹھکر سناتے خود بھی متاثر ہوتے اور دوسروں کو بھی متاثر کرتے۔ حضرت مولانا تھانویؒ جب تشریف لیجاتے (اور حضرت مولانا تھانویؒ یہاں یعنی فتحپور تال نرجا غالباً تین بار تشریف لے گئے) تو حضرتؒ کے وعظ میں بھی شریک ہوتے اور خوب جھومتے۔ حضرت سے ملتے اور مصافحہ کرتے۔ لیکن شیطان نے جب یہاں دین و دیانت کی اشاعت کی بھنک پائی اور چمک دیکھی تو اسکی تحریک کا پلان بنانے میں ابھی سے لگ گیا اور اپنا آلۂ کار بنانے کے لئے مولوی صاحب موصوف ہی کا انتخاب کیا چنانچہ جمعہ کے مسئلہ سے اختلاف کی ابتداء ہوئی پھر بعض مولویوں کے کہنے

سے اکابر علمار دیوبند کو گالی دی جانے لگی۔ بریلی شریف سے خانصاحب بریلوی کے صاحبزادے کا تقریباً سالانہ دورہ فتحپور کا ہونے لگا اور مولوی علیم اللہ صاحب کو اپنا طریق کار خوب سمجھایا گیا اور جماعت دیوبند کا پورا مخالف بنا دیا گیا چنانچہ اب یہ بھی برسر منبر علمار اہل حق کی تکفیر کرنے اور انکو گالی دینے لگے۔ گاؤں میں تو ہمت کچھ کہنے کی نہ پڑتی لیکن برادری میں اِدھر اُدھر بلائے جاتے تو اس میں یہ سلسلہ بھی رہتا پھر اسکا جو نتیجہ تھا ظاہر ہی تھا اپنے حضرات سے انکو دوری اور نفرت بلکہ حسد اور عداوت تک ہو گئی۔ اس سلسلہ کا ایک پرلطف واقعہ سنیئے۔ مولوی مستحسن صاحب محمدی والے ہمارے حضرتؒ کے خادموں میں سے ہیں وہ مجھ سے خود بیان فرماتے تھے کہ میں نے فتحپور آنا شروع ہی کیا تھا کہ ایک مرتبہ مکان سے آرہا تھا نالہ جب پار کیا تو دیکھا کہ سامنے سے بزرگ صورت ایک صاحب تشریف لا رہے ہیں قریب آئے تو میں نے سلام کیا (میں انکو جانتا نہیں تھا) انھوں نے جواب دیا مصافحہ ہوا انھوں نے پوچھا کہ آپ کہاں آئے ہیں؟ میں نے کہا کہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب میرے شیخ ہیں میں انھیں کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا ہوں یہ سنکر کہنے لگے کہ ارے بھائی وہ وصی اللہ ہیں تو بندہ بھی علیم اللہ ہے یہ کہکر چلدیئے۔ ان کا یہ جملہ انکے جن جذبات کا غماز ہے وہ اہل فہم پر مخفی نہیں دعوائے مساوات تو اظہر من الشمس ہے۔ لیکن بقول مولانا رومؒ کے۔ ع

گرچہ ماند در نوشتن شیر شیر

اسمی اور ظاہری شرکت سے حقیقت اور کمال میں بھی مساوات کا ہو جانا ضروری ہوا کرتا ہو ایسا تو نہیں ہے۔ نہ ہر کالی شے کھجور ہوا کرتی ہے اور نہ ہر اضافہ بدن کا شحم ہی ہوا کرتا ہے بلکہ بعض اوقات وہ ورم ہوتا ہے جسکو آپ شحم سمجھتے ہیں۔

غرض ہر زمانہ میں لوگوں نے اس قسم کے ظاہری امور کو پیش کر کے کسی اہل سے مساوات کا دعویٰ کیا ہے مگر دعویٰ انکا چلا نہیں ہے لوگوں نے بالآخر حقیقت کو پہچان ہی لیا اور آخرکار اہل دعویٰ کو رسوا ہی ہونا پڑا ہے

جیسا کہ ابھی عرض کر چکا ہوں مولوی علیم اللہ صاحب سیدھے اور نیک آدمی تھے

صوم وصلوٰۃ کے علاوہ کچھ اوراد و وظائف کے بھی پابند تھے اس لئے ان سے لوگوں کو محبت بھی تھی اپنے لوگ بھی نہیں چاہتے تھے کہ مخالفین انکو اپنا آلہ کار بنائیں اسلئے جمعہ وغیرہ کے فروعی اختلاف کو ختم کرنیکی سب ہی لوگوں نے کوشش کی۔ ہمارے حضرت والا نے بھی اس نزاع کے سلجھانے میں بڑی سعی فرمائی لیکن حُبِ جاہ کا نشہ ہی کچھ ایسا ہوتا ہے کہ انسان اسکو آسانی کے ساتھ ترک نہیں کرتا الا ماشاء اللہ اُدھر امارت تھی اور سرداری تھی، اِدھر بہت سے کام کرنے والوں کی محض رفاقت تھی اور اصلاح کی دردسری اس لئے جو سود استنا سمجھ میں آیا اختیار کیا گیا۔ اسی درمیان میں بعض نوعمر اہل علم عربی مدارس سے فارغ ہوکر آئے ان لوگوں نے اصلاح و تبلیغ کے لئے موضع میں ایک اصلاحی انجمن قائم کیا اور برادری کے لوگوں کو خاصکر نماز و روزہ کی تاکید۔ عورتوں کو پردہ کی تاکید۔ دینی امور کے رواج دینے کا خیال اس انجمن کا خاص مقصد تھا۔ چنانچہ یہ انجمن بہت مقبول ہوئی اور اس گاؤں سے متجاوز ہوکر دوسرے مواضعات میں بھی پہونچ گئی اور اسلامی اخوت کیساتھ ساتھ برادری کا خونی رشتہ کارفرما ہوکر پوری برادری میں یہ انجمن قائم ہوگئی اور کئی سال تک قائم رہی جگہ جگہ سالانہ جلسے ہوتے تھے چنانچہ ندوہ سرائے۔ حمید پور۔ بیسواڑہ (گھوسی) فتحپور تال نرجا۔ خالص پور وغیرہ کے سالانہ جلسے اس انجمن کی زندہ مثال ہیں۔ اس انجمن میں برادری کے عروج و ترقی کے منصوبے بھی سامنے آئے شادیوں میں خاصکر جو نقشہ سامنے آتا ہے بقول حضرت تھانوی رح کہ گویا قیامت صغریٰ ہی قائم ہو جاتی ہے۔ اس سے بچانے کیلئے پوری برادری کے لئے ایک لائحہ عمل بنا وہ یہ کہ مہر کی مقدار مقرر کردی گئی۔ باراتیوں کی تعداد مقرر کردی گئی۔ دولہن کے کپڑے اور اسکے لئے زیورات کی مقدار مقرر ہوگئی چنانچہ شادیاں انجمن کے تجویز کردہ اصولوں پر ہونے لگیں (خود ناقل مضمون ہذا یعنی حافظ محمد زکریا عفی عنہ کی اور اسکے برادر معظم کی شادی بھی اسی اصول کے مطابق ہوئی)۔

اسی زمانے میں حضرت رح کے بڑے بھائی حافظ عبدالعلیم خاں صاحب مرحوم نے چند اشعار اسی انجمن کے کارناموں سے خوش اور متاثر ہوکر بمبئی سے لکھکر بھیجے تھے جو اسکے جلسوں میں پڑھے جاتے تھے۔ ان میں سے دو شعر یہ تھے ؎

الٰہی عزت ہمیں عطا کر ہو دو رنکبت برادری سے — الٰہی وہ دل ہمیں عطا کر ڈریں نہ تیرے سوا کسی سے
الٰہی ہم سب کو ایک کر دے دلوں سے نفرت کو دور کر دے — دعا یہ سن لے اثرؔ کی یارب جو کر رہا ہے وہ بمبئی سے

اثرؔ بڑے حافظ صاحب کا تخلص ہے۔ اسطرح سے برادری کا سدھار بہرحال کسی نہ کسی درجہ میں ہو رہا تھا اور انجمن کا کام اپنے شباب پر تھا کہ مولوی علیم اللہ صاحب کے نکاح کا مسئلہ جو بعض غیر شرعی امور پر مشتمل تھا سامنے آیا اہلِ انجمن نے حسب دستور اسپر نکیر کیا لیکن اہلِ نفس نے شریعت اور سنت پر آنے سے عملاً انکار کیا چنانچہ اختلاف کی شکل نمودار ہوگئی اور اسکے بعد سے انجمن اور اسکی سب اسکیم ہی فیل ہوگئی جس کا جس طرح جی چاہتا اب یہ سب کام انجام دیتا کسی کی کسی پر کوئی روک ٹوک باقی نہیں رہ گئی۔

اس وقت گو ہمارے حضرتؒ بھی موجود تھے لیکن چونکہ اور دوسرے حضرات اپنی اپنی صوابدید کے مطابق کام کرنا چاہتے تھے حضرت والا اس میں مزاحمت نہیں پسند فرماتے تھے، مگر حضرت اقدسؒ کا طریقہ کار جیسا کہ بعد میں ظاہر ہوا کچھ دوسرا ہی تھا اسلئے نہ دوسروں کے کاموں میں نقص نکالتے اور نہ خود اسکے بالمقابل کوئی کام کرنا ہی پسند تھا اسلئے خاموشی کے ساتھ انجمن وغیرہ کا تماشا دیکھتے رہے۔ حضرت والاؒ کو اس طرح کام کرنا پسند نہ تھا اسکا اندازہ اسوقت ہوا جب کہ حضرت والاؒ نے اصلاح کا کام خود سنبھالا اور کمیٹی کمیٹا کے الفاظ مختلف مواقع پر بار بار دہرائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دین اور تبلیغ کے کام کے لئے اہل دنیا کی طرح جماعت بنانا اور کمیٹی وغیرہ بنانا حضرت والاؒ کو طبعاً پسند نہ تھا یعنی یہ کہ فلاں صدر ہے فلاں سکریٹری ہے جو شخص خلاف کرے اس پر یہ جرمانہ وغیرہ وغیرہ۔

بہرحال حقیقی اصلاح اور دین حق کی تبلیغ ایسی کوئی آسان چیز بھی نہیں ہے۔ اسکی بہت شرائط ہیں اور سب سے بڑی شرط تمام اغراض سے بری ہو کر خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے اس کام کا کرنا ہے اور دوسروں پر اثر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے خود کہنے والا اثر لے اور ان چیزوں سے متصف ہو چنانچہ اس منصب کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے

کسی ہی کسی بندہ کا انتخاب فرماتے ہیں اور جسکو منتخب فرما لیتے ہیں تو پھر اسکی ہر حرکت وسکون تبلیغ اور ہر عمل و قول اصلاح کا سرچشمہ ہو جاتا ہے۔ الحمد للہ کہ حضرت مصلح الامتؒ کو اللہ تعالیٰ نے اسی رتبہ پر فائز فرمایا تھا۔ چنانچہ جب حضرت والاؒ کا دور اصلاح آیا تو آپ نے کوئی کمیٹی کمیٹا نہیں بنائی بلکہ اپنے پاس اٹھنے بیٹھنے والوں کو دین کی ترغیب دی اور نہایت نرمی سے اللہ تعالیٰ کے دین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کی محبت انکے قلوب میں پیدا کی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ (گو چند ہی لوگوں نے سہی) نماز کی پابندی شروع کر دی اور اپنی دھوتی کو تہبند یا پاجامہ سے بدل لیا اور ہاتھ میں انکے تسبیح آگئی یعنی اٹھتے بیٹھتے اللہ تعالیٰ کا ذکر یا درود شریف اب انکے ورد زبان رہنے لگا۔ نماز چونکہ ان دنوں حضرت والاؒ گاؤں کی باہری مسجد میں پڑھتے تھے اس لئے اسی مسجد کے جنوب جانب ایک چھپر ڈالا گیا بس یہی اسوقت کی خانقاہ تھی جو بوڑھے جوان حضرتؒ سے محبت رکھتے تھے وہ اپنے کام سے فارغ ہوکر وہیں چلے جاتے اور ذکر و تلاوت میں مشغول رہتے۔ وہیں حضرت اقدس بھی لوگوں کو جو کچھ تعلیم و تلقین فرمانا ہوتا فرماتے اور خود حضرت اقدس بھی مسجد کے چھپر ہی میں اکثر و بیشتر اوقات رہتے تھے مکان بہت کم جاتے۔ گاؤں کے چند خاص خاص لوگ جو اسوقت حضرتؒ سے متعلق ہو چکے تھے یہ تھے ــ خاں صاحب (والد حافظ شمس الدین صاحب)۔ محمد ادریس صاحب مسنی والے۔ حافظ فریدالدین خاں صاحب مسنی والے۔ حقن صاحب۔ حافظ زکریا فاروقی صاحب ان کے علاوہ مقامی اور غیر مقامی اور بھی حضرات تھے جو حضرت سے قریب ہوئے اور تعلق پیدا کیا۔ اسی زمانہ کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے حافظ زکریا صاحب مدظلہ لکھتے ہیں کہ

ادھر حضرتؒ کا اصلاحی کام بھی شروع ہو چکا تھا ابتداءً اپنے لوگوں نے بڑی شد و مد سے حضرتؒ کی تعلیم و تربیت اور اصلاح کو لبیک کہا۔ دھوتی اتار کر پاجامہ پہنا۔ تسبیح ہاتھوں میں آگئی۔ ہر وقت زبان پر ذکر اور انکی نجی مجالس میں بھی دینی تذکرہ

رہنے لگا۔ حضرت والا نے بھی اس زمانہ میں بڑی مشقت اٹھائی اور برادری کی اصلاح کے لئے رات دن ایک کر دیا۔ چنانچہ اب گاؤں سے باہر جانا بھی شروع کر دیا یہاں تک کہ تہجد کے وقت اگر فتحپور میں موجود ہیں تو نماز فجر پورہ معروف میں ادا ہو رہی ہے کبھی ندوہ سرائے میں فجر کی نماز میں موجود ہیں کبھی کاری ساتھ پہونچ گئے۔ غرض صحت بھی حضرت رح کی اچھی تھی اور بہت زیادہ تیز رفتار تھے بڑے بڑے چلنے والے اگر بعد فجر کی تفریح میں ساتھ ہو جاتے تو بول جاتے تھے۔ اور چونکہ صفت نبوی "دائم الفکرۃ" سے بھی الحمد للہ حضرت والا نے حصہ پایا تھا اسلئے ہر وقت مسلمانوں کی دینی اصلاح افراد کے سدھار ہی کی فکر میں ڈوبے رہتے تھے اور کبھی کبھی اسکا یہ اثر ہوتا کہ طبع والا پر ایک کیفیت سی طاری ہو جاتی تھی جسکے متعلق صحیح بات تو یہ ہے ہم لوگ سمجھ ہی نہ سکے کہ وہ تھی کیا چیز؟ کسی نے اسکو جذب کہا کسی نے غصہ سے تعبیر کیا حالانکہ اگر وہ جذب تھا تو انتہائی ہوش اور صحت وحواس والا تھا اور غصہ کا اثر تھا تو بلاشبہ غضب للہ کا ایک اعلیٰ نمونہ تھا کہ اس حالت میں چہرہ منور اور دمکتا ہوا دیکھا جاتا تھا اور خدائی جلال کا ایک ایسا خاص رعب طاری ہو جاتا کہ اس حالت میں نظر ملانا ناممکن ہوتا اور اثر کے لحاظ سے نور کی بارش کا ایک منظر ہوتا تھا۔ بہر حال یہ کیفیت اگر چلتے ہوئے کہیں راستے میں طاری ہو جاتی تو دونوں ہاتھوں سے اپنے کانوں کو ملتے ہوئے بہت ہی تیز چلنے لگتے تھے اور چلتے کیا بلکہ اڑتے ہوئے سے معلوم ہوتے تھے یہاں تک کہ ہمراہیوں کو ساتھ پکڑنے کے لئے دوڑنا پڑتا تھا۔

بہر حال جب باہر کے مواضعات میں بھی لوگوں نے آپکی دعوت کو قبول کیا تو پھر حضرت رح کبھی کبھی دوسری جگہ ہفتہ ہفتہ بھر بھی بلکہ کہیں مہینہ بھر تک قیام فرمانے لگے۔ برادری کے لوگوں کو دین کی جانب متوجہ کرنے کے بعد یعنی وانذر عشیرتک الاقربین کے حکم پر عمل کر کے آپ دوسری برادریوں کی جانب بھی متوجہ ہوئے اور کوپا گنج جو کہ فتحپور سے قریب تھا اور مسلمانوں کی بڑی آبادی تھی وہاں بھی حضرت رح کی آمد و رفت شروع ہو گئی اور گھوسی کا بھی کبھی کبھی سفر ہونے لگا۔

یوں تو حضرت والاؒ کا برابر یہ خیال رہا کہ ہر جگہ کے لوگ اپنے اپنے خطہ کی اصلاح کریں۔ اور اسکو بھی اکثر فرماتے تھے کہ انسان پہلے اپنی بستی اور اپنے گھر کی اصلاح کرلے تب کہیں باہر جائے تو ایک بات بھی ہے اسی لئے وطن اور اطراف وطن ہی تک ابتدائً حضرت والاؒ کا کام محدود رہا دوسرے اضلاع اور دور دراز کے مقامات پر حضرتؒ نے نظر ہی نہیں فرمائی۔ اور یوں بھی حضرت والا بذات خود گمنام زندگی بسر کرنا چاہتے تھے جیسا کہ بچپنے اور طالبعلمی نیز تھانہ بھون کے قیام کے واقعات سے آپ کو بھی اندازہ ہوا ہوگا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو تو کچھ اور ہی منظور تھا کہ اپنے اس مخلص بندے کو چمکائے اور دور دراز لیجاکر خلق خدا کو نفع پہونچائے چنانچہ تکوینی طور پر اسکے لئے عجیب وغریب اسباب وجود میں آئے یعنی لوگوں کی باطنی اور روحانی صحت کا ذریعہ حضرت والاؒ کی اہلی یا اپنے کسی عزیز قریب کی بیماری کو بنایا گیا۔ چنانچہ پہلی بار جب حضرت پیرانی صاحبہ علیل ہوئیں اور آنکھ میں کچھ تکلیف ہوئی توانکے علاج کے سلسلہ میں حضرت والا لکھنؤ تشریف لے گئے اور ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب کا علاج ہوا تو محلہ بازار جھاؤلال میں ایک مکان کرایہ کا لیکر حضرت والاؒ نے مع اہلیہ وہیں قیام فرمایا۔ محمد نور خانصاحب سیاہ والے کہتے ہیں کہ میں اور میرا چھوٹا بھائی دونوں اس سفر میں حضرتؒ کے ساتھ رہے، تقریباً ڈیڑھ دو ماہ قیام رہا حضرتؒ کے پاس اسوقت بھی کانپور اور ملیح آباد کے لوگ آتے تھے۔

اسکے بعد آخر میں جب حضرت پیرانی صاحبہ پھر بیمار ہوئیں تو انکے علاج ہی کے سلسلہ میں حضرت والاؒ کو مانی کلاں (جونپور) میں ایک معتدبہ زمانہ تک قیام کرنا پڑا۔ علاج ڈاکٹر محمد غفران صاحب کا تھا جو مانی ہی کے رہنے والے تھے حضرتؒ کے خدام میں سے تھے۔ فتحپور تال نرجا بھی جاتے تھے وہاں طویل قیام کرنے کے لئے بھی تیار تھے لیکن علاج جب طول طلب ہوا تو حضرت والاؒ نے خود ہی یہ طے فرمایا کہ میں ہی مانی چل کر رہونگا کیونکہ طبیب کا مریض کے پاس ہونا ضروری ہی تھا اسلئے اتنی دور سے علاج دشوار تھا اور ڈاکٹر صاحب حضرت اقدسؒ سے نہ تو فیس لیتے تھے اور نہ اس سلسلہ میں کچھ لینا قطعی گوارا فرماتے تھے لہٰذا جب مانی سے چلے آتے تو مطب بھی بند پڑا رہتا جو خود ڈاکٹر صاحب کے لئے خالی از نقصان نہ تھا گو انھوں نے اپنی جانب سے کبھی اسکا اظہار نہ ہونے دیا تاہم حضرت والاؒ کو تو احساس تھا ہی۔ اور دوسرے مریضوں کو بھی اس سے تکلیف ہوتی تھی۔ ان سب امور کا لحاظ فرماکر حضرتؒ ہی پیرانی صاحبہ کو لیکر مانی کلاں تشریف لے گئے اور تقریبًا چار چھ ماہ قیام فرمایا۔ یہاں کے اس قیام میں حضرتؒ کی اہلیہ صاحبہ تو مریضہ تھیں لیکن حضرت اقدس وہاں کے روحانی مریضوں کے لئے گویا خدا کیجانب سے طبیب روحانی بنکر آئے تھے۔ چنانچہ خود مانی کلاں اور اسکے اطراف وجوانب کے لوگوں کو خوب دینی نفع پہنچا۔ اور آج بھی وہاں یا اسکے اطراف میں جو دینی ماحول ہے اس میں خاصا دخل حضرت مصلح الامتؒ ہی کے فیض رسانی کو ہے۔ امید ہے کہ حضرت کے سلسلے اور حضرتؒ کے مسلک کی ترویج اس دیار میں زیادہ سے زیادہ تر ہوتی رہیگی۔

یہ جو عرض کیا گیا کہ اللہ تعالےٰ نے اکثری طور پر تکوینًا حضرت والا کی جسمانی علالت ہی کو مخلوق خدا کی روحانی صحت کا ذریعہ بنایا تو دیکھ لیجئے فتحپور (یعنی اپنے وطن) سے گویا ابتداءً علاج ہی کے لئے تشریف لے گئے۔ پھر لکھنؤ ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحبؒ کے پاس اہلیہ کی آنکھ کے علاج کے سلسلے میں جانا ہوا۔ پھر مانی کلاں جونپور ان ہی کے علاج کے لئے جانا پڑا۔ پھر الہ آباد کا پہلا سفر بسلسلۂ علاج ہی ہوا۔ پھر گورکھپور سے الہ آباد کی منتقلی بھی بسلسلۂ علاج اور تبدیل آب و ہوا ہوئی۔ پھر الہ آباد سے لکھنؤ (کا دوسرا سفر) شفاء الملک جناب حکیم شمس الدین صاحبؒ کے علاج ہی کے لئے ہوا۔ وہاں سے بمبئی حکیم صاحب موصوف

کے مشورہ سے برائے ازدیاد صحت اور توافق واعتدال آب وہوا ہی کے ہوا۔ لیکن ان تمام مقامات پر حضرت والا کے قیام کے زمانہ میں لوگوں کو جو فیض پہنچا وہ الگ ہے۔ اسکی تفصیل اپنے اپنے موقع پر انشاء اللہ آجائیگی۔ یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ حضرت والا اپنے مزاج کے لحاظ سے بہت ہی زیادہ خلوت پسند، گوشہ نشین اور سکون طلب واقع ہوئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کو ان سے کام لینا تھا اسلئے تال نرجا جیسے کوردہ مقام سے اٹھاکر بمبئی جیسے متمدن شہر میں پہنچایا اور وہاں کام لیا اور ایسا کام لیا کہ بڑے بڑے مصلحین انگشت بدنداں رہ گئے۔ تکرار سے تو خالی نہو گا تاہم حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی ہی کے الفاظ میں وہاں کا نفع ایک بار پھر سن لیجئے۔ حضرت والا کو خط لکھا کہ

"ایک مدرسہ کے افتتاح کے سلسلہ میں بمبئی گیا تھا حضرت والا کئی روز پہلے تشریف لیجا چکے تھے لیکن مجالس حضرت کے قیام کے فوائد و برکات سے ذکر سے معمور تھیں۔ خاص طور پر جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی بڑی اصلاح ہوئی۔ نیز ان تجار اور اہل ثروت کی جو اس سے پہلے مسلکاً بعید و متوحش تھے۔ میمنوں اور انکے تعلیم یافتہ حضرات کے ایک اجتماع میں مجھے بھی کچھ عرض کرنے کا موقع ملا، الحمدللہ جناب والا کے قیام کے اثرات اس مرتبہ بہت محسوس کئے"

تقریباً اسی قسم کے اثرات ہر جگہ رہے۔ چنانچہ الہ آباد میں ایک وکیل صاحب نے حضرت والاؒ کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ حضرت والا کی تشریف آوری سے اہل الہ آباد کو بڑا نفع ہوا۔ اور سب سے زیادہ نفع یہ ہوا کہ یہاں ایک دینی ماحول پیدا ہو گیا۔ حضرت والاؒ ان کے اس جواب سے خوش ہوئے کہ صحیح بات کہی۔ بہرحال مخلصین نے ہر جگہ یہی جانا کہ حضرت والاؒ نے یہاں تشریف لاکر ہم پر بڑا کرم اور احسان فرمایا، اور ایسا احسان فرمایا کہ ہم اسکا شکر ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ حضرت والاؒ کو جو بھی شہرت ہوئی وہ خود حضرت کی پرخلوص دعوت اور پرسکون تعلیم اور اللہ ورسول کیجانب بندگان خدا کو ہدایت کرنے کے سبب سے ہوئی حضرت کا فیض اور انکا چرچا کسی اور کا ممنون احسان نہیں۔ کیونکہ جو لوگ کسی بزرگ کے سچے اور مخلص خادم ہوتے ہیں انکا خیال اس باب میں بس یہی رہا ہے کہ ؎

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی　　منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتنت

حیرت ہوتی ہے اس جرأت پر کہ حضرت اقدس کی شہرت اور حضرت کے یہاں مجمع کی کثرت کو لوگ اپنی تقریر و تحریر کا نتیجہ اور ثمرہ قرار دیتے ہیں اور اسکو فخریہ بیان بھی کرتے ہیں۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ کسی بزرگ سے انتساب کیوجہ سے مرید کا درجہ تو بلند ہو سکتا ہے باقی کسی مرید کیوجہ سے شیخ کی مقبولیت شہرت اور درجات کی بلندی اسکو حاصل ہوئی ہو عام حالات میں یہ خیال صحیح نہیں۔ حضرت امیر خسروؒ تو اپنے شیخ کے متعلق فرماتے ہیں کہ ؎

داغ غلامیت کرد پایۂ خسرو بلند　　میر ولایت شود بندہ کہ سلطان خرید

یعنی آپ کی غلامی میں آنے کے سبب خسرو کا مرتبہ بلند ہوگیا اسلئے کہ ملک کا امیر اور بادشاہ ہوجاتا ہے وہ غلام جسکو شاہ خرید لیں۔ یہی حال اسلم ہے اللّٰہ تعالیٰ اس سے حصّہ نصیب فرمائیں

غرض میں یہ عرض کر رہا تھا کہ وطن میں اب یہ دور آچکا تھا کہ حضرت والاؒ بلا شرکت غیرے اپنی بستی اور برادری کی اصلاح کی جانب متوجہ تھے۔ کچھ مخلصین اور ماننے والے بھی پیدا ہوچکے تھے لوگوں کے قلوب میں حضرت والاؒ کی عظمت اور ہیبت بیٹھ چکی تھی مصلح کے لئے ایسا ہونا ضروری ہے ورنہ لوگ اسکو بھی برابر کا بھائی سمجھتے ہیں اور مساویانہ برتاؤ رکھتے ہیں جس سے اصلاح نہیں ہوا کرتی، حتّیٰ کہ اپنے تو اپنے پرائے یعنی غیر مسلم بھی۔ اس مصلح کی ڈانٹ ڈپٹ، مواخذہ اور معائنہ سے بڑی حد تک خائف رہنے لگے۔ حضرت والا کسی پر خفا ہوتے اور اس شخص کو اپنے بالاخانہ پر بلا کر تنبیہ فرماتے تو لوگ بیان کرتے ہیں کہ حضرتؒ کی کڑک اور گرج کی آواز سے پورے گاؤں میں ایک سکون اور سنّاٹا سا چھا جاتا تھا ہندو مسلم سب آپس میں کہتے تھے دیکھو وہ مولانا صاحب کسی پر خفا ہو رہے ہیں۔ یہ کیفیت اور طرز اصلاح حضرت اقدسؒ کی عمر اور مخاطبین کے بدلنے سے بدلتی بھی رہی۔ چنانچہ فتحپور سے حضرت اقدسؒ جب گورکھپور تشریف لے گئے تو اس میں بڑی حد تک کمی ہوگئی اور گورکھپور سے جب الٰہ آباد تشریف آوری ہوئی تو یہاں اور زیادہ کمی دیکھی گئی اور یہاں سے جب لکھنؤ اور بمبئی تشریف لیجانا ہوا تو تقریبًا یہ طرز بالکل ختم ہوچکا تھا۔ الٰہ آباد بلکہ گورکھپور ہی سے حضرت والاؒ نے یہ فرمانا شروع کر دیا تھا کہ میں نے اب

اپنا طریقہ بدل دیا ہے اب تو آپ لوگ بھی اپنے کو بدل لیجئے، لیکن قلب کا جو زنگ رگڑنے سے نہ چھوٹا ہو وہ بھلا سہلانے سے کیا چھوٹتا۔ حضرتؒ نے تو خود کو بدل لیا لیکن افسوس کہ ہم لوگ اپنے آپکو نہ بدل سکے اسی پر حضرت والاؒ بڑے ہی تاثر کے ساتھ یہ پڑھا کرتے تھے کہ ؎

دہر میں کیا کیا ہوئے ہیں انقلاباتِ عظیم　　آسماں بدلا، زمیں بدلی، نہ بدلے خود دوست

وجہ اس تبدیلیٔ طرز کی یہی سمجھ میں آئی واللہ اعلم کہ بستی اور برادری کے لوگوں کے مزاج میں جہالت اور دین کی کمی کیوجہ سے ایک قسم کی سختی تھی اسلئے انکی اصلاح کے لئے اسی سختی کی ضرورت تھی جو حضرت اقدسؒ نے وہاں اختیار فرمائی۔ اور پھر تدریجاً لوگ پڑھے لکھے مہذب اور شائستہ قسم کے ملتے رہے اسلئے انکے ساتھ دوسرا انداز اختیار فرمایا گیا۔

بہرحال الہ آباد اور بمبئی میں تو حضرت والا نہایت ہی نرم خو، سہل المزاج، عفو و کرم کا مجسمہ اور پیکر الفت و رحمت ہی دیکھے گئے اور لوگوں کے لئے "حلوائے نرم و شیریں" ثابت ہوئے مگر اہل ذوق کا احساس یہ ہے اور صحیح بھی ہے کہ جسقدر نفوس کی اصلاح پہلے دور کے لوگوں کی ہوئی بعد کے لوگ وہ مقام حاصل نہ کر سکے یعنی یہ کہ ان میں دینداری تو ضرور پیدا ہوئی مگر اللہ تعالے سے تعلق قلبی اور فنائیت اور خلوص و للّٰہیت، شیخ سے دلی تعلق اور محبت اور انکے مسلک کی ترویج و اشاعت کی فکر و رغبت جس درجہ دور اول کے حضرات میں دیکھی جاتی ہے دوسرے دور کے لوگوں میں سے کم لوگ ایسے نظر آتے ہیں۔

وجہ اسکی ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں یعنی وطن کے قیام کے دور میں صرف یہی نہیں تھا کہ حضرت والاؒ زور زور سے بولتے تھے، ڈانٹتے تھے نکالتے تھے، بلکہ صحیح معنوں میں نفس کی اصلاح کا وہی دور تھا کیونکہ حضرتؒ کی جوانی کا وقت تھا اور داعیۂ اصلاح شباب پر تھا۔ لوگ کم اور موقع بہت تھا۔ چنانچہ نور خانصاحب کہتے تھے کہ حضرت والاؒ نے ہم لوگوں سے فرمایا کہ "کچھ سیکھنا ہو اور جلدی کر دو ورنہ ایک وقت ایسا آئیگا کہ میرا کام بڑے بڑے شہروں میں پھیل جائیگا اور اسوقت تم لوگ مجھ سے ملنا چاہو گے تو نہ مل سکو گے اور اس میں شک نہیں کہ یہ اہل وطن ہی کا ظرف تھا کہ انھوں نے حضرت اقدسؒ کے اس طریقۂ اصلاح کو برداشت کر لیا ورنہ تو بعد کے لوگوں کے حالات کے دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ شاید دوسرے لوگوں سے اسکا تحمل نہوتا اور بہت سے

لوگ بھاگ نکلتے۔ مثلاً برادری کے ایک مرید کی اصلاح کا نمونہ ملاحظہ ہو، حضرت والاؒ نے مولانا عبدالباری صاحب ندویؒ کو انکے کسی سوال کے جواب میں کچھ بات لکھکر یہی واقعہ لکھدیا تھا۔ فرمایا کہ:۔

"جس طرح سے بدون اخلاق کی اصلاح کے خالق تک رسائی ناممکن ہے اسی طرح میں کہتا ہوں کہ بدون اسکے مخلوق تک بھی وصول دشوار ہے۔ آپ دیکھ لیجئے کہ متکبر اور بداخلاق شخص کو کون اپنے پاس دیکھنا گوارا کرتا ہے۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ دین و دنیا دونوں کی فلاح حسن اخلاق پر موقوف ہے اور اخلاق کی اصلاح وہ معتبر ہے جو کہ عمل سے ہو، فقط زبان سے نہو۔ اس پر آپ کو ایک صاحب کا واقعہ سناتا ہوں۔

میری بستی میں ایک مولوی صاحب رہتے ہیں جو کہ دوسرے مسلک کے لوگوں میں سے ہیں چنانچہ اطراف میں میلاد وغیرہ پڑھنے بھی جایا کرتے ہیں ایک دفعہ قریب ہی کی بستی سے میلاد پڑھکر واپس آرہے تھے کہ راستہ میں میرے ایک آدمی نے جو اسی بستی کا تھا ان سے کچھ پوچھا انھوں نے کچھ جواب دیا اس پر اس نے پھر کچھ کہا، غرض بات بڑھ گئی اور ان مولوی صاحب نے چھڑی سے اسکو مار دیا وہ بھی جوان آدمی تھا اس نے مولوی صاحب کو اٹھاکر پٹک دیا اور غالباً کچھ مارا بھی۔ میں اندنوں مئو میں تھا یہاں دوسرے فریق کے لوگوں کو بہت اشتعال ہوا اور اندیشہ تھا کہ فساد ہو جائے کہ ایک آدمی سائیکل سے فوراً میرے پاس پہونچا اور کہا کہ دو واقعے کی اطلاع کرنے آیا ہوں ایک تو یہ کہ گاؤں میں پولیس آئی ہے اور گھر گھر ہتھیار کی تلاشی لی جارہی ہے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ سب کو محفوظ رکھے اور دوسرا واقعہ اس سے بڑھکر ہے وہ یہ کہ فلاں شخص نے فلاں مولوی صاحب کو پیٹ دیا ہے اسکی وجہ سے دوسری جماعت کے لوگ بہت مشتعل ہیں اور معلوم نہیں اسوقت گاؤں کا کیا حال ہے میں نے کہا کہ پہلی بات کے لئے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ عزت وآبرو محفوظ رکھیں، اور دوسرے واقعہ کے سلسلے میں تم یہ کرو

کہ ان مولوی صاحب کے پاس جاؤ اور اُنسے کہو کہ بات وہاں تک (یعنی وصی اللہ تک) پہونچ گئی ہے اور اس شخص نے آپ کو نہیں مجھکو مارا ہے اور اب اسکا بدلہ ہمارے ذمہ ہے۔ اور انکی مسجد پر کھڑے ہو کر زور سے اعلان کرو کہ اس واقعہ کا فیصلہ اب مولانا کریں گے آپ لوگ قطعی مشتعل نہوں اگر انصاف نہوا تو پھر جو چاہئے گا کیجئے گا۔ پھر میں مئو سے گویا آیا وہاں وہ مجرم صاحب بھی تشریف لائے تو سب سے پہلا کام میں نے یہ کیا کہ سب کے سامنے ان پر بہت خفا ہوا اور خوب مارا اور کہا کہ تم سے کیا مطلب تھا، اگر انھوں نے اپنی تقریر میں کچھ کہا بھی تھا تو میں اسکا رد کرتا یا نہ کرتا اسکا تعلق تو مجھ سے تھا، تم نے انکو کیوں مارا؟ اور انکی تم نے کیوں توہین کی؟ لوگوں نے جو اسکو دیکھا تو یقین آگیا کہ میں واقعی اس سے ناخوش ہوں اس سے انکے اشتعال میں بہت کچھ کمی ہو گئی پھر میں نے ان صاحب سے کہا کہ جاؤ اور مولوی صاحب کے پاؤں پکڑ کر ان سے معافی مانگو اور اسکا تمہ یہ ہے کہ پالکی پر انکو اپنے گھر لیجا کر انکی دعوت کرو، تب میں معاف کرونگا ورنہ نہیں۔ چنانچہ وہ صاحب گئے اور معافی مانگی انھوں نے معاف کر دیا۔ لوگوں نے کہا کہ آپ نے اتنی جلدی معاف بھی کر دیا؟ کہنے لگے کہ بھائی اس شخص نے ایسے طور پر مجھ سے معافی مانگی کہ مجھے معاف کرنا ضروری ہو گیا اور میں معاف کرنے پر مجبور ہو گیا۔ پھر اس نے دعوت کے لئے کہا تو انکی گھر کی عورتوں نے کہا کہ اسی گاؤں سے کل پٹ کر آئے ہو اور آج وہیں دعوت کھانے جاؤ گے یہ تو بڑی بے غیرتی کی بات ہے۔ تو کہنے لگے کہ بھائی عورتیں منع کرتی ہیں۔ اس نے کہا کہ اچھا کھانا میں یہیں لاؤں گا اور دعوت کرنی تو مجھے ضروری ہے اس لئے کہ ہمارے حضرت کی معافی اسی پر موقوف ہے۔ خیر اسکو منظور کر لیا وہ گھر گیا اور عمدہ کھانے پکوا کر لایا اور ان کے گھر دے آیا اور دوسرے دن جب برتن لینے گیا تو مولوی صاحب کھانا ہی کھا رہے تھے کہنے لگے کہ دیکھو جی تمہارے ہی یہاں کا بچا ہوا کھانا اسوقت بھی کھا رہا ہوں۔ غرض وہ بالکل راضی

ہو گئے، اور ایک اتنا بڑا فتنہ کہ جسکو سنکر اول وہلہ میں تو سمجھا تھا کہ اب ایسی آگ
لگ گئی ہے کہ اس نے تو اب تک کی میری ساری محنت ہی خاکستر کر کے رکھدیؒ
لیکن الحمدللہ کہ وہ فتنہ بہت جلد فرو ہو گیا اور اپنے بعد اپنا کوئی اثر بھی نہ چھوڑا۔
اس سے میں یہی سمجھا کہ یہ اخلاق کی فتح تھی۔ یہی سکھلاتا ہوں اور چاہتا ہوں
کہ لوگ اسی طور پر کام کریں"۔ انتہیٰ۔

یہ ہے ایک واقعہ جو حضرتؒ اقدس کے ابتدائی دور اصلاح کا نمونہ ہے۔ کس قدر نفس کو پامال
کیا گیا۔ تھپڑ اور طمانچے بھی رسید کئے گئے، مجمع میں رسوائی بھی ہوئی، مخالف سے جسکو کل مارا تھا
آج معافی مانگنی پڑی، اسکی دعوت کی گئی۔ یہ سب نفس کے خناس یعنی کبر اور غصہ کو نکالنے
کے لئے کیا گیا تھا اور اس طالب نے بھی خدا کے لئے اسکا کرنا منظور کیا۔ اسی کو عرض کیا ہے
کہ یہ آسان نہیں ہے بڑے ہی پتہ ماری کی بات ہے۔ آج لوگوں میں پیر کی ایک بات
تک کی تو سہار ہے نہیں بھلا اسکی مار کی کس کو برداشت ہوتی۔ تو جن لوگوں نے اللہ کے لئے
جس قدر مجاہدہ کیا انکو اسی قدر ثمرات ملے۔

اور یہاں اس واقعہ میں صرف اسی قدر نہیں ہوا کہ ان ضارب صاحب کی اصلاح
ہوئی بلکہ اللہ تعالےٰ نے حضرت اقدسؒ کے اس خُلق و نرمی کا یہ اثر مرتب فرمایا کہ وہ مولوی صاحب
بھی جو حضرت کے فریق مقابل تھے بہت کچھ نرم پڑ گئے یوں قوم کے لوم کے خیال سے فوراً حضرت
والاؒ کی جانب رجوع ہونے کی ہمت تو نہیں پڑی لیکن انکی زبان بالکل بند ہو گئی اور برائی کی
جگہ کبھی کبھی دو ایک کلمے تعریف کے بھی نکلنے لگے۔ اور اس میں شک نہیں کہ جسقدر اثر مخالف پر
حسن خلق کا پڑتا ہے کسی اور چیز کا نہیں ہوتا۔ راقم نے خود دیکھا ہے کہ گرمیوں کے رمضان میں حضرت
والاؒ برف کا ایک ٹکڑا اور کبھی شربت روح افزا کی کچھ مقدار کوڑے میں رکھکر عین افطار کے وقت
اپنے ایک خادم کے ہاتھ جو مولوی صاحب سے بھی بے تکلف تھے بھیج دیا کرتے تھے حضرتؒ
کے ان تمام اخلاق کو دیکھکر وہ پانی پانی ہو جاتے اور دل سے تو موافق ہی ہو چکے تھے صرف
ظاہراً بعد وہ بھی مصلحۃً تھا لیکن کچھ دنوں کے بعد جب خود انکے گھر والوں نے انکو بہت تنگ کیا
جس سے وہ سب سے نالاں رہا کرتے تھے اور جس وقت مسجد اور خانقاہ بنی ہے مسجد دیکھنے کے

سلسلہ سے آئے اور حضرت والاؒ سے آکر ملے حضرتؒ کے مکان پر بھی گئے حضرتؒ نے چائے و ناشتہ کی دعوت کی اور واپسی پر کچھ تحفہ (رومال و تسبیح) وغیرہ بھی ساتھ کر دیا بس اسکے بعد سے گویا پورا میل ہی ہو گیا۔ مسجد کی جدید تعمیر اور خانقاہ کو دیکھکر مولوی صاحب موصوف نے بے ساختہ یہ شعر بھی پڑھا کہ ؎

زہے سعادت آن بندۂ کہ کرد نزول　　　　گہے بہ بیت خدا و گہے بہ بیت رسول

لیکن یہ ستون کچھ ایک دو دن میں نہیں گر گیا بلکہ برسہا برس کی کوشش اور موقع بموقع نرمی اور سختی سب کو اس میں دخل ہے چنانچہ گاؤں سے اس اختلاف کو ختم کرنے کے لئے اور اختلاف ہی نہیں بلکہ فتنہ و فساد کی باتوں (یعنی اکابر کی شان میں بے ادبی اور گستاخی وغیرہ کھلّم کھلّا کیے جانے) کو ختم کئے جانے کیلئے حضرت والاؒ نے پوری برادری کا دورہ بھی فرمایا اور ہر ہر بستی کے چودھری اور بڑے لوگوں سے انصاف اور اخلاق کا مطالبہ کیا چنانچہ مسلک سے متفق نہ ہو کر بھی ان لوگوں نے حضرت والاؒ کی اس بات کو مان لیا کہ جو جس خیال کا ہو اپر رہے لیکن دوسری جماعت کے اکابر کو بُرا بھلا نہ کہا جائے۔ چنانچہ جب اطراف وجوانب کے چودھریوں کو اس امر پر متفق کر لیا تو سب کو جمع کر کے ایک دن یہ فرمایا کہ آپ سب لوگ اب فلاں مولوی صاحب کو منع کر دیجئے کہ اب اپنی زبان بند کر لیں اور اب اپنے اس رویہ سے باز آجائیں کیونکہ اب تک تو ہم نے برداشت کیا لیکن اب انھوں نے زبان سے ہمارے اکابر کی شان میں کچھ کہا تو سختی کے ساتھ اسکا جواب دیا جائے گا۔

دیکھا آپ نے حضرت مصلح الامتؒ کو کسی زمانہ میں بسلسلۂ اصلاح یہ بھی کہنا پڑا ہے ؎

کہ سختی و نرمی بہم در بہ است　　　　چوں فساد رگ زن دمرہم نہ است

چنانچہ جب سب بڑے لوگوں نے اس سے اتفاق کیا تو پھر مولوی صاحب نے بھی زبان بند کر لی کیونکہ ساری برادری کا مقابلہ کرنا اور سب کو اپنا مخالف بنا لینا آسان کام نہ تھا۔ یہ تو ابتدائی حال تھا۔ لیکن جب مصالحت ہو گئی اور مولوی علیم اللہ خاں صاحب حضرت والاؒ کی مجلس میں بھی کبھی کبھی آنے لگے تو اپنی جماعت کے لوگوں نے اسکو حضرت والاؒ کی کرامت ہی جانا کہ ایسا مخالف اور مقابل اسطرح رام ہو جائے اس فلک نے بھی اپنی دونوں آنکھوں یعنی شمس و قمر سے ایسا کم ہی دیکھا ہوگا

یہ محض حضرت اقدس کی حقانیت، اخلاص اور حق تعالیٰ کی نصرت کا ایک نمونہ تھا جو مخلوق کو دکھایا گیا۔ اسکے بعد ان مولوی صاحب کے ماننے والوں نے انھیں ہر چند یہاں حضرتؒ کے پاس آنے جانے سے منع کیا لیکن مولوی صاحب چونکہ دل سے مان چکے تھے اسلئے برابر آتے ہی رہے یہاں تک کہ مخالفین نے ان مولوی صاحب کو اپنی سرداری ہی سے اتار دیا گویا اپنی رضائی برادری ہی سے خارج کردیا! اور اب انکے یہاں اس جماعت کی باگ دوڑ ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آگئی جو نہایت ہی شر پسند، کم علم، بدزبان اور متشدد قسم کے لوگ تھے۔ چنانچہ کھسیائے ہوئے تو تھے ہی مثل مشہور ہے کہ تنگ آمد بجنگ آمد۔ بالآخر ایسا فتنہ گاؤں میں کھڑا کردیا جسکی وجہ سے حضرت والا کو بہت ہی سخت ایذا رہوئی یہاں تک کہ اپنے وطن ہی کو (سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیمطابق) خیرباد کہنا پڑا اور حضرت والا یہاں سے گورکھپور تشریف لے گئے جسکی تفصیل اپنے موقع پر آجائے گی اسوقت تو صرف یہ کہنا ہے کہ حضرت اقدس کے وطن سے چلے جانے کے بعد خود ان مولوی علیم اللہ صاحب کا قول لوگوں سے نے بیان کیا کہ اپنے ہی لوگوں کے متعلق فرماتے تھے کہ "اللہ کا ایک ولی تھا شیطانوں نے اسکو بھی بستی چھوڑنے پر مجبور کردیا"۔۔۔ اور یہ کہتے تھے کہ ۔۔۔ "اس بستی میں ایک ہی تو بزرگ پیدا ہوا تھا مگر تم لوگوں نے اسکو بھی پریشان کیا یہاں تک کہ وہ تم لوگوں پر تھوک کر چلا گیا۔ تف ہے تم لوگوں پر"

آج ہم ان واقعات کو حضرت اقدس کی کرامات میں سے شمار کرتے ہیں، یہ بالکل صحیح ہے لیکن غور کرنے اور عبرت حاصل کرنے کی بات یہ ہے کہ وہ مولوی صاحب تو تمام عمر حضرت والا سے مسلکاً اور مشرباً الگ اور دور رہے لیکن آخر میں آکر انھوں نے بھی سر تسلیم خم کردیا اور اپنے درجہ کے مطابق گویا حضرت کو مان ہی لیا لیکن ہم لوگ ساری زندگی حضرت والا سے ہر قسم کا دینی و دنیوی نفع اور فیض حاصل کرکے اور حضرت والا کے احسانات میں کہنا چاہیئے کہ گویا شرابور ہونے کے باوجود حضرت کے بعد سست ہو جائیں کہ نہ حضرت کے مشرب کا لحاظ رہے نہ طریق کار کا خیال

رہ جائے۔ نہ حضرت والاؒ جیسی حدود کی رعایت کر سکیں، نہ حضرت کے مشن (اور کاز) کی اشاعت ہی کی فکر ہو بلکہ ان سب سے بے نیاز ہو جائیں تو یہ کیسا حال شمار ہوگا؟ یوں توجیہہ اور تاویل تو ہم اپنے فعل کی جیسی چاہیں کر سکتے ہیں لیکن اپنی ان بدحالیوں کے ساتھ ساتھ حضرت اقدس کے سامنے سرخرو ہونا مشکل ہے۔ احباب میں سے جو حضرات قلباً اسپر خود کو مطمئن پاتے ہوں ان سے درخواست ہے کہ وہ ہمارے لئے بھی دعائے خیر فرمائیں اور اگر کسی کو اس سلسلہ میں کچھ کھٹک اور خلش محسوس ہوتی ہو تو — محترم! گذارش یہ ہے کہ خدارا اصلاح یعنی اصل راہ کی جانب توجہ مبذول فرمائی جائے اور حضرتؒ کی تعلیمات کو علماً و عملاً اور اشاعۃً بروئے کار لانے کی سعی بھی فرمائی جائے — حضرت والاؒ نے بڑی کوشش، دردسری اور دلسوزی اور کس کس اخلاص اور پیار کے ساتھ ہمکو اس پر ڈالا ہے اور ہمکو اس سے روشناس کرایا ہے جیسا کہ حضرت والاؒ کے خدام اور محبین پر مخفی نہیں ہے۔ لہذا اسی کے بقدر اب ہم کو بھی حضرت اقدسؒ کے طریق کی اشاعت میں لگ جانا چاہیئے کہ اس میں ابنا زمانہ سے آویزش اور مخالفت تو نہ تھی تاہم حضرت والاؒ کا طریق کار سب سے مختلف ضرور تھا، یہ امتیاز آج بھی باقی رہنا چاہیئے اس میں کسی قسم کا اختلاط نہونا چاہیئے۔ ونعوذ باللہ من الحور بعد الکور۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضرت اقدسؒ کے طریق پر قائم رکھے اور اسکی اشاعت اور ترویج کی توفیق عطا فرمائے۔ اور دنیا میں حضرت والاؒ کی کوششوں اور خواہشوں کو ہمارے ذریعہ بار آور فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے ہم سے یہ کام لے لے اور آخرت میں اللہ تعالےٰ ہم سے راضی ہو جائے اور ہمکو حضرت والاؒ کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے۔ آمین۔

بہر حال جس زمانہ میں مقامی اہل بدعت سے حضرت والاؒ نبرد آزما تھے تو اس سلسلہ میں حضرت اقدس نے بڑی ہی محنت اور مشقت اٹھائی یعنی پوری برادری میں متعدد دورے فرمائے۔ حمید پور۔ ندوہ سرائے۔ کاری ساتھ۔ گھوسی۔ کوریا پار۔ پورہ۔ کوپا گنج۔ یہانتک کہ محمد آباد گہنہ تک سفر فرماتے رہے۔ اور اپنے ان تبلیغی اسفار

میں خاں صاحب لوگوں کو بھی دعوت اصلاح دی اور شیوخ حضرات کو بھی حقیقی دین کیطرف متوجہ فرمایا۔ چنانچہ اسکا یہ اثر نمایاں ہوا کہ برادری کے بہت سے لوگ ہر جگہ دل سے حضرتؒ کو مان گئے اور پورے طور سے موافق ہو گئے۔ مثلاً فتحپور تال نرجا میں جن حضرات نے حضرت کی نصرت فرمائی ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ رحمت اللہ خاں صاحب منشی محمد عباس صاحب۔ چودھری عبدالوحید خاں صاحب۔ حبیب خاں صاحب اور مستقیم خاں صاحب وغیرہ (یہ سب نام میرے ناقص علم اور تحقیق کی رو سے ہیں ہو سکتا ہے کہ کوئی مخلص اور رہا ہو، خدا کے علم سے تو باہر نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی اجر عطا فرمانے والے ہیں)۔ اور ندوہ سرائے میں محمد خلیل خاں صاحب۔ عبدالوحید خاں صاحب۔ توحید خاں صاحب۔ اسی طرح کاری ساتھ میں جناب قاری امین اظہر صاحب (والد بزرگوار جناب قاری محمد مبین صاحب خلیفہ و جانشین حضرت مصلح الامۃ نور اللہ مرقدہٗ) حافظ مختار احمد خانصاحب (والد مولوی نور الہدیٰ سلمہٗ)۔ حافظ وکیل احمد صاحب اور نذیر احمد خاں صاحب (جوکہ ہمارے قاری محمد مبین صاحب کے نانا اور مولوی قمر الزماں صاحب کے دادا تھے بڑے بہادر تھے اور گاؤں میں انکا خاصا اثر تھا)۔ اور گھوسی میں مشتاق خاں صاحب اور عبدالقیوم خاں صاحب۔ اور شیوخ میں سے ملک عبدالجلیل اور مولوی عبدالغفار صاحب والد بزرگوار مولوی وقار صاحب مرحوم اور مولوی عبدالمجید صاحب اور قاضی عبدالمجید صاحب وغیرہ۔ اور حمید پور میں ماسٹر محمد عیسیٰ خاں صاحب اور علیم اللہ خاں صاحب اور سپاہ میں عبدالجبّار خاں صاحب (جوکہ والد تھے برادرم نور خاں صاحب کے)، وہ واقعی حضرت کے لئے گویا سپاہی ہی ثابت ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان سے حضرت والاؒ کی نصرت بہت ہی کرائی بہت دبنگ آدمی تھے، بااثر زمیندار تھے، حکام وغیرہ بھی انکا بڑا لحاظ و خیال کرتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ اپنے دبدبہ اور جاہ سے حضرت والاؒ کی بہت نصرت کی بلکہ کہنا چاہیئے کہ خاں نے اپنی شان کو حضرت اقدس کی آن پر قربان ہی کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے اور انکی نصرت کا بھرپور صلہ انکو عطا فرمائے۔ آمین۔

عرض یہ کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کو جب حضرت والا سے کام لینا ہوا تو گردوپیش کے ماحول کے اعتبار سے ویسے ہی اسباب فراہم ہوتے گئے ورنہ اگر یہ قوت ظاہرہ ساتھ نہ ہوتی تو اس عالم اسباب میں اور ایسے پر آشوب دور میں اتنے شدید فتنہ کا مقابلہ مشکل تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس کے اخلاص اور حسن نیت کی برکت سے راستہ کی تمام مشکلات ایک ایک کر کے دور فرمادیں۔ وذلک تقدیر العزیز العلیم۔

حضرت مصلح الامۃؒ کی ایک پیشینگوئی اسی زمانہ میں جبکہ یہ دورہ فرمایا جارہا تھا کاریبا تہہ میں حافظ وکیل خاں صاحب کے کمرہ میں بھی وعظ فرمایا اور اس میں یہ بھی فرمایا کہ "میں اس برادری میں دین پھیلانا چاہتا ہوں اور آپ لوگوں سے کہتا ہوں کہ انشاء اللہ یہاں ولی ہوکر رہے گا ولی ہوکر رہے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہوکر رہے گا۔ اور اس برادری میں دین پھیل کر رہے گا"

اللہ تعالیٰ نے حضرت والاؒ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ کو پورا فرمادیا۔ چنانچہ ماشاء اللہ آج خود حضرت اقدس کے چاروں ہی داماد اسی بستی کے رہنے والے ہیں۔ ان میں سب سے بڑے داماد ہمارے مخدوم ومحترم قاری محمد مبین صاحب مدظلہ ہیں جو حضرتؒ کے بعد الہ آباد کی خانقاہ میں حضرتؒ کے جانشین اور خلیفہ ہیں اور بحمد اللہ اصلاح وتربیت کے کام کو بحسن وخوبی حضرت اقدس ہی کے نقش قدم پر قائم رہتے ہوئے انجام دے رہے ہیں۔ نیز الہ آباد کا مدرسہ عربیہ وصیۃ العلوم اور فتحپور تال نرجا کا مدرسہ وصیۃ العلوم آپ ہی کی زیر نگرانی چل رہا ہے۔ اور حضرت اقدسؒ کے رسالہ معرفت حق کی سرپرستی بھی اب حضرت والاؒ کے بعد آپ ہی فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے واسطہ سے حضرت مرشدیؒ کے فیض کو عام فرمائے اور ہم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ چنانچہ حضرت اقدس کی پیشینگوئی کے بموجب دیکھا بھی جارہا ہے کہ حضرتؒ کے وطن اور اطراف وطن کے لوگوں کا مرجوعہ حضرت قاری صاحب مدظلہ کیطرف بہت تیزی سے بڑھ رہا ہے، برادری اور غیر برادری سب ہی لوگوں میں بہت سے نئے نئے حضرات متعلق ہو رہے ہیں چنانچہ پورہ معروف۔ مبارک پور کے لوگوں کا

تعلق اتنا زیادہ خانقاہ فتحپور سے پہلے نہیں تھا جتنا کہ اب ہے۔ اسی طرح سے ندوہ سرائے اور اطراف و جوانب کے برادری کے لوگ بھی بحمد اللہ بہت زیادہ متوجہ ہیں اور کوپاگنج اور مئو کے حضرات تو حضرت اقدس کے بعد بھی اپنی اسی سابقہ عقیدت اور محبت کی روایت کو زندہ کئے ہوئے ہیں اور اس پر بحمد اللہ قائم ہیں۔ جب حضرت قاری صاحب مدظلہ وطن پہونچ جاتے ہیں تو آنے جانے والوں کا ایک تانتا بندھ جاتا ہے اور پھر نہ صرف اعظم گڈھ ہی کے حضرات بلکہ بلیا۔ بنارس۔ غازیپور۔ دیوریہ اور گورکھپور تک کے حضرات علم ہونے پر آمد و رفت شروع کر دیتے ہیں۔ من شاء فلیثبتا ہد۔

قیام وطن کے ابتدائی دور میں حضرت اقدس کا حال یہ تھا کہ کچھ دنوں تو وطن میں قیام فرماتے اور کبھی تھانہ بھون چلے جاتے تھے غرض دونوں جگہ باری باری قیام رہتا۔ بہر حال جب کسی نوع گھر پر قیام رہنے لگا تو والدہ صاحبہ کو فکر ہوئی کہ حضرت مولانا عقد پر راضی ہو جاتے تو اپنی آنکھوں سے مولانا کا یہ دور بھی دیکھ لیتی اور اس سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کرتی۔ اس لئے اب خود بھی حضرت رح سے وقتاً فوقتاً اسکا ذکر کرنے لگیں اور حضرت والا رح کے احباب اور ساتھیوں سے بھی کہدیا کہ بیٹا مولانا صاحب کو کسی طرح نکاح پر راضی کرو۔ حضرت والا تو والدہ کی بات کو لطیف عنوان سے ٹال جاتے مثلاً یہ فرما دیتے کہ اچھی بات ہے اماں وقت آجائے گا تو نکاح بھی ہو جائے گا آپ گھبرایئے نہیں اور احباب کو ان کے کہنے پر صاف جواب دیدیتے تھے فرماتے کہ چپ رہو جی اس قسم کی باتیں مجھ سے مت کرو۔

لیکن جب خدا تعالیٰ کیطرف سے اسکا وقت آگیا تو ویسے ہی اسباب سامنے آتے گئے۔ تھانہ بھون میں حضرت تھانوی رح نے جب کسی کا پیغام پہونچایا تو فرمایا کہ حضرت ابھی تو عقد کا ارادہ نہیں ہے اور اگر کروں گا تو اپنے ہی خاندان میں کروں گا۔ اور اس گفتگو کو مکان آنے پر والدہ سے بھی کہدیا بس والدہ کو موقع مل گیا انھوں نے کہا کہ اچھا تو پھر بابو ہم رشتہ ڈھونڈ لیتے ہیں۔

نیز چودھری عبدالوحید خاں صاحب جو کہ حضرت والا رح کے ہم سبق اور ساتھی تھے

وہ راقم سے خود بیان کرتے تھے کہ اسی درمیان میں میں نے ایک دن مولانا سے کہا کہ مولوی صاحب! (ہم لوگ انکو اسوقت مولوی صاحب ہی کہتے تھے) ایک مسئلہ بتائیے، کہا پوچھو، میں نے کہا یہ بتلائیے کہ نکاح کرنا سنت ہے نا؟ یہ سنکر مولانا ہنسے اور فرمایا کہ تمھارا مطلب میں خوب سمجھ رہا ہوں ہمارے فتوے سے ہم کو مجروح کرنا چاہتے ہو۔ ہاں بھائی سنت ہے۔ اچھی بات ہے جاکر والدہ سے کہدو کہ رشتہ تلاش کریں۔

حضرت والاؒ کا نکاح

شروع بیان میں جہاں حضرت کا شجرۂ نسب ذکر کیا گیا ہے وہاں یہ عرض کیا جاچکا ہے کہ حضرت کی اہلیہ عبدالحی خاں صاحب مرحوم کی صاحبزادی تھیں اور دسویں پشت میں جناب سیف خاں صاحب پر جاکر حضرتؒ کی اہلیہ کا اور حضرت والا کا شجرہ مشترک ہوجاتا ہے۔ چنانچہ یہ عبدالحی خاں صاحب بھی فتحپور ہی رہا کرتے تھے اچانک انکا انتقال ہوگیا اور انھوں نے اپنے بعد اپنی بیوہ مسماۃ حبیب النساء اور دو لڑکیاں سراجاً اور جمیلہ نامی چھوڑیں۔ مرحوم کے بعد بیوہ کے لئے اپنے ساتھ ساتھ دو لڑکیوں کی پرورش اسوقت کے حالات کے لحاظ سے بہت دشوار تھی اس لئے وہ بھی بطور خود فکرمند تھیں اور دوسرے عزیز واقربا کو بھی خیال تھا کہ کیا صورت ہو کہ ان سب کے لئے دنیوی آسانیاں پیدا ہوں۔ چنانچہ حضرت والاؒ کے بڑے علاتی بھائی جناب حافظ عبدالعلیم صاحب نے عبدالحی خاں صاحب کے بعد انکی بیوہ کو پیغام نکاح دیا، لوگ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے جواب میں یہ کہا کہ اپنا خیال تو اب نکاح کرنے کا نہیں تھا اسلئے کہ یہ دونوں بچیاں مجھے بہت محبوب ہیں مگر ایک شرط پر منظور کرسکتی ہوں وہ یہ کہ مجھ سے وعدہ کیا جائے کہ لڑکیوں کی بھی پرورش کی ذمہ داری لی جائے گی اور انکو مجھ سے تابلوغ جدا نہ کیا جائے گا۔ حافظ صاحب مرحوم نے اس شرط کو منظور فرمالیا اور نکاح ہوگیا۔ حضرت اقدسؒ کا آبائی مکان تو مشترک

تھا ہی بھائی صاحب کی اہلیہ (گویا حضرت والا کی بھاوج حبیب النسار) ان دونوں لڑکیوں کو لیکر اسی مکان میں حضرتؒ کی والدہ کے پاس آگئیں ۔ رشتہ کا جوڑ توڑ لگانا تو عورتوں کا فطری مشغلہ ہی ہوتا ہے حضرت والاؒ کی والدہ نے اپنے دل ہی دل میں اسی وقت یہ طے کرلیا کہ ان لڑکیوں میں سے ایک کا نکاح (اگر منظور کریں گے تو حضرت والا سے کردیں گی ۔ چنانچہ جب حضرت والاؒ کیطرف سے نکاح کے لئے آمادگی کے آثار پائے تو ایک دن کہا کہ بابو ہم نے تمہارے لئے رشتہ تلاش کرلیا ہے حضرتؒ نے فرمایا کہاں؟ کہا جب گھر ہی میں لڑکی موجود ہے تو باہر جانے کی کیا ضرورت ہے ۔ اس سے حضرت والاؒ کو اجمالاً معلوم ہوگیا کہ ان ہی میں سے کسی سے نکاح کرنے کا والدہ کا خیال ہے ۔ خاموش ہوگئے ۔ گو خاندان کے لوگوں میں معمولی سا اختلاف بھی تعیین اور انتخاب کے سلسلہ میں رہا بالآخر پردہ غیب سے وہی وجود میں آیا جو نوشتۂ تقدیر تھا یعنی ان دونوں میں سے چھوٹی بہن محترمہ جمیلہ خاتون صاحبہ سے حضرت والاؒ کا نکاح ہوگیا ۔ حضرتؒ کی والدہ کو دونوں بہنوں میں سے یہی زیادہ پسند بھی تھیں ۔ لوگ کہتے ہیں کہ بہت شریف نیک مزاج، بے زبان اور بے ضرر خاتون تھیں ۔ دوسری بہن کا نام سراجًا خاتون تھا (راقم الحروف نے ان دونوں ناموں کو جب پہلی بار سنا تو معاً ذہن میں قرآنی آیت کا یہ ٹکڑا وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا آ گیا اب حقیقی وجہ تسمیہ تو معلوم نہ ہوسکی تاہم خیال ہوتا ہے کہ یہ خدائی الفاظ لوگوں کو پسند آگئے ہونگے اسوقت کچھ زیادہ پڑھے لکھے لوگ بھی نہ تھے مگر دیندار تھے اسلئے ان قرآنی الفاظ پر دل لٹو ہوگیا اور واقعی چونکہ معنی بھی اسکے بہت عمدہ ہیں اسلئے اسکا اثر لفظوں پر بھی پڑا ان لفظوں میں بھی بڑی کشش اور بڑا پیار معلوم ہوتا ہے اور چونکہ ذکر میں سراحًا پہلے ہے اس لئے بڑی بہن کا نام سراحًا رکھدیا پھر دوسری بہن کا نام اسی کے قرین جو لفظ تھا یعنی جمیلاً اسکی رو سے جمیلہ رکھدیا ۔ واللہ تعالیٰ اعلم) بیان کیا جاتا ہے کہ جب محترمہ جمیلہ خاتون تولد ہوئیں تو انکے والد جناب عبدالحیٔ خاں صاحب نے کہیں سفر میں جانا چاہا اور یہ خواہش ظاہر کی کہ ذرا اس نوزائیدہ بچی کو دیکھ لیں چنانچہ دیکھا اور

پیار کیا۔ اللہ کا کچھ کرنا ایسا ہوا کہ یہی انکی اول نظر تھی اور یہی آخری دیدار تھا کسی اچانک مرض کا شکار ہو گئے اور سفر آخرت فرمالیا۔ دونوں بہنیں چھوٹی ہی تھیں لیکن جمیلہ خاتون صاحبہ تو بہت کم سن تھیں بلکہ آغوش مادر ہی انکا گہوارہ تھا۔

حضرت والا رحؒ کی اولاد

انھیں مسماۃ جمیلہ بی بی سے ہمارے حضرتؒ کی چاروں صاحبزادیاں ہوئیں اولاد نرینہ کوئی نہ تھی، ان میں سب سے بڑی صاحبزادی صاحبہ مخدوم و مکرم جناب قاری محمد مبین صاحب خلیفہ و جانشین حضرت مصلح الامۃ نوراللہ مرقدہٗ کے نکاح میں ہیں اور ان سے چھوٹیؒ صاحبزادی کا نکاح حضرت قاری صاحب مدظلہٗ ہی کے ماموں زاد بھائی مولوی قمرالزماں صاحب سے ہوا۔ اور تیسری صاحبزادی کا عقد جناب قاری صاحب موصوف کے چچازاد بھائی مولوی نورالہدیٰ سلمہ اللہ تعالےٰ سے ہوا اور چوتھی اور آخری صاحبزادی کا نکاح جناب قاری صاحب قبلہ کے چھوٹے اور حقیقی بھائی مولوی ارشاد احمد صاحب سلمہ اللہ تعالےٰ سے ہوا۔ ان چاروں میں سے اول الذکر اور آخرالذکر دونوں (بہن صاحبہ) بحمداللہ موجود ہیں اور حضرت مصلح الامۃؒ کا تبرک اور انکی زندہ یادگار ہیں۔ اللہ تعالیٰ انکی عمر اور انکے اعمال صالحہ میں برکت عطا فرمائے۔ آمین۔ اور درمیانی دو بہنیں حضرت والا ہی کی حیات مبارکہ ہی میں چیچک کی ایک عام وبار کا شکار ہو کر ہم سب کو داغ فرقت دے گئیں اسی سلسلہ میں بہت سے علمار وقت اور مشائخ زمانہ نے حضرتؒ کے پاس تعزیتی خطوط ارسال فرمائے جنکو ناظرین نے (معرفت حق کے) گذشتہ صفحات میں کہیں کہیں ملاحظہ فرمایا ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت اقدس کے بڑھاپے میں پے درپے دو تین ہفتے کے اندر ان دو بڑے صدمات کا پیش آجانا منجانب اللہ ایک کڑی آزمائش تھی جسکو حضرت اقدس نے حق تعالیٰ ہی کی نسبت محبت اور تعلق کے سہارے جھیل لیا اور جمیلہ کی ان اولاد کے معاملہ میں فصبر جمیل کا کھلا نمونہ پیش فرمایا۔ اللہ تعالےٰ ان بہنوں کی مغفرت فرمائے

حضرت والاؒ کی اہلیہ مسماۃ جمیلہ خاتون صاحبہ کے ذکر کے سلسلہ میں یہاں انکی اولاد کا بھی ذکر یکجا طور پر آگیا ورنہ تو حالات کی ترتیب کی رو سے یہ سب بیان قبل از وقت مذکور ہو گیا ہے بہرحال عقد کے بعد حضرت والاؒ کے لئے اسی مکان میں سے ایک حصہ میں خلوت خانہ تیار کیا گیا اور حضرت والاؒ اپنی اہلیہ کے ہمراہ اسی میں رہنے لگے۔ مختصر سا مکان اس میں اسطرح سے رہنا اور آنا جانا کچھ حضرت والاؒ کے مزاج کے موافق نہ تھا لیکن کیا کرتے مجبوری تھی اور ادھر سر پر ایک شرعی ذمہ داری آجانے کے بعد نان و نفقہ کے فریضہ سے سبکدوشی کی فکر الگ بڑھ گئی انھیں سب مشکلات کے پیش نظر حضرت والاؒ ابھی نکاح کے لئے تیار نہ تھے مگر والدہ کا کچھ اصرار ایسا دیکھا کہ انکار نہ کر سکے۔ چنانچہ حضرت والاؒ اپنے مخصوص مزاج کے اعتبار سے ہم لوگوں سے کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ "میں تو یہ سمجھتا تھا کہ دنیا میں تین کام تو مجھ سے ہو نہیں سکتے۔ ایک تو نکاح (اور اسکے بعد پھر امور خانہ داری کا نظام بلکہ اسکا سارا جھگڑا) ۔ دوسرے مکان بنانا۔ چنانچہ میں یہ بھی سمجھتا تھا کہ مجھ سے یہ کام بھی نہ ہو سکے گا۔ تیسرے مقدمہ بازی، اس جھنجھٹ کو تو یوں سمجھتا تھا کہ مجھ سے تو یہ کام کسی طرح ہو ہی نہیں سکتا لیکن ع۔ من در چہ خیالم و فلک در چہ خیالست ۔ بالآخر ایک ایک کر کے مجھے سب ہی کرنا پڑا یعنی نکاح بھی ہوا بال بچے بھی ہوئے انکا نظم و انتظام بھی کرنا پڑا اور انکی بیماری آزاری سب ہی کچھ بھگتنا پڑی ۔ اور اپنا مکان بنوانا پڑا۔ پھر لوگوں کے اختلاف اور بات بات پر انکے لڑجانے کو دیکھکر اتنی بڑی لق و دق خانقاہ اور مسجد خود اکیلے کھڑے ہو کر بنوانی پڑی (اور وطن کے بعد پھر الہ آباد کی مسجد جو پہلے ڈھال والی مسجد اور اب حضرت مولانا کی مسجد کے نام سے مشہور ہے اسکو بھی حضرت اقدسؒ ہی نے پایۂ تکمیل کو پہونچایا اور بڑے اسٹیشن الہ آباد کی چھوٹی مسجد سنگ مرمر والی مسجد اختتام کو حضرت والاؒ ہی کے ہاتھوں پہونچی) ۔

اور سب سے آخر میں بستی کے لوگوں نے جو آپس میں نزاع کیا اور اس سلسلہ میں نوبت مقدمہ بازی کی پہونچگئی تو اس میں بھی جب میں نے دیکھا کہ ہمارے لوگ بالکل بدفہم کاہل اور مغفل ہیں اس طرح سے تو یہ لوگ نقصان اٹھا دیں گے تو باوجود قطعی مناسبت

نہونے کے بالآخر دخل دینا پڑا اور ہر وقت مخالفین کے حالات اور اپنے لوگوں کے معاملات سے چوکنا رہتا تھا اور سب کو تیقظ کے ساتھ کام کرنے کی ہدایت کرتا تھا اور خود اسکی نگرانی کرتا تھا۔ یوں گویا ایک طریقہ سے مقدمہ میں بھی شریک کیا گیا ورنہ تو مجھ سے اس معاملہ میں کوئی تعلق نہ تھا۔ اور میں نے اس واقعہ کے بعد وطن کو جو چھوڑا تو اسلئے کہ سمجھا کہ بھیا یہ لوگ نہایت نا قدرے ہیں انکے یہاں باہمی نزاع و جدال فتنہ و فساد یہی سب چیزیں انکا آبائی مشغلہ ہیں۔ دین و دیانت کی باتوں سے کوسوں یہ لوگ دور ہیں نہ اسکا انکو شوق ہے اور نہ اپنے اس زیاں کا احساس ہی ہے اسلئے تمھارا اس قوم کے ساتھ گذر دشوار ہے چلو تم انکو چھوڑ کر کہیں اور چلو اور چھوڑ دو انکو اور انکی بد اخلاقیوں کو جب اسکا یہ لوگ اچھی طرح مزہ چکھ لیں گے تب شاید آنکھ انکی کھلے تو کھلے اسلئے میں وہاں سے چلا آیا۔ آپ خود غور کیجئے کہ جہاں ایک شخص مدتوں اللہ و رسول کی باتوں کو بتا تا رہا ہو کیسے کیسے دل ہلا دینے والے مضامین کا جہاں برابر چرچا رہتا ہو وہاں مسلمان کی تلوار مسلمان کے اوپر اٹھے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس سے میں نے سمجھا کہ یہ جگہ رہنے کے لائق نہیں ہے اور چلا گیا ——— بہر حال جس جس چیز سے ڈرا اس میں بڑے پیمانہ پر مبتلا کیا گیا۔

(قصبۂ مبارک پور اعظم گڈھ کا قیام)

بعض حضرات سے اجمالاً اتنا معلوم ہوا تھا کہ حضرت والاؒ نے تھانہ بھون کے قیام کے بعد کچھ عرصہ مبارک پور میں بھی مدرسہ احیاء العلوم میں ہو کر درس و تدریس کا کام انجام دیا لیکن اسکی تفصیل نہ معلوم تھی، اور جب وہاں کے حالات لکھنے کا وقت آیا تو اللہ تعالےٰ نے اسکا بھی انتظام فرما دیا وہ یہ کہ ہمارے مدرسہ وصیۃ العلوم الہ آباد میں محترمی جناب مولوی اعجاز احمد صاحب اعظمی مدرس ہو کر آئے، آپ بھیرہ اعظم گڈھ کے رہنے والے ہیں فاضل دیوبند ہیں کچھ دنوں مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور میں بھی تعلیم حاصل کی ہے حضرت اقدس مصلح الامۃؒ کے بہت ہی زیادہ معتقد اور حضرتؒ کی تعلیمات کے عاشق ہیں انسے ذکر آیا تو انھوں نے فرمایا کہ میرا اب مبارکپور جانا ہوا تو میں اس کام کو انجام دونگا چنانچہ وہاں جانا ہوا تو مولانا وہاں کے مقامی حضرات سے اور حضرتؒ والا کے

بعض تلامذہ سے حاصل کرکے جو حالات لائے اسکو میں بعینہٖ انھیں کے لفظوں میں پیش کرتا ہوں، جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت والا مبارک پور میں دو بار تشریف لے گئے ایک مرتبہ نکاح سے قبل اور اس مرتبہ کافی قیام رہا اور دوسری بار نکاح کے بعد مع اہلیہ اور والدہ کے تشریف لے گئے، لیکن زیادہ دن نہ گذرے تھے کہ بعض حالات کی بنا پر مبارک پور کو خیرباد کہنا پڑا۔ آگے مولانا اعجاز احمد صاحب کا بیان ملاحظہ ہو۔

" مدرسہ عربیہ احیاء العلوم قائم ہوئے ایک عرصہ ہوگیا تھا اور ایک مدت تک باقاعدگی کے ساتھ اسکا نظام چلتا بھی رہا۔ پورہ معروف کے مولوی محمود صاحب اس میں پڑھاتے تھے۔ کچھ دنوں بعد بعض اساتذہ کے اختلاف سے بریلوی مکتب فکر کا ایک دوسرا مدرسہ کھل گیا اور اسکے نظام میں اختلال شروع ہوگیا تعلیمی باقاعدگی جاتی رہی جسکے باعث طلبہ میں انتشار پیدا ہوگیا۔ مولانا الٰہی بخش صاحب مرحوم نے حضرت مولانا پھولپوریؒ سے اسکی سرپرستی کی درخواست کی حضرت پھولپوریؒ مبارک پور تشریف لائے یہی سال حضرت مصلح الامت نور اللہ مرقدہٗ اور مولانا شکر اللہ صاحب مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ کی دیوبند سے فراغت کا تھا۔ مولانا شکر اللہ صاحبؒ تو مبارک پور تشریف لے آئے اور مدرسہ میں کام کرنا شروع کردیا اور ہمارے حضرت تھانہ بھون تشریف لے گئے مولانا پھولپوریؒ نے مولانا شکر اللہ صاحب کو "توضیح تلویح" پڑھنے کے لئے سیتاپور بھیج دیا اور تھانہ بھون سے حضرت والاؒ کو اور مولانا علی احمد صاحب کوئریا پاری کو یہاں بلالیا۔ اب احیاء العلوم کا نظام باقاعدہ جم گیا، طلبہ کی رجوعات بھی شروع ہوئیں۔ یہ زمانہ غالباً ۳۵ھ یا ۳۶ھ کا ہے حضرت مولانا یہاں پانچ سال مقیم رہے۔ چونکہ طبیعت میں استغناء اور توکل بہت تھا اور تاہل کی زندگی بھی شروع نہیں ہوئی تھی اسلئے تنخواہ بالکل نہیں لی محلہ دلہن پورہ کی مسجد کے حجرہ میں قیام تھا اور مولوی محمد صاحب کے والد قاری سمیع اللہ صاحب کے یہاں حضرتؒ کے کھانے کا انتظام تھا۔ محلہ والے

اپنی سعادت سمجھکر حضرتؒ کی خدمت کرتے رہے۔ اس محلہ میں نماز باجماعت کا پابندی کے ساتھ کوئی نظم نہیں تھا، جماعت کی نماز ہوتی تھی مگر یونہی سی، سب سے پہلے حضرتؒ نے اسکا باقاعدہ انتظام کیا۔ مولوی محمد صاحب کی روایت ہے کہ ہر نماز کے بعد حضرت سب کو دیکھتے تھے اور غیر حاضر لوگوں کا مواخذہ بھی فرماتے تھے۔ پھر تو ایسا نظم ہوا کہ اسوقت سے لیکر آج تک اس میں تغیر نہیں ہوا۔ اگرچہ وہ حضرتؒ کی بالکل ابتدائی عمر تھی مگر دیکھنے والے بتاتے ہیں کہ اسوقت بھی عجیب حالت تھی۔ رات کے نجانے کس حصہ میں اٹھکر مبارک پور سے ایک میل پچھم ایک پوکھرا (تالاب) ہے حضرت والاؒ وہاں چلے جاتے تھے، اسکے کنارے ایک چھوٹی سی مسجد ہے پوری رات اسی میں مصروف عبادت رہتے تھے۔ میں نے بھی وہ پوکھرا اور وہ مسجد دیکھی ہے عجیب سنسان علاقہ ہے، اب تو وہاں بھٹہ ہو گیا ہے ورنہ پہلے وہاں دن میں بھی جاتے ہوئے خوف و ہراس معلوم ہوتا تھا۔ ادھر لوگوں کا بہت کم گذر ہوتا تھا اس لئے ایسی خاموش اور سنسان فضا میں حضرتؒ تن تنہا رات کو اٹھکر نکل جاتے۔ اس میں کسی موسم کی تخصیص نہ تھی، جاڑا، گرمی، برسات، اندھیری، اجالی رات سب برابر تھی علی العموم آپ تشریف لیجایا کرتے۔ مولوی محمد صاحب کی روایت ہے کہ کبھی کبھی حضرت اسی تالاب میں غسل کرتے۔ بعض مرتبہ ایسا ہوا کہ غسل کیا اور وہیں عبادت میں صبح تک مصروف رہے اور فجر کی نماز کیلئے جب یہاں آئے اور ہمارا دروازہ کھلوایا تو سردی کی وجہ سے ٹھٹھرے رہتے تھے، تب فوراً قاری سمیع اللہ صاحب آگ جلاتے جب حضرتؒ آگ تاپ لیتے تب اس قابل ہوتے کہ فجر کی نماز پڑھا سکیں۔ مولوی محمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ اسوقت بھی حضرتؒ پر بہت جلد جلد کیفیات طاری ہوتی تھیں اور ہم لوگ اسکو محسوس کر لیتے تھے۔ چنانچہ اکثر ایسا ہوتا کہ آنکھیں بالکل شعلے کی مانند سرخ ہو جاتیں اور ایک زبردست ہیبت طاری ہو جاتی تھی۔ اکثر خاموش رہتے بس ایک دھن میں مست رہتے تھے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ قاری سمیع اللہ

صاحب اپنے کا دفانے پر بنتے ہوتے اور حضرتؒ انکے پاس بہت دیر دیر تک بیٹھے رہتے کبھی کوئی بات ہوگئی تو ہوگئی ورنہ خاموش اپنے ذکر وفکر میں لگے رہتے۔ اسوقت کا ایک عجیب واقعہ مولوی محمد صاحب سنا رہے تھے وہ یہ کہ ایک بار بہت سخت قحط پڑا پوری برسات گذر گئی مگر بارش کا ایک قطرہ زمین پر نہیں آیا، مخلوق پریشان تھی، تین دن تک نماز استسقاء پڑھی گئی، دعاء کی گئی، دو دن حضرت مولاناؒ نے دعاء کی اور ایک دن مولانا شکر اللہ صاحبؒ نے مگر بارش نہیں ہوئی۔ رضا خانیوں نے چرچا شروع کیا کہ دیوبندیوں نے تین دن تک سر پٹکا مگر بارش نہیں ہوئی اپنے لوگوں کو اس سے تکلیف ہوئی ایک دن حضرتؒ اپنی مسجد میں حجرے کیطرف منہ کئے بیٹھے تھے اور چند لوگ محلہ کے پاس بیٹھے تھے، مولوی محمد صاحب بھی موجود تھے، قاری سمیع اللہ صاحب نے کہا کہ مولانا صاحب! ایک بات کہنی ہے۔ حضرتؒ ہنسنے لگے اور فرمایا کہو! انھوں نے کہا کہ ڈر معلوم ہوتا ہے ہنستے ہوئے فرمایا کہ ڈر کی کیا بات ہے کہو۔ کہنے لگے کہ تین دن تک ہم لوگوں نے دعا کی مگر بارش نہیں ہوئی بریلوی لوگ طعنہ دے رہے ہیں۔ اتنا سننا تھا کہ حضرتؒ نے خاموش ہو کر گردن جھکالی اور تقریباً دس منٹ تک جھکائے بیٹھے رہے، معلوم نہیں رب کریم سے کیا راز ونیاز کی باتیں ہوئیں دس منٹ کے بعد جو سر اٹھایا تو کسی کی تاب نہیں تھی کہ آنکھیں ملا سکے آنکھیں بالکل سرخ انگارے جیسی، سب لوگ ہیبت زدہ ہوگئے قاری سمیع اللہ صاحب کو افسوس ہونے لگا کہ میں نے کیوں یہ سنا دیا۔ دو تین منٹ کے بعد جب اس کیفیت سے افاقہ ہوا تو فرمایا حافظ صاحب! اگر آسمان سے ایک قطرہ بارش کا نہ گرے اور اللہ تعالیٰ امرتی کھانے کو دیں تو کیا حرج ہے؟ یہی جملہ باربار فرمایا۔ اسوقت تو لوگوں کو کچھ محسوس نہیں ہوا مگر چند ہی روز بعد لوگوں نے مشاہدہ کر لیا کہ کاروبار جو بالکل ٹھپ تھا جب کھلا تو گھروں میں دولت پانی کی طرح بہنے لگی کپڑے کے جن تھانوں میں ساٹھ ستر روپیہ کی بچت ہوتی تھی ان میں پانچ پانچسو

کی بچت ہوئی مولوی محمد صاحب کا بیان ہے کہ گرمیوں میں رمضان پڑتا تھا پورے رمضان خوب پوچلی اچھے اچھے لوگوں کا پچھ کا چھوٹ جاتا تھا مگر دولت کی اتنی فراوانی تھی کہ شام کو انواع واقسام کے لذائذ میں روزمرہ کی کلفت لوگ بھول جاتے۔ دوپہر میں لوگ عرق گلاب کی پوری پوری بوتلیں پنیے بیٹھکوں میں چھڑک لیتے تھے تاکہ خوشبو اور ٹھنڈک سے پیاس کی حرارت میں کچھ سکون ہو۔ یہ حال تین سال تک رہا۔ اسی اثنا میں حضرت عارضی طور پر تھانہ بھون تشریف لے گئے گویا تین دن دعا اور تین سال تک اسکا ظہور ا س کے بعد انحطاط شروع ہوا۔ پھر کاروبار اپنی معمولی رفتار پر چلنے لگا بالآخر پانچ سال کے بعد حضرت مستقل تھانہ بھون تشریف ہی لے گئے اور دو سال مسلسل وہاں مقیم رہے۔ مولوی محمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضرتؒ کے چلے جانے سے پھر ہم لوگوں کی تعلیم خراب ہونے لگی میں نے اور مولوی حکیم عبدالباری مرحوم نے طے کیا کہ بھاگ کر سہارنپور چلے چلیں چنانچہ وہاں گئے مگر داخلہ کی گنجائش ختم ہوگئی تھی اسلئے وہاں داخلہ نہ ہوسکا ہم لوگوں نے سوچا چلو تھانہ بھون وہاں حضرتؒ سے ملاقات کرتے آویں، تھانہ بھون پہونچے وہاں حضرت سے ملاقات ہوئی بہت خوش ہوئے۔ حضرت تھانویؒ سے ملاقات کرائی اور بتایا کہ یہ میرے خاص دوستوں کے بیٹے ہیں۔ حضرت تھانویؒ نے باوجود ہم لوگوں کی نوعمری کے محض حضرتؒ کی رعایت سے ہم لوگوں کا بڑا اکرام کیا۔ دریافت فرمایا کتنے دن رہو گے ہم نے چھ دن بتایا حضرت نے فرمایا تم لوگ میرے مہمان ہو یہیں سہ دری کے سامنے رہنا کھانا یہیں آجایا کرے گا۔ چنانچہ تینوں وقت خوب عمدہ عمدہ کھانا گھر سے پک کر آجایا کرتا تھا۔ دوسرے دن ایک عجیب واقعہ پیش آگیا۔ جاڑے کا زمانہ تھا، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ وضو کرنے کے لئے بیٹھے۔ اور حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ کے

بہت زور وشور اور محویت کے ساتھ سنا رہے تھے پاجامہ کے نیچے کا کچھ حصہ زمین سے لگا ہوا تھا، ہمارے حضرتؒ نے لوٹے میں پانی اسطرح بھر اکہ ٹونٹی پر انگلی رکھدی جسکی وجہ سے اسکا منہ بند ہوگیا اور پانی گردن تک بھر دیا پھر حضرت نے خیال نہیں کیا اور ویسے ہی حضرت تھانویؒ کے پاس لاکر رکھا اب جو ٹونٹی چھوڑی تو پانی زمین پر بہنے لگا اور حضرت کا پاجامہ بھیگ گیا۔ حضرت تھانوی نے جب محسوس فرمایا تو بیساختہ منھ سے نکلا کہ آپ نے بڑی ایذا پہونچائی۔ انتو حضرت کے پیروں تلے کی زمین نکل گئی تھوڑی دیر تک حضرت تھانویؒ کچھ کچھ فرماتے رہے۔ عصر کی نماز کے بعد ہمارے حضرتؒ خطوط اصلاحی نقل کرنے کے لئے حضرت تھانویؒ کے پاس لینے گئے، حضرتؒ نے پھر کچھ فرمایا۔ مغرب بعد بھی کچھ فرمایا۔ حضرت پر اسکا ایسا اثر ہوا کہ پوری رات روتے ہی رہ گئے بالکل نہیں سوئے کسی طرح آنسو تھمنے ہی نہ تھے۔ مولوی محمد صاحب کہتے ہیں کہ ہم لوگ ٹھہرے تھے بچے اصلاح وغیرہ کو کیا سمجھتے، بڑی الجھن ہوئی کہ یا اللہ یہ کیا ہوگیا چھ دن ٹھہرنے کے لئے کہہ چکے تھے ورنہ جی میں آتا تھا کہ ابھی بھاگ چلیں خیر دوسرے دن قصہ رفع دفع ہوا اور بات ختم ہوگئی۔

دو سال کے بعد جب تھانہ بھون سے واپسی ہوئی تو حضرت تھانویؒ کے حکم سے نکاح کی سنت ادا کی اور اہل کے ساتھ فتحپور ہی رہنے لگے احیاء العلوم والوں نے موقع غنیمت سمجھکر حضرت سے پھر درخواست کی پہلا خط اس سلسلہ کا ۴۳ھ میں لکھا گیا مگر نجانے کن اسباب سے فوراً تشریف نہیں لاسکے اور صفر ۴۵ھ میں تشریف لائے اور مع اہل کے مقیم ہوئے رفیع اللہ چچا بھی ساتھ تھے اس بار بھی دکھن پورہ والوں نے کوشش کی مگر کوئی مکان مناسب نہیں مل سکا اسلئے مبارک پور کے جنوبی حصہ میں ایک مکان لیکر قیام پذیر ہوئے رجب ۴۵ھ تک پڑھاتے رہے

اسکے بعد کچھ کبیدگی ہوئی اور احیاء العلوم چھوڑ دیا۔ کبیدگی کی وجہ مولوی عبدالباری صاحب بیان کرتے تھے کہ شرح وقایہ کا سبق ہو رہا تھا۔ حیض و نفاس کے مسائل کا بیان تھا کسی بے باک طالب علم نے شوخی سے کوئی ایسی بات پوچھی جو تہذیب کے دائرہ سے باہر تھی حضرت بہت کبیدہ خاطر ہوئے۔ مولانا شکر اللہ صاحب اسوقت کلکتہ گئے ہوئے تھے بعض دوسرے لوگوں نے دوسری جگہ مدرسہ قائم کرنے کی بات سوچی، اور حضرت کی کبیدہ خاطری سے فائدہ اٹھا کر حضرتؒ کو اس مدرسہ میں تشریف لیجانے کے لئے آمادہ کر لیا لوگوں نے روکنا چاہا مگر نہ رکے وہاں بھی شاید ایک مہینہ سے زیادہ نہ رہے اور پھر فتحپور تشریف لے گئے۔ اسکے بعد مستقل قیام فتحپور ہی رہا ــــــ یہ پورا بیان مولوی محمد صاحب مبارکپوری کا ہے، جسے میں نے اپنے لفظوں میں منتقل کردیا ہے۔ قاری شمیع اللہ صاحب جنکے یہاں حضرتؒ کا قیام تھا مولوی محمد صاحب کے والد تھے انھوں نے حضرت سے شرح وقایہ تک پڑھا بھی تھا۔

مولوی اعجاز احمد صاحب سلمہٗ کا بیان ختم ہوا۔ مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ حضرت والا مبارکپور دوبار تشریف لے گئے پہلی مرتبہ تنہا تشریف لے گئے اور اسوقت زیادہ قیام رہا۔ اور دوسری بار پیرانی صاحبہ بھی ہمراہ تھیں لیکن اسدفعہ زیادہ دنوں قیام نہ فرما سکے اور وہاں سے تشریف لے آئے۔ چنانچہ رفیع اللہ چچا یعنی حضرت والاؒ کے برادر خورد بھی فرماتے تھے کہ ــ عقد کے بعد مولوی شکر اللہ صاحب مبارکپوری خود تشریف لائے اور حضرتؒ کو اپنے ہمراہ لے گئے اسدفعہ بھی دلہن پورہ کی مسجد کے حجرے میں حضرت والا کا قیام تھا اور قریب ہی کوئی مکان لیکر اہلیہ صاحبہ کو اسی میں رکھا تھا، حضرتؒ کی والدہ بھی ہمراہ تھیں مگر تھوڑے ہی دنوں کے بعد حضرت والاؒ گھر والوں کو وطن پہونچا آئے اور پھر خود تنہا رہنے لگے۔ اس محلہ میں حضرت تھانویؒ کے لوگ کافی تھے اس لئے وہاں کے لوگ اکثر حضرت کے پاس بھی آتے جاتے رہے

حافظ منیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو عرصہ تک کلکتہ میں بلگچھیا میں امام رہے اور حضرتؒ کے مجاز بھی تھے انھوں نے نیز مولانا مفتی نظام الدین صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند نے اور مولوی عبدالرحمٰن صاحب ہیجو اور مولوی یٰسین صاحب نے ان سب حضرات نے اسی مدرسہ میں حضرت والاؒ سے شرف تلمذ حاصل کیا، حضرت والاؒ کے محب اور محبوب تھے۔ حضرتؒ کو ان لوگوں سے یہاں بہت آرام ملا۔

رفیع اللہ چچا بیان کرتے تھے کہ مبارک پور میں بس مدرسہ میں پڑھانے جاتے اور وہاں سے آکر اپنی مسجد کے حجرہ ہی میں رہتے قصبہ میں کہیں آنے جانے کا معمول نہ تھا۔ ہاں کبھی کبھی جمعہ کو قصبہ میں بھی تشریف لیجاتے۔ ایک مرتبہ اعلان ہوا کہ فلاں جگہ قرأت ہوگی (اسوقت وہاں کبھی کبھی حفاظ اور قرار کی ایک محفل ایسی بھی ہوتی تھی کہ یہ لوگ جمع ہوجاتے اور باری باری تلاوتِ قرآن کرتے اس سے شرکاء محفل محظوظ ہوتے اور اپنے ایمان کو تازہ کرتے تھے) چنانچہ اعلان کے مطابق لوگ آئے اسکے بعد لوگوں نے حضرت والاؒ کو بھی دولہن پورہ سے بلوایا۔ مولوی حکیم الٰہی بخش صاحب مرحوم موجود تھے قصبہ کے بڑے شخص تھے حضرت والاؒ کو نہایت احترام سے ایک کرسی پر بٹھایا اور کارروائی محفل شروع ہوئی۔ سب سے پہلے پورہ معروف کے ایک قاری صاحب نے قرآن سنایا حضرت والا کرسی سے اتر کر نیچے بیٹھ گئے (غالباً اور لوگوں کا نیچے بیٹھنا نیز قرآن شریف کو جالساً علی الکرسی سننا حضرتؒ کے مزاج تواضع کے خلاف ہوا ہوگا اسلئے اکراماً للقرین واحتراماً للقرآن آپ بھی نیچے بیٹھ گئے) اسکے بعد قاری نعمت اللہ صاحب نے کوئی رکوع پڑھا جس میں قیامت کا بیان تھا۔ تلاوت قرآن پھر قیامت کا بیان اور قاری صاحب کی خوش الحانی سے پڑھنے نے ایک سماں باندھ دیا۔ حضرتؒ سنتے رہے سنتے رہے ——— بالآخر اثر ضبط سے باہر ہوگیا اور بڑی زور سے چیخ ماری اور گر گئے، لوگ پریشان ہوگئے قرأت موقوف کرنی پڑی یہاں تک کہ آرام کرسی پر لٹا کر حضرتؒ کو قیام گاہ پر لے آئے۔ سبحان اللہ! یہ حضرت اقدسؒ کے تعلق بالقرآن کا اثر تھا اور حقیقی اور اصلی حال یہی کہلاتا ہے جو اللہ والوں کو حاصل ہوتا ہے۔ ہم لوگ

اہل اللہ کے حالات سے واقف نہیں ہوتے انکو بھی اپنی ہی طرح سمجھتے ہیں اب یکھئے حضرت والاؒ اگر اس مجلس شریف میں شرکت سے انکار فرما دیتے تو لوگ معلوم نہیں کیا کیا خیال کرتے کہ دیکھئے صاحب تلاوت قرآن کی محفل تھی اس میں بھی نہیں آئے اسلئے اس قسم کی شرکت کو ان حضرات کی رائے پر ہی چھوڑ دینا چاہیئے اصرار نہیں کرنا چاہیئے۔ چنانچہ یہاں اصرار اور تقاضے کے ساتھ بلانے کا انجام آپ نے ملاحظہ فرما ہی لیا۔

بعض حضرات نے بیان کیا کہ مبارک پور میں جب حضرت والاؒ نے گھر کے لوگوں کو بلایا تو یہی مولوی عبدالرحمٰن صاحب بجنودجنکا ذکر اوپر آچکا ہے ان ہی کے مکان میں حضرت والاؒ نے انکو رکھا تھا۔ اسطرح سے علاوہ رشتۂ تلمیذی کے یہ لوگ بھی ان کے ساتھ تعلق خاص کی تھی۔ چنانچہ حضرت والا مولوی صاحب کو بہت مانتے تھے اور مولوی صاحب موصوف بھی مانند اپنے والد کے حضرت اقدسؒ سے محبت فرماتے تھے۔ تقسیم ملک کے بعد ڈھاکہ چلے گئے تاہم اصلاحی خط وکتابت برابر جاری رکھی اور تقریباً ہر سال دوسرے سال چند یوم کے لئے بھی حاضر ہوتے تھے۔ ایک موقعہ پر کچھ تنگی اور پریشانی کا دور چل رہا تھا کہ انھیں کی چھوٹی بچی نے خواب دیکھا کہ ایک بزرگ آئے ہیں اور بہت تسلی دے رہے ہیں کہ گھبراؤ نہیں یہ وقت جلد گذر جائے گا اور سو روپیہ کا نوٹ دیا کہ لو اسکو اپنے ابا کو دیدینا چنانچہ صبح کو اس بچی کے سرہانے سو کا نوٹ ملا اور مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے بچی سے ان بزرگ کا حلیہ پوچھا تو اس نے بعینہ وہی بتلایا جو ہمارے حضرت مصلح الامۃ کا تھا حالانکہ اس نے حضرتؒ کو دیکھا بھی نہیں تھا۔ راقم عرض کرتا ہے کہ اسطرح سے اللہ تعالےٰ نے حضرت والا کے ساتھ کئے ہوئے احسان کا دنیا میں یہ بدلہ عطا فرمایا۔ واقعی اللہ تعالےٰ اپنے ولی کے بارے میں بڑے غیور ہیں۔

رفیع اللہ چچا بیان کرتے تھے کہ جین پور میں ایک بزرگ تھے مولوی صدیق صاحب نقشبندی سلسلہ سے انکا تعلق تھا۔ مبارک پور میں ہمارے حضرتؒ کا اور انکا ساتھ رہا

وہ کہتے تھے کہ جب ہم اپنے شیخ کے یہاں ابتداءً گئے تو انھوں نے (ہمارے طور وطریق اور آداب کو دیکھکر) فرمایا کہ تم کسی شیخ کے یہاں رہ چکے ہو کیا۔ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں حضرت مولانا تھانویؒ کے ایک خلیفہ ہیں انکی معیت میں کچھ دنوں رہا ہوں سبحان اللہ! بقول حضرت سعدیؒ۔ ع۔ جمالِ ہمنشیں درمن اثر کرد۔ ہمارے حضرتؒ حضرت تھانوی قدس سرہ کے آداب سے متأدب ہوئے تو اللہ تعالےٰ نے ان کے فیض کا بھی تعدیہ فرمادیا جسکی خوشبو ان نقشبندی بزرگ نے فوراً محسوس فرمالی۔

ایک دفعہ مدرسہ احیاء العلوم میں مولانا شکر اللہ صاحب کے اہتمام سے بہت بڑا جلسہ ہوا حضرت مولانا مدنیؒ۔ مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ۔ مولانا عبدالحلیم صاحب فرنگی محلی اور حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری جیسے حضرات کی آمد تھی مولانا شکر اللہ صاحب حضرتؒ کے پاس مسجد پر آئے اور فرمایا کہ جلسہ میں آپکو بھی چلنا ہوگا (یہ اسلئے کہا کہ جانتے تھے کہ جلسہ جلوس میں شرکت حضرتؒ کے مذاق کے خلاف ہے) فرمایا کہ آپ تو جانتے ہیں کہ میں جلسہ وغیرہ میں کہاں شریک ہوتا ہوں ہاں مولانا مرتضیٰ حسن صاحب میرے استاد ہیں وہ بھی تشریف لائے ہیں ان سے ملاقات کیلئے چل سکتا ہوں۔ مولانا شکر اللہ صاحب نے کہا چلئے کسی لئے بھی چلئے۔ چنانچہ حضرت نے بھی جلسہ میں شرکت فرمائی۔ بعد میں جب مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کو معلوم ہوا کہ یہ محض آپکی وجہ سے آئے ہیں تو فرمایا کہ کیوں اصرار کیا میں خود ہی چلکر مل لیتا۔

(مبارک پور کے بعد کانپور میں تدریس)

مبارک پور میں جب قیام ترک فرمادیا تو اسکے بعد حضرت والا کانپور تشریف لیگئے وہاں ہادی حسن صاحب کی مسجد کے حجرہ میں قیام تھا وہیں مدرسہ عربیہ اشرف العلوم تھا حضرت والا اسی میں درس فرمانے لگے۔ طلبہ مسجد میں آجاتے تھے وہیں حضرت پڑھایا کرتے تھے۔ حاجی دلدار خاں صاحب جو کہ حضرت تھانویؒ کے خاص لوگوں میں سے تھے انکو ہمارے حضرت والا سے بڑی عقیدت اور حضرت کو بھی ان سے بڑی محبت تھی، وہ حضرتؒ کے پاس

ان دنوں بہت آیا کرتے تھے بلکہ تقریباً روزانہ ہی کا معمول تھا کہ ٹمٹم پر آتے اور اور حضرت والا کو لیکر کہیں چلے جاتے تھے۔ رفیع اللہ چچا بیان کرتے تھے کہ میں بھی حضرت مولانا کے ساتھ اس زمانہ میں کانپور ہی تھا، حضرت والا جاتے جاتے مجھ سے فرماتے کہ رفیع اللہ ذرا ٹہلنے کے لئے جارہا ہوں تم یہیں رہنا۔

عربی مدارس کے لئے اس زمانہ میں اختلاف تو کچھ لازم حال سا ہوگیا ہے۔ یہاں بھی اختلاف کی صورت رونما ہوئی اور اصلاح کے بعد مدرسہ کا نام جامعہ اسلامیہ رکھا گیا جو کہ محلہ قلی بازار کانپور میں واقع تھا۔ یہاں بھی حضرت والاؒ تھوڑا ہی عرصہ رہے۔ رفیع اللہ چچا بیان کرتے تھے کہ ایک دن حضرت مولاناؒ نے مجھ سے فرمایا کہ رفیع اللہ! حضرت مولانا تھانویؒ کانپور تشریف لارہے ہیں تم کسی سے کہنا نہیں میں یہاں ہونگا نہیں ہوسکتا ہے کہ حضرت کے ہمراہ ہی چلا جاؤں پھر جب میں یہاں سے چلا جاؤں تو تم بھی گھر چلے جانا۔ چنانچہ حضرت تھانویؒ تشریف لائے مولانا تو مسجد سے حضرتؒ کی خدمت میں چلے گئے، میں مسجد ہی پر رہتا تھا۔ مجھ سے فرمایا کہ کل صبح آجانا یہاں کوئی تقریب ہے صاحب خانہ نے مٹھائی تقسیم کی بھر بھر طشتری کو دی گئی مزید اعلان ہوا کہ برتن کے واپسی کی ضرورت نہیں ہے مع طشتری ہدیۂ خدمت ہے۔ حضرت والا نے اپنا حصہ بھی مجھے دیدیا اور اوقات درس میں مدرسہ آتے جاتے رہے۔ اسی درمیان میں (اب یہ تو معلوم ہوسکا کہ ہمارے مولاناؒ نے حضرت تھانویؒ سے کچھ اشارۃً کنایۃً اپنا خیال ظاہر فرمایا اسکے سننے کے بعد یا بدون اسکے ہی) حضرت مولانا تھانویؒ نے فرمایا وصی اللہ مجھے تم سے کچھ کام ہے تم بھی میرے ساتھ تھانہ بھون چلو سچ ہے ع۔ جام جہاں نماست ضمیر منیر دوست۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت تھانویؒ کے قلب میں حضرت والاؒ کا ارادہ مکشوف فرمادیا۔ جس دن حضرت تھانویؒ کی روانگی تھی مولاناؒ سے فرمایا کہ فلاں وقت بڑے اسٹیشن پر کھانے کا انتظام ہے آپ بھی وہیں آجائیے گا اور حاجی دلدار خاں صاحب سے فرمایا کہ اتنے ٹکٹ ہمارے ہونگے (ہمارے حضرتؒ کا ٹکٹ بھی اس شامل تھا) سب لوگ موجود تھے مولوی عبدالستار صاحب مدرسہ کے بڑے مدرس تھے ان سے کسی نے

کہا آپ کو خبر ہے مولوی وصی اللہ صاحب بھی یہاں سے چلے انکا بھی ٹکٹ لیا جا رہا ہے اب آپ ہی اس سلسلہ میں کچھ کیجئے۔ انھوں نے کہا پھر اب کیا کیا جائے ؟ لوگوں نے کہا کہ مولوی عبدالمجید صاحب کو واسطہ بنائیے۔ انھوں نے کسی عنوان سے حضرتؒ سے عرض کیا کہ یہاں مولوی وصی اللہ صاحب کی ضرورت ہے اور سنا ہے کہ وہ بھی آپ کے ہمراہ جانے کا ارادہ رکھتے ہیں یہ گفتگو انھوں نے دسترخوان پر عرض کی اور ہمارے مولاناؒ حضرت تھانویؒ کے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے کھانے سے فارغ ہونے کے بعد حضرت تھانویؒ نے ان مولوی صاحب سے فرمایا کہ آپ سے مطلب آپ اس مسئلہ میں کیوں پڑتے ہیں اور آپ سے کس نے کہا ہے ؟ ایک تو حضرتؒ سے کہتے ہی کی کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی پھر جب حضرتؒ کی ناراضگی اور مواخذہ دیکھا تو سب دم بخود رہ گئے۔ اور ہمارے حضرت، حضرت مولانا کے ہمراہ تھانہ بھون چلے آئے۔ اس دفعہ تھانہ بھون میں خاصا قیام رہا۔ مدرسہ امداد العلوم میں تدریس اور مسجد خانقاہ کی امامت بھی حضرت مولاناؒ نے سپرد فرمادی۔

زمانۂ قیام کان پور ہی کا وہ واقعہ ہے کہ مولانا عبدالسمیع صاحب سے ملاقات ہوئی اور انھوں نے کچھ کلمات حضرتؒ کی تعریف کے خود حضرتؒ سے فرمائے۔ پورا واقعہ "قیام دیوبند" میں ضمناً آچکا ہے۔

جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں حضرتؒ کے حالات جمع کرنے میں ہم کو بڑی مشکلات پیش آئیں کیونکہ ایک جگہ اور ایک صاحب سے تمام مواد مل نہ سکا۔ ان کے جمع کرنے اور تلاش میں بہت تعب اور مشقت اٹھانا پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ واقعات میں بھی ترتیب کا التزام نہ ہو سکا بلکہ بعض واقعہ جو زماناً موخر تھا مقدم ہوگیا۔ اسی قبیل سے حضرتؒ والا کے یہ حالات ہیں جو پورہ معروف سے متعلق ہیں اور مشفقم مولوی محمد نعمان صاحب معروفی کی کوششوں سے ہم تک پہونچے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انکو انھیں کے الفاظ میں (بتغییر یسیر) پیش کردوں۔ اللہ تعالےٰ ان کو اس سعی پر اجر عطا فرماویں۔

(حضرت مصلح الامۃؒ اور پورہ معروف)

حضرت اقدس شاہ فتحپوریؒ اپنے عنفوان شباب میں جس وقت کہ حضرت کا ابتدائی زمانہ تھا سب سے پہلے ایک مرتبہ جناب قاری عبدالکریم سے ملاقات کی غرض سے پورہ تشریف لائے (قاری صاحب موصوف حضرت تھانویؒ کے مسترشدین میں سے تھے اسی نسبت سے مولانا ان سے ملنے تشریف لائے۔ حسن اتفاق کہ حضرت کی ملاقات بستی میں پہلے ایک دوسرے مخلص سے ہوگئی جن کا نام نامی تھا الٰہی بخش صاحب (یہ میرے پردادا تھے اور حضرت تھانویؒ سے تعلق رکھتے تھے) یہ صاحب پورہ معروف کے دیندار لوگوں میں شمار ہوتے تھے حضرت والاؒ نے ان سے قاری عبدالکریم صاحب کا مکان دریافت فرمایا اس پر پردادا مرحوم نے پوچھا کہ آپ کی انکی ملاقات کہاں کی ہے، اور آپ کہاں سے تشریف لا رہے ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ میں فتحپور تال نرجا سے آرہا ہوں اور ان سے میری ملاقات تھانہ بھون کی ہے۔ تھانہ بھون کے تو یہ حضرت عاشق ہی تھے نام سنتے ہی کہا کہ آپ میرے ہمراہ غریب خانہ پر تشریف لے چلئے پھر میں آپ کو قاری صاحب کے گھر پہونچا دونگا۔ چنانچہ حضرت کو اپنے گھر لے گئے اور جو کچھ خاطر مدارات کر سکتے تھے کی اور اسکے بعد قاری صاحب کے مکان پر پہونچا دیا۔ الٰہی بخش مرحوم سے حضرت اقدس کی اس سے پہلے کہیں کی ملاقات نہیں تھی لیکن انکے اس حسن اخلاق اور محبت کا حضرتؒ کے قلب پر بہت اثر پڑا اسلئے ان سے ایک تعلق سا ہو گیا پھر انکے لڑکے حاجی یار محمد صاحب مرحوم (جو راقم کے دادا تھے اور حضرت پھولپوریؒ سے بیعت تھے) وہ برابر فتحپور جاتے تھے انکو حضرتؒ سے بھی بڑا تعلق اور لگاؤ تھا۔ غرض الٰہی بخش صاحب مرحوم کے اس حسنِ خلق کا اثر یہ ہوا کہ حضرت والاؒ برابر پورہ معروف آتے جاتے تھے اور کبھی کبھی دو دو تین تین دن مسلسل وہیں قیام فرماتے اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ تشریف لاتے اور چند گھنٹے قیام کرکے کہتے چلو الٰہی بخش فتحپور چلو۔ اور کبھی ایسا ہوتا کہ دونوں حضرات فتحپور جاتے ہوتے اور راستہ ہی سے واپس ہو جاتے لوگ دیکھتے کہ حضرتؒ تو پورہ ہی

میں رونق افروز ہیں

پورہ معروف کی آمد و رفت کے وقت میں یہاں کے بڑے بڑے اور سربرآوردہ قسم کے لوگ تقریباً سبھی حضرت اقدس کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے اور ایک زبردست عالم اور بزرگ کا سا برتاؤ حضرت کے ساتھ کرتے تھے، حتیٰ کہ مولانا محمود صاحبؒ جو یہاں کے زبردست عالم اور حضرت اقدس سے عمر میں بھی بہت بڑے تھے وہ بھی حضرت کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔

حضرت کی جوانی کا زمانہ تھا اور فتحپور سے پورہ معروف کی مسافت بھی تین میل سے کم ہی ہے اسلئے حضرت کو آنے جانے میں کسی قسم کی دشواری اور تردد نہیں ہوتا تھا اور چونکہ ہر محلہ کے تقریباً بڑے بڑے حضرات حضرت اقدسؒ سے بزرگانہ تعلق رکھتے تھے اور محبت کرتے تھے اسلئے دوسرے محلّوں میں بھی آمد و رفت کا سلسلہ رہتا تھا لیکن قیام زیادہ تر الٰہی بخش صاحب مرحوم ہی کے یہاں رہتا تھا۔ الفضل للمتقدم کے قاعدہ سے بھی اور اسلئے بھی کہ اسوقت حسن اتفاق سے ایک قطعہ مکان بھی مرحوم کے پاس فاضل تھا اسی میں حضرت کا قیام رہتا تھا۔ اندرونی حصہ میں دو کمرے اور باہر ایک دالان تھی اکثر تو دالان ہی میں رہتے تھے لیکن جب خلوت اور تنہائی چاہتے تھے تو اندرونی حصہ میں تشریف رکھتے تھے جہاں ایک تخت پر بستر لگا رہتا تھا اسی پر حضرت آرام فرمایا کرتے تھے چونکہ سادگی کا زمانہ تھا اسلئے کسی قسم کا کوئی تکلف نہیں تھا اور نہ حضرتؒ ہی کو کوئی تکلیف معلوم ہوتی تھی۔ والد محترم مولانا ہدایت اللہ صاحب کا بیان ہے کہ دوپہر کے وقت جب حضرت آرام فرماتے تو کواڑوں کے سوراخوں کو بھی بند کرا دیا کرتے تھے اور اکثر اوقات خلوت و تنہائی میں گذارتے تھے لیکن کبھی کبھی جب لوگ جمع ہو جاتے تو وعظ و نصیحت بھی فرما دیا کرتے تھے۔

حاجی عبدالغفور شاہ صاحب (جو حضرت پھولپوریؒ سے بیعت تھے اور ہمارے حضرتؒ کے یہاں بھی باجازت حضرت پھولپوریؒ بکثرت آیا کرتے تھے) کا بیان ہے کہ اکثر ہم لوگ بعد نماز عشاء حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور حضرت کبھی کبھی بزرگوں کے

حالانکہ ہم لوگوں کو سناتے دوران گفتگو میں اگر کوئی شخص سونا حضرتؒ اسکو فوراً تنبیہ فرماتے اور قابل گرفت باتوں پر گرفت فرمایا کرتے تھے جسکی وجہ سے وہ حضرات جو حضرتؒ کی صحبت کا اہتمام رکھتے تھے ان کے حالات بہ نسبت دوسرے لوگوں کے بہت اچھے اور نمایاں تھے۔ چنانچہ ہمارے محلہ پانسہ میں تین شخص کا نام آج بھی لوگ لیا کرتے ہیں۔ ایک تو بھی الٰہی بخش مرحوم، دوسرے میاں جی کریم بخش مرحوم، تیسرے میاں جی جمن مرحوم۔ راقم الحروف نے ان بزرگوں کو دیکھا ضرور ہے مگر ان کے حالات چشم دید نہیں ہیں کیونکہ اس وقت میری عمر بہت ہی کم تھی۔

اور انہی بات تو آج بھی دیکھ رہا ہوں کہ جن لوگوں کا تعلق حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے تھا انکے خاندان میں دینداری بہ نسبت دوسرے خاندانوں کے زیادہ ہے اور جن لوگوں نے حضرت اقدسؒ کی خدمت کا فیض حاصل کیا انکی اولاد میں بھی کافی اثر رہا۔ چنانچہ میاں جی جمن مرحوم کے صاحبزادے مولانا نظام الدین صاحب مرحوم ایک بڑے ہی نیک انسان اور بہت ہی عمدہ قرآن پڑھنے والے اور جمعہ کے امام تھے، اور راقم الحروف پر بے حد شفقت کرنے والے تھے۔ دوسرے جناب قاری ظہیر الدین صاحب مد ظلہ العالی جن کے والد محترم حافظ رحیم بخش صاحب کا انتقال قاری صاحب کے بالکل بچپنے ہی میں ہوگیا (جو غالباً حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلقین میں سے تھے اور بہت نیک اور دیندار تھے) اسلئے قاری صاحب موصوف کی کفالت کی ذمہ داری تمام تر میاں جی کریم بخش مرحوم ہی کے سر پڑی۔ انھیں نے قاری صاحب موصوف کی پرورش کی اور انکو حفظ و قرأت اور درس نظامی کی تعلیم دلائی۔ قاری صاحب موصوف حضرت اقدسؒ کے متعلقین میں سے ہیں اور عیدین کے امام اور بہت ہی نیک انسان ہیں۔ اطال اللہ حیاتہ۔

رہے الٰہی بخش مرحوم تو اللہ تعالیٰ کے انعامات انکی اولاد پر بھی کچھ کم نہیں چنانچہ انکے صاحبزادے حاجی یار محمد صاحب بہت حاضر جواب بہت ہی منصف مزاج، تہجد گذار اور نیک انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انکی اولاد میں بھی بہت کچھ دینداری عطا فرمائی ہے اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ناچیز کو جو تھوڑی بہت دین کی توفیق حاصل ہے اور تھوڑا بہت جو دین کا حصہ ملا ہے وہ حضرت اقدسؒ ہی کی برکت ہے

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ جس مکان میں قیام فرماتے تھے گذشتہ سال مرشدی و مولائی حضرت قاری محمد مبین صاحب دامت برکاتہم بھی ایک روز اس میں رونق افروز ہوئے اور فرمایا کہ یہ مکان تو ہم لوگوں کے رہنے کے لائق ہے (حضرتؒ کی برکت سے سکون اور انوار ابتک موجود ہیں) واقعی اس مکان میں زمانۂ دراز تک خیر و برکت کا اثر ظاہر ہوا۔ اور جس مسجد میں حضرتؒ نماز پڑھتے تھے آج بھی اس میں سکون و اطمینان زیادہ محسوس ہوتا ہے اور اس میں اذان و جماعت کا انتظام بہت اچھا ہے۔ الغرض جن لوگوں نے حضرتؒ کو پہچانا انھوں نے حضرتؒ کی ذات بابرکات سے بہت کچھ فائدہ حاصل کیا اور جنھوں نے بے ادبی کی اسکا انجام بد اسی دنیا میں انھیں دیکھنا پڑا۔ اسی گستاخی اور بے ادبی کے سلسلہ کا ایک واقعہ اپنے والد محترم اور بعض دوسرے لوگوں سے سنا ہے کہ ایک شخص نے (جبکہ حضرتؒ نماز پڑھکر مسجد سے نکل رہے تھے) حضرتؒ کا ہاتھ پکڑ لیا اور بعض نامناسب باتیں بھی کہیں چونکہ وہ شخص طاقتور اور پہلوان بھی تھا اسلئے دو آدمیوں کے چھڑانے سے جاکر ہاتھ چھوٹا۔ وہاں سے حضرت ہمارے پرانے مکان یعنی اپنی جائے قیام پر تشریف لائے اور دیر تک ایک نیم کے درخت کے نیچے ٹہلتے رہے اور زبان سے کچھ کہا نہیں لیکن اللہ تعالیٰ اہل اللہ کی بے ادبی اور گستاخی کی سزا تو اکثر دنیا ہی میں دیدیتے ہیں اور اسکا انجام بد لوگوں کو دکھا دیتے ہیں۔ چنانچہ لوگوں نے دیکھا کہ کسی وقت تو وہ شخص طاقتور اور پہلوان تھا اور اسی پہلوانی اور طاقت کے زعم میں ایک ولی کا ہاتھ گستاخی کے ساتھ پکڑ لیا تھا اور اسکی بے ادبی کی تھی اور ایک دن وہ بھی آیا کہ در در کی گدائی کرنی پڑی' الغرض آخر عمر میں اسکو بہت کچھ تکلیف اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔ اور یہی واقعہ نجیبت سبب بنا حضرتؒ کی آمد و رفت کے انقطاع کا پورہ معروف سے۔ اور یہ سب حالات حضرتؒ کے ابتدائی دور کے ہیں جبکہ حضرتؒ کی آمد و رفت تھانہ بھون برابر جاری تھی اور غالباً ابھی خلافت بھی نہیں ملی تھی۔

اسی سلسلہ کا ایک دوسرا واقعہ بھی ہے کہ ایک شخص نے حضرتؒ کے ایک مسترشد سے فتحپور جانے آنے کے بارے میں کچھ اونچی نیچی باتیں کیں اور یہ کہا کہ اسکے یہاں کیا جاتا

ہے اسی طرح کے اور کچھ گستاخانہ الفاظ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں کہے جسکا نتیجہ یہ دیکھنا پڑا کہ اسی روز ایک شخص نے اسکو دوڑایا اور وہ گر پڑا اور اسکا ایک ہاتھ ٹوٹ گیا۔ اور باوجود دوا علاج اور دیگر تدابیر کے پھر بھی وہ ٹھیک نہ ہو سکا یہ ہے انجام اللہ تعالیٰ کے ولی کی شان میں گستاخی کرنے کا۔ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو اپنے اولیاء کی بے ادبی اور گستاخی سے محفوظ رکھیں اور انکی محبت ہمارے قلوب میں پیوست فرمائیں اور انکے طریقہ پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ ابتدائی زمانہ میں حضرتؒ کی آمد ورفت پورہ معروف میں بہت زیادہ رہی اور حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ بھی گاہے ماہے تشریف لایا کرتے تھے اسلئے پورہ معروف کے بکثرت افراد حضرت تھانویؒ اور حضرت پھولپوریؒ اور ہمارے حضرت فتحپوریؒ کے متعلقین میں سے ہیں۔

ایک بات اور یاد آئی کہ ہم لوگوں کے زمانۂ طالبعلمی میں محلہ اسلام پورہ کی مسجد کا سنگ بنیاد رکھنے کے سلسلہ میں حضرت اقدسؒ یالکی پر تشریف لائے تھے اور اپنے مبارک ہاتھوں سے پہلی اینٹ حضرتؒ ہی نے رکھی۔ اور پھر کچھ وعظ و نصیحت اور دعا فرمائی اور پھر فتحپور تشریف لے گئے۔ یہ حضرت اقدس کی پورہ معروف کے ایک نئے محلہ میں سب سے آخری تشریف آوری تھی۔ آہنی بات تو آج بھی دیکھی جاتی ہے کہ اس مسجد میں نمازی غالباً یہاں کی ہر مسجد سے زیادہ ہیں اور اس محلہ میں حفاظ کی تعداد بھی ہر محلہ سے زائد ہے۔ یوں حالات زمانہ کی وجہ سے بگاڑ اور خرابی تو ہر جگہ ہی پیدا ہو گئی ہے تاہم یہاں حضرتؒ کے تعلق کا اب بھی بہت کچھ اثر ہے۔ بہرحال بزرگوں کا تعلق فائدہ سے خالی نہیں اور انکی بے ادبی اور گستاخی موجب خسران اور رسوائی ہے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

حضرت فتحپوریؒ رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری اکثر صبح کو بعد نماز فجر کبھی ناشتہ کر کے اور کبھی بغیر ناشتہ کے بھی ہوتی تھی اور کبھی فجر کی نماز یہیں آکر پڑھتے تھے اور اکثر حضرتؒ ہی امامت بھی فرمایا کرتے تھے اور لمبی لمبی سورتیں طوال مفصل کی پڑھا کرتے

تھے۔ اور کبھی کبھی دوپہر کو بعد نماز ظہر تشریف لاتے اور روانگی اکثر شام کو بعد نماز عصر ہوتی تھی اور کبھی کبھی بعد نماز مغرب بھی تشریف لیجاتے تھے۔ جب شام کو تشریف آوری ہوتی تو اکثر شب میں قیام بھی فرمایا کرتے تھے اور صبح کو بعد نماز فجر اور کبھی کبھی بعد نماز تہجد بھی روانہ ہو جاتے تھے۔ اسی طرح تہجد پڑھکر کبھی فتحپور سے بھی تشریف لاتے تھے۔ ایک مرتبہ بعد نماز مغرب حضرت یہاں سے فتحپور کے لئے روانہ ہو گئے ادہر نماز تراویح ہو رہی تھی، اسی روز تراویح میں ایک عجیب واقعہ بھی پیش آگیا۔ امام تراویح کہیں کچھ بھول گئے کسی صاحب نے لقمہ دیا انھیں کے خاندان کے ایک صاحب نے نماز ہی کی حالت میں یوں کہہ دیا کہ " بابا ایسے نہیں ایسے اس پر لوگوں کو ہنسی آگئی۔ ادہر حضرترح بھی پیچھے کیطرف موجود تھے فوراً لوگوں کے سامنے آکر ڈانٹنا شروع کر دیا۔ یہ منظر دیکھکر لوگ سناٹے میں پڑ گئے اور تعجب ہوا کہ آخر حضرت تو فتحپور چلے گئے تھے اتنی جلدی کہاں سے واپس آگئے اور یہ کہ خلاف عادت ایسا کیوں ہوا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ حضرترح یہاں سے فتحپور روانہ ہوئے اور پردادا الٰہی بخش مرحوم بھی ساتھ تھے فتحپور پہونچنے کے تھوڑی ہی دیر بعد پھر حضرت نے فرمایا کہ الٰہی بخش چلو پورہ معروف چلیں، بس پورہ معروف کیلئے روانہ ہو جاتے۔ گویا فتحپور سے پورہ معروف آنے جانے میں حضرترح کو کسی قسم کا تعب نہیں ہوتا تھا۔

حضرترح کو پورہ معروف سے فتحپور پہونچانے کے لئے اکثر دو تین آدمی ساتھ جاتے تھے میاں جی کریم بخش صاحب مرحوم اور دادا حاجی یار محمد صاحب مرحوم اور حافظ عبدالغفور شاہ صاحب۔

والد محترم کا بیان ہے کہ حضرت نے دو مرتبہ میرا امتحان بھی لیا ہے۔ ایکمرتبہ مدرسۂ معروفیہ میں اور ایک مرتبہ گھر ہی پر بوستان کا اور یہ فرمایا کہ یہ کتاب تو بڑوں کو پڑھانے کی ہے کیونکہ مضمون تصوف سے پُر ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جب کانپور میں تشریف فرما تھے اسی وقت والد محترم حضرترح کی خدمت میں قدوری وغیرہ پڑھتے تھے اور حضرت اسوقت کرنل گنج میں حاجی سلام الدین صاحب کے والد محترم حاجی نظام الدین صاحب

مرحوم کی مسجد کے جنوبی حصہ والے کمرہ میں اوپری حصہ میں قیام فرماتے تھے اور اسی کمرہ میں درس بھی دیتے تھے۔ دو بنگالی لڑکے بھی حضرتؒ کے یہاں پڑھتے تھے، غالباً حمد اللہ وغیرہ پڑھتے تھے۔ وہ دونوں لڑکے دوسری مسجد میں رہتے تھے۔ وہاں بھی ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے حضرتؒ کے مزاج کا کچھ اندازہ لگتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرتؒ جس مسجد میں نماز پڑھتے تھے وہاں ایک بنگالی طالب علم امامت کیا کرتا تھا وہ قرآن غلط پڑھتا تھا حضرتؒ نے حاجی نظام الدین صاحب سے فرمایا کہ آپ کے امام صاحب قرآن بہت غلط پڑھتے ہیں انسے کہئے کہ قرآن درست کریں مگر حاجی صاحب مرحوم نے کوئی توجہ نہیں دی۔ ہفتہ عشرہ گذرنے پر حضرت وہاں سے دوسری مسجد منتقل ہو گئے جب میں صبح کو پڑھنے کے لئے گیا تو حضرت وہاں نہیں ملے معلوم ہوا کہ قریب ہی کسی دوسری مسجد میں چلے گئے ہیں۔ وہاں پر مسجد کے قریب ہی ایک چھوٹا سا مکان تھا جس کے اوپری حصہ میں دو کمرے اور ایک چھوٹا سا صحن بھی تھا اسی میں حضرتؒ رہنے لگے اور وہاں بھی درس کو جاری رکھا۔ والد محترم کا بیان ہے کہ میرے خیال میں اسوقت حضرتؒ کی ضروریات کے کفیل حاجی نظام الدین صاحب ہی تھے۔

(احقر جامی عرض کرتا ہے کہ یہ صحیح ہے کیونکہ میں نے بچشم خود دیکھا کہ جب کانپور کے حضرات الہ آباد تشریف لاتے مثلاً حاجی سلام الدین صاحب یا حاجی جمال الدین صاحب یا اسی محلہ کے کوئی اور صاحب تو حضرت انکا خاص لحاظ اور خیال فرماتے تھے ایسا کہ دوسروں کے ساتھ معاملہ نہوتا تھا۔ اس پر ایک دن حضرتؒ نے خود فرمایا کہ بھائی یہ لوگ میرے محسن ہیں میں انکے گھر پر کانپور میں رہا ہوں۔

اور حاجی سلام الدین صاحب اس زمانہ کا ایک واقعہ بھی بیان کرتے تھے کہ کانپور میں فساد ہو گیا تھا، کرفیو لگ گیا، لوٹ مار شروع ہو گئی، مخالفین نے آگ لگا دی ہم لوگوں کے مکان کے قریب، سب لوگ بیحد پریشان ہوئے حضرتؒ سے آکر عرض کیا، حضرت نے کچھ پڑھکر ہر چہار طرف دم کرنا شروع کیا اور فرمایا کہ گھبراؤ نہیں ادھر آگ کا اثر نہ ہوگا چنانچہ واقعی دیکھا گیا کہ آس پاس شعلے اٹھ رہے تھے ہمارا خطہ مامون و محفوظ رہا۔

اور وہی حاجی سلام الدین صاحب یہ کہتے تھے کہ خود ہمارا دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ ایک دن والدہ نے کہا کہ مولانا صاحب کا کھانا لیجاؤ بچپن کی شرارت میں نے کہا بھائی سے کہو وہ لیجائیں۔ بھائی نے کہا سلام الدین سے کہو اس تکرار میں حضرتؒ کو کھانا ہی نہ جا سکا والد صاحب جب آئے تو والدہ نے صورت حال بیان کی تو فوراً کھانا لیکر گئے مولانا خفا ہوئے اور کھانا واپس فرما دیا، والد صاحب نے پورا واقعہ بیان کر دیا کہ حضرت لڑکوں کیوجہ سے ایسا ہوا میرے گھر میں بھی شرمندہ ہیں اور میں بھی معذرت خواہ ہوں۔ خیر حضرتؒ نے پھر کھالیا اسکے بعد والد صاحب نے ہم دونوں بھائیوں سے الگ الگ حضرتؒ سے معافی منگوائی ہے۔ (احقر حاجی کا بیان ختم ہوا آگے مولوی نعمان صاحب لکھتے ہیں کہ)

والد محترم دوبارہ جب کانپور تشریف لے گئے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ اسوقت مدرسہ اشرف العلوم میں مدرس تھے، اسوقت پورہ معروف کے چار پانچ طالبعلم اور بھی رہتے تھے اور اسوقت حضرتؒ کے استاد محترم مولانا محمد عثمان صاحبؒ صدر مدرس تھے ایک طالبعلم ذرا جری اور گستاخ تھے کبھی کبھی حضرتؒ سے ملنے کے لئے دوپہر میں جایا کرتے تھے اگر کبھی ایسا اتفاق ہوا کہ حضرت کمرہ میں تشریف فرما نہیں ہیں تو وہ طالبعلم حضرت ہی کی چارپائی پر سو گئے اور حضرت جب تشریف لائے تو نیچے ہی آرام فرمایا اور ایک دوسرے شخص کے ذریعہ کہلایا کہ مولوی صاحب سے کہدو کہ مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ اسکا لحاظ رکھیں۔

ایکمرتبہ والد محترم فتحپور جا رہے تھے ساتھ میں دو اور مولوی صاحبان بھی تھے ایک تو نہایت دیندار دوسرے ذرا بیباک اور جری۔ ادھر حضرت ہی کے یہاں جا رہے ہیں اور تصوف کا مذاق بھی اڑا رہے ہیں۔ والد صاحب نے فرمایا کہ مولوی صاحب ساری باتوں کا جواب مجلس میں چلکر سننا پڑے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس روز حضرتؒ کا بیان مجلس میں اسی سلسلہ میں ہوا اور حضرتؒ نے فرمایا کہ جب کسی بزرگ کے یہاں جاؤ تو عقیدت اور ادب کے ساتھ جاؤ ورنہ بجائے فائدہ کے نقصان ہوگا۔

ایک مولوی صاحب جو حضرت تھانویؒ سے بیعت تھے اور اطراف فتحپور کے

ایک قصبہ کے مدرسہ میں مدرس تھے اور ہمارے حضرتؒ کے زیر تربیت تھے، انکا واقعہ ایک صاحب نے والد محترم سے نقل کیا کہ ایک مرتبہ مولٰنا مرحوم کے یہاں مہمانوں کی آمد کچھ زیادہ ہوئی اور تنگدستی کی حالت تھی، ایک صاحب فتحپور جارہے تھے انکے توسط سے مولٰنا صاحب نے حضرت کیخدمت میں سلام کہلا بھیجا اور دعا کی درخواست کی کہ حضرت دعا فرمائیں اسوقت مہمانوں کی آمد زیادہ ہے۔ چنانچہ گرمی کا زمانہ تھا مولوی صاحب مرحوم دوپہر کو اپنی جائے قیام پر آرام فرمارہے تھے کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا، مولوی صاحب مرحوم نے اندر سے آواز دی کون ہے؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ دروازہ کھولو۔ مولوی صاحب نے دروازہ کھولا تو ہکا بکا رہ گئے، حضرت نے فرمایا کہ لو یہ گٹھری ہے اسمیں کچھ غلہ ہے جب یہ ختم ہوجائے تو اطلاع کرنا، پریشانی کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اور بیٹھے بھی نہیں فوراً واپس تشریف لائے۔

ایک مولوی صاحب کا بیان ہے کہ اکثر مجھے پریشانی اور تنگدستی رہتی تھی جب فتحپور جاتا تو فوراً سکون و اطمینان ہوجاتا تھا۔ ایک مرتبہ کئی وقت کا فاقہ تھا تو حضرتؒ نے بغیر کچھ کہے ہی دس۱۰ روپیہ کا نوٹ دیا اور فرمایا کہ ابھی گھر چلے جاؤ اور فوراً مجھے واپس فرمادیا۔ انھیں مولوی صاحب کا بیان ہے کہ ایک آدمی حضرتؒ کے یہاں تھوڑا سا قلمی آم لیکر گئے اور سوچا کہ جب سب لوگ ہٹ جائیں گے تو پیش کرینگے کیونکہ تھوڑا ہونے کیوجہ سے انکو شرم معلوم ہوئی تھی۔ اتفاق سے مجلس میں حضرت نے فرمایا کہ جب پیر کے یہاں جاؤ تو خوب زیادہ چیزیں لیکر جاؤ کیونکہ پیر کا پیٹ بڑا ہوتا ہے۔

اسی طرح ایک واقعہ پورہ معروف ہی کا ہے، ایک عورت کو دورہ پڑتا تھا اور بہت ہی شدید دورہ پڑتا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب ختم تب ختم۔ اس کے شوہر سے محمد سلیم صاحب مرحوم نے (جو حضرت تھانویؒ سے بیعت تھے اور حضرت فتحپوریؒ کے عاشق زار تھے اور بکثرت فتحپور جایا کرتے تھے) فرمایا کہ ارے مولانا کے یہاں جاکے دعا وغیرہ کرالے تو بہت دن سے پریشان ہے۔ چنانچہ خاص الکشن کے روز (جس دن کہ لوگ ووٹ کے پیچھے دیوانے ہوجاتے ہیں) وہ فتحپور حضرتؒ کے یہاں حاضر ہوا۔ حضرتؒ نے پوچھا کہ کیسے آئے ہو

اور کہاں سے آئے ہو؟ چنانچہ اس نے بتایا کہ میں پورہ سے آیا ہوں اور حضرتؒ کی ملاقات کے لئے آیا ہوں۔ اس پر حضرتؒ خفا ہوئے اور فرمایا کہ پورہ میں حضرت کہاں ہیں (غالباً یہ اس لئے فرمایا کہ اسوقت کچھ ایسی فضا تھی کہ لوگ بالعموم سیاسیات میں منہمک تھے اور حضرتؒ اس سے الگ تھلگ رہنا چاہتے تھے) اور فرمایا کہ جس ضرورت کے لئے آؤ اسکو فوراً بتاؤ۔ چنانچہ مولوی بشیر احمد صاحب کو پاگنجی سے فرمایا کہ انکو نیچے لے جاؤ اور پوچھو کہ کس لئے آئے ہیں (چونکہ وہ پہلی دفعہ حضرتؒ کے یہاں گیا تھا اسلئے ہمت نہیں پڑتی تھی کہ کچھ کہے) نیچے آکر مولوی صاحب موصوف کے دریافت کرنے پر کہا کہ میرے گھر میں اکثر دورہ پڑتا ہے اور ایسی ایسی کیفیت رہتی ہے دعا کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ اس پر حضرتؒ نے فرمایا کہ بس یہی تو پوچھ رہا تھا کہ کیسے آئے ہو؟ خیر حضرت نے پانی پڑھکر دیا اور دعا فرمائی۔ اور اسکی پریشانی دیکھکر یہ بھی فرمایا کہ جاؤ گھبراؤ نہیں وہ اس مرض میں انشاء اللہ مرےگی نہیں چنانچہ پھر اسوقت سے آجتک اسکے دورہ نہیں پڑا۔ سچ ہے ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

ایک مرتبہ چچا خلیل احمد صاحب کہیں بھاگ کر چلے گئے تھے۔ انکے ہمراہ ایک اور شخص بھی تھے کچھ دنوں بعد وہ گھر واپس آگئے اور بتلایا کہ خلیل احمد بغیر ٹکٹ کے آرہا ہے یہ سنکر دادا صاحب کو بڑی پریشانی ہوئی فوراً والدِ محترم سے فرمایا کہ جاؤ جاکر حضرت مولانا سے دعا کراؤ اور صورتِ حال بتلا دینا۔ والدِ محترم نے جب حضرت کے سامنے اسکا تذکرہ کیا تو حضرت نے فرمایا کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے وہ آتا ہوگا چنانچہ والد صاحب جب مکان پہونچے تو چچا صاحب آچکے تھے اور کچھ تحفہ وغیرہ بھی لائے تھے غالباً کوئی پھل تھا۔ دادا مرحوم نے والد صاحب کو اطلاع کرنے کے لئے حضرت کیخدمت میں بھیجا اور فرمایا کہ تھوڑا سا پھل حضرت کیخدمت میں بھی لیتے جاؤ۔ چنانچہ والدِ محترم نے فتحپور پہونچکر حالات بیان کئے اور پھلوں کا تحفہ حضرت کی خدمت میں پیش کیا تو حضرت بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ میں تو کہہ ہی رہا تھا کہ وہ آتا ہوگا۔

ایک مرتبہ دادا مرحوم کو پتھری کی شکایت ہوگئی تھی اور اکثر درد ہوتا تھا۔ دوا علاج سے کوئی خاص نفع نہ ہوا تو ایک دن حضرت کی خدمت میں عرض کیا حضرت نے سر پر ہاتھ رکھکر فرمایا کہ جاؤ انشاء اللہ ٹھیک ہو جاؤ گے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ یار تمہرو دعا تو وہی ہے جو دل سے نکلتی ہے ویسے تو میں دعا کرتا ہی رہتا ہوں۔ چنانچہ تہجد کے وقت دادا مرحوم اٹھے اور استنجا کے لئے بیٹھے تو پیشاب کے ساتھ وہ پتھری نکل گئی پھر کبھی درد نہیں ہوا۔

والد محترم کا بیان ہے کہ حضرتؒ کی دعوت اکثر لوگ کیا کرتے تھے لیکن طبعی طور حضرتؒ کو دعوتوں میں جانا پسند نہ تھا محض لوگوں کی دلجوئی کی خاطر چلے جاتے تھے اور فرماتے جاتے کہ الٰہی بخش فلاں جگہ دعوت میں جا رہا ہوں مگر کھانا آپ ہی کے یہاں کھاؤنگا۔ حضرتؒ کے خصوصی تعلقات ویسے تو پورہ معروف کے تقریباً سبھی بڑے بڑے حضرات سے تھی لیکن الٰہی بخش مرحوم سے کچھ ایسا تعلق تھا کہ گویا رشتہ ناتہ کا بلکہ گھریلو معلوم ہوتا تھا، اور جس چیز کی خواہش ہوتی تھی بے تکلف ظاہر فرما دیا کرتے تھے غالباً اسکی وجہ یہی ہے کہ سب سے پہلے پورہ معروف میں حضرتؒ کا ورودِ مسعود الٰہی بخش مرحوم ہی کے گھر ہوا اور یہ کہ الٰہی بخش مرحوم حضرتؒ کے نزدیک بہت مخلص ثابت ہوئے پھر جب حضرتؒ نے پورہ معروف کی آمد و رفت بالکل بند فرمادی تھی تب بھی ان حضرات کو جو حضرت کے قدر دان تھے بہت ہی مانتے تھے چنانچہ الٰہی بخش مرحوم جب فتحپور آنے جانے سے معذور ہو گئے تو حضرت نے غایت محبت میں کہلوا بھیجا کہ میں فلاں مقام تک آجاؤنگا الٰہی بخش سے کہو کہ وہاں آکر ملاقات کریں مگر پردادا مرحوم نے اسکو گوارا نہیں کیا اور کسی نہ کسی طرح فتحپور تک پہونچ ہی گئے۔ یہ تھی آخری ملاقات حضرتؒ سے الٰہی بخش مرحوم کی۔

ان حالات سے اندازہ ہوا کہ حضرت والا کو پورہ معروف سے بعض مخلصین کیوجہ سے خاص تعلق تھا اور ایک زمانہ ایسا بھی گذرا ہے کہ گویا حضرتؒ کا ایک قدم پورہ معروف رہتا تھا اور ایک قدم فتحپور۔

پورہ معروف میں کل پانچ پورے شامل ہیں (۱) محلہ بانسہ جہاں سب سے پہلے حضرتؒ کی آمد ہوئی اور جہاں کے رہنے والے الٰہی بخش مرحوم و میاں جی کریم بخش مرحوم و میاں جی جمن مرحوم تھے جنکا تذکرہ پہلے کر چکا ہوں (۲) محلہ بلوہ: جہاں کے رہنے والے مولانا محمد محمود صاحب مرحوم نبیرہ مولانا محمد طاہر صاحب مرحوم اور حافظ حبیب اللہ صاحب مرحوم اور مولانا محمد یٰسین صاحب مرحوم اور محمد سلیم صاحب مرحوم تھے (۳) محلہ پارہ: جہاں کے سربرآوردہ اور زمیندار اور دولتمند حاجی ثناء اللہ صاحب مرحوم و حاجی عبدالمجید صاحب تھے (۴) پرانا پورہ: یہاں بھی ایک گھرانا حضرتؒ کا ماننے والا تھا لیکن حضرتؒ کے آنے جانے کے سلسلہ میں اس محلہ میں کوئی معلومات مجھے نہیں ہو سکی (۵) نیا پورہ: یہاں بھی جانے کے متعلق ناچیز کو کوئی معلومات حاصل نہیں ہے۔ البتہ اتنا معلوم ہے کہ استاذ محترم حضرت مولانا عبدالستار صاحب مدظلہ، شیخ الحدیث ندوۃ العلما لکھنؤ اور انکے برادر خورد حضرت مولانا عبدالجبار صاحب مدظلہ العالی شیخ الحدیث مدرسہ شاہی مرادآباد، یہ دونوں حضرات حضرت فتحپوریؒ کے شاگرد ہیں اور اسی محلہ کے باشندہ ہیں۔ بہرحال پورہ معروف کے ہر محلہ کے بڑے بڑے لوگ حضرتؒ کو بڑی ہی اچھی نظر سے دیکھتے تھے حالانکہ حضرتؒ عمر میں بہت حضرات سے بہت ہی کم تھے۔ اسوقت سب سے بڑی ہستی پورہ معروف میں مولانا محمد محمود صاحب کی تھی جو زمیندار اور علمی گھرانے کے تھے چنانچہ مولانا موصوف بھی ایک جید عالم، ماہر طبیب اور ایک مدبر انسان تھے اور جو کچھ کہدیتے تھے لوگ ماننے کے لئے فوراً تیار ہو جاتے تھے اور یہ کہ عمر میں حضرتؒ سے بڑے ہونے کے باوجود حضرتؒ کا بہت احترام فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی نے مولانا محمود صاحب کی معرفت حضرتؒ سے کچھ کہلوانا چاہا تو موصوف نے فرمایا کہ بھائی میری ہمت نہیں پڑتی کہ میں ان سے یہ بات کہوں۔ حافظ حبیب اللہ صاحب مرحوم جو ایک جید حافظ قرآن اور خادم قرآن تھے حضرتؒ انکے یہاں بھی بکثرت جایا کرتے تھے اور ملاقات کر کے فوراً واپس چلے آتے اور فرماتے کہ حافظ صاحب آپکی طرح بکثرت تلاوت قرآن کرنے والا اور قرآن کی خدمت کرنے والا کم ہی لوگوں کو میں نے پایا ہے۔ اسی محلہ بلوہ ہی کے رہنے والے

مولانا محمد یٰسین صاحب مرحوم بھی تھے جو مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور میں حضرت کے زیر درس رہ چکے تھے حضرتؒ سے بیعت بھی ہوئے اور مجاز بھی ہوئے مولانا موصوف اکثر باہر بسلسلہ تدریس رہا کرتے تھے اور جب چھٹیوں میں مکان پر تشریف رکھتے تھے تو فتحپور آمدورفت بکثرت رہا کرتی تھی چنانچہ میں نے خود موصوف کو اپنی آنکھوں سے فتحپور آتے جاتے دیکھا ہے۔ مولانا مرحوم حضرتؒ کی طرح پستہ قد تھے اور بڑے خوبصورت انسان تھے اور حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ کے شاگرد رشید تھے نیز عمر میں حضرتؒ سے کچھ ہی چھوٹے رہے ہونگے۔ گویا حضرتؒ کے ہمعصر تھے پھر بھی حضرتؒ کے شیدائی ثابت ہوئے اور یہ کہ حضرت کے خلیفۂ مجاز بھی ہوگئے لیکن چونکہ حضرتؒ کے یہاں کا معاملہ اسقدر مخفی رہتا تھا کہ اسکی خبر نزدیک والوں کو بھی مشکل سے ہوتی تھی اسلئے یہ بات مشہور نہ ہوسکی۔ خود راقم الحروف کو بھی انکے مجاز بیعت ہونے کے بارے میں شبہ تھا اسلئے مولانا مرحوم کے صاحبزادہ مولوی محمد عزیز صاحب کی خدمت میں پہونچا تاکہ معلوم کروں کہ اسکی حقیقت کیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے ایک خط کا ٹکڑہ دکھلایا جو بہت چھوٹا تھا میں نے بچشم خود اس میں لکھا ہوا دیکھا کہ تین برس سے زیادہ ہوا میں نے ایک عریضہ میں لکھا تھا کہ ابتک کسی کو بیعت نہیں کیا ہے اور نہ ہمت ہوتی ہے۔ اتنی عبارت تو میں نے خود اپنی آنکھ سے دیکھی ہے۔ اور بعض دوسرے لوگوں سے بھی معلوم ہوا کہ حضرتؒ نے انکو اجازت دی تھی لیکن تھوڑے ہی دنوں میں موصوف کا انتقال ہوگیا (انکے صاحبزادے مولوی محمد عزیز صاحب جو حضرت کے مرید بھی ہیں انھوں نے فرمایا کہ میں اس خط کا پورا مضمون آپکو لکھوا سکتا ہوں ابتک وہ میرے حافظہ میں محفوظ ہے۔ الفاظ کا شاید کچھ فرق ہوگا چنانچہ انھوں نے لکھوایا۔

خط مولوی محمد یٰسین صاحب بنام حضرت مصلح الامۃؒ

حال: حضرت شیخی ومولائی دامت برکاتہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج مبارک تین برس سے زیادہ ہوا کہ میں نے ایک عریضہ میں لکھا تھا کہ ابتک کسی کو بیعت نہیں کیا ہے

اور نہ ہمت ہوتی ہے۔ مگر طالبین کا اصرار رہتا ہے کہ میں انھیں بیعت کروں۔ لیکن اب بھی ہمت نہیں ہوتی اور جب کوئی طالب آتا ہے اور بیعت کی درخواست کرتا ہے تو مجھے ندامت ہوتی ہے کہ یہ محض حسن ظن سے کہہ رہا ہے اسکو میرے باطن کی کیا خبر لیکن پھر خیال ہوتا ہے کہ بجائے بیعت کے صرف کچھ تعلیم کردوں اور کچھ روز کے بعد بشرط استطاعت حضرت کے پاس لاؤں اور حضرت اسکو بیعت فرمالیں (تحقیق: ٹھیک ہے) ــــ حال: لیکن بعض ایسے طالبین ہیں جو مالی وسعت نہیں رکھتے انکے لیئے خیال ہوتا ہے کہ انکو بیعت کرہی لوں۔ کیونکہ اگر ایسے ہی انکار کرتا رہا تو طریق کے مسدود ہوجانے کا خطرہ ہے (تحقیق: تعلیم کے بعد طریق مسدود کیسے ہوگا) حال: اب مکرر حضرت والا سے درخواست ہے کہ جب ایسے طالبین آئیں تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟ (تحقیق: اجازت کے بعد ہمت نہونے کی کیا وجہ البتہ یہ ضرور ہے کہ صرف دنیادار ہی رہ گئی ہے اپنا اپنا حال ہر شخص خود بہتر جانتا ہے)۔ یہ خلاصہ ہے حضرت کے خلیفۂ مجاز مولانا محمد یٰسین صاحب مرحوم کے ایک خط کا جو اکرہ سے انھوں نے حضرتؒ کی خدمت میں ارسال فرمایا تھا جسکو انکے صاحبزادے مولوی محمد عزیز صاحب نے اپنی یادداشت سے لکھوایا ہے۔ ایک بات اور مولوی صاحب موصوف نے مجھے لکھوائی وہ یہ کہ حضرت فتحپوری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں میں نے دو تین بار یہ جملہ سنا ہے کہ " آنے کو تو میرے پاس بہت سے لوگ پورہ سے آئے مگر کچھ کام کیا تو مولوی یٰسین نے "

حضرت فتحپوریؒ مولانا یٰسین صاحب مرحوم کے مکان پر تشریف لائے ہیں اور مولانا مرحوم کی زوجہ جو بقید حیات ہیں حضرتؒ ہی سے بیعت ہیں اور حضرت حافظ حبیب اللہ صاحب مرحوم کے مکان پر بسا اوقات تشریف لاتے تھے رات کے اوقات میں تشریف لاتے اور چپکے سے حافظ حبیب اللہ صاحب مرحوم سے ملاقات کرکے چلے جاتے اور فرماتے کہ آپ جیسا کلام مجید کی تلاوت و خدمت کرنیوالا کم ہی ملے گا۔ مولانا یٰسین صاحب مرحوم کے صاحبزادے مولوی محمد عزیز صاحب حضرتؒ سے ملاقات کرنے کیلئے بارہا فتحپور اور الہ آباد گئے ہیں حتیٰ کہ ایک مرتبہ ڈیڑھ مہینہ قیام رہا جبکہ مولانا ابوالحسن علی

صاحب ندوی اور مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئی بھی تشریف لائے تھے۔ ایک ہفتہ تک حضرت فتحپوریؒ نے مولانا ابرار الحق صاحب سے مجلس کرائی تھی۔ مولوی محمد عزیز صاحب نے یہ بھی بتلایا کہ میں جب بھی حضرتؒ کے پاس گیا حضرتؒ نے فرمایا کہ تم آیا کرو تم کو دیکھکر تمھارے والد کی یاد تازہ ہوجاتی ہے

مولوی محمد عزیز صاحب کا ایک لڑکا ہے جو الحمدللہ بہت ہی ذہین اور سمجھدار ہے اسوقت راقم الحروف کے زیر تدریس ہے اور مدرسہ اشاعت العلوم پورہ معروف میں تعلیم حاصل کر رہا ہے کل پندرہ سولہ سال کی عمر ہے حافظ قرآن ہے اور شرح وقایہ کی جماعت میں شامل ہے پورے مدرسہ میں ویسا کوئی طالبعلم نہیں ہے اللہ تعالیٰ اسکو عالم باعمل اور جید الاستعداد، صالح اور دیندار بنادے کیا عجب ہے کہ خداوند کریم کی یہ عنایات اس لڑکے پر حضرت اقدس ہی کے تعلق کی برکت سے ہوں۔ بہرحال اس گھرانے کا تعلق بھی حضرت اقدس سے کافی رہا ہے۔

پورہ معروف کے قریب ایک موضع سروان ہے جہاں راجپوتوں کی چھاونی ہے وہاں پر کچھ مسلمان بھی آباد تھے ایک مرتبہ حضرت اقدس مبارکپور سے پورہ معروف تشریف لارہے تھے، جمعہ کا دن تھا راستہ میں دیر ہوگئی اور راستہ بھول گئے اور اسی موضع سروان کی چھاونی پر پہونچ گئے۔ ایک راجپوت رام کمار نامی کے یہاں قیام فرمایا۔ اس نے حضرتؒ کی بڑی خاطر کی اور بہت آرام پہونچایا، چونکہ حضرت کو معلوم نہیں تھا کہ یہاں مسلمانوں کی بھی ایک بستی ہے اسلئے شب کو وہیں رہ گئے اور صبح کو ہمارے محلہ میں تشریف لائے، غالباً اسوقت سروان کی آمدورفت نہیں تھی اسلئے حضرت نے راجپوتوں کے یہاں قیام فرمایا تھا ورنہ تو بعد میں چل کر حاجی عبدالاول صاحب کے والد مرحوم منشی دلال صاحب (جو فتحپور میں پرائمری اسکول میں مدرس تھے اور منشی دلال صاحب کے لقب سے مشہور تھے) انکا بھی حضرت اقدس سے کافی تعلق ہوگیا تھا اور حضرت بھی انکو بہت مانتے تھے اور مولوی دلال صاحب مرحوم بھی پورہ معروف کے ایک دیندار اور صالح انسان شمار کیے جاتے

غالباً اس موضع سرواں میں اسوقت اتنا دیندار شخص کوئی دوسرا نہیں تھا۔ انکی دینداری کا اثر بہت کچھ انکے صاحبزادے حاجی عبدالاول صاحب کے اندر بھی پایا جاتا ہے اب موضع سرواں کے لوگ ایک دوسری جگہ آکر آباد ہوگئے ہیں جو اس موضع کے بالکل جانب مشرق میں ہے اور جو اسلام پورہ کے نام سے موسوم ہے۔ وہاں ایک ہی مسجد ہے جسکی بنیاد حضرت اقدس کے مبارک ہاتھوں سے رکھی گئی ہے۔ بنیاد رکھنے کے موقع پر حضرت وہاں پالکی سے تشریف لائے تھے۔ غالباً یہ وہ وقت تھا جب مولانا عبدالرؤف صاحب مرحوم اور مولانا عبدالقیوم صاحب مدظلہ کوپا گنجی اور مولانا عبدالستار صاحب مدظلہ ہمارے مدرسہ میں مدرس تھے اور ہم لوگ انکے زیر تعلیم تھے۔ بہرحال حضرتؒ کی آمد و رفت بقول حاجی عبدالاول صاحب موضع سرواں میں بھی بکثرت تھی اور یہ کہ وہاں کے راجپوت بھی حضرتؒ کا کافی احترام ملحوظ رکھتے تھے۔ اور وہ بھی انکو ایک فقیر اور اپنی زبان میں ایک سادھو انسان سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرتؒ موضع سرواں میں حاجی عبدالاول صاحب کے مکان پر بہت سویرے تشریف لائے حاجی صاحب کے والد مرحوم ناشتہ کا انتظام کرنا چاہتے تھے کہ حضرتؒ نے فرمایا شب کا باقی ماندہ کھانا لاؤ وہی کھاؤں گا ناشتہ بنوانے کی کوئی ضرورت نہیں اور مصر ہوگئے بالآخر وہی شب کا باقی ماندہ طعام تناول فرمایا۔ حاجی صاحب کا بیان ہے کہ حضرت نے سرواں میں نماز تراویح بھی پڑھی ہے خود میں نے دیکھا ہے۔ جب حضرتؒ سرواں جاتے تو اکثر راجپوتوں کے یہاں بھی تشریف لے جایا کرتے تھے اور ٹھیرتے تھے موضع سرواں کے متصل اسوقت ایک جنگل بھی تھا ایک مرتبہ حضرتؒ وہاں تسبیح ہاتھ میں لئے پڑھ رہے تھے کسی غیر مسلم عورت نے دیکھا مسلمانوں کو آکر خبر کیا لوگ حضرتؒ کی تلاش میں پہونچے مگر حضرتؒ وہاں سے روانہ ہوچکے تھے اور ملاقات نہیں ہوسکی۔ مولوی دلال صاحب حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے اور بکثرت فتحپور حضرت اقدس کے یہاں جایا کرتے تھے۔

حضرت اقدس کے عقد نکاح میں والد محترم اور دادا مرحوم اور پردہ معروف

کے بہت سے حضرات شریک تھے حضرت نے ان لوگوں کی دعوت فرمائی تھی۔

ان تمام واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ پورہ معروف کے لوگوں کا حضرت سے حضرت رح کے ابتدائی دور میں خصوصی تعلق تھا، اور یہ کہ اس مرد خدا کو جو آگے چلکر اپنے وقت کا قطب ہونیوالا تھا اور اپنے زمانہ کا یکتا مصلح اور یہ کہ جس کے سامنے بڑے بڑے چوٹی کے علما و صلحا زانوئے ادب تہ کرنے والے تھے اسکو پورہ معروف کے دور بیں اور مردم شناس لوگوں نے پہلے ہی پہچان لیا تھا اور یہ کہ اچھی طرح پہچان لیا تھا ایسا کہ انکی اولاد کو اس تعلق کی برکات بہت کچھ نصیب ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو حضرت کی تعلیمات اور حضرت کے خلفائے بالخصوص حضرت قاری صاحب مدظلہ کی صحبت بابرکت سے زیادہ سے زیادہ مستفیض ہونیکی توفیق عطا فرمائے اور اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

یہ سب واقعات جو معرض تحریر میں آئے پورہ معروف کے بہت سے لوگوں سے ملنے اور ان سے پوچھنے پر معلوم ہوئے۔ ع گر قبول افتد زہے عز و شرف۔"

محمد نعمان المعروفی

مولوی محمد نعمان صاحب معروفی سلمہ نے پورہ معروف سے متعلق جو حالات حضرت والا کے انکے علم میں آسکے تھے مجھے لکھے تھے وہی سلسلہ چل رہا تھا یہاں آکر انکا بیان ختم ہوا۔ راقم عرض کرتا ہے کہ ایک واقعہ پورہ معروف ہی کے آنے جانے کے وقت کا مجھ سے حضرت رح کے بعض اعزہ نے بیان کیا، عبدالباری بھائی جو حضرت کے بھتیجے ہیں کہتے تھے کہ حضرت والا کبھی کبھی پورہ معروف جاتے وقت مجھے بھی ہمراہ لے لیتے تھے میں چھوٹا بچہ تھا وجہ یہ تھی کہ راستہ میں (غیر مسلموں کی) چھوٹی آبادی جسکو اس طرف پُروا کہتے ہیں پڑتی تھی اور راستہ آبادی کے بیچ سے ہو کر جاتا تھا۔ دیہات کی عورتوں میں بالخصوص غیر مسلموں کی نیچ قوم کی عورتوں میں خواہ بوڑھی ہوں جوان ہوں کچھ حیا و شرم تو ہوتی نہیں سردیوں میں اپنے اپنے دروازہ پر باہر دھوپ میں نکلکر نیم عریاں بھی بیٹھی رہتی تھیں اور باہم خوب ہنسی ٹھٹھا کرتی ہوتی تھیں

سر سینہ بازو حتی کہ ران تک انکی کھلی ہوتی تھی، اب اس راستہ سے گذرنا حضرت کے لئے قیامت سے کم نہ تھا اسلئے حضرت یہ کرتے تھے کہ جب ایسا مقام قریب آتا تو مجھ سے فرماتے کہ عبدالباری تم آگے آگے چلو اور میری لاٹھی پکڑ لو اور اسکا پیچھے کا سرا خود حضرت پکڑ لیتے اور اپنی آنکھیں بند کر لیتے جس طرح سے نابینا لوگ چلا کرتے ہیں یہی برابر حضرتؒ کا معمول تھا۔ جب اس جماعت کے پاس سے گذرتے تو وہ باہم ایک دوسرے سے کہتی تھیں کہ ہے ہے دیکھو تو بابا کیسے اچھے ہاتھ پاؤں کے ہیں اور بیچارے اندھے ہو گئے ہیں۔ حضرتؒ آگے بڑھکر مجھ سے فرماتے کہ عبدالباری تم نے سنا وہ سب کیا کہہ رہی تھیں؟ کم بخت میرے اندھے ہونے پر ترس کھا رہی تھیں یہ نہیں جانتیں کہ اسکا سبب ہم ہی لوگ تو ہیں۔

اب دیکھئے اس واقعہ سے اندازہ ہوا کہ اوائل عمر ہی سے اسوقت تک حضرتؒ نے اپنے اوپر کس طرح سے مجاہدۂ اختیاری کو مسلط کر رکھا تھا۔ یوں تو اللہ تعالیٰ نے بہت سے مواقع پر حضرت والا کو خود خلاف شرع امور سے محفوظ رکھا اور یہ معاملہ حضرتؒ کے ساتھ بچپن ہی سے ہوتا رہا۔

شفیع خاں صاحب جو کہ حضرت والاؒ کے رشتہ سے چچا ہوتے تھے انھوں نے ایک مرتبہ حضرتؒ کی دعوت کی حضرتؒ نے اخلاقاً انکار نہیں فرمایا مگر انکی آمدنی میں کچھ تردد تھا حضرتؒ اسلئے والدہ کے پاس آئے اور کہا کہ امّاں میں نے چچا کی ناراضگی کے خیال سے کچھ نہیں کہا تھا اب آپ اس سے بچائیے انھوں نے کہا تم اسی وقت اسکو ہم پر ڈال دیتے ہیں خوش اسلوبی سے اسکو ٹال دیتی خیر کہو تو اب جاؤں انکے یہاں۔ حضرتؒ نے بعض مصالح کی بنا پر والدہ کو روک دیا۔ کھانے کے وقت خانصاحب بلانے آئے، حضرتؒ تشریف لے گئے کھانے پر بیٹھے اور چند ہی نوالے کھائے تھے کہ طبیعت مالش کرنے لگی دسترخوان پر سے اٹھ گئے اور اپنے مکان تشریف لائے، قے ہو گئی اور جب تک سب کھایا ہوا گر نہیں گیا متلی تھمی نہیں۔ اسکے بعد سے والدہ کسی کی دعوت منظور ہی نہیں کرتی تھیں اور

مزید احتیاط یہ شروع کر دی تھی کہ اسکے بعد حضرت کیلئے کھانا مخصوص طریقہ سے الگ رکھنے لگیں اور گھر کا کھانا بھی احتیاط کے ساتھ پکایا جانے لگا۔

اب وہ زمانہ آیا کہ حضرت اقدس نے وطن میں رہنا اور یہیں رہکر دین کی خدمت کرنا طے فرمایا چنانچہ اس سلسلہ میں خود بھی فرماتے تھے کہ مجھ سے اکبر تبہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا تھا کہ مولوی وصی اللہ! کام گھر سے شروع کرو اور اپنے ہی وطن میں رہکر کام کرو اس لئے کہ وہاں اپنے لوگ ہوتے ہیں اور اپنے لوگوں سے قوت رہتی ہے چنانچہ حضرت اقدس نے مکان پر رہنا شروع کیا لیکن طبیعت تنہائی پسند تھی کوئی جگہ اس میں الگ نہ تھی اس لئے لوگوں سے کہا کہ میرے لئے الگ ایک حجرہ بنوا دو۔ چنانچہ ایک خاص کمرہ حضرت کے لئے بنا دیا گیا۔ اس میں ایک طرف ایک پلنگ اور دوسری جانب چوکی بچھا دی گئی۔ حضرت والا پلنگ پر استراحت فرماتے اور تخت پر ذکر و نماز وغیرہ ادا فرماتے اور اکثر اوقات حجرہ کے اندر ہی تشریف رکھتے۔ اور اپنے ذکر وغیرہ کے اوقات میں دروازہ بھی اندر سے بند کر لیتے جس سے لوگوں کو اندازہ ہو جاتا تھا کہ یہ وقت حضرت کا خاص وقت ہے اس میں ملاقات کرنا مناسب نہیں ہے چنانچہ نماز فجر کے بعد بھی حجرہ میں تشریف لیجا کر اشراق بلکہ اس کے بعد تک دروازہ بند فرمائے رہتے۔ کسی کی ہمت دروازہ کھلوانے کی نہ پڑتی۔ جب ناشتہ کا وقت ہو جاتا تو والدہ صاحبہ ہی دروازے کے پاس آتیں اور کہتیں "بابو! آجاؤ ناشتہ تیار ہے" کبھی حضرتؒ سن نہ پاتے یا معمولات پورے نہونے کی وجہ سے تشریف لانے میں دیر ہوتی تو والدہ پھر آتیں اور ذرا اور زور سے پکارتیں کہ "بھیا! آجاؤ ناشتہ تیار ہے" حضرتؒ فرماتے اچھا والدہ صاحبہ چلئے آرہا ہوں چنانچہ فوراً اپنا کام پورا کر کے گھر تشریف لاتے ناشتہ فرماتے کچھ دیر والدہ سے باتیں کرتے پھر اپنے کام میں مصروف ہو جاتے۔

حضرت والا پنجوقتہ نماز پڑھنے کے لئے گاؤں کی باہری مسجد ہی میں تشریف یجاتے تھے بلکہ حضرت ہی اس میں نماز بھی پڑھاتے تھے۔ فجر کے بعد کچھ دیر تک مسجد ہی میں رہتے۔ ظہر کے بعد بھی کچھ دیر ٹھیر کر مکان تشریف لاتے۔ عصر پڑھکر کبھی کبھی مغرب تک وہیں تشریف رکھتے تھے چونکہ حضرتؒ کا اتنا وقت مکان سے باہر گذرتا تھا لہٰذا اس درمیان میں گاؤں کے بعض نوجوان حضرت والاؒ سے قریب ہوئے یعنی ظاہری صوم وصلوٰۃ کی پابندی کے علاوہ حضرت والاؒ سے ذکر وشغل اور اصلاح باطن کے بھی طالب ہوئے۔ چنانچہ بعضے ان میں سے بیعت بھی ہو گئے حضرت والاؒ نے حسب استعداد وطلب ان سب کو ذکر وغیرہ تلقین فرمادیا اور سب لوگ کام میں لگ گئے۔ دن میں کسی وقت حضرت والاؒ نشست بھی فرماتے جس میں دینی اصلاحی باتیں ارشاد ہوتیں۔ جو لوگ بیعت تھے وہ تو التزاماً اور دوسرے لوگ بھی کبھی کبھی شریک ہوتے اور حضرتؒ کے فیض سے مستفیض ہوتے لیکن اسوقت تک صحن مسجد کے بعد صرف مسجد ہی کا بند حصہ تھا۔ مسجد سے باہر اور خارج مسجد میں کوئی حجرہ سائبان یا دالان وغیرہ نہ تھا۔ خالی زمین احاطہ مسجد کے اندر موجود تھی، حضرت والاؒ کی خواہش ہوئی کہ یہاں ہی (مسجد کے جنوب طرف) ایک چھپر پڑ جائے تاکہ نماز کے بعد دوسرے اوقات میں لوگ اسی میں اٹھا بیٹھا کریں۔ چنانچہ حسب منشا وہاں پھوس کا چھپر ڈالدیا گیا بس یہی ہمارے حضرتؒ کی گویا پہلی خانقاہ تھی جسمیں حضرت والاؒ کی اور چند نوجوان سالکوں کی نشست وبرخاست رہا کرتی تھی، مجلس بھی اسی میں ہوتی لوگ تلاوت اور ذکر واذکار بھی اسی میں کرتے۔ غرض ذکر وتلاوت سے بستی کا یہ حصہ اب خوب معمور رہنے لگا۔ نئے لوگوں میں حضرت تھانویؒ کی طرز کی چوگوشیہ ٹوپی کا رواج آہستہ آہستہ بڑھنے لگا اور بستی کے پرانے لوگوں نے بھی دھوتی کو تہبند سے بدلنا شروع کر دیا، مثل مشہور ہی ہے کہ خربوزہ کو دیکھکر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ حضرت والاؒ نے اس سلسلہ میں کچھ زیادہ زور واصرار نہیں فرمایا مگر اپنے اخلاق اور جذبۂ نصح وخیر خواہی کا اہلِ بستی پر کچھ اسطرح اظہار ضرور فرمایا کہ لوگوں نے بھی یہ سمجھ لیا کہ یہ بے غرض دنیوی اور

سے بے غرضِ نفسانی کام کرنا چاہتے ہیں اور ہمارے دلی خیر خواہ ہیں۔ یوں حضرتؒ نے خود کو ان سب کے قلوب میں محبوب بنا لیا تھا اور ان المحب لمن یحب یطیع محب اپنے محبوب کی ہر ادا کو پسند کرتا ہی ہے، بس یہ راز تھا لوگوں کے ظاہر کی اصلاح کا۔ اسطرح ہوتے ہوتے ایک جماعت جاں نثاروں کی بستی میں پیدا ہو گئی ایسی کہ جس فرد کو حضرتؒ جس وقت جو حکم دیتے وہ بلا چون و چرا تعمیل ارشاد کو اپنی سعادت سمجھتا اسلئے کہ قلب میں اخلاص پیدا ہو جانے کے سبب سے حضرت والاؒ کی معرفت انکے قلب میں آ چکی تھی اور ہر شخص سمجھتا تھا کہ حضرت والاؒ کا اللہ تعالےٰ کے یہاں خاص مقام ہے۔ انکا احترام ضروری ہے اور انکا تکدر ہمارے لئے مضر اور نقصان دہ ہے۔ مگر تمام لوگ ایک ہی خیال کے ہو جائیں ایسا تو کبھی بھی نہیں ہوا ہے۔ چنانچہ کچھ لوگ ایسے حضرات کے بھی حاسد اور معاند ہو ہی جاتے ہیں بہت سے تو اپنی بدبختی کیوجہ سے اور کچھ محروم ازلی ہونے کی بنا پر چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔ ایک جانب تو بہت سے لوگ حق تعالےٰ کو راضی کرنے کی فکر میں لگ رہے تھے تو دوسری جانب کچھ افراد ایسے بھی تھے جنکو شیطان اپنی شرارت کا آلہ بنائے ہوئے تھا۔ یعنی حضرت والا پر اعتراض، ذاکرین کے ذکر بالجہر پر تنقید و تبصرہ انکے اختیار وضع دینی کو ریا کاری سے تعبیر کرنا وغیرہ وغیرہ یہ سلسلہ بھی جاری تھا اور جسے کہنا چاہیئے کہ بعض لوگ تو گویا اس تاک اور گھات ہی میں لگے رہتے تھے کہ کب ان سے کوئی لغزش یا عوام کی پسند کے خلاف کوئی کام ہو جائے تو ہم اسے اچھال کر انکو رسوا اور بدنام کریں۔ (اور تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سنتِ قدیمی ہے اور شاید قیامت تک باقی رہے۔ چنانچہ ہم اپنے زمانہ میں بھی اسکا مشاہدہ کر رہے ہیں و الی اللہ المشتکیٰ واللہ المستعان)

اسی سلسلہ کی ایک کڑی یہ بھی تھی کہ حضرت والاؒ کو ایک دن نماز فجر میں مسجد پہونچنے میں تاخیر ہو گئی (یعنی بعض شرعی ضرورت کیوجہ سے نماز کی تیاری میں مکان ہی سے جانے میں کچھ دیر ہو گئی باقی وقت میں کچھ ایسی تنگی بھی نہ ہوئی تھی چنانچہ حضرت والاؒ نے خود اس واقعہ کو بیان فرمایا ہے۔ حضرتؒ ہی کے الفاظ میں سنئے :۔

فرمایا کہ ایک جگہ میں نماز پڑھاتا تھا۔ ایک دن مجھے کچھ دیر ہوگئی، کچھ ایسی زیادہ دیر بھی نہیں ہوئی تھی ابھی اور دوسرے نمازی بھی نہیں آئے تھے۔ ایک چودھری صاحب اس دن اتفاق سے مسجد میں پہلے آگئے تھے، جب میں مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ وہ صاحب لوگوں کو بڑبڑا رہے ہیں (یعنی حاضرین کو سنا سنا کر زور زور سے باتیں کر رہے ہیں) کہ مولوی مولانا لوگ ہیں مگر نماز میں ابھی تک نہیں آئے (اس کا روئے سخن ہمارے حضرتؒ ہی کی جانب تھا) — حضرت نے فرمایا کہ وہ تکبر کیوجہ سے ایسا کہتا تھا اللہ تعالے کو اسکا یہ کہنا پسند نہیں آیا، اسکو یہ سزا ملی اور ایسی بے توفیقی شامل حال ہوگئی کہ وہ روزانہ فجر کی نماز ہی میں پچھڑنے لگا

انھیں چودھری صاحب کا یہ بھی واقعہ ہے یا کسی دوسرے کا ہے کہ حضرتؒ پر کچھ اعتراض کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ میں نے ان صاحب سے کہا کہ چلو تم ہی نماز پڑھاؤ، وہ پیچھے ہٹے لیکن میں نے کہا نہیں نماز تو تمھیں کو پڑھانی ہوگی بس پھر کیا تھا بید کیطرح کانپنے لگے ایک وقت کی بھی نماز نہیں پڑھا سکے مگر علماء پر حکومت جتانے (اور اعتراض کرنے) کو تیار۔

میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ تم چودھری ہو تو اپنی چودھرائی مسجد سے باہر چلاؤ دنیوی امور میں چلاؤ۔ مسجد میں اور دینی معاملہ میں کیوں چلاتے ہو؟ کیا یہ ضروری ہے کہ جو شخص دنیوی اعتبار سے چودھری اور قوم کا رئیس ہو تو وہ دین میں بھی سردار ہوجائے۔ وضو کے فرائض اور سنن تم نہ جانو، نماز کے فرائض تک کا تم کو علم نہیں مگر علماء پر حکومت کرنے کو تیار! (انتہی)

حضرت والا فرماتے تھے کہ میں نے تشخیص کر لیا تھا کہ ان چودھریوں کا عام مرض تکبر ہے چنانچہ اسی کے توڑنے کے لئے میں نے یہ سب کچھ کیا۔ کہ جب تک انکا تکبر نہ ٹوٹے گا انکو کچھ نفع نہ ہوگا۔

اس سلسلہ کا ایک واقعہ رفیع اللہ چچا سناتے تھے، کہ اسی زمانہ کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ ہمارے گاؤں میں سفری نامی ایک حلال خور رہتا تھا جو نمازی تھا نہا دھوکر

مسجد میں بھی نماز پڑھنے آتا تھا مگر لوگوں کے معاملات سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس سے کچھ دور ہی دور رہتے تھے اور وہ غریب بھی میاں لوگ سے ڈرتا ہی رہتا تھا۔ ایک دن حضرتؒ نے سب لوگوں کے سامنے اسکو آواز دیا کہ سفری! یہاں آؤ! اور کھانے پر اسکو بلالیا کہ آؤ بیٹھو ہاتھ دھولو ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ۔ چنانچہ اسکو اپنے ہمراہ ایک ہی برتن میں کھانا کھلایا۔ اسطرح سے اس رسم بد کی بھی اصلاح فرمائی اور بلا وجہ شرعی کے جو لوگوں نے ایک عار اور تکبر کی دیوار کھڑی کر رکھی تھی اسکو توڑ کر رکھدیا

نیز رفیع اللہ چچا نے بیان کیا کہ حضرت والاؒ کو ایک بڑا مورچہ جمعہ کے سلسلہ میں بھی پیش آیا۔ اور لطف کی بات یہ ہوئی کہ یہاں اہل بستی سے زیادہ سابقہ گھر کے لوگوں سے پڑا۔ والد صاحب مرحوم پرانے خیال کے آدمی تھے، سچے نمازی تھے اور جس چیز کو دین کی چیز سمجھ لیتے تھے پھر اس سے کوئی انکو ہٹا نہیں سکتا تھا ـــ گاؤں میں حضرت والا کے دور سے پہلے جمعہ ہوتا چلا آرہا تھا بہت سے علماء بھی جو آتے تھے تو وہ ایسے نرم تھے کہ شریک جمعہ ہو جاتے تھے لوگوں کو منع نہ کرتے اس خیال سے بھی کہ یہ لوگ صرف جمعہ ہی تو پڑھتے ہیں اس بھی منع کر دیا جائے تو نماز اور مسجد سے بالکل بے تعلق ہی ہو جائیں گے، ہمارے بڑے بھائی عبدالعلیم صاحب بڑے رعب و داب والے تھے جب وہ بمبئی سے آتے تو جمعہ اور شاندار طرح سے ادا ہوتا تھا۔ ان حالات میں ہمارے حضرت دیوبند سے پڑھکر آئے جمعہ میں شریک نہیں ہوتے تھے بلکہ اُس دن ادہر ادہر چلے جاتے تھے کبھی کسی ایسی قریبی بستی میں چلے جاتے تھے جہاں شرعاً جمعہ جائز ہوتا تھا۔ اور ایسا محض اس خیال سے کرتے تھے کہ میری وجہ سے اس مسئلہ میں کوئی فتنہ نہو۔ والد صاحب دوسرے دوسروں سے تو اسکی شکایت کرتے تھے مگر مولاناؒ سے کچھ نہ کہتے تھے۔ ادہر مولانا نے وقتاً فوقتاً کتاب لیکر والدہ صاحبہ کو اور بڑے بھائی فصیح اللہ خاں صاحب کو سنانا شروع کیا کہ دیکھئے والدہ صاحبہ کتاب میں تو یہ لکھا ہے۔ اور یہ دیکھئے بھائی صاحب! امام ابو حنیفہؒ اسکو منع کرتے ہیں۔ اور فرماتے کہ ہم نے دیوبند میں بھاڑ نہیں جھونکا ہے اور حضرت مولاناؒ کے یہاں بھی یونہی

نہیں رہے ہیں۔ دین سیکھا ہے۔ لہٰذا جب حنفی مذہب میں دیہات میں جمعہ جائز نہیں
ہے تو پھر آپ لوگ ہی بتائیے کہ ان کے اُن کے اور گاؤں کے برادری کے دباؤ سے
دین کے خلاف کیسے جمعہ پڑھوں۔

یہ بات والدہ کی بھی سمجھ میں آگئی اور بھیا نے بھی حقیقت حال کو خوب سمجھ لیا
چنانچہ بھائی صاحب (فصیح اللہ خانصاحب) نے بھی اسکے بعد سے جمعہ پڑھنا چھوڑ دیا
اور اب جب والد صاحب پر اس مسئلہ کی وجہ سے خفگی کے آثار دیکھتیں تو والدہ خود ان کو
جواب دینے لگیں کہ ہمارا لڑکا خود عالم ہے جائز و ناجائز کو سمجھتا ہے آپ کو پڑھنا ہو
تو پڑھئے اس سے کچھ نہ کہئے والد صاحب خاموش ہو جاتے۔

ایکدفعہ حافظ عبدالعلیم بھائی آئے ہوئے تھے جمعہ کا دن تھا والد صاحب عمامہ
وغیرہ باندھکر نماز کے لئے تیار ہوئے اور لوگوں کو تیار کیا جانے لگا اسی سلسلہ میں بھائی
فصیح اللہ کی بھی تلاش ہوئی۔ والد صاحب نے کہا حافظ جی دیکھو وہ کھلیان چلا گیا ہوگا
چنانچہ حافظ صاحب کھلیان پہونچے۔ بڑے بھائی نے کہا کہ آپ لوگوں کے نزدیک
جمعہ جائز ہے تو آپ لوگ پڑھیئے۔ دوسروں کے پیچھے کیوں پڑے ہیں۔ ہمارا بھائی
عالم ہے دیوبند سے پڑھکر آیا ہے اسکی بات اور اسکا فتویٰ جب ہم ہی لوگ
نہ مانیں گے تو دوسرا کیوں مانے گا۔ جب اسکو پڑھایا ہے تو اب جو بات وہ دین
کی بتلائے اسکو ماننا چاہیئے۔ وہ وہاں سے خاموش چلے آئے اور پھر اسکے بعد سے
گھر کے لوگوں میں سے جو پڑھتا تھا پڑھتا تھا جو نہیں شریک ہوتا تھا اس سے لوگ
تعرض نہیں کرتے تھے۔ اس طرح سے حضرت والاؒ نے اس مسئلہ کی حدّت اور شدت
کو ختم فرمایا ورنہ جمعہ کا مسئلہ وطن میں پورا ایک فتنہ بنا ہوا تھا۔

رفیع اللہ چچا یہ بھی بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت مولاناؒ گاؤں والوں
سے خفا ہو کر فجر کے بعد ہی اٹھے اور کوپا گنج کیطرف چلے گئے سمیع اللہ خاں ہمراہ تھے
حضرتؒ کی خفگی کیوجہ سے ہم لوگوں کی ہمت کچھ عرض کرنے کی یا ساتھ ساتھ جانے کی
تو نہیں پڑی لیکن ہم چند آدمیوں نے باہم طے کیا کہ بھائی چلنا ضرور چاہیئے اور جس طرح

ممکن ہو حضرت کو منا کر لانا چاہیئے۔ حضرت صبح ہی صبح چلے گئے ہیں نہ کھانا نہ پانی اسلئے جلدی چلکر حضرت کو واپس لانا چاہیے۔ چنانچہ ہم لوگ گئے اور ڈر کیوجہ سے ساتھ ہونے کی ہمت نہیں پڑی اسلئے کچھ فاصلہ کے ساتھ پیچھے پیچھے چلتے رہے۔ راستہ میں سمیع اللہ خاں کی چھاونی پڑی (اس مقام کا نام اوڑرہ تھا) وہیں ٹھہر گئے۔ ہم لوگ بھی درخت اور جھاڑ کی آڑ میں ہو گئے۔ حضرتؒ نے سمیع اللہ خاں سے فرمایا کہ دیکھو کوئی آتا ہو گا فتحپور سے پیچھے پیچھے۔ خانصاحب نے فرمایا جی ہاں حضرت کچھ لوگ تو آئے ہوئے ہیں۔ فرمایا بلاؤ۔ انھوں نے آکر مجھ ہی سے کہا کہ حضرت نے بلایا ہے اور لوگوں نے بھی مجھ ہی کو آگے بڑھایا خیر اللہ کا نام لیکر ڈرتے ڈرتے آگے بڑھا (بس یہ منظر بالکل اسکا مصداق تھا کہ ؎

داغ جاتے تو ہیں مقتل میں پہ اول سب سے　　دیکھئے وار کرے وہ ستم آرا کس پر)

بہرحال میں جب سامنے گیا تو فرمایا کہ کہیئے آپ کیسے تشریف لائے ہیں؟ رفیع اللہ صاحب کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا آپکو لینے کے لئے۔ فرمایا کہ مجھے لیجا کر کیا کروگے جو کچھ کہونگا کروگے بھی؟ میں نے عرض کیا جی ہاں ضرور کرونگا۔ فرمایا گاؤں کی آبادی سے باہر کونڑا نامی مقام پر جو تمھاری زمین ہے وہ مجھے دوگے؟ میں نے عرض کیا بالکل وہ حضرت کی ہے۔ فرمایا کہ اچھا تو چلو چلتا ہوں۔

اس درمیان میں آناً فاناً کو پانچ خبر ہو گئی کہ حضرتؒ اوڑرہ میں تشریف رکھتے ہیں چنانچہ سیٹھ عبدالرب اور دوسرے حضرات ناشتہ کھانا لیکر یہاں آپہونچے، لیکن حضرت کا اس قسم کا غصہ وغیرہ تو ہم ہی لوگوں کی اصلاح کے لئے ہوتا تھا کوئی نقشہ کام کا ذہن میں بنا لیا تھا اور منشاء کے مطابق کام ہو گیا اسلئے آگے تشریف نہیں لے گئے، وہیں سے واپس آ گئے اور مجھ سے فرمایا کہ گاؤں میں نہیں جاؤں گا ہرداسپور کے ظہور اور فلاں فلاں کو بلاؤ یہ لوگ حضرت کے ماننے والے اور با اثر زمیندار تھے فوراً بھاگے ہوئے چلے آئے ان لوگوں سے بھی حضرتؒ نے فرمایا کہ آپ لوگ کچھ پتلو (سرپت پھوس جس سے ان اطراف میں چھپر بنایا جاتا ہے) اور بانس وغیرہ کا انتظام

کر سکتے ہیں۔ ان لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت بڑی آسانی سے اور بہت جلد اور جسقدر ضرورت ہو ان سے بھی فرمایا کہ کونڑا میں چھپر ڈالنے کا خیال ہے اور اب یہیں رہونگا گاؤں کے لوگوں سے ناخوش ہوں گاؤں نہ جاؤں گا۔ یہ فرماکر حضرتؒ تو ادہر روانہ ہوئے اور وہ لوگ دوڑکر اپنے گاؤں گئے اور دیکھا گیا کہ ہر شخص ایک بوجھ تیلو کوئی بانس کوئی ستون کے لئے لکڑی لئے چلا آرہا ہے چنانچہ اس تیزی سے مزدوروں اور زمینداروں نے مل کر کام کیا کہ ظہر تک ایک اچھا خاصا چھپر تیار ہوگیا اور اسی میں نماز ادا کی گئی۔ پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ نماز کے لئے جگہ الگ ہونی چاہیئے چنانچہ اس سے متصل ایک چبوترہ بھی نماز کے لئے بنا دیا گیا اور حضرت والاؒ کے لئے ایک حجرہ بھی بنا دیا گیا جس میں حضرت اقدس اپنے خلوت کے اوقات گذارتے تھے اسطرح سے کچھ دنوں کے لئے اس حصۂ زمین کو بھی خانقاہ بننا نصیب ہوا اور بڑا شرف اس خانقاہ کو یہ حاصل ہوا کہ اسی چھپر میں حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ کی تشریف آوری ہوئی۔ ہوا یہ کہ حضرت خواجہ صاحبؒ سرکاری کام سے اعظم گڈھ تشریف لائے تھے اور وہیں سے اطلاع بھیجی کہ براہ کوپا فتحپور فلاں دن فلاں وقت آرہا ہوں حضرت والاؒ نے کوپا کے لوگوں کے پاس کہلا دیا کہ بھائی خواجہ صاحب آرہے ہیں کوپا سے فتحپور تک سواری وغیرہ کا معقول انتظام رہے۔ چنانچہ اہل کوپا نے خواجہ صاحبؒ کا خاطر خواہ استقبال کیا اور بہت سے لوگ فتحپور تک ہمراہ آئے۔ خواجہ صاحبؒ کیلئے سواری کا انتظام کیا، خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ جب حدود فتحپور آجائے تو مجھکو بتا دینا میں سواری سے اتر جاؤنگا اور پیدل چلوں گا۔ ادہر حضرت والاؒ نے بھی جب اطلاع پائی کہ قریب آگئے ہیں تو اپنے ہمراہ گاؤں اور اطراف کے آئے ہوئے مخصوص لوگوں کو لیکر ذرا آگے بڑھکر خواجہ صاحبؒ کا استقبال کیا۔ خواجہ صاحبؒ مجمع کے ساتھ پیدل ہی آرہے تھے حضرتؒ پر جب نظر پڑی تو بیساختہ دوڑکر لپٹ گئے اور دیر تک معانقہ فرمایا (سبحان اللہ! کیا دور تھا اور کیا زمانہ تھا، پیر بھائیوں میں ایسی محبت کہ جسکو دیکھکر نہیں سنکر قلب کا عجیب حال ہوجاتا ہے اور تھوڑی ترمیم کے ساتھ شبلی مرحوم کا یہ شعر پڑھنے کو

جی چاہتا ہے ؎

یہی تھیں وہ شمیم انگیزیاں عطر محبت کی ۔۔۔ کہ جن سے بوستان اشرفی یکسر معطر تھا

گاؤں کے بعض لوگوں نے موقع پاکر خواجہ صاحب سے عرض کیا کہ حضرت والا ہم لوگوں سے ناراض ہو کر گھر سے چلے آئے ہیں اور یہاں قیام کر لیا ہے گاؤں نہیں جا رہے ہیں۔ خواجہ صاحبؒ حضرتؒ سے بے تکلف تو تھے ہی کسی موقع سے حضرت والاؒ سے دریافت فرمایا کہ یہاں قیام کیسے ہے آپ کا مکان تو گاؤں میں ہوگا۔ فرمایا ہاں ہے تو لیکن آجکل مخلوق سے وحشت غالب تھی اسلئے تنہائی کے خیال سے یہاں چلا آیا خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ آپ کا مکان دیکھنا چاہتا ہوں اور آپ کی بستی میں گھومنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت والاؒ نے لوگوں کو ساتھ کر دیا خود مکان تشریف نہیں لے گئے اور چونکہ راستہ میں ندی نالہ پڑتا تھا اسلئے کشتی کا انتظام کیا گیا۔ یہ سارا قافلہ حضرتؒ کے مکان پر آیا خواجہ صاحبؒ نے حضرتؒ کا مکان دیکھا اور گھوم گھوم کر ساری بستی کا چکر لگایا اسکے بعد اسی چھپر میں واپس ہو گئے۔ ایک شب قیام رہا نہایت پرفضا جگہ تھی پاس میں ندی بھی بہہ رہی تھی یہ منظر خواجہ صاحبؒ کے مزاج کے عین مناسب تھا خوب اشعار پڑھے، حضرتؒ کو سنایا خود بھی محظوظ ہوئے اور دوسروں کو محظوظ فرمایا۔ دوسرے دن حضرت خواجہ صاحبؒ اعظم گڈھ تشریف لے گئے۔

رفیع اللہ چچا کہتے تھے کہ اس چھاونی پر سب طرح کا آرام تھا صرف پانی کی تکلیف تھی کہ وہاں کوئی کنواں نہ تھا۔ حضرت والا ہی کی برکت سے آج اللہ تعالے نے ٹیوب ول بورنگ بنوا دی جس میں نہایت ہی عمدہ شیریں پانی نکلا ہے۔ اسوقت حضرتؒ یاد آگئے کہ اگر آج حضرتؒ موجود ہوتے تو بہت خوش ہوتے۔ حضرت اقدسؒ نے یہاں کم و بیش ایک سال تک قیام فرمایا۔ لوگوں نے تلاوت قرآن کیا۔ ذاکرین نے ذکر کیا۔ غرض بہت سے صالحین کی عرصے تک یہاں آمد و رفت رہی۔ اللہ تعالے ان سب کی برکات سے ہم لوگوں کو حصہ نصیب فرمائے۔

رفیع اللہ چچا بیان کرتے تھے کہ جن دنوں حضرت والاؒ کا قیام گاؤں سے باہر کونڈا کی چھاونی میں تھا ایک واقعہ ان دنوں یہ پیش آیا کہ ایک دن گھر پر والدہ صاحبہ صبح کو اٹھیں وضو کرنے کے لئے لوٹے میں پانی لیا اور اپنی مسواک اٹھا کر منہ میں ڈالا مسواک منہ میں ڈالنا تھا کہ بڑی زور سے چیخیں اسکے اوپر کوئی بھڑ (ہڈا) بیٹھی تھی اس نے زبان میں ڈنک مار دیا۔ ظاہر ہے ڈنک کی تکلیف یوں بھی شدید ہوتی ہے پھر زبان جیسے نازک عضو پر بہت زیادہ اثر انداز ہوئی۔ ذرا سی دیر میں زبان پر ورم ہوگیا اور وہ منہ سے باہر لٹک آئی والدہ کی اس تکلیف کی اطلاع حضرت والاؒ کو چھاونی ہی پر ہوئی۔ بہت پریشان ہوگئے۔ حافظ عبدالمنان صاحب کو بلایا (حافظ صاحب موصوف ایک نابینا شخص تھے کوپاگنج کے رہنے والے تھے بہت ہی نیک اور صالح انسان تھے، حضرتؒ کے یہاں رہنے لگے تھے۔ بچوں کو قرآن شریف پڑھاتے تھے اور حضرت اقدس کی ذاتی خدمت بھی انھوں نے بہت کی۔ حضرت والا انکو بہت مانتے تھے اور کبھی کبھی لوگوں سے بھی فرما دیتے تھے کہ فلاں بات کے لئے حافظ جی سے دعا کراؤ حافظ جی بزرگ آدمی ہیں۔ سنا ہے کہ حضرتؒ کے وصال کی خبر سنکر الہ آباد آئے اور صحن خانقاہ میں مدینہ کا ایک درخت تھا اسی سے لپٹ کر حضرتؒ کی یاد میں زور زور سے روتے تھے ایسا کہ سننے والے پر اثر ہوتا تھا۔ یہاں سے کوپاگنج جاکر بیمار ہوئے اور ایسا پڑے کہ پھر اٹھ ہی نہ سکے حتی کہ اپنے شیخ ہی سے جا ملے۔ اللہ تعالے اغریق رحمت کرے) حضرت والاؒ نے انھیں کو بلایا اور کچھ پڑھکر اپنا لعاب دہن انکی انگلی پر لگا دیا اور کچھ انکے کان میں فرمایا اور مجھ سے فرمایا کہ انکو لیجاؤ۔ چنانچہ ہم دونوں گھر آئے یہاں والدہ تکلیف سے پریشان تھیں۔ حافظ جی نے حضرتؒ کا لعاب دہن زبان پر مل دیا جسکی وجہ سے انکو فوراً سکون ہوگیا اور تھوڑی ہی دیر بعد ورم وغیرہ بھی سب ختم ہوگیا۔ حافظ جی واپس جانے لگے تو والدہ نے کہلا بھیجا کہ جاؤ، بھیا (یعنی مولانا) سے دعا کہنا اور کہدینا کہ اب ہم بالکل ٹھیک ہیں۔

اب یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرتؒ کی آمد و رفت کوپاگنج بھی شروع ہوگئی تھی رفیع اللہ چچا

بیان کرتے تھے کہ اہل کوپا میں انگشتی کا رواج بہت تھا جس میں ہوتا یہ تھا کہ چند دوست واحباب ہم خیال وہم مزاج اپنے اپنے گھر سے کھانے پکانے کا سامان جنس، گوشت مسالہ برتن اور بستر وغیرہ لیکر بستی سے دور کہیں جنگل میں چلے جاتے تھے اور کئی کئی دن خوب سیر وشکار کھانا پکانا اور تفریح رہتی۔ غالباً موجودہ دور کے پکنک کیطرح کی یہ ایک تفریح تھی اور اس میں امیر وغریب عوام اور اہل علم سب ہی لوگ شریک ہوتے تھے چنانچہ کوپا گنج کے بھی بڑے بڑے اہل علم حضرات بھی کبھی کبھی جایا کرتے تھے۔ ان میں سے بہت سے حضرات سے حضرت والاؒ کے خاص تعلقات تھے حضرتؒ کوپا گنج تشریف لیجاتے تو ان حضرات سے ملاقات فرماتے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا کوپا تشریف لے گئے اتفاقاً اسدن مولوی صاحبان کا پروگرام کہیں انگشتی میں جانے کا بن چکا تھا۔ بعض بے تکلف حضرات نے حضرت والاؒ سے بھی درخواست کی کہ حضرت آپ بھی آج ہمارے ساتھ تشریف لے چلئے تفریح بھی رہیگی اور وہاں سکون کے ساتھ گفتگو کا موقع بھی مل جائے گا۔ حضرت اقدس کا مزاج تو ایسا نہ تھا مگر ان حضرات کی خاطر سے یا کسی اور مصلحت کے پیش نظر حضرتؒ نے بھی ہمراہ جانا منظور فرمالیا اور سفر کی قیادت خود ہی فرمائی یعنی آگے آگے چلے اور ذرا دور تک تشریف لے گئے اتنا چلے کہ ان سب حضرات کا خیال اتنی دور جانے کا نہ تھا ایک تو اس طول طویل سفر کے تکان نے طبیعت کو سست کر دیا تھا دوسرے یہ کہ حضرت والا نے وہاں پہونچکر سب کے سامنے ایک مؤثر وعظ فرمایا جس کا حاصل یہ تھا کہ ــــ بھائی یہ سیر وشکار تفریح وغیرہ ظاہر ہے کہ چونکہ طبیعت اور نفس کے موافق ہے اسلئے ہمکو اس میں کیسا مزہ آتا ہے مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہمکو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں شکار کرنے کے لئے نہیں پیدا کیا ہے بلکہ اسلئے پیدا کیا ہے کہ ہم خود شکار ہوں۔ اس مضمون کو حضرتؒ نے کچھ اس انداز سے بیان فرمایا کہ لوگوں پر اثر ہوا اور بہت سے حضرات نے اسکے بعد سے انگشتی میں جانے سے توبہ کرلیا۔

راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت والا کے تشریف لے جانے کا راز اب سمجھ میں آیا واقعی ایک مصلح کا یہی طغرائے امتیاز ہے کہ وہ مواقع تبلیغ اور طریقۂ تبلیغ کو خوب سمجھتا ہے۔

دیکھئے! یہاں لوگ تو سمجھ رہے تھے کہ آج حضرتؒ کو بھی ہم نے اپنا ہمنوا بنالیا اور حضرت اقدس اس خیال میں تھے کہ چلو آج تم ہی لوگوں سے توبہ کراتا ہوں نا۔ چنانچہ اہل کوپاگنج پر رہتی دنیا تک حضرت اقدس کا یہ احسان رہے گا اور حضرت والا کی یہ خدمت سنہرے حرفوں سے لکھی جائیگی کہ حضرت اقدس نے تن تنہا پوری بستی کو دیندار بنا دیا وہاں کی مساجد کو آباد کیا۔ وہاں کے لوگوں سے انکے لغو مشاغل ترک کرا دیئے اور بہت سے اللہ کے بندوں کو نفس کی غلامی سے نکالکر خدا کی طاعت پر لگایا اور نمعلوم کتنوں کو عارف اور صاحب نسبت بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ ہی حضرت اقدس کو اسکا صلہ عطا فرمائیں۔

جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ اب یہی کونڑا کی چھاونی حضرت اقدس کی خانقاہ تھی۔ حضرت تو یہاں رہتے ہی تھے دن میں بستی کے لوگ بھی آجاتے اور ذکر و تلاوت کرتے۔ مجلس ہوتی حضرت والا انکو نصیحت فرماتے اور اصلاحی دارو گیر بھی جاری رہتی۔ عشاء پڑھکر تقریباً سب ہی لوگ اپنے اپنے گھر چلے جاتے تھے کوئی کوئی کبھی رہ بھی جاتا تھا لیکن حضرت والاؒ کے سب سے بڑے بھائی رفیع اللہ خاں صاحب ؒ ہیں رہتے اور اب حضرت والا کی محبت وعقیدت چونکہ قلب میں پیدا ہو چکی تھی اس لئے کچھ تھوڑی بہت خدمت بھی کر دیا کرتے تھے مثلاً حضرت والا جب عشاء کی سنتوں سے فارغ ہوتے تو جھٹ آگے بڑھکر مصلے لپیٹا اور اسکو اندر رکھتا اسی طرح سے باہر لاکر بچھانا اس قسم کا کام کرنا خود سے انھوں نے اپنے ذمہ لے لیا تھا۔

رفیع اللہ چچا کہتے تھے کہ ایک دن جب صبح کو ہم لوگ حضرتؒ کے پاس پہونچے تو مجھ سے فرمایا کہ رفیع اللہ! جاؤ بھائی صاحب سے پوچھو کہ رات کو کچھ دیکھا میں انکے پاس گیا اور ان سے پوچھا کہ آپ نے رات کو کچھ دیکھا؟ انھوں نے کہا ہاں دیکھا تو ہے۔ بات یہ ہے کہ مولانا صاحب مصلے پر سے جب اٹھ جاتے تھے تو ہم ہی چٹائی لپیٹ کر اندر رکھتے تھے، رات مولانا صاحب بہت دیر تک نماز پڑھتے رہے ہم بھی انتظار میں پیچھے بیٹھے رہ گئے جب رات زیادہ ہوئی تو ہم کو ایسا معلوم ہوا کہ جیسے ہم عطر میں نہا گئے، رفیع اللہ ایسی عمدہ اور بہترین خوشبو تھی کہ ہم تم سے کیا بتا سکیں

رفیع اللہ چچا نے واپس آکر حضرت والاؒ سے عرض کیا کہ بھیّا ایسا ایسا کہہ رہے تھے حضرتؒ یہ سنکر مسکرائے اور فرمایا" بس یہی کہتے تھے اور کچھ نہیں کہتے تھے"۔

رفیع اللہ چچا خود اپنا ایک واقعہ بیان کرتے تھے کہ حضرت والاؒ پہلی بار جب اپنا فریضۂ حج ادا فرمانے کے لئے تشریف لے گئے تو یہاں گاؤں میں مولوی عبدالقیوم صاحب کے دروازہ پر جو مدرسہ تھا انوار العلوم (اور اب خانقاہ کے پاس ہی اسکی مستقل عمارت بن گئی ہے اور نام اسکا تبدیل ہو کر وصیۃ العلوم ہو گیا ہے اور حضرت والاؒ کے بعد اب حضرت قاری محمد مبین صاحب کی سرپرستی میں چل رہا ہے) پہلے اہل بستی ہی کے نظم سے وہ چلتا تھا چنانچہ اسکے لئے چندہ وغیرہ بھی ہوتا تھا، اسی سال گاؤں کے لوگوں نے یہ طے کیا کہ کچھ لوگ کوپا گنج بھی جائیں وہاں اصحاب خیر موجود ہیں ہو سکتا ہے کہ مدرسہ کی اچھی خاصی امداد ہو جائے۔ چنانچہ مجھ پر بھی زور ڈالکر اپنے ہمراہ لے گئے۔ یہ خیال کیا ہو گا کہ یہ حضرتؒ کے بھائی ہیں اور وہاں کے لوگ حضرتؒ کے معتقد ہیں انکے اثر سے لوگ خوب چندہ دیں گے، شامت کا مارا میں بھی راضی ہو گیا، اور ہم دو تین آدمی کوپا گنج کے لئے روانہ ہو گئے جس گلی سے ہم لوگ بستی میں داخل ہوئے وہ وہی گلی جو وہاں کے بڑے سیٹھ (سیٹھ سعداللہ مرحوم) کے مکان کے پاس سے گذرتی تھی۔ جیسے ہی ہم لوگ سیٹھ صاحب کے مکان کے پاس پہونچے تو دیکھا کہ بڑے سیٹھ صاحب اپنے دروازہ ہی پر کھڑے ہیں ہمکو بڑی خوشی ہوئی کہ بلا کسی انتظار کے ملاقات ہو گئی علیک سلیک ہوئی سیٹھ صاحب نے پوچھا کیسے آج کہاں نکل آئے؟ میں نے کہا آپ ہی کے پاس تو آیا ہوں۔ کہا خیریت تو ہے کیا بات ہے؟ ہم نے مدرسہ کی رسید آگے بڑھادی کہ ہمارے گاؤں میں ایک مکتب ہے اسی کے لئے چندہ لینے ہم لوگ آئے ہیں سیٹھ صاحب نے فوراً وہیں کھڑے کھڑے جیب سے ایک رقم نکال کر دے دی اور السلام علیکم کہکر گھر کے اندر چلے گئے۔ ہم لوگوں نے اپنا راستہ لیا۔

یہ سیٹھ صاحب سیٹھ عبدالرب صاحب کے چچا تھے اور اس زمانہ میں کوپا میں انکا

طوطی بولتا تھا۔ حاجی عبدالرب صاحب وغیرہ تو انکے مقابلہ میں کچھ نہیں تھے اور یہ بھی گو ہمارے حضرت کے یہاں آتے جاتے تھے مگر تھوڑا ہی زمانہ ہوا تھا اسلئے امارت کا اثر باقی تھا۔ اور حاجی عبدالرب اور حاجی عبدالولی صاحب یہ لوگ اسوقت تک نمایاں نہیں ہوئے تھے لیکن حضرت والاؒ کے ماننے والے اور حضرتؒ کی تعلیمات سے بھی اثر لئے ہوئے تھے چنانچہ اسکے بعد دوسرے نمبر پر ہم سیٹھ عبدالرب صاحب کے پاس پہونچے وہ اپنی پرانی سٹی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ بڑی تپاک سے ملے اور پوچھا کہ کیسے آنا ہوا؟ اور جلدی سے ناشتہ منگوایا اور ہر طرح سے خاطر مدارات میں لگ گئے۔ ہم لوگوں نے کہا کہ اب تو آپ کے پاس آ ہی گئے ہیں اپنے آنے کی غرض بھی بتا دیں گے۔ بہر حال جب ناشتہ وغیرہ سے فراغت ہو چکی تو میں نے ہی کہا کہ ہم لوگ گاؤں کے مدرسہ کے چندہ کے لئے آج آئے ہیں۔ حاجی عبدالرب صاحب نے پوچھا اور کہیں گئے تھے یا ابھی سیدھے میرے ہی یہاں آ رہے ہیں میں نے کہا نہیں آتے آتے بڑے سیٹھ صاحب بھی اپنے دروازہ پر مل گئے تھے اور انھوں نے اتنی رقم بھی دی ہے۔ حاجی عبدالرب صاحب نے دوسرا جملہ یہ کہا کہ چچا کم از کم آپ کو اس کام کے لئے نہیں آنا چاہیئے تھا۔ حاجی صاحب سے اس جملہ کو سنکر مجھ پر گذر گئی جو گذر گئی میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ بھائی اب تو میں کہیں نہ جاؤں گا تمھارا جو جی چاہے کرو اب اسکے بعد کون چندہ کرتا۔ حاجی عبدالرب صاحب نے بھی بکس سے نکالکر کچھ رقم دی اور ہم لوگ وہیں سے واپس لوٹ آئے۔ خیر یہ ایک واقعہ تھا جو ہو گیا تھا اب آگے سنیئے!

حج سے واپس تشریف لانے کے بعد خدا معلوم کس طرح سے حضرت والا کو اس واقعہ کی اطلاع ہو گئی بس پھر کیا تھا ایک دن رگھولی کے عبدالقیوم کے ذریعہ مجھے مکان سے بلوا بھیجا۔ والدہ وغیرہ ایسے مواقع پر بہت گھبرا جاتی تھیں کہ خدا معلوم کیا بات پیش آگئی ہے جو بلوایا ہے۔ عبدالقیوم سے پوچھا بابو کیا بات ہے انھوں نے کہا کچھ تو نہیں اکیلے بیٹھے تسبیح پڑھ رہے تھے مجھے بلا کر فرمایا کہ رفیع اللہ کو بلا دو۔ جب میں

اوپر گیا تو نقشہ کچھ اور پایا میں نے دل میں کہا کہ خدا خیر کرے اسکے بعد حضرتؒ نے عبدالقیوم سے کہا کہ تم نیچے چلو اور جب میں بلاؤں تب آنا اور دیکھو کوئی اوپر نہ آنے پائے۔ اسکے بعد مجھ سے فرمایا کہ کہئیے سنا ہے کہ آپ مدرسہ کا چندہ کرنے کو پا گنج تشریف لے گئے تھے میں نے کہا حضرت گیا ضرور تھا اور اسوقت ہی مجھے معلوم ہو گیا کہ میں نے غلطی کی اور اسکے بعد دونوں سیٹھوں کے یہاں کا پیش آنے والا واقعہ حضرتؒ سے عرض کر دیا اور حاجی عبدالرب صاحب کی بات بھی کہدی کہ انھوں نے کہا کہ تم کو نہیں آنا چاہیئے تھا۔ اب اسکے بعد میں نے جو غلطی کی تھی اسکی جو سزا ملنی تھی مجھے ملی۔ خوب پٹائی ہوئی۔ حضرتؒ بہت خفا ہوئے اور بار بار یہی فرماتے رہے تم کیوں گئے تمھارا جانا میرا جانا تھا، اور لوگ جاتے تم کیوں گئے ؟ تمھارا جانا میرا جانا تھا۔ اور اس سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ یہ دنیادار لوگ کسی کو خاطر میں لانے والے ہیں! مجھ ہی کو مان لیں تو بڑی بات ہے۔ تم نے یہ سمجھا ہوگا کہ ہم چلے جائیں گے تو ہر طرف سے روپیہ برسنے لگے گا۔ دیکھ لیا اپنی وقعت اور ذلت ؟ اسکے بعد جب غصہ فرو ہوا تو مجھ سے فرمایا کہ بات سمجھ میں آگئی یا نہیں؟ میں نے کہا حضرت خوب سمجھ میں آگئی اب ایسا نہ ہوگا۔ اسکے بعد ڈسک میں سے کچھ رقم نکالی اور مجھ کو دی کہ لو یہ تمکو دیتا ہوں اور فرمایا کہ اس واقعہ کی اطلاع والدہ سے نہ کرنا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ میں نے جو تم کو مارا ہے خدا کے لئے اسکو معاف کردو اور زبان سے کہو کہ میں نے معاف کر دیا۔ گھر پہونچا تو والدہ منتظر بیٹھی ہی تھیں پوچھا کیا ہوا مارا ہے کیا ؟ میں نے کہا نہیں اماں یہ روپیہ دینے کے لئے بلایا تھا۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت والاؒ کو بڑے سیٹھ صاحب کا صرف چندہ دیدینا اور اس طرح سے ان لوگوں کو اپنی کوٹھی سے باہر ہی باہر واپس کر دینا پسند نہیں ہوا۔ حضرت والاؒ نے اس سے سمجھا کہ یہ مجھ سے مرید ہیں اور رفیع اللہ میرے بھائی ہیں! ہمارا آدمی اور ایسا خشک ہو! یہ تو ہماری تعلیمات کے خلاف ہے۔ انھوں نے ایسا کیوں کیا معلوم ہوتا ہے یہاں کی تعلیمات کی جانب توجہ کم ہے)

اب اسکے بعد حضرتؒ نے خود سیٹھ صاحب کے ساتھ بوقت ملاقات کیا معاملہ فرمایا یہ تو معلوم نہیں تاہم ضرور کچھ تنبیہ فرمائی ہوگی۔ جسکا کچھ پتہ اس سے لگتا ہے کہ اس واقعہ کے کچھ دنوں کے بعد ایک دن حضرت والاؒ نے مجھے بلوایا اور فرمایا کہ آج ذرا کوپا چلے جاؤ اور بازار میں حکیم شفیع صاحب (والد جناب مولوی نثار احمد صاحب) کی دوکان پر جا کر بیٹھ جاؤ اگلی صبح کا وقت ہے کوپا گنج کے سیٹھ لوگ اسی وقت مئو جایا کرتے ہیں اسی طرف سے سب لوگ گذرتے ہیں۔ جب سب سیٹھ لوگ مئو چلے جائیں تو تم فتحپور چلے آنا۔ میں نے عرض کیا بہت اچھا جا رہا ہوں حضرت کے کسی حکم میں چوں وچرا کی بھلا کسکی مجال تھی۔ کام کیا کرنا تھا وہ تو سمجھ میں آہی گیا تھا لیکن مصلحت اور حکمت نہیں سمجھ پایا۔ اٹھا اور سیدھا کوپا گنج حکیم صاحب کی دوکان پر پہونچا۔ ہم لوگ اکثر بازار کرنے کے لئے کوپا گنج جاتے تھے تو کبھی کچھ سستانے کے لئے حکیم صاحب کے یہاں یا کسی اور کے یہاں چلے جاتے تھے اُس دن بھی حکیم صاحب سے ملاقات کرکے ایک کنارہ بیٹھ گیا۔ بس تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ سیٹھوں کا یکہ نکلنا شروع ہوا اور میں خاموش حکیم صاحب کی دوکان پر جو سڑک کے کنارے ہی واقع تھی بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں بڑے سیٹھ (سیٹھ سعد اللہ صاحب مرحوم) کا یکہ بھی سامنے سے آتا ہوا نظر آیا جیسے ہی دوکان کے پاس پہونچا (انھوں نے غالباً دور ہی سے مجھے بیٹھا ہوا دیکھ لیا تھا) فوراً یکہ رکوایا اور یکہ پر سے اترے مجھے سلام کیا اور مصافحہ کرکے خیریت پوچھی، دریافت کیا کہ یہاں کیسے بیٹھے ہوئے ہیں؟ میں نے کہا کہ کچھ کام سے آیا تھا اب گھر واپس جاؤں گا۔ یہ کہکر میں تو پھر دوکان پر چلا آیا اور وہ یکہ پر بیٹھکر مئو کے لئے روانہ ہوگئے۔ بازار کے لوگ متحیر تھے کہ آج یہ سعد اللہ سیٹھ نے کیسے یہاں اپنی سواری روکی اور کس سے ملے ایسا تو انکے معمول کے خلاف تھا۔ اسکے بعد تھوڑی دیر میں اور وہاں ٹھہرا اور پھر مکان واپس چلا آیا اور آکر حضرت والاؒ کو ساری روداد سنائی۔

رفیع اللہ چچا نے اس واقعہ کو تاثر کے ساتھ بیان کیا اور کہا کہ بڑے سیٹھ صاحب

نے اس واقعہ کو تاثر کے ساتھ بیان کیا اور کہا کہ بڑے سیٹھ صاحب نے ہمارے ساتھ کچھ بد اخلاقی نہیں برتی تھی لیکن حضرت والا اس سے زیادہ اخلاق ان میں دیکھنا چاہتے تھے ۔ سبحان اللہ کیا شیخ تھا کہ جبکی جانب سے اپنے مکان پر بے وقعتی کا ذرا سا شائبہ دیکھا اس سے اسطرح سے برسر بازار احترام کرا دیا۔ ظاہر ہے کہ اب انکے اس تواضع کیوجہ سے انکے مقامات کتنے رفیع ہوگئے ہوں گے ۔ غرض میری اصلاح اُسطرح فرمائی اور انکی اسطرح ۔

راقم عرض کرتا ہے کہ ہمارے حضرت کو جو لوگوں نے مصلح الامۃ مانا ہے تو انھیں دقائق اصلاحیہ کی رعایت کیوجہ سے اور بلا شبہ یہ ایک منصب ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے کسی ہی کسی بندہ کو عطا فرماتے ہیں ۔ حضرت والا کو اگر ایک طرف مالداروں کی نخوت ناپسند تھی تو دوسری طرف اہل علم اور اپنے لوگوں کی ذلت بھی گوارا نہ تھی انکی ذلت کو اپنی ذلت تصور فرماتے تھے اسلئے مالدار کو دیندار بھی دیکھنا چاہتے تھے اور غریب کو استغنار کا سبق دیتے تھے اور ان کے لیے اہل متمول کے یہاں جانے اور ان سے اختلاط کو بالکل پسند نہیں فرماتے تھے ۔

اللہ تعالیٰ حضرت والا کی نسبت کی برکت سے ہماری بھی اصلاح فرمادے اور خلوص و محبت اور اصلاح نفس کا کچھ حصہ ہمکو بھی نصیب فرمادے ۔

(باقی آئندہ)

سانحۂ وفات

اسرار کریمی پریس الہ آباد جہاں سے ہمارا رسالہ طبع ہوتا ہے اسکے مالک جناب حاجی عبد الحکیم صاحب جو ہمارے حضرت نور اللہ مرقدہ سے بیعت تھے اور ہمارے مولوی عبد المجید صاحب مدظلہ کے برادر معظم تھے آخری شب قدر کو آخر شب میں طویل علالت کے بعد انتقال فرما گئے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

حضرت والا کے تعلق کیوجہ سے رسالہ کی طباعت کا بڑا اہتمام رکھتے تھے ۔ اللہ تعالیٰ انکو جنت نصیب فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل اور اجر جزیل سے نوازے ۔ آمین

از جامی

حضرت مصلح الامۃؒ اور کوپا گنج

پہلے کسی موقع پر ہم نے عرض کیا ہے کہ یوں تو حضرت والاؒ نے اپنی بستی کے علاوہ اسکے ہر چہار طرف اپنی اصلاحی اور تبلیغی مہم جاری فرمائی چنانچہ مغرب میں ندوہ سرائے حمید پورا اور کوریا پار وغیرہ آپ کی اصلاحات سے متاثر ہوئے اور مشرق میں ہرداس پور اور کوپا گنج ۔ کے لوگوں نے آپکی تعلیمات کو قبول کیا۔ شمال میں کاری ساتھ گھوسی وغیرہ کے لوگ آپکی طرف متوجہ ہوئے ۔ اور جنوب میں پورہ معروف کے لوگوں نے آپ کی ہدایتوں کا استقبال کیا۔ لیکن اطراف قریبیہ کی بستیوں میں سے کوپا گنج کے لوگوں نے جیسا حضرتؒ اقدسؒ کو مانا اور آپ کے ارشادات اصلاحیہ کو تلقی بالقبول کیا اور مرحبا کہا اسقدر کم جگہ کے لوگوں نے کیا ۔ اور ان کے ماننے سے میری مراد یہ ہے کہ عام طور سے مانا اور تام طریقہ سے حضرت والا کی تعلیمات کو اپنایا چنانچہ حضرت اقدسؒ آخر عمر تک یہاں کے لوگوں سے خوش رہے اور محبت بھرے انداز میں یہاں کا ذکر فرماتے رہے ۔ بہت زیادہ لوگ یہاں کے حضرت والا سے بیعت ہوئے اور تقریباً پوری بستی ہی کے لوگ اس زمانہ میں کیا عوام اور کیا خواص سب ہی حضرتؒ کے معتقد اور ماننے والے ہو گئے ۔ الا ماشاء اللہ (یعنی ہو سکتا ہے کہ کوئی مخالف رہا ہو لیکن حضرت کا دبدبہ ایسا ہو گیا تھا کہ مجال نہ تھی کہ کوئی کھلم کھلا حضرت اقدس کی شان میں کوئی بات کہکر نکل جائے ۔ بس کسی کے لئے بچت اگر تھی تو صرف اس میں کہ "نفاق" اختیار کرکے مخالفت اور عناد کو دل میں رکھے مگر ظاہراً تو اسکو حضرت والاؒ سے اور حضرتؒ کے مخلص ماننے والوں کے سامنے موافقت ہی کا معاملہ کرنا پڑتا تھا اور اسکے لئے اظہار اعتقاد کے بغیر چارہ کار نہ تھا ۔ چنانچہ حضرت والاؒ خود فرماتے تھے کہ "جب میں کوپا گنج آنے جانے لگا اور وہاں کی مسجدوں میں وعظ کہنے لگا تو آہستہ آہستہ لوگوں پر اثر ہوا لوگ نمازی ہونے لگے اور مساجد آباد ہونے لگیں یہاں تک کہ فرائض سے آگے بڑھکر لوگوں کو چاشت اشراق اور تہجد کا بھی شوق پیدا ہو گیا اور بہت سے لوگ شب بیدار اور تہجد گذار ہو گئے

اور بہت سے ان میں ذکر و اذکار میں بھی لگ گئے چنانچہ آخر شب انکے ذکر ہی کرنے کیوجہ سے دوسروں کو بھی انکے تہجد پڑھنے کا علم ہوا۔

اب سنئے کہ دین سے اسقدر بعض لوگ دور تھے کہ صبح صبح گوشت لینے کے لئے جب گوشت کی دوکان پر سب کا اجتماع ہوتا تو انھیں میں سے کوئی بے نمازی ان نمازیوں پر طنز کرتے ہوئے زور سے یوں کہتا کہ بھائی انکو گوشت پہلے دیدو اور ذرا اچھا اور زیادہ دینا یہ تہجد پڑھتے ہیں۔ یہ احترام کے طور پر نہ تھا بلکہ تمسخر کرنے اور اسکو بنانے کے لئے ایسا کہتا تھا۔ جب اسکا سلسلہ بڑھا اور یہی ان سب کا شیوہ بن گیا تو کچھ لوگوں نے مجھ تک یہ بات پہونچائی کہ ہمکو ایسا کہا جاتا ہے۔ میں نے ان سے تو کہا کہ تم لوگ سن لیا کرو اور صبر کرو اپنی زبان سے اسکا کچھ جواب ندو۔ اور اسکے بعد میں نے یہ کیا کہ پھر اپنے وعظ میں جو ہر ہر مسجد میں ہوتا تھا یہ کہنا شروع کیا کہ تم لوگ دین سے دینداری سے دور رہو خوب فسق کے کام کرو، اور اگر اللہ تعالے کسی کو ہدایت بخشے اور وہ تمھاری برادری سے نکلکر صالحین کا طریقہ اختیار کرے اور کچھ نماز روزہ کرنے لگے تو اسکو بناؤ اور یوں کہو کہ — انکو پہلے گوشت دیدو اسلئے کہ یہ تہجد پڑھتے ہیں — اب مجمع میں مجھ سے یہ بات سنکر لوگ سٹ پٹائے اور وعظ کے بعد تفتیش جاری ہوئی کہ یہ کون بیہودہ ہے جو ایسی بات کہتا ہے یعنی سب لوگ اسکو غائبانہ ملامت کرنے لگے۔ اب اس نے بھی سمجھا کہ اگر ظاہر ہوگیا کہ میں کہہ رہا ہوں تو لوگوں میں رسوا ہو جاؤں گا لہٰذا کہنا ہی چھوڑ دیا۔ پھر لوگوں نے مجھ سے آکر کہا کہ اب تو وہ کچھ نہیں کہتا اسکے بعد میں نے بھی اسکو وعظ میں کہنا چھوڑ دیا اور آپ لوگوں کو یہ اسلئے سنایا کہ منافق اپنی رسوائی سے بہت گھبراتا ہے اسی لئے میں نے اسکا یہ علاج تجویز کیا۔

یہ تو ابتدا کا حال تھا بعد میں تو اللہ تعالے نے وہاں کے سب ہی لوگوں کے قلب میں حضرت والا کی محبت بھر دی چنانچہ اسکے اثرات آج تک وہاں پائے جاتے ہیں مساجد بھری ہوئی ہیں بالعموم چہروں پر شرعی داڑھی موجود ہے مزاج میں ایک قسم نرمی اور تواضع و مسکنت پائی جاتی ہے۔ یہ سب اسی کا اثر ہے کہ حضرت مصلح الامتہؒ نے انکی جانب توجہ فرمائی اور ان لوگوں نے بھی دل سے حضرتؒ کو مانا — اور

نہ ماننے کی کوئی وجہ بھی نہیں تھی۔ حضرت اقدسؒ کی مخلصانہ اور بے لوث خدمات انکے سامنے تھیں، نیز حضرت والاؒ کی شفقت اور محبت سے انکے قلوب بھی متأثر تھے۔ حضرتؒ کا وطن قریب ہی تھا قلب میں اللہ تعالیٰ کی طلب کا پودا پیدا ہوجانے کے بعد اسکی آب پاشی آسان تھی۔ دن بھر اپنا کام کرتے اور بعد ظہر آکر شریک مجلس ہوجاتے۔ پھر چاہتے تو شام ہی کو مکان واپس ہوجاتے یا شب خانقاہ ہی میں گذار کر بعد فجر گھر جاتے۔ بہرحال صحبت شیخ انکے لئے آسان تھی۔

وہاں کے لوگ بیان کرتے ہیں کہ حضرت والاؒ کا کوپا گنج میں ابتداءً تشریف لانا پیرانی صاحبہ کے علاج کے سلسلے میں ہوا (یعنی ایسی تشریف آوری جس سے عام طور سے حضرتؒ کا اہل کوپا میں تعارف ہوا تھا ورنہ تو حضرت والا کی آمد و رفت اس سے پہلے بھی ہوتی رہی مگر خال خال ہی لوگ حضرتؒ سے واقف تھے)۔ چنانچہ حکیم مولوی شفیع صاحب نے (جو حکیم مولوی ثنا احمد صاحب کے والد بزرگوار تھے خود بھی عالم اور ایک حاذق طبیب تھے) یہی فرماکر حضرتؒ کو کوپا گنج بلایا کہ انکا معقول علاج تو یہاں رہ کر ہی ممکن ہے۔ اسپر حضرت والا پیرانی صاحبہ کو لیکر کوپا گنج آگئے اور علاج ہوتا رہا۔ ادھر طول قیام کیوجہ سے چونکہ لوگوں کا ملنا جلنا بھی حضرت سے زیادہ ہوا اور حضرت والاؒ نے اپنے مواعظ حسنہ اور ارشادات اصلاحیہ سے بھی لوگوں کی خاطر فرمائی، یوں اس مشک کی خوشبو کوپا گنج میں پھیلی۔

وہاں کے مخصوص اور ابتدائی لوگوں میں سے حاجی نعمت اللہ صاحب، جلیل دلال صاحب اور حافظ مستقیم صاحب اور پھر حکیم مولوی حفیظ اللہ صاحب اور دوسرے بعض حضرات تھے۔ ان میں سے حاجی نعمت اللہ صاحب کے یہاں چوڑیاں بنانے کا کام ہوتا تھا اور خود حاجی صاحب بھی بناتے تھے۔ حضرت والا بالکل شروع شروع جب جی چاہتا فتحپور سے اٹھتے اور تسبیح پڑھتے ہوئے ۶ میل کی راہ پیدل تن تنہا طے کرکے حاجی صاحب ہی کے تنگ و مختصر سے مکان میں قیام فرماتے۔ لوگ کہتے ہیں کہ منظر یہ ہوتا تھا کہ حاجی صاحب تو لاکھ گرم کرکے چوڑی تیار کرتے ہوتے اور حضرت اقدسؒ ایک طرف

بیٹھے ہوئے ہاتھ میں تسبیح لیکر کچھ پڑھتے ہوتے تھے۔ کبھی کبھی درمیان میں کچھ بات بھی ہوتی رہتی تھی۔ کھانے کا وقت ہوا تو حاجی صاحب نے سامنے ناحضر لاکر رکھدیا اور حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بے تکلف نوش فرمالیا اور جب تک جی چاہا قیام فرمایا اور جب طبیعت بھر گئی گھر واپس تشریف لے آئے۔ یہی سلسلہ برسوں رہا۔ چنانچہ تھانہ بھون آتے جاتے بھی حضرت والا اکثر اسی طرف سے جاتے اور کبھی کبھی یہ حاجی صاحب بھی رفیق سفر ہو جایا کرتے تھے۔ پڑھے لکھے آدمی نہ تھے لیکن اللہ تعالےٰ سے تعلق تھا اور اسی نسبت سے ایک ولی اللہ سے عشق کے درجہ میں محبت تھی پھر بھلا ایسے کو کس کا منہ جو جاہل کہہ سکے۔ بہت مخلص آدمی تھے اور دینداری اور صحبت بزرگان نے فہم پیدا کردی تھی۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے بھی بہت زیادہ مزاج شناس تھے اسلئے حضرت والا بھی انکو بہت مانتے تھے اور ان سے محبت فرماتے تھے اور کوپاگنج میں ابتداءً اسی غریب کے یہاں قیام فرماتے تھے۔

ان حاجی صاحب کی دوستی کوپاگنج کے ایک اور دوسرے مشہور طبیب یعنی مولوی حفیظ اللہ صاحب سے تھی ایک دن حاجی صاحب نے ان سے کہا کہ مولوی حفیظ اللہ ہمارے یہاں ایک بزرگ کبھی کبھی آتے ہیں حضرت مولانا تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں حکیم صاحب نے کہا کہ اچھا اب جب وہ تشریف لائیں تو ہم سے بھی بتلانا۔ چنانچہ حضرت والا حسب معمول تشریف لے گئے تو مولوی حفیظ اللہ صاحب ملاقات کے لئے حاجی صاحب کے مکان ہی پر گئے۔ حاجی صاحب نے تعارف کرایا کہ حضرت یہ ہمارے پرانے دوست ہیں آپ سے ملنے کا اشتیاق رکھتے تھے اسی لئے آئے ہیں۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ بھی بڑی محبت سے پیش آئے۔ حکیم صاحب کے قلب میں اسی ایک ملاقات میں حضرت والا اتر گئے اور مولانا کی واپسی کے بعد حاجی صاحب سے کہا کہ ہاں جی حاجی ملا یا تو تم نے بہت زبردست بزرگ سے اب ہم کو بھی ان سے بیعت کرادو۔

الغرض حکیم صاحب کب بیعت ہوئے اسکی تفصیل تو نہ معلوم ہوسکی نہ اسکی ضرورت ہی ہے، بہرحال حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے وہ بیعت ہوئے اور خاص لوگوں میں سے ہوئے۔ کوپا میں

ہر موقع پر حضرت والاؒ کی نصرت میں پیش پیش رہے۔ اب اسکے بعد سے حضرت والا کبھی کبھی ان حکیم صاحب کی دوکان (دواخانہ) پر بھی جاکر بیٹھنے لگے ایک دفعہ کا واقعہ ہے (مکرمی مولوی حکیم بشیر الدین صاحب کوپا گنج والے اسکے راوی ہیں) کہ حضرت مولاناؒ حکیم حفیظ اللہ صاحب کی دوکان پر تشریف رکھتے تھے۔ حکیم صاحب پان کھاتے تھے حضرت کو بھی پان پیش کیا۔ حضرت والا اس زمانہ میں پان کھاتے تو نہ تھے کھا لیتے تھے چنانچہ انکی خاطر سے کھالیا اور اندر بیٹھے بیٹھے اسکی پیک جو منہ سے باہر پھینکی تو راستہ میں ایک غیر مسلم اسی وقت گذر رہا تھا اسپر پڑ گئی وہ قوم کا شاید چمار تھا۔ یہ دیکھکر حضرت والا فوراً باہر نکلے اور اسکو روک کر اس سے معذرت چاہی اور معافی مانگی۔ یہ وہ دور تھا کہ یہ لوگ رعایا تھے میاں لوگوں کا بڑا لحاظ کرتے تھے اور ان سے بہت ڈرتے تھے۔ حضرت مولانا کا معافی مانگنا اسکو بہت عجیب سا معلوم ہوا اور اس نے کہا ایسے مولانا صاحب کوئی بات نہیں ہے، میں خود معافی مانگتا ہوں۔ فرمایا نہیں زبان سے کہدو کہ میں نے معاف کیا۔ غرض اس سے کہلالیا تب سکون ہوا۔ اور اسکے بعد سے پھر حضرت والاؒ نے پان کھانا ترک ہی فرمادیا۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ آخر آخر علالت کے زمانہ میں کبھی دوا وغیرہ بدمزہ ہوئی تو فرماتے کہ پان کا ایک ٹکڑا لاؤ، اور تاکید فرماتے کہ صرف سادہ پان لانا لگوا کرمت لانا اور ہم لوگوں سے فرماتے کہ یہ اتنا بھی دو وجہ سے کھاتا ہوں ایک تو یہ کہ ذرا منہ کا مزہ بدلجاتا ہے دوسرے ہمارے شیخ کی سنت ہے کہ وہ بھی کبھی کبھی صرف پان کا ٹکڑا کھالیا کرتے تھے۔

ان حکیم صاحب (حکیم حفیظ اللہ صاحب مرحوم) کے تین صاحبزادے حضرت سے بہت قریب ہوئے چنانچہ سب سے بڑے صاحبزادے مولوی ابوالحسنات صاحب نے تو فتحپور تال نرجا میں مستقل قیام ہی کرلیا تھا اور حضرتؒ کے مہمانوں کے کھانے کا انتظام ابتدا میں انھیں سے متعلق رہا۔ دوسرے صاحبزادے مولوی منظور الوحید تھے انھوں نے بھی حضرت والا کے یہاں خانقاہ فتحپور میں عرصہ تک قیام کیا اور اسباق

وغیرہ میں شریک ہوتے رہے۔ وہ اپنا واقعہ بیان کرتے تھے کہ حضرت والاؒ نے ایکدن الہ آباد میں مجھے تنہائی میں بلایا (یہ وہ زمانہ تھا کہ ضرورتِ طب پر حضرت والاؒ کے بیانات چل رہے تھے اور خانقاہ میں سب لوگوں کو ایک سبق طب کا بھی پڑھایا جارہا تھا) اور فرمایا کہ جو کہوں گا کروگے؟ انھوں نے کہا کہ حضرت کا حکم ضرور بجالاؤنگا۔ فرمایا کہ تمھارے والد طبیب ہیں اور تم لوگوں نے ان سے کچھ بھی نہ سیکھا۔ خود اپنے گھر میں فن موجود رہے اور تم لوگ اس سے محروم ہو۔ اچھا تو اب تم یہ کرو کہ مئو میں ایک حکیم ہیں حکیم انعام الحق صاحب (یہ مولانا افتخار الحق صاحب گورکھپور کے برادر معظم قبلہ تھے ابھی حال میں ان کا انتقال ہوگیا ہے اللہ تعالیٰ انکو غریق رحمت فرمائے۔ ہمارے حضرتؒ سے بہت عقیدت تھی طب میں فاضل انسان تھے) ان سے جاکر طب پڑھو اس میں تم پر مشقت پڑے گی کہ روزانہ مئو آنا جانا ہوگا لیکن اسکو برداشت کرو اور یہ کام کرو۔ چنانچہ وہ کہتے تھے کہ میں نے الہ آباد سے واپس آکر اس کام کو شروع کردیا اور کافی دنوں تک کوپا سے مئو (۶ میل کا فاصلہ تھا) طب پڑھنے کے لئے جاتا رہا۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ یہ حضرت والا کی بصیرت ہی تھی کہ جوہر قابل کا انتخاب فرمایا اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ حکیم صاحب مرحوم کے یہ صاحبزادے اسوقت کوپا گنج کے کامیاب ترین ڈاکٹر ہیں اور حضرت کی دعا سے دست شفا بھی خوب حاصل ہے اور کثیر مرجوعہ ہے۔ اسطرح سے حضرت والا نہ صرف اپنے لوگوں کی فکر بلکہ انکی آل واولاد کی فکر رکھا کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ میرا کوئی آدمی معطل ہوکر نہ رہے کہ نہ دین کے کام کا ہو نہ دنیا کے کام کا نکلے۔

حکیم صاحب کے تیسرے صاحبزادے مولوی انوار غنی صاحب بھی عرصہ تک خانقاہ میں رہے وہ بیان کرتے تھے کہ والد صاحب (یعنی حکیم حفیظ اللہ صاحب) سے حضرت والاؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ مولوی حفیظ اللہ مجھے کوپا گنج میں تمھیں نے مشہور کیا اور وہاں کام تمھاری وجہ سے ہوا (حضرت والاؒ کسی محسن کے احسان کو کبھی بھولتے نہ تھے اسلئے ایسے لوگوں سے ایسی باتیں فرماکر انکے احسان کو یاد کرتے اور اسکی وجہ سے وہ شخص

مارے غیرت کے زمین میں گڑ ہی تو جاتا تھا کہ حضرت میں نے کیا کیا یہ سب جو ہوا وہ آپ ہی کے اخلاص اور اللہ تعالیٰ کے فضل کی وجہ سے ہوا) یہ بھی فرمایا کہ تم نے ہر جگہ میرے وعظ کا اعلان کرنا شروع کر دیا اسکی وجہ سے لوگوں میں میرا تعارف بڑھا اور لوگ مجھ سے قریب ہوتے گئے۔

مقصد یہ کہ گویا گنج کے کام میں مولوی حفیظ اللہ صاحب کا نمایاں حصہ تھا یوں بہت سے اللہ کے بندوں نے حضرت والاؒ کی نصرت فرمائی جن سے حق تعالیٰ واقف ہیں اور بہت سے لوگ بعد میں بہت قریب ہوئے اور بڑا کام اُن سے ہوا۔ اللہ تعالیٰ سب کو اجر عظیم عطا فرما دے۔

جب حضرت والاؒ کا یہاں کی مساجد میں کثرت سے وعظ ہونے لگا تو اب لوگوں نے بھی غلو سے کام لینا شروع کر دیا وہ یہ کہ بدون حضرتؒ کی اجازت لئے ہوئے بھی وعظ کا اعلان کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپنے جامع مسجد میں نماز پڑھی کسی نے اعلان کر دیا کہ حضرت مولانا کا وعظ ہوگا اس دن حضرتؒ کو کچھ اور ضرورت تھی اسلئے اس بے اصولی پر ناراض ہوئے اور فرض کے بعد ہی جامع مسجد سے نکلکر ظہیر ولال کی مسجد پر چلے آئے۔ سنتوں کے بعد اب سب لوگ منتظر کہ مولانا کہاں ہیں نظر نہیں آرہے ہیں اور وعظ کا اعلان ہوا ہے، جب دیر زیادہ ہوگئی تو مولوی حکیم بشیر الدین صاحب نے اسکو نباہا اور خود وعظ کے لئے کھڑے ہوگئے اور اس میں علماء کا احترام اہل اللہ کا ادب اور اصول سے کام کرنے کی تاکید کی اور اسکو ایسے عمدہ طریقے سے سمجھایا کہ لوگوں پر اثر ہوا۔ مولوی صاحب کہتے تھے کہ وعظ کے بعد حضرت والاؒ سے ظہیر ولال کے مکان پر جا کر ملا اور لوگوں کی اس بے اصولی کی معذرت چاہی اور عرض کیا کہ حضرت لوگ منتظر بیٹھے تھے تو میں نے کچھ تھوڑا سا بیان کر دیا اور یہ یہ باتیں عرض کیں۔ حضرتؒ نے سنکر فرمایا کہ تمھارے اس بیان سے جی بہت خوش ہوا۔ جزاک اللہ مولوی بشیر صاحب کہتے تھے کہ اسکے بعد سے پھر حضرت والا سے میرا تعلق بڑھتا ہی چلا گیا اور میں حافظ عبدالمنان صاحب نابینا کے ہمراہ فتحپور بھی آنے جانے لگا۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ جس وقت یہ ناکارہ حضرت اقدسؒ کی خدمت میں اس طور پر حاضر ہوا کہ اسکے بعد سے پھر وہیں قیام ہی کرنا طے ہو گیا تو حضرت اقدس اسوقت کوپا گنج ہی میں تھے۔ سیٹھ عبدالرب صاحب کی کوٹھی پر قیام تھا جس میں آجکل انکی سٹی ہے اسی میں اوپر ایک طرف حضرت والا کا قیام تھا اور دوسری جانب حضرت کی صاحبزادیاں اور انکے بچے رہتے تھے اور نیچے بڑے ہال میں باہر کے لوگ اٹھتے بیٹھتے تھے اور صبح کی عمومی مجلس ہوتی تھی۔ ایکطرف مولوی عبدالقیوم صاحب کوپا گنج والے کتابوں کا گٹھر رکھے ہوتے جن میں اکثر حضرت تھانویؒ کی کتب ہوتیں سالکین و واردین اور صادرین میں سے جسکو حاجت ہوتی یا جسکے لئے حضرتؒ تجویز فرماتے وہ ان سے ہی خریدتا تھا۔ یوں مہمانوں کا مستقل قیام مولوی بشیر الدین صاحب کے احاطہ میں تھا۔ انھوں نے ایک لمبا سا کمرہ خالی کر دیا تھا جس میں پیال ڈالکر ٹاٹ کا فرش بچھا دیا تھا بس اسی کے اوپر آنے والا سالک خواہ امیر ہو یا غریب سب اپنا اپنا بستر لگا دیتے تھے جسکی وجہ سے وہ کمرہ کسی نئے دیکھنے والے کو دینی سپاہیوں کی ایک بارک یا امراض باطنی کے اسپتال کا ایک وارڈ معلوم ہوتا تھا۔ قطار سے صوفیوں کے بستر لگے ہوتے تھے۔ کہیں گدا اور سفید چادر لگی ہوتی اور اسکے بازو ہی میں کوئی صرف دری ہی بچھائے ہوتا کسی طرف بستر کا کام صرف ایک تہبند ہی کو بچھا کر لیا جاتا۔ کوئی مسکین صرف سرھانے اپنا جھولا رکھ لیتا اور اسی بچھے ہوئے ٹاٹ پر قناعت کرتا۔ یہ تھا کوپا گنج کی خانقاہ کا نقشہ اس راقم نے یہ منظر چونکہ پہلی بار اپنی آنکھ سے دیکھا تھا اور الحمدللہ کہ وہ سادگی اور دینی ماحول نگاہوں میں کھپ گیا تھا اسلئے اسکی چاشنی اور نور قلب میں آجتک موجود ہے اسلئے کلام کو طویل کر دیا۔

بہرحال ان سب کے علاوہ یہ دیکھا کہ حضرت اقدسؒ سے آنے جانے والوں کی ملاقات کرانا اور اسکی اطلاع وغیرہ کا کام انھیں مولوی بشیر الدین صاحب کے حوالہ تھا۔ اور ایک یہی نہیں مہمانوں کو جائے قیام پر ٹھہرا کر حضرتؒ کو اسکی اطلاع کرنا۔ آنے جانے والوں کو حضرت والا سے ملانا۔ اور اگر کسی پر مواخذہ ہو جائے اور اسکو حضرت والا اپنے سامنے سے ہٹا دیں تو اسکے معاملہ میں واسطہ بننا یہ بھی ان سے ہی متعلق تھا۔

اور اسمیں شک نہیں کہ اس منصب کو مولوی صاحب موصوف نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام بھی دیتے تھے۔ چنانچہ لوگوں میں یہ مشہور تھا کہ جس کا معاملہ نہ بنتا ہو وہ مولوی بشیر صاحب کو واسطہ بنائے اور انکے ذریعہ حضرت اقدسؒ کی خدمت میں عرض معروض کرے تو انشاء اللہ تعالیٰ اسکا معاملہ ٹھیک ہو جائے گا۔ بات یہ ہے کہ پاس رہتے رہتے حضرت والا کے مزاج شناس ہو گئے تھے اور دین کا فہم پیدا ہو گیا تھا۔ آدمی مخلص تھے اسلئے یہ (یعنی دوسروں کے معاملات اور مواخذات میں واسطہ بننے کا کام) جو دوسروں کے لئے دشوار تھا انکے لئے آسان تھا۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ جن حضرات نے حضرت اقدس کی زیارت نہیں فرمائی اور حضرت کے یہاں قیام کا انکو موقع نہ مل سکا وہ شاید اس منصب کی اہمیت کو نہ سمجھ سکیں اور انکے سامنے اس منصب کی اہمیت کا پیش کرنا بھی مشکل ہے کیونکہ ۔ع۔

لیک حیرانم کہ نازش را چناں خواہم کشید

کا معاملہ ہے۔ ورنہ تو جو حضرات وہ منظر دیکھ چکے ہیں وہ جانتے ہیں کہ حضرت اقدسؒ بہت زیادہ شفیق اور خلیق اور نرم خو ہونے کے باوجود باب اصلاح میں مشائخ زمانہ کے مقابلہ میں ذرا سخت ہی نظر آتے تھے اسی لئے تو کسی نے کسی سے کہا تھا۔ " وہاں کیا جاتے ہو دروازہ بند پاؤگے ۔ اور نکالدئیے جاؤگے" ـــ اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیساکہ حضرتؒ کے شیخ حکیم الامۃ حضرت تھانویؒ کے بارے میں بہت سے ارباب زمانہ کا خیال تھا کہ حضرت سخت تھے لیکن جو حضرات کہ واقف طریق تھے وہ یہ بھی فرماتے رہے کہ بھائی اصلاح تو بس حضرت تھانویؒ کے یہاں ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت حکیم الامتؒ کے بعد اس منصب کی نیابت بھی حضرت مصلح الامۃؒ ہی کو ملی تھی کہ واقعتاً بہت نرم تھے اور شہرۃً بہت سخت سمجھے جاتے تھے اور یہ بالکل ایسا ہی تھا جیسے کسی نرم خو حسن الخلق، اور خوش معاملہ ڈاکٹر کو بوقت آپریشن دیکھکر کوئی ناواقف یوں کہے کہ ڈاکٹر صاحب بہت سخت مزاج اور بدخلق ہیں کہ غریب کا فلاں عضو ہی کاٹ کر رکھدیا۔ اور اسکے اسی معاملہ کو ایک واقفِ حقیقت ڈاکٹر صاحب کی عین شفقت اور خوش اخلاقی پر محمول کرتا ہے کہ دیکھو تو اس غریب کی صحت کا

ذریعہ بن گئے اور اس سے کچھ فیس بھی نہیں لی۔

بہرحال یہ صحیح ہے کہ حضرت مصلح الامۃؒ کے یہاں سیاست بادشاہوں کی سی تھی اور حکمت فلاسفہ جیسی اور دین توانبیاء کا سا تھا ہی۔ چنانچہ الحمدللہ کہ جو اوصاف مشائخ نے ایک شیخ کامل کے لئے کتابوں میں لکھے ہیں وہ حضرت والا میں علی وجہ الاتم موجود بلکہ مشاہد تھے۔ چنانچہ باب اصلاح میں حضرتؒ کے یہاں دار و گیر بھی تھی، مواخذہ اور معاتبہ بھی تھا، اخراج و تنبیہ بھی تھی اور زجر و توبیخ بھی تھی۔ لیکن یہ سب رذیلہ اور مرض کے نکالنے کے لئے تھا نہ کہ مریض سے تنفر کے طور پر اسی فرق سے جو لوگ ناواقف تھے وہ اعتراض کا شکار ہو گئے اور جو اس راز سے واقف تھا وہ حضرتؒ کا عاشق زار بن گیا۔

عرض یہ کر رہا تھا کہ مولوی بشیر الدین صاحب اس کام میں یکتا تھے۔ چنانچہ اسکے علاوہ حضرت والاؒ کے پاس آئے ہوئے استفتے کے جوابات لکھنا بھی انھیں کے ذمہ تھا اور حضرت والاؒ جناب قاری محمد مبین صاحب وغیرہ کو جن اسباق کا درس دیا کرتے تھے انکی تیاری کرانا بذریعہ مطالعہ اور خود بھی درس میں اور مجلس والا میں شریک ہونا یہ سب امور بھی مولوی صاحب موصوف سے متعلق تھے۔ یوں اسباق کے مطالعہ کیلئے بعض اور حضرات بھی مقرر تھے مثلاً مولوی عبدالقیوم صاحب کوپا گنج والے (جو کہ حضرتؒ کے بعد الحمدللہ کہ حضرت قاری محمد مبین صاحب مدظلہ ہی سے منتعلق ہو گئے ہیں) اور مولوی عبدالرؤف صاحبؒ کوپا گنج والے جو کہ بعد میں پورہ معروف چلے گئے تھے۔ یہ حضرات بھی خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔ بات یہ ہے کہ حضرت اقدسؒ نے اپنے سب داماد وں کو خود ہی پڑھایا تھا۔ چنانچہ حضرتؒ کا کوئی خویش کسی اور جگہ پڑھنے کے لئے نہیں گیا، جسکی جو کچھ بھی تعلیم ہوئی وہ حضرتؒ ہی کے زیر سایہ ہوئی اور اس تعلیم میں سب ہی خویش برابر کے درجہ میں شریک رہے۔ یہ الگ بات ہے کہ استعداد چونکہ مختلف ہوتی ہے اسلئے پڑھکر کسی میں علمی رنگ نمایاں نظر آیا اور کسی کو خدمت اصلاح پر فائز کر دیا گیا۔ اب محض اس اختلاف اور تنوع استعداد کے پیش نظر کسی کو عالم کہنا اور کسی کو جاہل سمجھنا اپنے دلی تعصب کا اظہار اور زمانہ کا فتنہ ہے۔

یہ تمام باتیں مولوی بشیر الدین صاحب کے ذکر پر یاد آگئیں تھیں۔ کوپا گنج میں مولانا

عظیم اللہ صاحب اور مولانا عبدالصمد صاحب یہ حضرات اسوقت معزز اہل علم تھے اور قصبہ کے لوگ انکا احترام کرتے تھے۔ چنانچہ کوپا گنج کا کوئی معاملہ ہوتا تو حضرت لوگوں کو انھیں حضرات کی خدمت میں بھیجتے تھے اور فرماتے کہ تمھارے یہاں تو خود علماء موجود ہیں ان سے فیصلہ کراؤ حضرت اقدسؒ علماء و مشائخ کا خود بھی احترام فرماتے تھے اور یہ چاہتے تھے کہ دوسرے لوگ بھی بالخصوص انکے وطن کے لوگ انکی عظمت کریں اس طور پر تو موالسیدکم کی سنت پر پورا عمل تھا چنانچہ اس وصف میں حضرتؒ کو نمایاں پایا کہ اپنی توقیر و عظمت کی جانب کبھی نظر نہیں فرمائی اور دوسروں کے منصب اور عظمت کے برقرار رکھنے بلکہ اسکے ازدیاد کے لیے برابر کوشاں رہے۔ فرماتے تھے میں تو مسافر ہوں، یا دور رہتا ہوں، سابقہ تو ان ہی علماء سے تمکو پڑتا ہے اگر انکی ہی عظمت تم لوگوں کے قلوب میں نہوگی تو دین کا کام کیسے ہوسکے گا۔ اسلئے دوسرے مقامات کے علماء و مشائخ کی عظمت شان کو حضرت والاؒ نے ہمیشہ اونچا ہی فرمایا۔ کبھی کسی عالم کی کسر شان اپنے قول یا عمل سے نہ ہونے دی یہی وجہ تھی کہ ہر جگہ کے بڑے بڑے حضرات بھی حضرتؒ کے عاشق تھے چنانچہ کوپا گنج کے یہ حضرات علماء بھی حضرت اقدسؒ کا بڑا احترام بڑا ادب فرماتے تھے اور کسی الجھے ہوئے معاملہ میں یہی فرماتے کہ جاؤ حضرت مولاناؒ سے دریافت کرلو جو وہ فرمادیں اسی پر عمل کرو۔ حضرت والاؒ کے اسی احترام علماء و مشائخ پر مجھے ایک واقعہ یاد آیا، ہمارے حضرت مولاناؒ کے ایک پیر بھائی سے متعلقہ کسی مدرسہ سے الگ ہوکر ایک مدرس نے خود اپنا ذاتی مدرسہ قائم کرلیا۔ ان مدرس صاحب کا تعلق اصلاحی حضرت اقدسؒ سے تھا اور جیسا کہ دنیا کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی کسی مدرسہ سے نکل جاتا ہے تو اسکی برائی اپنے اوپر لازم حال کرلیتا ہے (اور میرا یہ خیال ہے کہ یہ لوگ ایسا اسلئے کرتے ہیں تاکہ اپنی اہلیت محفوظ رہے اور لوگ اہل مدرسہ ہی کو نااہل سمجھیں) چنانچہ ان مدرس صاحب نے بھی اسی اصول کے پیش نظر کچھ حرکت کی اور اس سلسلہ میں حضرت مولانا کے ان پیر بھائی پر بھی کچھ اعتراض کرنا شروع کردیا۔ وہاں ان بزرگ کے متوسلین کو بہت ناگوار ہوا اور انھوں نے اس فتنہ کو دبانے کی صورت یہ سمجھی کہ ان مدرس صاحب کے شیخ یعنی ہمارے حضرتؒ کو ان کے رویہ سے مطلع کردیں اور حضرت والاؒ ہی انکو تنبیہ وغیرہ فرمادیں تاکہ کم ازکم انکی زبان تو بند ہوجائے کہ یہی رأس الفتنہ ہوا کرتی ہے۔ غرض حضرتؒ کے پاس ان لوگوں کا خط آیا۔ حضرت والاؒ نے خط پڑھکر صاحب خط

کو لکھدیا کہ اچھی بات ہے میں انکو تنبیہ کرتا ہوں اور صاحب معاملہ کو کچھ اس قسم کی تحریر لکھوائی کہ آپ کو نہیں معلوم ہے کہ فلاں مولوی صاحب میرے پیر بھائی ہیں۔ آپ مجھ سے مرید بھی ہیں اور سنا ہے کہ انکی شکایت بھی کرتے ہیں لہٰذا جب تک آپ ان مولوی صاحب سے اپنا معاملہ صاف نہ کرلیں اور ان سے معافی نہ مانگ لیں اور مولوی صاحب معاف نہ فرمادیں آپکو یہاں نہ تشریف لانے کی اجازت نہ مکاتبت کی اجازت۔ چنانچہ انھوں نے مولوی صاحب سے اپنا معاملہ صاف کیا معافی چاہی پھر حضرت والاؒ کو اسکی اطلاع دی تب جاکر انکا معاملہ حضرتؒ کے یہاں سے درست ہوا۔ یہ تھے ہمارے مصلح الامۃ کہ ہر مصلح اور عالم و شیخ کی عظمت شان کو برقرار رکھنا انکے نزدیک دینی کام کا بہلا زینہ تھا۔ لوگ آپسمیں لڑتے اختلاف کرتے تو فرما دیتے تھے کہ ہماری جگہ کوئی کچہری ہے۔ اور یہ بھی فرما دیتے کہ شیخ کو اپنے مریدین کے بھی دنیوی جھگڑوں میں بھی نہیں پڑنا چاہیئے بالخصوص آجکل کے لوگوں کے معاملات میں کہ انکی نفسانیت شباب پر ہے جس کے بھی خلاف فیصلہ پڑے گا وہی مخالف ہوجائے گا اور اگر دونوں کے خلاف ہوگا تو دونوں مخالف ہوجائیں گے۔ اسلئے اس زمانہ میں اس سے علحدگی ہی میں سلامتی ہے۔ لیکن جہاں کہیں کوئی شخص علماء یا مشائخ میں سے کسی سے الجھا تو پھر حضرت والا اس عالم و شیخ ہی کی نصرت فرماتے کیونکہ اس سے ایک جماعت کا نفع متعلق ہوتا ہے اسلئے اسکے احترام کا قلوب میں قائم رہنا ضروری ہے۔

اسی طرح سے مجھے یاد ہے کہ فتحپور میں ایک صاحب نے حضرت والاؒ سے کہا کہ حضرت آپکی مجلس میں تو دیکھتا ہوں کہ داڑھی منڈانے والے بھی موجود ہوتے ہیں اور مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ تو داڑھی منڈوں سے مصافحہ بھی نہیں کرتے تھے، اب واللہ اعلم واقعہ کیا تھا بہر حال مشہور یہی تھا۔ ہمارے حضرت نے اسکا کیا جواب دیا سنیئے۔ فرمایا کہ تم نے مولانا مدنی کا یہ معاملہ اس انداز سے بیان کیا ہے جس سے انکی سختی ثابت ہوا اور میری نرمی تو مجھے تمھاری یہ بات پسند نہیں ہوئی۔ بھائی یہ ہماری کمزوری ہے کہ ہم اسلامی شعار کے ترک کرنے والے کے ساتھ اس قسم کا معاملہ نہیں کر رہے ہیں جیسا مولانا مدنیؒ کیا کرتے تھے باقی یہ انکا ایمان اور شعار اسلام کے ساتھ عظمت کا معاملہ ہے کہ ایسے شخص سے انقباض اور تکدر ظاہر فرماتے تھے جو کہ تارک سنت ہے اسلئے مولانا کا یہ عمل تو قابل اعتراض نہوا بلکہ لائق تقلید ہوا پھر تم نے اسکو ہم سے اس انداز سے کیوں

بیان کیا۔ غرضکہ پھر اسی بات پر اُن صاحب کا معاملہ چل پڑا۔ اسی قسم کے معاملات ہوتے تھے جنھیں دیکھکر جاہل یہ کہتے تھے کہ مولانا بہت سخت ہیں۔

اسی قسم کا ایک واقعہ اور یاد آیا۔ مولوی انوار غنی صاحب کو پاگنج والے کہتے تھے کہ حضرت والاؒ کی مجلس میں ایک صاحب آتے تھے جن کے آنے سے حضرتؒ کے قلب پر اچھا اثر نہ پڑتا تھا تکدر ہوتا تھا اور حضرت باطنی طور پر ظلمت محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ جب جب وہ آتے ایسا ہی ہوتا جب کئی دن مسلسل یہی کیفیت رہی تو ایک دن حضرت والاؒ ہی نے ان سے تنہائی میں پوچھا کہ بھائی تم کیا کرتے ہو کہ جب تم آتے ہو تو مجھے مجلس میں ظلمت کا احساس ہوتا ہے اس پر اس نے ایک ایسی معصیت کا اپنے سے صدور کا اقرار کیا کہ جسکی وجہ سے شرعاً اسکی بیوی اس پر حرام ہوجاتی ہے۔ حضرت والاؒ نے یہ سنکر اسکو ڈانٹا اور پاس سے اٹھا دیا۔ اس فعلِ شنیع کے بعد بھی ظالم بیوی کو رکھے ہوئے تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حالت تو یہ تھی اور بزرگوں کی مجلس میں جانے کو تیار۔ اسی قسم کے معاملات روزانہ دیکھنے میں آتے۔

بہر حال وہ باطنی شفاخانہ تھا ہی اسلئے وہاں میٹھی دوائیں بھی تھیں اور کونین کی ٹکیہ بھی تھی، اور کسی کے لئے سوئی اور آپریشن بھی تجویز ہوتا تھا اسلئے راحت وسکون بھی تھا اور چیخ پکار بھی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کیوجہ سے سرد آہیں بھی تھیں اور نفس پر چھری چلنے کیوجہ سے گرم آنسو بھی تھے۔ ہند کے ایک گوشہ میں حضرتؒ کا ایسا باطنی شفاخانہ تھا اس سے نہ صرف ہندوستان میں بلکہ بیرون ہند بھی حضرتؒ کی شہرت ہوئی ــ اللہ تعالےٰ حضرتؒ کی قبر کو نور سے بھردے اور ہم سب کو عرفان اہل العلم سے نوازے۔

ابھی کوپاگنج کے ابتدائی دور ہی کے حالات عرض کر رہا ہوں۔ چنانچہ اسی سلسلہ کا شروع شروع کا ایک واقعہ وہاں کے لوگوں نے یہ بھی بیان کیا کہ حضرت والاؒ عید کی نماز بالعموم کوپاگنج ہی میں ادا فرماتے تھے ایک مرتبہ عیدگاہ میں نماز سے قبل حضرتؒ نے کچھ مختصر سا وعظ فرمایا اور لوگوں کے اس طریقہ پر کہ اپنے ہمراہ جو اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی عیدگاہ لاتے ہیں اور نماز شروع ہوتے ہی انکے رونے چلانے کیوجہ سے ایک قیامت برپا ہوجاتی ہے اس رواج پر ذرا سختی سے نکیر فرمائی۔ لوگوں میں بالعموم دین سے غفلت اور جہالت تو بھری ہی ہے ایک رئیس صاحب (جو

ذرا بڑے آدمی شمار ہوتے تھے اور ان کے غصہ اور مار دھاڑ کی وجہ سے نہ صرف انسان بلکہ جانور تک بھی ان سے خوف کھاتا تھا اور شکل دیکھکر بھاگتا تھا۔ چونکہ یہ رویہ انکا عام لوگوں کے ساتھ تھا اور قلب دین اور عالم دین کی عظمت سے خالی تھا اسلئے وہ صاحب) کھڑے ہوئے اور کہا کہ ہم اپنے بچوں کو نہ ہٹائیں گے، پیچھے کردیں اتنا بڑا مجمع ہے وہ سب گم ہو جائیں تب۔ حضرت والاؒ کو انکے اسطرح انکار پر سخت غصہ آیا اور فرمایا کہ میں تو مسئلہ شرعی بیان کر رہا ہوں اور تم اس میں رد و قدح کر رہے ہو، خدا رسولؐ کے حکم کے خلاف جہالت کو چلاؤ گے! اچھا تو چلاؤ ۔ یہ فرماکر شمال کیجانب چہار دیواری تھوڑی سی ٹوٹی ہوئی تھی اس سے نکلکر عید گاہ سے باہر تشریف لے گئے اور کسی اور جگہ جانے کا قصد تھا، کچھ ہی دور تشریف لے گئے تھے کہ یہی مولوی بشیر صاحب پہونچے اور اس شخص کی بے ادبی کی معافی چاہی اور بڑی خوشامد اور عاجزی کرکے حضرتؒ کو واپس لائے اسکے بعد سے لوگ کہتے ہیں کہ وہ شخص مسلسل ایک نہ ایک مصیبت کا شکار رہنے لگا یہاں تک کہ ایک ایسا وقت بھی اسپر آیا جو بالکل اسکا مصداق تھا جیسا بوستاں میں شکاری کتے کا نقشہ شیخؒ نے کھینچا ہے کہ ایک تو ایسا زمانہ تھا کہ جنگلی بجرا شکار کرنے کے بعد بھی وہ ہرن کا شکار کرلیتا تھا یا ایک زمانہ ایسا آیا کہ بستی کی بکریوں کی لات کھاتا تھا، قوت بھی ختم ہوگئی اور امارت بھی ختم ہوگئی اللہ تعالےٰ نے دین کا انکار اور کسی عالم اور شیخ کی گستاخی کرنے والوں کے لئے بس اسکو ایک عبرت ہی بنا دیا۔ اللھم احفظنا ۔ مولوی بشیر الدین صاحب فرماتے تھے کہ یہ غالباً سن ۳۰ء کا واقعہ ہے ۔ واللہ اعلم۔

کوپا گنج میں جیسا کہ عرض کیا گیا سیٹھ عبد الرب صاحب کے مکان میں حضرتؒ کا قیام تھا اور معمول حضرت والا کا یہ تھا کہ اشراق سے فارغ ہوکر ناشتہ فرماتے اور اسکے بعد ہی سے اسباق کا درس شروع فرما دیتے، نو دس بجے تک مئو سے اور اطراف کوپا گنج سے لوگ آجاتے تو ان سے ملاقات فرماتے اور اگر کسی دن علماء حضرات کا اجتماع ہوجاتا تو دس سے گیارہ تک خصوصی مجلس ہی ہو جاتی جس سے وہ حضرات مستفید ہوتے چھٹی کے دنوں میں مئو کے مدرسہ دار العلوم سے جناب قاری ریاست علی صاحب مرحوم ، مفتی نظام الدین صاحب (جو اسوقت دار العلوم دیوبند کے مفتی اعلیٰ ہیں) مولوی محمد امین صاحب ادری والے اور ان حضرات کے

ہمراہ کبھی کبھی بعض دوسرے مدرسین حضرات اور طلبہ بھی تشریف لاتے تھے۔ جس دن اہل علم کا مجمع ہو جاتا تو مجلس کا رنگ کچھ دوسرا ہی ہو جاتا تھا۔ اور یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت اقدس کے یہاں نفاق کا مضمون چھڑا ہوا تھا اور اسکی بحث شباب پر تھی چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کی تفہیمات الٰہیہ اور حجۃ اللہ البالغہ۔ روح المعانی۔ اور احیاء العلوم سے عبارت نکال نکال کر حضرت پیش فرما رہے تھے اور رسالہ اصول نادرہ اور تحذیر العلماء عن خصال السفہاء کا مسودہ تیار ہو چکا تھا۔ مسند امام احمد سے حدیث القلوب اربعۃ (قلوب چار قسم کے ہوتے ہیں) جس میں یہ بھی ہے کہ "وقلبٌ فیہ ایمانٌ و نفاق" حضرتؒ کا استدلال تھا اور حدیث انما اخوف ما اخاف علی امتی کل منافقٍ علیم اللسان کی توضیح فرمائی جا رہی تھی چونکہ ان روایات کی زد کسی قدر اہل علم پر بھی پڑ رہی تھی اسلئے کسی کسی کی زبان پر اعتراض بھی جاری تھا۔ چنانچہ حضرت کے ایک خاص اہل علم مرید سے ایک دوسرے مولوی صاحب نے کہا کہ یہ حضرت نفاق نفاق جو فرماتے ہیں یہ سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ علماء تو فرماتے ہیں لا نفاق الیوم یعنی اب آج کے دن نفاق باقی نہیں رہا۔ بس یا اسلام ہے یا کفر ہے۔ انھوں نے حضرتؒ سے آکر عرض کیا حضرت والا نے مسند احمد کی یہی حدیث بیان فرما دی۔ چنانچہ ان مولوی صاحب نے مسند امام احمد ہی ان معترض صاحب کے سامنے کھولکر رکھدی کہ یہ دیکھئے اس حدیث کا کیا مطلب ہے اسکو دیکھکر وہ صاحب سکتہ ہی میں تو آگئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرما رہے ہیں کہ قلوب انسانی چار طرح کے ہوتے ہیں ایک تو مومن کا قلب ہے۔ ایک کافر کا ہے۔ ایک منافق کا ہے اور ایک قلب ایسا ہے کہ اس میں ایمان اور نفاق دونوں ہوتا ہے۔ اب انسان سے جس قسم کے کام کا آئندہ صدور ہوتا ہے وہی غالب آجاتا ہے۔ یعنی ایمان کے تقاضے پر عمل کرتا رہا تو نفاق کا داعیہ کمزور ہوتے ہوتے ختم ہو جاتا ہے اور اگر خدانخواستہ اس نے نفاق کے طور پر عمل کیا تو ایمان کا رہا سہا ٹمٹماتا ہوا چراغ بھی بجھ جاتا ہے اور وہ خالص منافق یعنی کافر ہی ہو جاتا ہے۔ حضرت فرماتے تھے کہ بھائی جن علماء نے نفاق کی نفی فرمائی ہے وہ حقیقی نفاق کی نفی اور حکم نفاق کی ممانعت فرمائی ہے باقی عملی نفاق سے لوگ آج بھی متصف ہیں اور بکثرت ہیں۔ آج جو مسلمان

میں جو دینی ضعف ہوگیا ہے وہ اسی کا تو کرشمہ ہے۔ اس سے انکار نصوص سے ناواقفیت کا اظہار ہے۔ اسی بحث کے متعلق حضرت اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ـــــ یہی اخلاص و نفاق کی بحث میری ساری عمر کی کمائی ہے ـــــ اور یہ ایک نحیف و ناتواں آواز ضرور ہے لیکن یہ سمجھتا ہوں کہ اللہ و رسول کے منشار کے عین مطابق ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ خدا و رسول کو پسند بھی ہے۔ چنانچہ مجھے تو اسکے بیان سے غایت انشراح ہوتا ہے اور جس دن اس مضمون کو وضاحت کے ساتھ بیان کر لیتا ہوں تو سمجھتا ہوں کہ ہاں آج میں نے مسلمانوں کی کچھ خدمت کی ہے۔ بہر حال ہے تو یہ ایک ناتواں آواز لیکن اللہ تعالےٰ کو قدرت ہے کہ اسکو دُور دُور تک پہونچا دیں، چنانچہ نفاق نفاق کا لفظ تو امت کی زبان پر اور اہل سیاست کے قلم پر بھی آنے لگ گیا۔

عرض یہ کر رہا تھا کہ ہمارے حضرت کا مذاق چونکہ علمی تھا اسلئے اہل علم کو پاکر بہت خوش ہوتے تھے اور اس مجلس میں پھر تحقیقات کے دریا بہتے تھے ورنہ عام لوگوں کے سامنے اگر کوئی علمی مسئلہ زیر بحث آگیا تو یہی فرماتے کہ تم لوگ اسکو سمجھوگے بھی تھارا تو بس یہ حال ہے کہ بھینس کے آگے بین بجاوے بھینس کھڑی پگو راۓ (گائے بھینس کا چارہ کھانے کے بعد دوبارہ چبانے کو پاگر کرنا کہتے ہیں، مطلب یہ کہ جس طرح سے یہ بھینس ایک مغفل جانور ہے کہ اپنے ایک کام میں لگی ہے پھر اسکے بعد اسکو کسی دوسری چیز کی نہ خبر نہ اس سے مطلب اسی طرح سے تم لوگ ہو کہ اپنے امور دنیا میں مست ہو اب کوئی کیسی ہی علمی عملی مفید بات ہو لیکن تمھیں اس سے کوئی تعلق نہیں)۔ اسی بات پر کبھی کبھی حضرت سعدیؒ کے یہ اشعار بھی بہت افسوس کے ساتھ پڑھتے تھے کہ ؎

عالم اندر میان جاہل را — مثلے گفتہ اند صدیقاں
شاہدے درمیان کوران است — مصحفے درمیان زندیقاں

یعنی کوئی عالم جاہلوں کے درمیان پھنس جائے تو عقلمندوں نے اسکی یہ مثال بیان کی ہے کہ جیسے کوئی حسین اندھوں کے درمیان موجود ہو یا قرآن منکروں کے پاس پہونچ جائے۔ ظاہر ہے کہ ان میں اسکی کیا قدر ہوگی۔

گیارہ ساڑھے گیارہ بجے درس و ملاقات سے فارغ ہوکر کھانا تناول فرماتے اسکے بعد کچھ دیر قیلولہ فرماتے ظہر کی نماز کے بعد روزانہ مجلس عام ہوتی ہے جس میں آنے جانے والوں سے ملاقات اور انکی درخواست، تعویذ اور پانی پر دم کرنا وغیرہ بھی شامل ہوتا اور اسی دوران باہر سے طالبین اور سالکین کے آئے ہوئے خطوط کے جوابات تحریر فرماتے (جو کہ مکتوبات اصلاحی کے عنوان سے رسالہ میں ماہ بماہ پیش کئے جارہے ہیں) اسی مجلس میں کسی کسی سے مواخذہ و معاتبہ بھی ہوتا رہتا تھا۔ اور حاضرین میں سے طالبین و مخلصین کے قلوب میں القارِ نسبة بھی ہوتی تھی۔ غرض یہ سلسلہ عصر تک جاری رہتا۔ پھر نماز عصر کے بعد حضرت کسی باغ میں یا کسی اور جگہ تشریف لیجاکر خلوت و تنہائی اختیار فرماتے۔ اور مغرب کے بعد کبھی کسی باہر سے آنے والے مہمان کو وقت دیا جاتا کہ کچھ عرض معروض کرنا چاہے تو کرلے۔ عشاء کی نماز پڑھکر حضرت رح فوراً بستر پر رونق افروز ہو جاتے، تیل دبوانے کا معمول تھا۔ بعض خدام پیر بھی دباتے۔ حضرت رح گفتگو فرماتے رہتے اور نیند آنے لگتی تو سو جاتے۔ خدام خاموشی سے چلے آتے۔ یہی معمولات حضرت کے کوپا گنج میں دیکھے اور نہایت قلیل تفاوت کے ساتھ تقریباً ہر جگہ معمولات کا یہی انداز رہا۔ خدام بدلتے رہے، باقی معمولات یکساں رہے۔

اطراف کوپا گنج کے علاوہ بنارس، بلیا، غازی پور، دیوریہ۔ بستی، گورکھپور، سرائمیر شاہ گنج اور جون پور سے بھی کافی لوگ برابر ہی آتے جاتے تھے۔ اور الہ آباد۔ فتحپور اور کانپور سے بھی خدام کی حاضری وقتاً فوقتاً جاری تھی۔ چنانچہ ہمارے الہ آباد سے جہاں تک میرے علم میں ہے سب سے پہلے راقم کے برادرِ خورد عزیزم مولوی حافظ عبدالقدوس رومی حضرت اقدس رح کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت رح سے اصلاحی تعلق پیدا کیا اسکے بعد تو الہ آباد کے بہت سے حضرات اور حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب رح الہ آبادی سے تعلق رکھنے والے اکثر حضرات حضرت مولانا فتحپوری رح ہی سے متعلق ہوئے۔ مضافات الہ آباد سے اتراؤں کے مولوی حافظ محمد فاروق صاحب اور ان کے برادرِ بزرگ حافظ محمد حنیف صاحب مرحوم کا بھی حضرت والا سے دیرینہ تعلق رہا اور یہ لوگ بھی برابر تا نزع آتے جاتے رہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ اس سلسلہ میں حضرت مولانا سید ظہور الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہم سب پر بڑا احسان

ہے اللہ تعالیٰ اسکا نیک بدلہ انکو عطا فرمائے۔ ہوا یہ کہ زمانۂ طالبعلمی میں میاں رومی کی ظہور الحسن صاحبؒ کے یہاں آمد و رفت تھی مولانا نہایت کریم النفس اور وسیع الاخلاق تو تھے ہی ہر جانیوالا بہت جلد بے تکلف ہو جاتا اور تھانویؒ بھی تھے اسی نسبت سے رومی نے مولانا سے مشورۃً پوچھا کہ حضرت اب مولانا تھانویؒ کے بعد اصلاحی تعلق کس سے قائم کیا جائے؟ فرمایا کہ بھائی! ہماری نظر میں پورب میں تم سے قریب تو بس ایک ہی بزرگ ہیں جو مشہور تو نہیں ہیں مگر ہیں وہ شیخ کامل، اور وہ ذاتِ گرامی ہے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری کی جو تال نرجا اعظم گڈھ کے رہنے والے ہیں چنانچہ رومی الٰہ آباد آنے کے بعد تنہا فتحپور گئے اور چند دن قیام کر کے واپس آ گئے۔ آنے پر یہاں کے سب ہی لوگ کیا چھوٹے کیا بڑے سب نے وہاں کے حالات دریافت کئے۔ مولانا کیسے ہیں؟ مولانا کا کام کیا دیکھا؟ لوگوں کے مرجوعہ کا کیا حال ہے اور کیا حضرت کا انداز اصلاح ہے اور طریق کار کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ رومی نے کہا کہ حضرت والا نہایت نرم خو بہت زیادہ خلیق و شفیق اور مہمان نواز بزرگ ہیں۔ حضرت کی مجلس بڑی بابرکت ہوتی ہے اور باتیں بڑی کام کام کی ارشاد فرماتے ہیں۔ اس گفتگو سے متاثر ہو کر یہاں سے بعض حضرات تال نرجا تشریف لے گئے کیونکہ حضرت حکیم الامتؒ کا وصال ہی ہو چکا تھا اور حضرت مولانا عیسیٰ صاحبؒ بھی واصل بحق ہو چکے تھے طبیعت دینی صحبتوں کی جویا تھی۔ اسکے بعد راقم الحروف بھی بمعیت حاجی عبدالوحید صاحب (ڈیری والے) فتحپور حاضر ہوئے۔ پھر حاجی صاحب کے ہمراہ حاجی محمد شفیع اللہ صاحب تاجر چرم بھی جانے لگے اور ان دونوں حاجی صاحبان نے حضرتؒ سے ایسا قرب پیدا کیا کہ در اصل وہی باعث بن گیا حضرتؒ کے الٰہ آباد تشریف لے آنے کا۔ جب یہ لوگ حاضر ہوئے تو ایک چرچا عام ہو جاتا کہ الٰہ آباد کے لوگ آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مالی وسعت ہر دو صاحب کو بخشی تھی اس لئے دینی خدمت میں پیش پیش رہتے اور حضرتؒ کی جگہ سمجھ کر کھانے کی قیمت یا خرید کردہ اشیاء کے دام وغیرہ میں نہایت فراخدلی سے کام لیتے تھے اپنی بات اور حالات سے حضرتؒ کو خوش رکھتے اور حضرتؒ کے بچوں سے بھی نہایت محبت کے ساتھ پیش آتے تھے اسلئے سب کی نظروں میں مقبول تھے اور سب کے دل میں جگہ بنالی تھی۔ ادھر جون پور اور اس کے

اطراف سے مولوی عبد الحلیم صاحب مدظلہ کے ہمراہ بہت سے لوگ آنے جانے لگے اور حضرت والاؒ بھی چونکہ وہاں تشریف لے جا چکے تھے اسلئے لوگ پہلے سے حضرت والاؒ سے واقف بھی تھے غرضیکہ جون پور سے بھی لوگ خاصی تعداد میں حاضر ہوتے تھے۔ ماسٹر واجد علی صاحب کی وجہ سے بستی اور گورکھپور سے لوگ آنے لگے اور پھر مولوی امجد اللہ صاحب کے تعلق نے ان کے بھائی مولوی حاجی نثار اللہ صاحب مرحوم کو حضرتؒ کا شیدا بنا دیا۔ اور ان دونوں حضرات کے اخلاص اور بروقت موجودگی ہی نے حضرتؒ کا رخ بوقت ہجرت گورکھپور کیطرف پھیر دیا تھا ورنہ تو شاید حضرتؒ سیدھے الہ آباد ہی تشریف لاتے۔ بہرحال اسکی وجہ سے وہاں کے بھی ایک خاصے طبقے کی اصلاح ہوگئی اور الخیر فیما وقع کا منظر سامنے آیا۔

راقم الحروف جس وقت حاضر ہوا اسوقت وہ مدرسہ اسلامیہ فتحپور (ہسوہ) میں مدرس تھا وہیں پر صدر مدرس مولانا عبد الوحید صاحب مدظلہ تلمیذ رشید شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرتؒ کے حالات دریافت کیے میں نے تفصیل سے بیان کیا اس سے وہ بھی بہت متاثر ہوئے اور چند ماہ بعد فتحپور حضرتؒ کیخدمت میں حاضری دی اس سے قبل وہ بھی حضرت مولانا عیسیٰ صاحب الہ آبادیؒ سے متعلق تھے۔ کچھ میں نے انکے اور کچھ انھوں نے اپنے حالات حضرتؒ سے بیان کئے جس سے حضرتؒ کو ان سے خاص تعلق ہو گیا چنانچہ یہ مولانا فتحپوری ہمارے حضرت فتحپوریؒ سے بیعت بھی ہو گئے اور آخر تک بڑی عقیدت مندی اور محبت کے ساتھ آمد و رفت رکھی اور اب حضرتؒ کے بعد بھی خانقاہ وصی اللہی سے مولانا کا ویسا ہی تعلق ہے جیسا حضرتؒ کی حیوٰۃ میں تھا کثر اللہ امثالہ۔ حضرتؒ نے گورکھپور میں بھی اور پھر الہ آباد میں بھی خواہش ظاہر فرمائی کہ مولانا عبد الوحید صاحب یہیں میرے پاس کچھ دنوں رہیں لیکن مولانا نے اپنی بعض خانگی مجبوریاں ظاہر کیں اور اسکا موقع نہ مل سکا۔ ہمیں بھی اس کا افسوس رہا کہ مولانا جیسے حضرات اگر حضرت مصلح الامۃؒ کے پاس رہ جاتے تو آئندہ اپنی دینی زندگی میں چار چاند لگا ہوا پاتے رہے بھی تو ہم جیسے ناکارہ اور کندۂ ناتراش جو اپنی باطنی بد استعدادی سے حضرت اقدس سے کچھ بھی نہ حاصل کر سکے اور کوتاہ علمی کے باعث حضرتؒ کی باتوں کو خاطر خواہ نہ سمجھ سکے افسوس صد افسوس۔

اور جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا ہے کہ الہ آباد کے سابقین اولین میں صدیق محترم جناب مولانا محمد فاروق صاحب اترانوی بھی تھے چونکہ حضرت اقدس کی سیرت اور حالات الہ آباد میں مولانا موصوف کا خاص مقام ہے اسلئے تعارفاً عرض ہے کہ مولانا موضع اتراؤں تحصیل ہنڈیہ ضلع الہ آباد کے رہنے والے ہیں۔ تعلیم سے فارغ ہوکر وہ اور انکے بردار بزرگ مولوی حنیف صاحب نے اپنی بستی میں ایک عربی مکتب کی بنیاد ڈالی جو ابتک موجود ہے۔ اور مولانا مظاہر العلوم سے فارغ ہوکر تدریس و تبلیغ ہی میں لگ گئے۔ ذہن رسا، مزاج دینی اور تھانوی پایا تھا اسلئے پہلے اپنے ہی خطہ پر نظر فرمائی اور اپنے اطراف کے چپہ چپہ میں اشاعت دین کے سلسلہ میں پہونچے اور ہر طرف خوب وعظ فرمائے چنانچہ الحمد للہ لوگوں میں ایک دینی ماحول اور اور اس اطراف میں مولانا کا ایک خاص مقام ہوگیا۔ مطالعہ وسیع اور طبیعت کے تیز واقع ہونے کی وجہ سے اگر کہیں مناظرہ تک کی بھی نوبت آگئی ہے تو اس میدان کو بھی فتح فرمایا ہے۔ حضرت والاؒ کے حکم سے تھوڑے دنوں خانقاہ شریف تھانہ بھون میں بھی رہ چکے ہیں۔ حضرت اقدسؒ سے دونوں بھائی بڑی عقیدت اور محبت رکھتے تھے اور کہنا چاہیئے کہ تن من دھن سے فدا تھے۔ چنانچہ محبت کا جواب ہمارے حضرتؒ کے یہاں محبت تھا اسلئے الہ آباد تشریف لانے کے بعد حضرت والا اتراؤں بار بار تشریف لے گئے اور مولوی فاروق صاحب کے یہاں کبھی کئی دن قیام فرمایا۔ انکے مدرسہ کو پسند فرمایا۔ وہاں کے لوگوں میں اہل علم اور اہل فضل کا جو تادب ملاحظہ فرمایا اسکو پسند فرمایا اور مولوی فاروق صاحب کی تربیت عوام کی تحسین فرمائی۔ حتیٰ کہ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے جب حضرت اقدس سے ملاقات کا ارادہ فرمایا تو انکی ملاقات کا مقام حضرت والاؒ نے بعض مصالح کی بنا پر بجائے شہر الہ آباد کے اتراؤں ہی کو تجویز فرمایا۔ چنانچہ وہیں حضرت مہتمم صاحب تشریف لائے حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب اعظمی مدظلہ بھی اس موقع پر تشریف لائے۔ مولانا افتخار الحق صاحب اور مولانا وصی الدین صاحب بھی گورکھپور سے وہیں پہونچے۔ اسوقت اور اس مقام کی باتیں تو اپنے موقع پر آئینگی، اسوقت عرض یہ کر رہا ہوں کہ مولوی فاروق صاحب کا حضرت والا سے بہت ہی گہرا تعلق رہا ہے اور انکی عقیدت و محبت حضرت والاؒ کے لوگوں میں مسلم تھی۔ یہی

مولوی فاروق صاحب جب اکبرپور کو یا گنج تشریف لے گئے اسوقت راقم الحروف بھی حاضر تھا انھوں نے حضرت والا کے یہاں کی حاضری کے اسباب اور اپنے پہلے سفر فتحپور کا نقشہ ایک نظم میں بڑے والہانہ انداز میں کھینچا تھا اور فرط نشاط میں آکر اسکو حضرت والا کو بھی دکھایا تھا یا شاید سنایا بھی تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ خانقاہ کویا گنج میں۔ فتحپور۔ ندوہ سرائے اور کاری ساتھ وغیرہ کے لوگ خاصی تعداد میں آئے تھے جن میں بعض اہل علم اور بعض دنیوی لحاظ سے بڑے درجہ کے لوگ تھے اسوقت کسی مصلحت سے حضرت والاؒ نے مولوی فاروق صاحب سے فرمایا کہ ہمارے اطراف کے ان سب لوگوں کو خانقاہ (یعنی مولوی بشیر صاحب کے احاطے) میں لیجاؤ اور وہ نظم جو تم نے فتحپور آنے کے سلسلہ میں کہی ہے ان سب کو سناؤ۔

راقم عرض کرتا ہے کہ شعر و شاعری سے کچھ خاص شغف ہونا تو حضرتؒ کا مزاج نہ تھا غالباً حضرت والا کا منشا اس سے یہ رہا ہو گا کہ اپنی بستی اور اطراف کے لوگوں کو جو فی الجملہ حضرت سے دور دور رہتے ہیں یعنی باطنی قرب حاصل کرنے کی فکر ابھی انکو پیدا نہیں ہوئی ہے انکو کچھ پگھلائیں اور اسکے ذریعہ انکے قلب میں بھی کچھ رقت پیدا فرمائیں اور انکی طبعی غیرت کو ابھاریں کہ افسوس حضرت ہمارے یہاں موجود اور ہم لوگ تو حضرت کو کما حقہ نہ پہچانیں اور دوسرے دوسرے لوگ ایسی باتیں کریں اور انکا یہ حال ہو یہ ہمارے لئے باعث افسوس ہے۔ اسی قسم کی مصلحت پیش نظر رہی ہو گی جو مولوی صاحب موصوف سے فرمایا کہ جائیے سب کو جمع کر کے اپنی یہ نظم ان سب کو سنائیے۔

چنانچہ حضرت والا کے اس معاملہ سے اندازہ ہوا کہ یہ نظم حضرتؒ کو پسند ہوئی اسی لئے جی چاہتا ہے کہ ناظرین کرام بھی اس سے محروم نہ رہیں مولوی صاحب موصوف نے تو اسکا ایک مقدمہ بھی نثر میں لکھا تھا اسکو ہم طوالت کے خیال سے مختصر کئے دیتے ہیں

ہمارے مولوی فاروق صاحب نے گو یہ مقدمہ نثر میں لکھا ہے لیکن پڑھنے والوں کو انشاءاللہ تعالیٰ اس میں بھی نظم ہی کا لطف آئیگا اور کیف و حال کی آمیزش نے اسکے لطف کو دوبالا کر دیا ہے۔ شاید اسی لئے حضرت والاؒ نے لوگوں کو اسے سنوایا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اب وہ مقدمہ اور نظم ملاحظہ فرمائیں :-

(مقدمہ۔ نظم وادئ ایمن ——— از مولوی محمد فاروق صاحب الہ آبادی)

مرشد سابق رفع اللہ درجاتہم وقدس اللہ اسرارہم (مراد اس سے حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب رح الہ آبادی خلیفہ حضرت حکیم الامۃ رح ہیں) کے دربار گہربار میں اس دولت باطنی ۱۲ کی جھلک دیکھ چکنے کے بعد پھر فتنوں کی باد صرصر کے مسلسل تھپیڑے کھانے کی وجہ سے مدت کے حسرت و یاس سے بجھے ہوئے دل میں امید کی کرن پھوٹی اور اب مدت کی بھٹکنے والی طبع حیران طالب سکون و اطمینان خیر جاد اللہ کے لئے بیتاب و سرگرداں تھی، ناگہاں سننے میں آیا کہ اعظم گڈھ کے ایک گاؤں فتحپور تال نرجا میں ایک اس شان و صفت کے بزرگ موجود ہیں۔ صیت انکی نزدیک و دور مشہور ہے اور اور ایک دنیا انکے فیض سے معمور ہے۔ الحق کہ وہ ایک شیر مرد ہیں شجاعت میں فرد ہیں۔ ہند و بیرون ہند کے طالبان ہدایت اور تشنہ کامان سکون و طمانیت آتے ہیں اور مرادوں سے اپنے اپنے دامنوں کو بھر کے جاتے ہیں۔ صلاح و تقویٰ کا اسقدر زور ہے کہ ہر خاص و عام میں اسکا شور ہے۔ علم کا دریا جاری ہے اور عمل کی گرم بازاری ہے۔ امدادی سرچشمہ سے جو دریا جاری ہوا تھا تھانہ بھون ہوتا ہوا یہاں پہونچکر لہریں لے رہا ہے اور ایک دنیا کو سیراب کر رہا ہے۔

اور وہ بزرگ مرجع ارباب ہدایت، مرکز دائرہ ولایت، مقتدائے اصحاب شریعت پیشوائے ارباب طریقت، دلیل سبیل فلاح و رشاد، رہنمائے طریق استقامت سداد ہادی زمانہ، مرشد یگانہ، غوث زماں، قطب دوراں، سراج المحبین، تاج المحبوبین، زبدۃ العارفین عمدۃ الصلحاء والکاملین، عالم علوم ربانی، ماہر اسرار قرآنی، قدوۃ اصفیا، اشرف اولیا، آیۃ من آیات اللہ حضرت مولانا مولوی الحافظ الحاج الشاہ محمد وصی اللہ لازالت شموس فیوضہم بازغۃ و بدور مکارمہ طالعۃ متعنا اللہ و جمیع المسلمین بطول حیاتہ و بقائہ و نفعنا و سائر الطالبین باقوالہ و افعالہ ہیں۔

یہ مژدہ سنکر کمال شوق پیدا ہوا کہ رخت سفر باندھئے اور جس طرح ہو جلد فتحپور تال نرجا پہونچکر حضرت موصوف کی قدمبوسی کا شرف حاصل کیجئے۔ لطف ربانی نے دستگیری کی اور کشاں کشاں مقام مذکور تک پہنچا دیا۔ کیا سناؤں کہ کیا سنا کیا بتاؤں کہ کیا دیکھا! مختصر یہ کہ شنیدہ دیدہ میں تبدیل ہوا

اور گمان نے مشاہدہ کا درجہ حاصل کیا۔ زبان اس قلم کی کہ خشک لکڑی ہے تصویر کشی کی کب مجال رکھتی ہے۔ قصورِ علم قصورِ فہم کے اعتراف کے ساتھ جتنا ہو سکا اپنے تأثرات کو بصورتِ نظم سپردِ قرطاس کر دیا۔

میں شاعر نہیں ہوں مگر نظر بر ممدوح والاشان مجھے اپنے شاعر ہونے پر فخر ہے ؎

ہر نکتہ کہ گفتم در وصفِ آں شمائل ہر کس شنید گفتا ۔ للہ در قائل

میری شاعری کی عمدگی کیلئے اتنا کافی ہے کہ اسکو ایسے ممدوح سے نسبت ہے ؎

فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

انشاء اللہ یہ نظم شور و فتنِ روزگار سے پریشان اور اس سے نجات کے طالب کے لئے تجویز معالجہ و معالج میں کامیاب رہنما ثابت ہوگی۔ واللہ الموفق والمعین وبہ نستعین۔

طالب دعا

خاکپائے درویشاں و گردِ راہِ ایشاں

محمد فاروق۔ اترا ؤں ۔ الہ آباد

وادیٔ ایمن

پریشاں تھا میں روزگارِ فتن سے گریباں الجھا تھا خارِ فتن سے

یہ سیلابِ فتنہ یہ پرشور دھارے تھا مشکل سفینہ کا لگنا کنارے

تلاطم میں کشتی ہوئی تھی روانہ مگر کچھ بھی مشکل نہ تھا ڈوب جانا

دماغ اور دل پر تھی اک یاس طاری

زباں پر بحسرت یہ الفاظ جاری

حسرتِ برفتگاں

الٰہی کہاں اب وہ پیر ہدیٰ ہیں حکیم زماں، اشرف اولیا ہیں

وہ قدسی نفس وہ مسیحا کہاں ہیں — کریں زندہ مُردوں کو عیسیٰ کہاں ہیں
کہاں ہیں طبیبانِ آلامِ دنیا — اتر جائے یہ نشۂ جامِ دنیا
کہاں دورِ رومیؒ و عہدِ غزالیؒ — کہاں ہیں وہ ایام اور وہ لیالی
تصوف کے اب وہ مفسر کہاں ہیں — علومِ لدنی کے ماہر کہاں ہیں

تھا صحرا میں تنہا نہ رہبر نہ ہادی
کہ ناگاہ ہاتف نے مجھ کو ندا دی

ہاتف کا تسلّی دینا

کہ اے راہ گم کردہ بیکس مسافر — بہت غم سہے تو نے مقصد کی خاطر
یقیں کر تری سعی مشکور ہوگی — یہ ساری مصیبت تری دور ہوگی
عبث عمر کو رائیگاں کر رہا ہے — سکوں کا تجسس کہاں کر رہا ہے
وہ رومیؒ نہیں ہے غزالیؒ نہیں ہے — مگر اب بھی دنیا یہ خالی نہیں ہے
ابھی تک وہ ابرِ کرم دُرفشاں ہے — وہ خمخانہ قائم بہ ہر دو نشاں ہے
مداوائے غم اپنا گر چاہتا ہے — تو مرہم جراحت کا گر چاہتا ہے

تو سن کاہشِ غم یہ کافور ہوگی
تری گر رسائی فتحپور ہوگی

نویدِ مسرت جو کانوں میں آئی — تو گویا تنِ مردہ میں جان آئی
وفورِ مسرت سے سرشار ہو کر — چلا میں سکوں کا طلبگار ہو کر
بشوقِ فراواں غزلخواں و رقصاں — بحالِ پریشاں اُفتاں و خیزاں
گہے مست و سرشار خنداں و گریاں — گہے فضلِ باری پہ شاداں و فرحاں
تمنائے دل گہہ گلستاں گلستاں — گہے پا بجولاں بیاباں بیاباں
اگرچہ رہ و رسم سے بے خبر تھا — مگر شوقِ دیدار خود راہبر تھا
کسی خاص دھن میں چلا جا رہا تھا — کوئی تھا جو مجھ کو لئے جا رہا تھا

بالآخر مرا جذب دل کام آیا — کہ لیلائے مقصود نے منہ دکھایا
زہے فضلِ یزداں فتحپور دیکھا — تجلی گہ نورِ حق، طور دیکھا

خوشا میری قسمت کہ منزل پہ لائی
تلاطم میں کشتی تھی ساحل پہ آئی

حالات وکمالات مرشد

نرالا ہے دنیا سے یہ پاک خطہ — سہے جنت کا لاریب یہ ایک روضہ
یہاں جلوہ فرما ہے عیسیٰ دوراں — مسیحا ہے محو علاج مریضاں
ہے یاں جلوہ افگن شریعت کا ہادی — طریقت کا رہبر و صبحِ الٰہی
کمالات جس کے ہیں باہر بیاں سے — اور اوصاف اسکے ہیں خارج گماں سے
گو عاجز ستائش سے نطق و بیاں ہیں — مگر لذت اندوز کام و زباں ہیں
یہ کہتا نہیں شاعر خوش بیاں ہوں — میں خوش ہوں کہ مدحت میں رطب اللساں ہوں
نگہ عشق حق سے ہے مخمور اس کی — نظر حاملِ جلوۂ طور اس کی
اگر سوزش عشق سے دل تپاں ہے — تو مستی بھی آنکھوں سے بالکل عیاں ہے
جو سینہ ہے اسرار کا بحر زاخر — تو نور الٰہی جبیں سے ہے ظاہر
جو ہے علم باطن میں سباق میداں — تو ہے علم ظاہر میں بھی فخر اقراں
اصول اسکا عمدہ طریق اسکا نادر — صفت عدل کی ہر ادا سے ہے ظاہر
ہے مظہر تخلق با خلاق رب کا — نمونہ ہے خُلق رسولِ عرب کا
کبھی شان موسیٰ کبھی شان عیسیٰ — ہر اک اپنے اپنے محل پر ہویدا
جو شان غضب شان دکھلا رہی ہے — تو شان کرم بھی ستم ڈھا رہی ہے
حقیقت میں الطاف ہیں عام سب پر — پہ رحمت کو سبقت ہے شان غضب پر
نہ کوئی ہے احقر نہ کوئی معظم — جو اتقیٰ ہے نزدیک اسکے ہے اکرم
نہیں ہے تفوق کسی کو کسی پر — بڑے اور چھوٹے ہیں یاں سب برابر

خدا نے اسے دی بصیرت ہے ایسی مرض رہ سکے کیا مجال اس سے مخفی
فراست بھی اللہ رے کیا حق نے دی ہے خفی سے خفی بھی جلی سے جلی ہے

ہے نبّاض امت کی بیماریوں کا
ہے حلّال قوموں کی دشواریوں کا

دربار مرشد کے عمومی حالات

برائے علاج آتے ہیں دردمنداں شفا پاکے وہ جاتے ہیں شادو خنداں
یہاں اڑکے آتے ہیں جویائے رحمت کہ بٹتی ہے ہر آن نعمائے رحمت
یہاں ہوتی ہے بارش فضل باری یہاں سے ہے اک چشمۂ فیض جاری
رواں اور دواں کارواں آرہے ہیں سراغ اپنی منزل کا یاں پا رہے ہیں
سلاطیں کے قصے یہاں بے نشاں ہیں حکایات مہرو وفا ہی یہاں ہیں
ارسطو فلاطوں کی حکمت یہاں ہے سکندر فریدوں کی ہیبت یہاں ہے
ہے علم وعمل کا یہ دربار سنگم ہے عشق و شریعت کا یاں وصل باہم
یہاں کی ہے مجلس عجب روح پرور فروغ نظر یاں کی محفل کا منظر
ہیں ذکر الٰہی سے کوچے معنبر ہیں تسبیح رحمٰن سے گلیاں معطر
ہے یاں قدر اخلاص وصدق وصفا کی ہے خانہ خرابی نفاق وریا کی
ہے یاں لذت ذکر وشغل وعبادت ہے یاں لطف ارشاد ووعظ وتذکیت
ہے یاں نور فقہ واحادیث وقرآن ہر اک شئے ہے وجہ سکون دل وجاں
جو فردوس روئے زمیں پر کہیں ہے یہیں ہے یہیں ہے، یہیں ہے، یہیں ہے
یہاں عام یوں فیض قمر مبیں ہے کہ نور الہدیٰ سے منور زمیں ہے

سنا ہے جو آئی تھی تھانہ بھون میں
وہی آئی ہے اب بہار اس چمن میں

درباریوں میں شامل ہونیکا شوق

جو دربار کی شانِ عالی یہ دیکھی — بصد شوق یہ آرزو قلب نے کی
کہ نظرِ عنایت جو ہو جائے مجھ پہ — ہو دربار کا ایک گوشہ میسر
گذاروں میں عمرِ رواں خاک بن کر — مٹا دوں میں اپنے کو اس پاک در پہ
سو کی لطفِ غیبی نے عقدہ کشائی — دلِ ناتواں کی تمنا بر آئی

مراللہ الحمد جاگا مقدر
کہ مجھکو ہوا بارے گوشہ میسّر

دربار کے آداب

قدم میں نے دربار میں جونہی رکھا — ہر اک رندِ مجلس ہوا مجھ سے گویا
یہ سرکار گو جائے وجد و طرب ہے — یہ ہشیار رہنا مقام ادب ہے
عیوب و رذائل سے وہ پاک ہوگا — کہ وہ مرکے پیروں کی جو خاک ہوگا
نہ رکھے قدم یاں فلاطون بنکر — جو لے نام لیلیٰ تو مجنون بنکر
جو سینے میں ہو آتشِ عشق سوزاں — تو کر دے یہ ہر ایک مشکل کو آساں
حجابِ خودی ہوگا رہ میں جو حائل — تو طے ہونا رہ کا بہت ہوگا مشکل
جو چاہے تعلق ہو سچا خدا سے — کرے پاک دل کو نفاق و ریا سے
جو رنجور ہوگا وہ مسرور ہوگا — سرِ دار ہوگا تو منصور ہوگا
ہے غم میں مسرت، مسرت میں غم ہے — ستم میں کرم ہے، کرم میں ستم ہے
چھپی یاں کے کانٹوں میں پھلواریاں ہیں — نہاں ذلتوں میں بھی سرداریاں ہیں
قدم رکھے یاں پر اولو العزم سالک — کہ اس راہ میں ہیں قواطع مہالک
عقیدت ہو محکم، عمل ہو مسلسل — ہے تقلیدِ کامل یہاں شرطِ اول

یہ ہے قبلِ تقلید تحقیق اسلم

کہ رستہ ہے نازک ہے مقصود اعظم

طالب کا ضعف

تھی قوت کہاں بازوئے مشت پر میں | کہ رکھے قدم وادیٔ پُر خطر میں
میں تھا پا شکستہ، تھی دشوار منزل | قدم اک اٹھانا بہت ہی تھا مشکل
تھی نا دیدنی میری ژولیدہ حالی | طبیعت بھی از بسکہ تھی لاابالی
بھروسہ نہ کچھ اپنے تھا دم قدم پر | تھی لیکن نظر حق کے لطف و کرم پر
نہ جنبش کی طاقت، نہ چلنے کا یارا | عنایت کا مرشد کے تھا اک سہارا
یہی توشہ و زادِ بے بال و پر تھا | اسی زور پر عزم قطع سفر تھا

متاعِ گرانقدر یہ ساتھ لیکر
ہوا میں بھی پھر داخلِ بزم انور

وہ دربارِ انور، وہ جنت کا گلشن | وہ برقِ تجلّی، وہ وادیٔ ایمن
زہے میری قسمت، زہے میرا رتبہ | کہاں میری آنکھیں، کہاں انکا جلوہ
کہاں میں! کہاں بزم وہ نورافزا | کہاں تھا میں یارب! کہاں جاکے پہنچا

بالآخر ہوا مے گساروں میں شامل
کیا ان کے زمرے میں اپنے کو داخل

دربار کے خصوصی حالات

یکایک ہوا چاک ظلمت کا پردا | کھلی آنکھ دیکھا عجب اک تماشا
کہ ہے بزم انجم میں اک ماہِ تاباں | ہے جھرمٹ میں پروانوں کے شمع سوزاں
میانِ چمن ہے جمالِ شہِ گل | ہے اس گل کے پہلو میں اک فوجِ بلبل
پئے شاہد و جاں نثاراں ہزار اند | پئے ساقی و میگساراں ہزار اند
نظر جو اٹھاتا ہے اک بار ساقی | تو سُوئے سُوئے کو کرتا ہے سرشار ساقی

جیسے ناوکِ چشمِ ساقی نے تاکا ۔ اسے ہوش کیا ہوگا پھر ماسوا کا
اُدھر ہے مسیحائی ابنِ مریم ۔ اِدھر بیخودی جذب و مستی کا عالم
نگاہوں سے بجلی گراتا ہے ساقی ۔ رگ و پے پہ نشتر چلاتا ہے ساقی
سنبھلتے ہوؤں کو گراتا ہے ساقی ۔ تو گرتے ہوؤں کو اٹھاتا ہے ساقی
کوئی آئے بھر بھر پلاتا ہے ساقی ۔ دل و جاں کے ٹکڑے اڑاتا ہے ساقی
مئے عشق جس دم پلاتا ہے ساقی ۔ ہر اک نقشِ فانی مٹاتا ہے ساقی
وہ دنیا ہی تھی اور تھا اور عالم ۔ دماغ اور دل کا تھا کچھ اور عالم
عجب دلکش و دلربا تھا وہ منظر ۔ کہ جاری تھا محفل میں اک دورِ ساغر
بپا تھا اِدھر اور ہی اور کا غُل ۔ اُدھر دور میں اک تھا قائم تسلسل

میں بیٹھا تھا تھامے توکل کا دامن
مقدر ہو کب دیکھئے اپنا روشن

مرشد کی توجہ

توجہ کی حق نے مری عاجزی پر ۔ اسے رحم آیا مری بے کسی پر
یکایک پھرا گوشۂ چشمِ ساقی ۔ ہوئی میری جانب نظر کیمیا کی
میں قربان ساقیٔ فرخندہ پے کے ۔ دیئے چند قطرے مجھے تیز مے کے
ملی جونہی بوئے مئے تند مجھکو ۔ کیا مست و مدہوش و دیوانہ مجھکو

تھا یارب محبت کا کیسا وہ قطرہ
رلایا مجھے جس نے دریا کا دریا

نتیجہ

ہوئی میری حالت ز لطفِ الٰہی ۔ فقیری میں کرنے لگا بادشاہی
ہوئی ذکرِ حق کی جونہی ضوفشانی ۔ بسر ہوئی پر سکوں زندگانی

عجب جوش پر کیف قلب حزیں ہے — زمیں پر گماں ہے کہ عرش بریں ہے

جو تھا خار پہلے وہ اب ہے گلستاں
شکستہ چٹائی ہے تخت سلیماں

خاتمہ و دعاء

ہے بیچارہ عشقی کی یہ التجا اب — میسر غلامی ہو اس در کی یارب
تری بندگی میں بسر زندگی ہو — بروز قیامت نہ شرمندگی ہو
عطا دین پر استقامت ہو اسکو — میسر نبی کی شفاعت ہو اسکو
فلک پر ہیں جب تک یہ تابندہ اختر — ہے نور مہ و خور (آفتاب) سے عالم منور
یہ صورت رہے جبتک ارض و سما کی — ہے یہ آمد و رفت صبح و مسا (شام) کی
رہے یہ بہار فتح پور باقی — یہ پیمانہ میخانہ میخوار ساقی

رہے یہ بہار فتح پور جاری
رہے دور جب تک رہے دور جاری

مولوی فاروق صاحب کی نظم ختم ہوئی، اصل میں تو یہ مولوی صاحب موصوف کا اپنا ایک حال تھا لیکن اسمیں چونکہ اللہ والوں کی مدح اور انسے استفادہ کی ترغیب تھی جسکا محمود و مطلوب ہونا ظاہر ہے اسلئے حضرت والا نے لوگوں کو سنوایا تاکہ ضعفاء کی عقیدت میں قوت آجائے اور اقویا کیلئے باعث ازدیاد یقین ہو جائے اور مدح مذموم نہیں کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے "اذا مدح المومن فی وجہہ ربی الایمان فی قلبہ" جب کسی مومن کی تعریف اسکے روبرو کیجاتی ہے تو اسکے قلب میں ایمان اور زیادہ بڑھ جاتا ہے اسلئے کہ عارف اپنی تعریف کو اسکے مستحق حقیقی کی جانب پھیر دیتا ہے اور مالک حقیقی کی عنایات کا شکرگذار ہوتا ہے، اور مدح کیوجہ سے اسکو کچھ ضرر نہیں ہوتا۔ باقی وہ جو دوسری حدیث میں آتا ہے کہ جب کوئی شخص تمھارے منہ پر تمھاری تعریف کرے تو اسکے منہ میں خاک جھونک دو تو وہ حکم مبتدی کیلئے ہے کہ نفس سے چھوٹا ہوا نہیں ہوتا اسلئے مدح سے اسکا باطنی نقصان ہوجاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بیان ہو رہا تھا "حضرت مصلح الامۃؒ اور کوپا گنج" چونکہ یہیں یہ نظم والا واقعہ بھی پیش آیا تھا اسلئے درمیان میں اسکا ذکر آ گیا اب پھر سابق موضوع کیطرف عود کرتا ہوں ــــ کوپا گنج کے مولوی عبدالقیوم صاحب جو حضرتؒ کے قدیم خدام میں سے ہیں وہ کہتے تھے کہ ــــــ کوپا گنج میں حضرت مولاناؒ کی آمد و رفت سے یہاں کے حالات میں انقلاب عظیم برپا ہوا۔ ایک واقعہ یاد آیا کہ جب میں دیوبند سے فارغ ہو کر آیا اسکے بعد ایک دفعہ رمضان شریف کا مہینہ تھا اور غالباً ۱۳۵۲ھ کا زمانہ تھا کہ بڑا سخت زلزلہ آیا حضرتؒ اسوقت کوپا گنج میں تھے ایک دن ظہر کے بعد حضرتؒ کا وعظ ہونا طے ہوا لوگ جمع ہوئے اسی وقت وعظ سے پہلے زلزلہ آ گیا جب وہ فرو ہو گیا تو حضرت نے مجمع سے فرمایا اب میرے وعظ کی کیا ضرورت ہے۔ یہ زلزلہ تو خود ہی بہت بڑا واعظ ہے۔ اسی مضمون کو حضرت نے کچھ اس انداز اور اس درد کے ساتھ بیان فرمایا کہ لوگوں پر بہت اثر ہوا۔ اسکے علاوہ حضرت نے اس دن اور کچھ نہیں فرمایا۔ زلزلہ کی ہیبت اور اسکے تباہ کن نتائج کیجانب لوگوں کو متوجہ فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے جس بستی اور جس جگہ کو چاہیں ایک آن میں تہس نہس فرما دیں جسکا یہ ادنیٰ نمونہ ہے۔ لیکن جسکو باوجود اسکی نافرمانیوں کے ڈھیل ملی ہوئی ہے تو وہ یہ سمجھیں کہ ہمیں موقع دیا گیا ہے خوش ہونے کی بات نہیں ہے کہ دوسرے لوگ تباہ ہوئے اور ہم بچ گئے ہیں۔ نیز یہ کہ یہ زلزلہ وغیرہ اللہ تعالےٰ کے غضب کی نشانی ہوتی ہے اسلئے توبہ استغفار کرنے اور اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع ہونے کی ضرورت ہے ۔ مولوی عبدالقیوم کہتے تھے کہ اسی زمانہ میں حضرت مولانا بہت زیادہ کوپا گنج تشریف لاتے تھے اور بہت بہت دنوں تک رہ جاتے تھے اور ایام قیام میں برابر جگہ بجگہ حضرت کا مسلسل وعظ ہوتا تھا جسمیں مردوں کی اصلاح کے ساتھ ساتھ عورتوں کی بھی اصلاح کے مضامین بیان ہوتے تھے ۔ وعظ حضرت والا بالعموم مسجد ہی میں فرماتے تھے ہر ہر محلہ کی مسجد میں باری باری تشریف لیجاتے اور نماز کی اہمیت اور اسکے مسائل وعظ میں بیان فرماتے اور یہ فرماتے تھے کہ دین پر عمل کرنے کے لئے دین کا علم ضروری ہے لہٰذا بچوں کی تعلیم کے علاوہ تعلیم بالغان کا بھی نظم ہونا چاہیئے ۔ چنانچہ کوپا گنج کی متعدد مساجد میں تعلیم بالغان کا انتظام فرمایا جسکو یہاں کے اہل علم نے بھی بہت پسند کیا اور اس سلسلہ میں حضرت کا تعاون کیا چنانچہ خود

مولانا عبدالصمد صاحب مرحوم جو کوپا گنج کے بڑے علماء میں شمار ہوتے تھے انھوں نے بھی اپنی مسجد پر لوگوں کو خود پڑھانا شروع فرما دیا۔ بوڑھے بوڑھے لوگوں نے بہشتی زیور پڑھنا شروع کیا عورتوں نے بھی اور مردوں نے بھی اس طرح سے دین کا قصبہ میں ایک عام چرچا ہو گیا۔ اللہ کی شان کہ تنہا ایک ذات کے اخلاص اور اسکی محنت و کوشش نے پورے ہی قصبہ میں اور اطراف قصبہ میں دین پھیلا دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آدمی ڈھنگ اور طریقہ اور اخلاص سے کام کرے تو ایک ہی خدا کا بندہ اتنا کام کر سکتا ہے کہ مجمع کثیر اس سے عاجز و قاصر رہتا ہے۔

اسی طرح مولوی عبدالقیوم صاحب کہتے تھے کہ ابتداء میں ہمارے یہاں کے لوگ تصوف کیجانب مائل تو کیا اس کے کچھ زیادہ قائل ہی نہ تھے بلکہ اگر کہدیا جائے کہ عام طور سے اسکے منکر ہی تھے تو غلط نہو گا لیکن حضرت اقدس کے ورود با مسعود اور پیہم جد و جہد اور وعظ و تبلیغ فرمانے سے یہاں کے لوگوں کی کایا ہی پلٹ گئی یہانتک کہ گھر گھر آپ کا فیض عام ہو گیا اور لوگ حضرت والاؒ کے اور طریق کے معتقد ہو گئے اور حضرتؒ کے ساتھ اس عقیدت و محبت سے پیش آئے کہ حضرتؒ نے بھی اسکی یہ قدر دانی فرمائی کہ کوپا گنج کو ایکطرح سے اپنا وطن ہی سمجھنے لگے۔ چنانچہ گورکھپور یا الہ آباد تشریف بری پر جب ہم لوگ حضرتؒ سے ملنے جاتے تو وہاں کے لوگوں سے ان لفظوں میں ہمارا تعارف فرماتے کہ ____ یہ ہمارے وطن کے لوگ ہیں۔

جہاں ایک طرف لوگوں کی عقیدت کا یہ حال تھا وہیں اپنی آنکھوں سے یہ بھی دیکھا کہ بعض جاہلوں نے حضرت والاؒ کی بے ادبی کی اور ایذا پہونچائی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے کسی کو بھی پھولتے پھلتے نہیں دیکھا گیا۔ حضرت اقدسؒ کی بے نفسی اور للّٰہیت کیوجہ سے اللہ تعالیٰ ہی کو اپنے اس ولی کی ایذا رسانی پسند نہ آئی اور خود بخود انتقام کی صورت پیدا فرمادی اس طرح پر "قتلہ صبر ابی حنیفہ رح" کا منظر اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی دکھا دیا۔ اللہ والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ایک خاص معاملہ ہوتا ہے، اور اس لئے ہوتا ہے کہ اور لوگ عبرت حاصل کریں اور کسی نیک و صالح شخص کے درپئے آزار نہ ہوں۔

ہوسکتا ہے کہ بعض احباب کے لئے قتلہ صبر ابی حنیفہؒ چیستان بن گیا ہو اسلئے اسکا پورا واقعہ ہی عرض کرتا ہوں۔ حضرت والاؒ ہی سے سنا فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کہیں تشریف لئے جارہے تھے آپکے ہمراہ آپ کا کوئی شاگرد بھی تھا۔ کسی مخالف نے امام صاحب کو گالی دی، امام صاحبؒ نے اپنے اس شاگرد سے فرمایا کہ اس شخص کو جلدی سے ایک تھپڑ مار دو۔ اس نے تعمیل ارشاد میں کچھ تاخیر کی اتنے میں وہ شخص آگے بڑھکر ٹھوکر کھا کر گرا اور مرگیا۔ امام صاحبؒ نے اپنے اس رفیق سے فرمایا اَرے ہے دیکھو تم سے انتقام لینے کو میں نے کہا تھا تم نے دیر کردی بالآخر منتقم حقیقی نے ہی اس سے انتقام لے لیا اور وہ گر کر مرگیا۔ اگر تم اس کو تھپڑ مار دیتے تو شاید یہ نوبت نہ آتی۔ افسوس قتلہ صبر ابی حنیفہؒ اسکو ابو حنیفہ کے صبر نے مار ڈالا۔ چونکہ تاریخ برابر اپنے آپ کو دہراتی رہتی ہے اسلئے نیک لوگ بھی ہر زمانہ میں ہوتے رہتے ہیں اور ان کے مخالفین بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں، چنانچہ کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کا معاملہ اپنے کسی مقبول بندہ کے ساتھ ایسا بھی ہوتا ہے کہ اہل ایذا کی ایذار پر وہ تو صبر کرتا ہے لیکن حق تعالیٰ اس دنیا میں بھی انتقام کا نقشہ دکھا دیتے ہیں۔ چنانچہ بزرگوں کا ارشاد ہی ہے کہ ؎

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات   با دُرد کشاں ہر کہ در اُفتاد بر اُفتاد

(اس دنیا میں بھی میں نے بہت تجربہ کیا اور دیکھا ہے کہ حق تعالیٰ کی شراب محبت کی تلچھٹ بھی پینے والوں کے ساتھ جو بھی الجھا ہے وہ منہ کے بل گرا ہے) اللہ تعالیٰ ہم سب کو کسی اللہ والے کی ایذار رسانی سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

چنانچہ حضرت والاؒ بھی اپنی نیک نفسی اور شفقت و محبت کے غلبہ کیوجہ سے کسی پر بدعا نہیں فرماتے تھے۔ ایذائیں سہتے تھے اور صبر فرماتے تھے، لیکن جب خدا تعالیٰ ہی کی جانب سے ایذا رسانی کا عبرتناک انجام لوگ دیکھتے تو بہت ڈر جاتے تھے حتی کہ مسلم تو مسلم کافر تک بہت ڈرتے اور اسکا خیال رکھتے تھے کہ کہیں ہم سے کوئی بات خلاف مزاج نہ ہو جائے اور مولانا صاحب ناراض ہو کر بدعا کردیں۔

مولوی صاحب موصوف کہتے تھے کہ مجھے یاد ہے کہ جب حضرت والا الہ آباد سے پہلی بار فتحپور تشریف لائے تو وہاں کے کسی صاحب سے جو مسلمان ہی تھے کوئی غلطی صادر ہوگئی۔ اسکی وجہ سے حضرتؒ کو بہت ایذا ہوئی اسپر ناراض ہوکر یک بیک اٹھے اور سیدھے کوپا گنج تشریف لائے اور پھر یہاں سے مئو تشریف لے گئے۔ حضرت والاؒ کے اسطرح سے اچانک چلے آنے سے گاؤں کے بہت سے لوگ ہندو اور مسلمان سب ہی (جس میں ملاح وغیرہ بھی تھے) پیچھے پیچھے کوپا گنج اور پھر وہاں سے مئو پہونچے، باہم یہ کہتے تھے کہ مولانا صاحب اگر ہم لوگوں سے ناراض ہوجائیں گے تو ہم یہاں بھی چین سے نہ رہ سکیں گے۔ ان آنیوالوں میں مسلمانوں کی گنتی کا تو شمار نہیں، ملاحوں کو شمار کیا گیا تو چالیس نفر تھے۔ حضرت اقدسؒ کو جب خبر ہوئی کہ مسلمانوں کے ساتھ ملاح وغیرہ بھی آئے ہیں تو ان لوگوں کو بلایا اور فرمایا کہ تم لوگ فتحپور سے مئو تک (۱۲ میل) پیدل کیوں چلے آئے؟ انھوں نے کہا کہ ہم لوگوں کو معلوم ہوا کہ آپ بستی والوں سے ناراض ہوکر جارہے ہیں اسلئے یہ سنتے ہی ہم لوگ بھی بھوکے پیاسے اسی طرح سے چلے آرہے ہیں اور بھاگے ہوئے آئے ہیں اور آپ سے نہایت عاجزی کیساتھ ہم سب درخواست کرتے ہیں کہ آپ ناراض ہوکر ہمارے یہاں سے تشریف نہ لیجائیں ورنہ ہم لوگ پنپ نہ سکیں گے۔ چنانچہ انکی اس عاجزی نے حضرت والا کو بالکل نرم کردیا اور حضرتؒ خوش ہوگئے اور فی نفر ایک ایک روپیہ کے حساب سے چالیس روپیہ انکے چودھری کو دیئے اور فرمایا جاؤ سب لوگوں کو لیجاؤ اور بازار سے کچھ لیکر پانی وغیرہ پی لو۔ اس دن کا منظر بھی عجیب منظر تھا کہ تمام اہل کوپا اور اہل مئو نے دیکھا کہ حضرت والاؒ کو وطن کے غیر مسلم بھی کسقدر مانتے ہیں۔ ورنہ تو اس زمانہ میں کسی مسلمان سے اسقدر الفت اور محبت وعقیدت کا تعلق غیر مسلم کہاں رکھتے ہیں اور کتنے رکھتے ہیں۔ یہ مقبولیت محض حق تعالیٰ کا عطیہ تھا جسکو وہ چاہتا ہے عطا فرماتا ہے

غرض اہل کوپا گنج کی حضرت والاؒ کی تشریف آوری کے بعد سے بڑی اصلاح ہوئی اور کتنے لوگوں سے فسق و فجور چھوٹا، عورتوں نے جہالت کی رسمیں جو

جو باپ دادا سے چلی آرہی تھیں انھیں ترک کیا۔ حد یہ ہے کہ محرم کے مہینہ میں شیعوں سے اختلاط کے سبب شریعت اور سنت کے بالکل خلاف اور اسکے بالمقابل لوگوں کے چولھوں میں آگ تک نہ جلتی تھی نہ اس دن قصبہ میں ذبیحہ ہوتا تھا، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یوم عاشورا میں اپنے اہل وعیال کے کھانے پینے میں قدرے وسعت کردیا کرو مگر یہاں وسعت چہ معنی مطبخ ہی بند کردیا جاتا تھا اور جہالت نے اسکو کار ثواب بنا رکھا تھا۔ سچ ہے جب کوئی بدعت پیدا ہوتی ہے تو کسی سنت کو مار کر پیدا ہوتی ہے۔ اسی لئے احیار سنت کا بڑا درجہ ہے اور اس پر بہت بڑے اجر کا وعدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت والاؒ کی اصلاحی تقاریر کے ذریعہ آہستہ آہستہ ان سب خرافات اور بدعات سے اہل کوپا گنج کو الحمد للہ نجات عطا فرمائی۔

نیز مولوی صاحب موصوف نے فرمایا (اور اجازت دی کہ اسکو شایع بھی کردیا جائے) کہ میں کھلے لفظوں میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ گو میں نے دیوبند سے فراغت حاصل کی اور اس کے بعد الحمد للہ برابر پڑھنے ہی پڑھانے کے مشغلہ میں رہا اور وعظ وتقریر کا بھی سلسلہ اکثر رہا کیا لیکن اپنا باطن افسوسناک ہی تھا اور لطف یہ کہ ظاہر و باطن کے اس تخالف کے باوجود اپنے کو اچھا ہی سمجھے جاتا تھا، اور گو آج بھی اپنے اعمال اور احوال کچھ اچھے نہیں ہیں تاہم حضرت اقدسؒ کی صحبت میں رہنے سے اب اتنا تو سمجھ میں آہی گیا ہے کہ ـــــ تم اگراپنی اسی پہلی حالت پر ہوتے تو صریح گمراہی پر ہوتے (اور اسکا مصداق ہوتے کہ ؎

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے　　　حاصلِ خواجہ بجز پندار نیست)

اس لئے آج بلاخطرہ لومۃ لائم کہتا ہوں کہ اگر مقدر سے حضرت مصلح الامۃؒ کے دامن کو نہ پکڑلیتا تو صریح گمراہی اور گھاٹے میں ہوتا۔ الحمد للہ کہ اللہ تعالےٰ نے حضرتؒ کا دامن پکڑا دیا اور کچھ ایام ویالی حضرت کیخدمت میں گذارنے کی توفیق عطا فرمائی۔ امید کرتا ہوں کہ یہی دن اور رات جو حضرت کیخدمت میں گذرے ہیں میرے لئے آخرت میں

باعث نجات نہیں گے کہ ھم قوم لایشقی جلیسھم (یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے پاس کا اٹھنے بیٹھنے والا بھی محروم نہیں ہوا کرتا)۔

مولوی عبدالقیوم صاحب یہ بھی کہتے تھے کہ لوگ بالعموم کسی بزرگ کے حالات میں باب الکرامات کو پہلے تلاش کرتے ہیں، ہمارے حضرت کی سب سے بڑی کرامت استقامۃ علی الشریعۃ تھی اور یہ کہ جو بھی آپ کی صحبت میں بیٹھا تو اگر وہ اپنی کم استعدادی کے سبب ولی نہ بھی ہو سکا ہو تب بھی انسان تو ہو ہی گیا ہے۔ چنانچہ ایک کارندہ تھا جو جبر و تشدد میں مشہور تھا سب لوگ اس سے پریشان رہتے تھے کسی طرح ایکمرتبہ وہ حضرت والا کی مجلس میں کوپا گنج آگیا اللہ تعالیٰ کا کچھ ایسا کرنا کہ حضرت والا کی باتیں اسکے دل کو ایسی لگیں کہ باربار حاضری دینے لگا اور پھر تھوڑے ہی دنوں میں اسکی حالت بالکل بدل گئی اور وہ ایک باخدا اور صوفی قسم کا انسان ہوگیا اسکے تمام اسامی بھی اسکی تعریف کرنے لگے اور پہلے کی سب باتیں ختم ہوگئیں ورنہ لوگ اب تک اسکو ایک خونخوار ظالم آدمی سمجھتے تھے۔ اسی طرح سے اعظم گڑھ میں ایک غیر مسلم حاکم پرگنہ (ڈپٹی کلکٹر) ہوکر آیا حضرتؒ کے کسی خادم کے توسط سے حضرتؒ کے پاس اپنی کسی حاجت اور پریشانی کے سلسلہ میں دعا کی درخواست پیش کی اللہ تعالیٰ نے اسکو اس مصیبت سے نجات بخشدی پھر کسی اور موقع پر دوسرے کام کے لئے دعا کرائی اس میں بھی کامیابی ہوگئی انسان عبدالاحسان تو ہوتا ہی ہے وہ حاکم اسکی وجہ سے حضرت والاؒ کا بہت زیادہ معتقد ہوگیا حتیٰ کہ حضرت سے ملاقات کا مشتاق ہوا پھر انھیں صاحب کے توسط سے فتحپور حاضری دی اور حضرت والاؒ سے ملا اور ایک عجیب بات یہ کی کہ کوپا گنج سے فتحپور تک پاپیادہ آیا۔ ہرچند لوگوں نے اصرار کیا کہ سواری پر چلئے مگر کہا کہ نہیں سوار نہ ہونگا اور کہا کہ ایک بزرگ سے ملاقات کے لئے چل رہے ہیں اسلئے پیدل ہی چلنا چاہئے۔

راقم عرض کرتا ہے کہ الحکمۃ ضالۃ المؤمن اینما وجدھا فھو احق بھا حکمۃ اور سمجھداری کی بات ایک مؤمن اور مسلم کی گم شدہ پونجی ہے جہاں سے

بھی وہ اسکو ملجائے وہی اسکا اصل مستحق ہے چنانچہ ادب بھی ایک اسلامی چیز ہے اور خدائی تاج ہے جسکو بھی اس سے کچھ حصہ مل جائے وہ بانصیب شخص ہے کبھی کبھی اہل اسلام کے طفیل میں کسی غیر مسلم کو بھی اس میں سے کچھ حصہ دیدیا جاتا ہے ورنہ تو اسکا حقیقی مستحق مؤمن ہی ہے۔ امام مالکؒ کا واقعہ آپ نے سنا ہی ہوگا کہ مدینہ شریف میں جوتہ ہی نہ پہنتے تھے فرماتے تھے کہ یہ دیارِ حبیبؐ ہے اس سرزمین پر نجانے کہاں کہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا قدم مبارک رکھا ہوگا مالک کی یہ مجال نہیں کہ اب اس جگہ کو اپنے جوتہ سے روندے۔ اسی طرح سے ہمارے امام اعظم ابوحنیفہؒ جتنے دنوں مدینہ منورہ میں مقیم رہے بیت الخلاء ہی تشریف نہیں لے گئے فرماتے تھے کہ یہ سرزمین ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ وہاں قضاء حاجت کو بے ادبی تصور فرماتے تھے۔ حضرت بشر حافی نے طریقت میں قدم رکھنے کے بعد اپنے قدم کو جوتہ ہی میں کبھی نہ ڈالا بلکہ ہمیشہ ننگے پاؤں رہتے تھے دریافت کرنے پر فرمایا کہ جس وقت میں نے اپنے پیرو مرشد سے بیعت کی تھی پیروں میں جوتے نہ تھے اسلئے اب جوتا پہننے کو تبدیلیٔ حال کے مرادف سمجھتا ہوں۔ بہر حال یہ تو بڑوں بڑوں کی باتیں ہیں باقی ہیں غایت محبت اور ادب کی۔ یہی نوع ادب باعث بنا کہ اس ڈپٹی نے ایک ولی اللہ کے یہاں سواری پر آنے کو بے ادبی جانا۔ سنا ہے کہ وہ اپنے زمانۂ ملازمت میں خوب پھلا پھولا اللہ تعالیٰ کافر کو بھی اسکی اچھی باتوں کا صلہ اسی دارِ دنیا میں عطا فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے ازلی کرم کے صدقے میں ہم سبکو بھی اپنا ادب، اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب، اور اپنے اولیاء کے ادب اور اپنے دین و شریعت کے ادب سے مؤدب بنا دے۔ آمین۔

یہ تو ادب کا واقعہ تھا باقی جو لوگ بے ادبی کرتے تھے تو اسکے متعلق حضرت والاؒ خود بھی فرماتے تھے کہ، میں خوب سمجھ گیا ہوں کہ جو شخص جتنا ہی بے دین ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ وہ اعتراض کرتا ہے (اور مخالفت ہوتا ہے) ورنہ دینداری کی وجہ سے اگر کوئی مخالفت کرے تو اسکا مضائقہ نہیں۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ کوپا گنج میں ایک شخص تھا

جو میری مخالفت کرتا تھا اور میرے آدمیوں کی برائی بیان کرتا تھا، میں نے اس سے کہا اچھی بات ہے تم میرے پیچھے پڑے رہو میں بھی تمھارے پیچھے پڑا ہوں یہاں دنیا میں بھی اور قیامت میں بھی اور چلو یہاں سے لیکر آخرت تک ہمارا تمھارا مقابلہ ہے۔ یہ سنکر وہ گھبرا گیا اور ڈر گیا اور مجھ سے معافی مانگنے کے لئے یہاں آنے پر تیار ہوا کچھ لوگوں سے کہا کہ چلئے حضرت سے معاف کرا دیجئے۔ لوگوں نے عذر کیا۔ بہر حال کسی کے ساتھ یکہ پر آنے لگا مگر پھر کہا کہ نہیں ہم معافی مانگنے چل رہے ہیں اس لئے یہ سفر سواری سے نہیں کریں گے پیدل ہی جائیں گے، چنانچہ پیدل آیا اور عشار کے وقت یہاں پہونچا گفتگو ہوئی تو سب باتوں کا اقرار کیا اور چونکہ صدق دل سے توبہ کی تھی اسلئے اسکے بعد سب سے پہلے کویا گنج میں وہی ملنے آتا تھا۔ حضرت والاؒ یہ بھی فرماتے تھے کہ کہیں کام جو نہیں ہوتا تو اسی لئے کہ کوئی مخالف ہوتا ہے وہ میرے خلاف لوگوں کو بھڑکاتا رہتا ہے۔ اسی لئے جب میں نے کویا گنج میں کام کرنا چاہا تو وہاں کے بڑے بڑے لوگوں سے اقرار کرایا اور سبھوں نے لکھکر دیا کہ اگر کوئی شخص بھی حضرت والا کی مخالفت کریگا تو ہم لوگ پتہ لگا کر .... صاحب کو اطلاع دیں گے اور وہ جو فیصلہ کریں گے ہم سب اس پر عمل کریں گے

اسی طرح سے وطن میں بھی کچھ لوگ تھے جو میرے خلاف لوگوں کو بھڑکاتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ ان آنے والوں کو نفع نہیں ہوتا سوچا کہ کیا بات ہے؟ میں ایسی ایسی باتیں بیان کرتا ہوں، قرآن پڑھتا ہوں، حدیث سناتا ہوں، بزرگوں کے واقعات بیان کرتا ہوں مگر سب بے اثر پھر خود بخود میرے قلب میں آیا کہ کوئی ہوگا جو تمھارے خلاف بھڑکاتا ہوگا، چنانچہ اسکو پکڑا اور اپنے یہاں سے نکالا تب دیکھا کہ لوگوں کو نفع ہونا شروع ہو گیا

نیز فرماتے تھے کہ یہ نفسانیت کا زمانہ ہے ہر جگہ اسکا دور دورہ ہے اس میں کام کرنا آسان نہیں ہے مصلح کے لئے ضروری ہے کہ وہ اہل فساد کو سمجھے اور لوگوں پر اصلاح اور اور فساد کے فرق کو خوب واضح کرے ورنہ تو لوگ اصلاح کو فساد اور فساد کو اصلاح سمجھتے رہیں گے۔ چنانچہ میں جو نفسانیت کی اصلاح کرتا ہوں اسکو لوگ کہتے ہیں کہ ایسا کرنے سے فساد ہو جائے گا اور خود جو فساد اور نفسانیت کی باتیں کرتے ہیں اسکو فساد نہیں کہتے

جانتے ہو کیا بات ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ جو کچھ کرتا ہوں فساد نہیں ہے اصلاح ہی ہے مگر اصلاح چونکہ اہل نفس کو ناگوار ہے اس لئے یہ لوگ اس اصلاح ہی کو عنوان فساد سے ظاہر کرکے لوگوں کو اسطرف سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ کیونکہ جاہ کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ لوگ ہماری طرف متوجہ ہوں انکی طرف متوجہ نہ ہوں مگر کھلم کھلا تو یہ کہہ نہیں سکتے لہٰذا یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ انکی اصلاح کو فساد قرار دو اسکے ذریعہ سے لوگوں کو باز رکھ سکیں گے اور انکی جانب سے متنفر کر دیں گے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے حضرتؒ سے اصلاح امت کا کام لینا تھا اس لئے حضرتؒ کو ابنائے زمانہ کے حال اور مزاج کے شناخت کی خاص بصیرت عطا فرمائی تھی چنانچہ حضرت اقدسؒ نے لوگوں کے حالات کا گہرا مطالعہ فرمایا اور ان کے مرض کی شدت کو خوب پہچان کر انکا علاج فرمایا اور اسکے لئے اپنی فہم و فراست سے عجیب عجیب انداز اختیار فرمائے ایسے کہ وہ عام علماء و مشائخ سے قدرے مختلف بھی ہوتے تھے لیکن اثر اور نفع کے لحاظ سے اتم بھی ہوتے تھے۔ مثلاً لوگوں نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ پورہ معروف میں اہل بستی میں خاصا اختلاف ہوا اور لوگ باہم خوب گتھم گتھا ہوئے کچھ لوگوں نے اس موقع پر حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ کو بلایا اور حضرت نے اتفاق اور اتحاد پر نہایت موثر تقریر فرمائی اسکے بعد کسی نے ہمارے حضرت والاؒ سے بھی کچھ فرمانے کی درخواست کی (حضرت بھی وہاں موجود تھے) حضرت مولانا پھولپوریؒ کے وعظ کے بعد اب کسی وعظ کی مزید ضرورت نہ تھی اسلئے حضرت والاؒ نے یہ کیا کہ کھڑے ہو کر فرمایا کہ مولانا نے جو کچھ بیان کیا ہے آپ لوگوں نے سنا اب کیا ارادہ ہے کیا صرف وعظ ہی سنو گے اور کچھ نکرو گے؟ اسکو اسقدر ڈپٹ کر فرمایا کہ لوگ ڈر گئے اور ایک پرانے شخص جنکا تعلق غالباً حضرت تھانویؒ سے تھا کھڑے ہوئے اور کہا کہ میں آپ سب حضرات سے اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں کی معافی مانگتا ہوں۔ ہمارے حضرتؒ نے اُنسے تو فرمایا کہ آپ بیٹھ جائیے اور مجمع سے مخاطب ہو کر کہا کہ بس یہی ایک صاحب خطاوار ہیں انھیں کے لئے وعظ ہوا ہے اور کوئی اس مجمع میں قصوروار نہیں ہے؟ اسکو اس انداز سے

فرمایا کہ سارا مجمع بلبلا اٹھا اور اسکے بعد جن جن لوگوں میں باہم اختلاف اور کشیدگی تھی سب ایک دوسرے سے گلے ملے اور رو رو کر ہر ایک نے اپنے فریق مقابل سے معافی مانگی اور لوگ بیان کرتے ہیں کہ ایک عجیب سماں بندھ گیا چنانچہ جس قدر نفع لوگوں کو حضرت پھولپوریؒ کے بیان سے ہوا تھا اس سے کم نفع حضرت والاؒ کے اس موقعہ کے ان دو جملوں سے نہیں ہوا۔ اسطرح پر ایک عرصہ کا قائم شدہ نزاع رفع دفع ہوگیا اور عرصۂ دراز تک اسکا اثر بھی لوگوں میں باقی رہا۔ اس منظر کے دیکھنے والے آج بھی موجود ہیں۔

قوم کے انھیں حالات نے حضرت والاؒ کو باب اصلاح میں قدرے سخت بنا دیا تھا اسی لئے لوگ کہتے تھے کہ مزاج میں غصہ بہت ہے۔ حالانکہ وہ غصہ وُصہ کچھ نہ ہوتا تھا۔ بات یہ ہے کہ نفاق کی خصلت ہی ایسی قبیح اور تکلیف دہ ہوتی ہے کہ ہر احساس والے کو منافق پر غصہ آتا ہی ہے کیونکہ وہ اپنے اندر عیاری۔ مکاری۔ چالاکی پالیسی۔ سخن سازی۔ سخن تراشی۔ لفاظی اور ظاہر داری رکھتا ہے اور اسکا باطن ظاہر کے بالکل خلاف ہوتا ہے۔ اسطرح پر گویا وہ لوگوں کو بناتا ہے اور ان کے ساتھ استہزاء اور مذاق کرتا ہے۔ اپنے کو عاقل اور دوسرے کو جاہل سمجھتا ہے۔ اور ان باتوں سے اہل احساس کو کسقدر ضیق ہو سکتی ہے ظاہر ہے۔

حضرت والاؒ نے زمانۂ حاضر کے عام لوگوں کا یہی مرض تجویز فرمایا اور ساری عمر اسی انداز پر انکی اصلاح فرمانے کی سعی فرماتے رہے۔ اس میں کبھی کسی کے ساتھ ایسا معاملہ پڑ جاتا کہ حضرتؒ کا لہجہ ذرا تیز ہو جاتا تھا جس کو وہ سختی سمجھتا تھا حالانکہ وہ ایک ماہر ڈاکٹر کا یا تو انجکشن ہوتا تھا یا بدرجۂ مجبوری آپ اس کو آپریشن سے تعبیر فرما لیجئے جس سے اسی کی اصلاح وابستہ ہوتی تھی ورنہ تو طبیب کے لئے یہ سب امور باعثِ کلفت ہی ہوا کرتے ہیں۔ انھیں حالات سے تنگ آکر کبھی کبھی حضرت والاؒ خود زبان سے بھی کچھ فرما جاتے تھے۔

مثلاً ایک بار فرمایا:۔

لوگ یہاں آتے ہیں اور مجھ سے اپنے نفاق کی قیمت مانگتے ہیں (یعنی خود تو نفاق برتتے ہیں اور ہم سے اپنی قدر کرانا چاہتے ہیں) بات یہ ہے کہ دنیا دار کے متعلق تو جانتے ہیں کہ یہ لوگ ہمارے بھید کو (یعنی اندرونی چیز کو جان جائیں گے) اور ہمکو پرکھیں گے لیکن ہم جیسے لوگوں کے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ انکو دھوکا دیا جا سکتا ہے حالانکہ یہاں بھی رات دن پکڑے جاتے ہیں اور ذلیل کرکے نکالے جاتے ہیں پھر بھی آنے ہیں تو یہی خیال دل میں لئے رہتے ہیں۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ تم یہاں کیوں آتے ہو اپنے نفاق کو لیکر الگ رہو ہمیں جب اسکی ضرورت ہوگی تو خبر کردیں گے (تب آنا) اور اسوقت کہنا کہ ہم تو اپنے نفاق کی قیمت ایک ہزار لیں گے۔ اگر ہم کو ضرورت نہ ہوئی تو تم بھی محفوظ رہوگے اور تمھارا نفاق بھی محفوظ رہے گا ——— اسی سلسلہ میں فرمایا کہ

الحمد للہ یہاں نفاق کی مٹی پلید ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ کوئی دھوکہ دیکر چلا جائے آتے ہیں اور پکڑے جاتے ہیں مگر وہ اسکو ایک امر اتفاقی پر محمول کرتے ہیں بات یہ ہے کہ اعتقاد تو ہوتا نہیں بس اپنی چالاکی چلانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ان لوگوں کو ذرا اعتقاد نہ تھا بعض مرتبہ کوئی گفتگو یا کام انکی عقل کے موافق ہوجاتا تو کچھ جھک جاتے تھے یعنی یقین کی طرف انکا دل مائل ہو چلتا تھا لیکن پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی کلام انکی عقل اور مصلحت کے خلاف پڑتا تھا تو پھر وہ اپنے دلی حسد اور عناد کے جذبات کو ضبط نہ کرسکتے تھے اور پھر آپ کے تخطیہ کی طرف معاذ اللہ لوٹ جاتے تھے (یعنی یہ کہتے تھے کہ یہ کام غلط ہوا۔ توبہ توبہ)

اس زمانہ میں بھی کثرت سے لوگ ایسے ہیں کہ انکے دل میں بات ہوگی اور ظاہر کریں گے اور۔ اس سے اسقدر گھٹن ضیق اور پریشانی لاحق ہوتی ہے کہ جسکی حد نہیں۔ آپ لوگوں کو بھی اگر اسکا صحیح احساس ہوجائے تو شاید نہ برداشت کرسکیں، بلکہ مر ہی جائیں اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اسکو برداشت کی طاقت مرحمت فرمادی ہے ورنہ تو شاید لوگوں کے ان حالات سے پریشاں ہوکر عقل ہی کھو بیٹھتا۔

راقم عرض کرتا ہے کہ اللہ اکبر یہی وہ دشوار گذار گھاٹی ہے جس کا اظہار حضرت والاؒ کبھی کبھی ان لفظوں میں بھی فرمایا کرتے تھے کہ ؎

خون دل پینے کو اور لخت جگر کھانے کو
یہ غذا ملتی ہے جاناں ترے دیوانے کو

چنانچہ اصلاح امت کا مسئلہ ہر زمانہ میں مشکل ہی رہا اور ایک ناصح مصلح کے قلب پر اس سلسلہ میں جو حالت گذر جاتی ہے اسکو وہی جانتا ہے یا خدائے علیم وخبیر جانتا ہے۔ دیکھئے آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اللہ تعالیٰ کو یوں فرمانا پڑا کہ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ یعنی ان لوگوں کے ایمان نہ لانے کیوجہ سے آپ اپنی جان ہی کو ہلاکت میں ڈالدیجئے۔ اسی لئے حقیقی تبلیغ اور اصلاح ناس بڑی ہی دلسوزی کا کام ہے جو ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ کوئی موفق من اللہ ہی اس منصب کا حق ادا کرسکتا ہے۔ سنا ہے کہ حضرت مولانا قاسم صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ــــ بھائی وعظ کہنا ہم لوگوں کا کام نہیں ہے وعظ وتبلیغ کے صحیح مصداق تو مولانا اسماعیل صاحب شہیدؒ جیسے حضرات تھے کہ اللہ کے بندوں کی اصلاح کا تقاضا اور جذبہ ان کے قلوب میں اس طرح سے موجیں مارتا تھا اور انھیں بے چین کر دیتا تھا جیسے ہم لوگ امور طبعیہ بھوک پیاس وغیرہ سے بیتاب ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جب کسی ناصح کا یہ حال ہو جائے اور اس تڑپ کے ساتھ کوئی بات کہی جائے تب اس سے کوئی نفع ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اب اگر اپنی اس حالت کے ساتھ یہ حضرات یوں مترنم ہوں تو کیا عجب ہے کہ ؎

قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے
وہ اسکو دیا جس کے جو قابل نظر آیا

بلبل کو دیا نالہ تو پروانے کو جلنا
غم ہمکو دیا سب میں جو مشکل نظر آیا

اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کی کوششوں اور کاوشوں کا پورا پورا بدلہ اور صلہ عطا کرے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ ہمارے حضرت اقدسؒ کو بھی آخرت میں مراتب عالیہ اور قرب خاص سے نوازیں گے جس طرح سے کہ دنیا میں انھیں مقبول خاص وعام بنایا اور انکا شہرہ بلند فرمایا۔ سچ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مَن كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهُ۔ جو اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اسکا ہو جاتا ہے حضرت والاؒ نے جب اللہ کے لئے اللہ کے بندوں کی اصلاح کی جانب ایسی توجہ فرمائی تو

اللہ تعالیٰ نے بھی حضرتؒ کو زمانہ کے خواص کی آنکھوں اور قلب میں جاگزین فرمادیا جس کا ایک ادنیٰ سا نمونہ ہے کہ ہمارے ایک دوست نے جو ایک بڑے عربی دینی مدرسہ کے خادم ہیں مجھے ایک مرتبہ لکھا کہ

"الحمدللہ اسوقت حالات پرسکون ہیں اور اسمیں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اکثریت زبانی طور سے حضرت والا کا موقرانہ اور محترمانہ ذکر کرتی ہے۔ وہ لوگ جنھوں نے کہ حضرت کی زیارت کرلی ہے (ان میں کے تقریباً سب ہی حضرات) اس بات کے قائل ہوچکے ہیں کہ صرف یہ ہمارا ہی مدرسہ نہیں بلکہ اس دور کے تمام مدارس کی بقا حضرت والا ہی کی توجہ کی برکات ہیں۔ حضرت والا مدظلہ اصلاح امت کے ساتھ بقائے علوم دینی کی ضمانت ہیں۔ اور میرا خیال ہے کہ یہ پوری صدی بقائے سنت وعلوم دینی و اصلاح امت میں حضرت والا کی مرہون منت رہیگی کوئی مدرسہ، عالم، مفسر، مبلغ اور پیر بغیر آنمحترم سے رابطہ پیدا کئے زندگی کے کسی گوشے میں کامیاب نہیں ہوسکتا آخرت تو خیر آخرت ہے دنیا بھی حضرت ہی کے دم قدم کی برکت سے منور ہے۔

یہاں ... صاحب نہایت درجہ معتقد معلوم ہوتے ہیں اور ان پر اس اعتقاد کے اثرات بھی نمایاں طور سے ہیں اور انکے خانوادہ کا ہر فرد حضرت والا کی خیریت اور حالات معلوم کرتا رہتا ہے اور حضرت گرامی کی بقا وصحت سے نہایت درجہ محظوظ ہوتا ہے۔ مولانا ... صاحب اور ... صاحب کی ترقی ہوگئی ہے ان حضرات نے مجھ سے کہا کہ یہ حضرت والا کی برکت ہے۔ حضرت کی زبان سے کوئی لفظ نکلے اور اللہ تعالیٰ اسے پورا نہ فرمائیں مجھے سمجھ میں نہیں آتا (یعنی الحمدللہ حضرت مستجاب الدعوات ہیں)۔

غرض ہر طرف حضرت کے قائلین اور معتقدین کا جمگھٹ بڑھ رہا ہے ... صاحب جوش وگرمی سے یہاں کام کر رہے ہیں۔ اور ... صاحب باہوش انداز اختیار کرکے کام کر رہے ہیں اور کچھ لوگوں کو جمعہ کے دن حضرت والا کے ملفوظات طیبات سناتے ہیں۔ میری بے تدبیری اور بے ہوشی سے آپ واقف ہی ہیں اپنے حالات کا جائزہ لیتا ہوں تو کچھ کرنے کی اہلیت نہیں ملتی، کبھی کچھ کہدیتا ہوں ممکن ہے یہ کہنا حضرت والا کی برکت سے کارگر ہوجائے ورنہ سہ

بک رہا ہوں جنون میں کیا کیا ۔۔۔ لوگ سنجھیں خدا کرے سب کچھ"

ہوسکتا ہے کہ عزیز محترم کے اس طرز بیان اور تعبیر عنوان میں حضرت والاؒ کی عقیدت اور محبت نے بھی کچھ اپنا حصہ لیا ہو تاہم یہ بات اپنی جگہ بالکل صحیح ہے کہ حضرت والاؒ نے خود کو جسقدر دبایا اور مٹایا اللہ تعالیٰ نے اسی قدر مشہور فرما دیا اور زمانے کے اہل حق کی اکثریت نے حضرت والاؒ کو مانا اور بہت سے علماء و مشائخ نے تو خود کو حضرت والاؒ کے سامنے ایک مسترشد کی حیثیت سے پیش فرمایا۔ وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشآء۔

مسند ارشاد اور طریق کار

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت مصلح الامۃؒ نے کام تو اپنے وطن ہی سے شروع فرمایا چنانچہ یہی حضرت حکیم الامۃؒ کی ہدایت بھی تھی اور ہمارے حضرتؒ کا بھی یہی بعد میں اصول ہو گیا کہ اصلاحی کام اپنی ہی بستی میں کرنا چاہیئے اور ایک جگہ جم کر کرنا چاہیئے کیونکہ پاس رہنے سہنے کی وجہ سے لوگوں کو اس مصلح سے ایک اُنس ہو جاتا ہے اور اس سے محبت ہو جاتی ہے، اور ان امور کو کسی سے اخذ فیض و ہدایت میں جیسا کچھ دخل ہے ظاہر ہے۔ نیز لوگوں کے جزئی جزئی حالات کا علم ہو جاتا ہے اور ان کے مزاج اور طبائع کا اندازہ ہو کر ان کے ساتھ معاملہ کرنے کی نوعیت سمجھ میں آجاتی ہے جس کا باب اصلاح میں ضروری ہونا معلوم ہی ہے۔ چنانچہ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ جو باہر سے مصلحین اور واعظین آتے ہیں اور دھواں دھار تقریریں کر کے چلے جاتے ہیں ان سے خاطر خواہ نفع لوگوں کو نہیں ہوتا۔ بلکہ نفع پائدار اور ٹھوس اس شخص سے ہوتا ہے جو کہیں ایک جگہ رہ پڑتا ہے اور لوگ آہستہ آہستہ اسکی جانب متوجہ ہوتے ہیں اور وہ بتدریج انکو دین کی باتیں بتاتا رہتا ہے۔ لیکن یہ بھی فرماتے تھے کہ — مگر ہے یہ کام مشکل اور پتہ ماری کا نہایت بے مزہ بلکہ کڑوا۔ کیونکہ ؎

خون دل پینے کو اور لخت جگر کھانے کو یہ غذا ملتی ہے جاناں ترے دیوانے کو

اب جسکو اللہ تعالیٰ سے تعلق صحیح ہی حاصل ہوگا اور اللہ کے بندوں کی نصح و خیر خواہی

اسکے قلب میں جاگزیں ہوگی وہی تو خالق ومخلوق دونوں کا حق ادا کرنے کیلئے اس میدان میں کود سکے گا باقی ہر کس وناکس کے لئے اس وادی پرخار میں داخل ہونے کی نہ تو صلاحیت ہی ہوتی ہے اور نہ ہمت ہی پڑسکتی ہے۔ اسلئے ہمارے حضرت والا رح نے وانذر عشیرتک الاقربین (اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے) کے پیش نظر پہلے اپنی بستی سے کام کی ابتدا رفرمائی چنانچہ اسکے لئے باقاعدہ تیاری فرمائی۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ عالم کی زینت علم صحیح سے ہوا کرتی ہے اور اسکا ذریعہ کتب دینیہ ہیں جہل کے ساتھ قوم کی تعلیم وتبلیغ ناممکن ہے۔ اسلئے حضرت رح نے مکان پر قیام فرمانے کے بعد سب سے پہلے فراہمی کتب کا انتظام فرمایا۔ خود فرماتے تھے کہ:۔

"حضرت مولانا تھانوی رح کے وصال کے بعد جب گھر رہنے لگا تو مجھے خیال ہوا کہ اب لوگ مجھ سے مسائل بھی دریافت کریں گے اور یہاں میرے پاس ایک کتاب بھی نہیں ہے اسلئے خیال کیا کہ کم ازکم حضرت تھانوی رح کے فتاوے ہی منگالوں۔ ایک مولوی صاحب جو میرے پاس رہتے تھے انھوں نے کہا کہ بیشک کتابوں کا آنا بہت ضروری ہے اس لئے کہ اور دوسرے لوگ چاہے ہم سے مسئلہ نہ بھی پوچھیں تاہم خود اپنے عمل کرنے کے لئے بھی تو مسائل جاننے کی ضرورت پڑے ہی گی۔ مجھے انکی یہ بات بہت ہی پسند آئی۔ چنانچہ میں نے تقریباً سب ہی کتابیں فقہ اور فتاوی کی منگالیں" ۔

(ص ۱۵ معرفت مارچ ۶۴ء)

ملاحظہ فرمایا آپ نے آج ہند وبیرون ہند حضرت مصلح کی اس پیمانہ پر جو مقبولیت ہوئی وہ اسی امر کا ثمرہ تھا کہ حضرت رح نے بھی دین کا کام صحیح اصول پر کیا تھا اور خلوص کام کیا تھا یعنی اللہ تعالے نے جب علم سے نوازا تھا اور عالم دین بنایا تھا تو حضرت رح نے بھی اسکے شکریہ میں خلق خدا کی اس علم کے ذریعہ خدمت کرنا اپنے ذمہ لازم فرمایا تھا ـــــ آج عوام کو تو چھوڑیے کتنے اہل علم کو آپ دیکھتے ہیں کہ فارغ ہونے کے

بعد اپنی اپنی بستی میں قیام کو اور اہل بستی کی خدمت دینی کو ضروری جانتے ہوں۔ اور اپنی قوم اپنی برادری کی خدمت دین کو اپنے ذمہ لازم سمجھتے ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے علم دین کو بھی بس حصولِ دنیا ہی کا ایک ذریعہ بنا لیا گیا ہے۔ خدا کے لئے اور خدا کے دین کی اشاعت کیلئے اسکو کام میں نہیں لایا جاتا ذریعہ اس لئے کہ ایک بڑا مسئلہ روزی کا آج بدقسمتی سے زمانہ نے ہم سب کے بھی سامنے لاکھڑا کر رکھا ہے اور سچی بات یہ ہے کہ کچھ لوہا کھوٹا کچھ لوہار ہم بھی اسکے مقابلہ سے ہمت ہار گئے ہیں۔ چنانچہ بقول حضرت اکبر الہ آبادی آج ہمارا بھی بالکل یہی حال ہو گیا ہے ؎

نہیں پرسش ہے اسکی طاعت اللہ کتنی ہے — یہی سب پوچھتے ہیں آپ کی تنخواہ کتنی ہے

یوں تو ہر زمانہ ہی میں دینداروں بالخصوص مولویوں کو لوگ کچھ نہ کچھ کہتے ہی رہے ہیں۔ انکو نکما کہا گیا۔ مسجد کا مینڈھا بتایا گیا۔ قوم پر اس جماعت کو بار ہونے سے تعبیر کیا گیا، غرض کیا کیا نہ کہا گیا۔ مگر پہلے کے لوگوں نے ان سب کو سنا اور اسکو برداشت کیا اور اپنے کام میں لگے رہے اور ع خلقے پس دیوانہ و دیوانہ بکارے۔ کا مصداق بنے رہے لیکن اب چونکہ اخلاص و للٰہیت کی کمی اور نفسانیت کی زیادتی ہو گئی ہے اسلئے مخلوق کے ان تیر و نشتر کا سہارا نہ کر کے دینی علوم کے طالبین نے بھی دوسری راہ نکال لی۔ چنانچہ اب نہ استعداد علمی کا اہتمام رہ گیا ہے نہ عمل کا التزام باقی رہا، نہ اخلاص و تصحیح نیت ہی کی فکر رہی، نہ اللہ تعالیٰ سے تعلق اور نسبت مع اللہ کے حصول کا جذبہ اور داعیہ قلب میں موجزن رہا نتیجہ یہ ہوا کہ اس روح کے نہ ہونے کی وجہ سے ہمارا علم بے نور عمل بے اثر اور تمام تر دینی مساعی بے ثمر ہو کر رہ گئیں — قوم کے اہل علم کا یہ نقشہ حضرت والاؒ کے بھی پیش نظر تھا

چنانچہ حضرت مصلح الامۃؒ نے پہلے مدرسہ میں علوم ظاہری کی تکمیل فرمائی پھر خانقاہ میں قیام کر کے اپنے اس علم کو پختہ کیا۔ اور حکیم الامۃؒ کی تربیت اور آپ کے فیض صحبت نے اس علم میں جو نور اور تاثیر پیدا کر دیا تھا اسکی چمک سے ایک عالم کے قلوب کو منور فرما دیا۔ یہی وہ تربیت تھی جس کے ساتھ ہمارے اسلاف برابر متصف رہے

اور اس نصاب سے ایک ایک فرد ایسے پیدا کیے جنھوں نے تنہا ایک بڑی جماعت کا کام کیا۔ اللہ تعالیٰ انکی سعی کو قبول فرمائے۔

ہمارے حضرت رحؒ کمالات ظاہری و باطنی کسب فرمانے کے بعد و یکھنے کو تو ہند کے ایک گوشہ میں (یعنی خانقاہ فتحپور تال نرجا میں) بیٹھ گئے مگر اللہ تعالےٰ نے انکے اخلاص کی برکت سے انکی شہرت تمام ہی ہندوستان بلکہ اس سے باہر باہر دور تک فرمادی۔ لوگوں کو حضرت کی باتیں بھی پہونچیں اور زیارت کا شوق اور آپ کا زیادہ سے زیادہ کلام پڑھنے کا اشتیاق بھی پیدا ہوا۔ حالانکہ حضرت والاؒ نے ابتداءً بہت دنوں تک صرف اپنے وطن اور اطراف وطن ہی تک اپنے کام کو محدود فرما رکھا تھا۔ مگر خود فرماتے تھے کہ آدمی خدا کے لئے کام تو کرے اگر اخلاص سے کوئی کام کرے گا تو اللہ تعالےٰ لوگوں کی گردن پکڑ پکڑ اسکے پاس بھیجیں گے کیونکہ سب لوگوں کی پیشانی خدا کے قبضہ میں ہے۔ اب یہ حال ہے ہم لوگوں کو چونکہ مجمع مقصود ہوگیا ہے اس لئے لوگ متوجہ نہیں ہوتے۔

ان اصولوں کو لیکر حضرت والاؒ نے کام شروع فرمایا اور خود فرماتے تھے کہ میں شروع شروع میں حیران تھا کہ یا اللہ کس طرح سے کام کروں؟ چنانچہ نہایت عمدہ عمدہ مضامین قرآن و حدیث سے نکال نکال کر لوگوں کو سناتا تھا جسمیں فضائل بھی ہوتے تھے مسائل بھی ہوتے تھے مگر دیکھا کہ جس قسم کا نفع ان میں دیکھنا چاہتا تھا وہ نظر نہ آتا تھا۔ اسکے بعد ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے دل میں یہ کہدیا ہو کہ اس طریقہ سے لوگوں کو نفع نہیں ہوگا لوگ اس زمانہ میں کچھ دوسرے ہی قسم کے ہوگئے ہیں ان کے لئے یہ سب مضامین مفید نہ ہوں گے سنیں گے اور واہ واہ کرکے ختم کردیں گے۔ یہ اہل نفس لوگ ہیں انکے سامنے تو نفس کے رذائل اور اسکے کید کا بیان کرو اور سنت اور شریعت کا معیار انکے سامنے پیش کرو اسلئے کہ شریعت کی وضع ہی اس لئے ہوئی ہے (یعنی وہ خدا تعالیٰ کے یہاں سے آئی ہی اسلئے ہے) کہ انسان کو صحیح معنوں میں عبداللہ (اللہ کا بندہ) بنادے اور اس کو نفس و ہویٰ کی پیروی سے نکال کر نص و ہدیٰ کی پیروی میں

اسکو لگادے اس قسم کا بیان انکے سامنے کرو اور پھر دین کی باتیں بیان کر کے ان سے ان پر عمل کا بھی مطالبہ کرو اور پھر جو رستہ پر لگتا ہوا نظر آئے اسکو تو رکھو اور جو کام نکرے اور مہمل ثابت ہو اسکو نکالدو، جائے یہاں سے اور جا کر دنیا ہی کما کر دکھا دے۔ اور اگر تم نے اس طریقہ میں ذرا سی بھی سستی کی تو یہ لوگ تمہارا سب وقت لے لیں گے اور عجب نہیں کہ تمکو بھی اپنے ہی مقام پر اتار لانے کی کوشش کریں اور اسپر یہ واقعہ سناتے کہ ـــــــ ہمارے اطراف میں ایک بزرگ آیا کرتے تھے وہ فرماتے تھے کہ "میں پہلے ان اطراف کے لوگوں کو مرید کر لیتا تھا لیکن اب نہیں کرتا اسلئے کہ میں دیکھتا ہوں کہ یہ سب میرے پاس جمع ہوتے ہیں جب میں کوئی بات کہنا شروع کرتا ہوں تو قبل اسکے کہ وہ پوری ہو یہ لوگ رونا شروع کر دیتے ہیں یعنی بات کو نہ سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں بے سمجھے ہی روتے ہیں۔ اور وہ بزرگ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ میں نے دیکھا کہ ان لوگوں کو تو میں اپنی طرف نہیں کھینچ سکتا لیکن یہ لوگ البتہ مجھکو اپنی طرف کھینچ لیجائیں گے اس موقع پر وہ ایک مثال بیان کرتے تھے کہ ایک بت پر کسی نے ایک بھینسا چڑھا دیا تھا جب وہ اسکو بت سے باندھکر واپس چلا گیا تو اس بھینسے نے اپنے کو چھڑانے کیلئے زور لگانا شروع کیا وہ بھینسا قوی تھا ایک مرتبہ جو زور لگایا تو بت کو بھی اپنی جگہ سے اکھاڑ لیا اور اسکے سمیت وہاں سے بھاگ گیا۔ اسکو بیان کر کے وہ فرماتے تھے کہ جس طرح وہ بھینسا بت کو کھینچ لے گیا اسی طرح سے یہ لوگ بھی مجھکو کھینچ لیجائیں گے اور میں انکو اپنی طرف نہیں لاسکونگا اسواسطے میں نے اس اطراف کے لوگوں کو چھوڑ ہی دیا ہے" جانتے ہیں انکا مطلب کیا تھا؟ وہ یہ کہ میں تو انکو ذکر و طاعت کیطرف نہیں لا سکتا مگر یہ لوگ اتنے قوی ہیں کہ مجھکو غفلت میں ڈالدیں گے۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت والاؒ کے اس ارشاد سے یہ سبق ملا کہ مصلح کو ان عوام الناس سے بہت ہی زیادہ چوکنا رہنا چاہیئے اسلئے کہ کبھی کبھی اسکے حق میں یہی لوگ قطاع الطریق (راہزن) بھی ثابت ہو جاتے ہیں۔ اور بقول حضرت شیخ اکبرؒ قدرأینا سقطوا (ہم نے بہت سے مشائخ کو دیکھا کہ اپنے مقام سے ساقط ہو گئے) مشائخ ہی کو یہ لوگ اپنے مقام پر اتار لاتے ہیں۔

اسلئے ہر اصلاح و تبلیغ کرنے والے کیلئے اپنے متعلق برابر اسکا جائزہ لیتے رہنا ضروری ہے کہ دوسروں کو نفع تو بیشک ہو رہا ہے لیکن خود اپنا کیا حال ہے؟ یہی وہ عقبہ تھا جس کیلئے حضرت مولانا تھانویؒ کے ماموں پیر جی امداد علی صاحبؒ نے حضرت مولاناؒ کو نصیحت فرمائی تھی کہ "میاں اشرف علی دیکھو دوسروں کی جوتیوں کی حفاظت کی خاطر اپنی گٹھری نہ اٹھوا دینا" اور اسمیں شک نہیں کہ یہ مقام نہایت صعب ترکہ بڑے بڑے لوگ یہاں آکر فریب نفس میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور بقول حضرت مولانا رومؒ کے ؎

او چو بیند خلق را سرمست خویش　　از تکبر می رود از دست خویش

(یعنی عوام کا جب کسی کی جانب رجوعہ بڑھنے لگتا ہے اور لوگ اسکے والہ و شیدا ہو جاتے ہیں تو وہ مبتلائے تکبر ہو کر خود اپنے ہی ہاتھوں سے نکل جاتا ہے)۔

چونکہ یہ تمام امور حضرت والاؒ کے مشاہدے میں آچکے تھے اسلئے جب کام کا وقت آیا تو انتہائی تیقظ و بیداری کے ساتھ خود اپنے لئے اور اپنے لوگوں کے لئے برابر اسکا لحاظ فرماتے رہے۔ چنانچہ اکثر رسالہ قشیریہ سے یہ مقام ہم لوگوں کو سناتے رہتے تھے کہ

قال ابو عثمان المغربیؒ الولی قد یکون مشهوراً و لکن لا یکون مفتوناً۔

یعنی ابو عثمان مغربیؒ فرماتے تھے کہ ولی کبھی مشہور تو ہو سکتا ہے لیکن مفتون کبھی نہیں ہو سکتا۔

اسپر محشی لکھتے ہیں کہ (قوله لا یکون مفتوناً) بان تکون شهرته برکة علیه و علی غیره بان لا تشغله عن ربه فیسعد بها و تضاعف اعماله بکثرة من یقتدی به بخلاف من اشتغلته شهرته عن ربه فانه یکون مفتوناً بها (قشیریہ ص۱۱۸) یعنی ولی مفتون نہیں ہوتا، بایں طور کہ اسکی شہرت اسکے حق میں بھی برکت ہی ثابت ہوتی ہے اور دوسروں کے حق میں بھی۔ آگے اسکے حق میں برکت ہونے کی تشریح فرماتے ہیں کہ بایں طور کہ یہ شہرت اسکو حق تعالیٰ کے ساتھ مشغولی سے نہیں روکتی (یعنی جو اوقات کہ حق تعالیٰ کیلئے اس نے فارغ کر رکھے تھے اس میں خلق کے ہجوم سے کچھ فرق نہیں پڑتا) تو اسوقت یہ شہرت اسکے حق میں مبارک ہوتی ہے اور

اسکے اعمال کی زیادتی کا بھی سبب بنتی ہے اس طور پر کہ اسکی اتباع کرنے والے یعنی اسکے مسترشدین بڑھ جاتے ہیں (جنکے عمل حسن کا ثواب انکو بھی ملتا ہے) بخلاف اس شخص کے جسکو اسکی شہرت نے حق تعالیٰ ہی سے مشغول کر دیا ہو اور وہ خالق سے ہٹکر مخلوق ہی میں الجھ گیا ہو تو یہ شہرت ایسی ہے کہ اسکے ذریعہ اس شخص کو مفتون یعنی فتنہ میں پڑجانے والا ہی سمجھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

اسلئے بھی حضرت والاؒ نے اپنے لئے گوشۂ خمول ہی کو پسند فرمایا اور شہرت و تشہیر سے ہمیشہ دور و نفور ہی رہے اور بہت زیادہ اِدھر اُدھر آنے جانے کے تو قائل ہی نہ تھے بلکہ مبتدی کے حق میں تو اسکو سلوک اور تسلیک کیلئے سم قاتل سمجھتے تھے۔ اور باہر کے لوگ ہر چند دعوت دیتے لیکن آپ تشریف نہ لیجاتے اور ہم لوگوں سے مجلس میں فرماتے کہ دیکھئے ان صاحب نے مجھے بلایا ہے، تو میں جب اب تک اپنی ہی بستی کے لوگوں کی اصلاح نہیں کرسکا ہوں تو باہر کے لوگوں کی اصلاح تو بدرجۂ اولیٰ کر لوں گا نا؟ اور پھر بطور مزاح کے فرماتے تھے کہ بدرجۂ اولیٰ کا سب سے عمدہ موقع یہی ہے نا؟ اور کبھی یہ فرماتے کہ "مجھے غیرت معلوم ہوتی ہے کہ اپنی بستی کے لوگ تو مہمل رہیں اور دوسری جگہ تبلیغ کرنے کے سلئے اور وعظ کہنے کے لئے پہونچ جاؤں، لوگ کیا کہیں گے کہ اپنے یہاں کیا تیر مار لیا ہے جو اب ہمارے یہاں تشریف لائے ہیں حالانکہ کوئی کچھ کہتا نہیں تھا مگر اس سے حضرت والاؒ کی غیرت اور طبعی احساس کا اندازہ تو ہوتا ہی ہے۔

نیز یہ بھی فرماتے کہ میں تو اپنے متعلق یہ سمجھتا تھا کہ میں تو کسی کام کے لائق ہی نہیں ہوں اور اصلاح و صلاح کے بارے میں بھی یہی سمجھ لیا تھا کہ اگر خدا تعالیٰ کو مجھ سے ہی کام لینا ہوگا تو خود لوگوں کو یہیں بھیجے گا ورنہ اکیلا بیٹھا رہونگا اور اللہ اللہ کروں گا مگر زمانہ کے فتنوں میں نہیں پڑوں گا۔ رہا روزی کا معاملہ وہ مقدر ہے خدا کی طرف سے مقرر ہے جہاں بھی رہونگا اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا زمین پر چلنے والی ہر مخلوق کی روزی خدا کے ذمہ ہے۔"

راقم عرض کرتا ہے کہ یہ کسی شرعی مسئلہ کا بیان نہیں ہے کہ ناظرین میں سے کسی

کیلئے کسی درجہ میں بھی الجھن کا سبب بنجائے بلکہ یہ حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے ایک حال کا ذکر ہے جو خدا کی طرف سے اپنے خاص بندوں کو الگ الگ ملا کرتا ہے اور اس میں خدا تعالیٰ ہی کا انتخاب کارفرما ہوا کرتا ہے۔ اسلئے دوسرا نہ تو اسکا مکلف ہی بنایا جاسکتا ہے اور نہ دوسروں کو اس صاحب حال پر اعتراض و اشکال ہی کا کوئی حق پہونچتا ہے غرض یہ حضرت کا توکل، تفویض اور استغنا، تھا جس نے اسپر آپکو آمادہ کر رکھا تھا۔ ع
تو نہ، کامل مخور، می باش لال۔ تم کامل نہیں ہو مت کھاؤ اور زبان نہ کھولو خاموش رہو۔

اپنے لئے یہی طریق کا طے فرما کر حضرت اقدسؒ نے وطن ہی میں قیام فرمالیا۔ مکان میں ایک الگ حصہ مخصوص فرما کر وہیں رہنے لگے جس کے ایک حجرہ میں پلنگ اور چوکی بچھی ہوئی تھی، پاس ہی ایک دوسرے ذرا بڑے کمرے میں مسند ارشاد اور کتابوں کی الماری رکھی ہوئی تھیں۔ عبادت اور راحت کے اوقات اس پہلے حجرہ میں گذارتے اور جلوت و مجلس یا کتب بینی کے لئے اس دوسرے کمرہ میں تشریف لاتے۔ چنانچہ اس دور کے ابتدا میں زیادہ تر اوقات حضرت والا کا تنہائی ہی میں گذرتا اور کتب بینی ہی مشغلہ رہتا، یوں کبھی اطراف میں جانا ہوجاتا یا دو ایک مہمان کبھی آجاتے تو اُن سے گفتگو فرماتے انکو وقت دیتے انکی خاطر مدارات میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھتے۔ مولوی فاروق صاحب ہی کہتے تھے کہ حضرت کا یہ انداز اصلاح یعنی داروگیر، تنبیہ و اخراج وغیرہ تو بعد میں ہوگیا تھا ورنہ تو پہلے خوب ہنسی خوشی انبساط و انشراح کے ساتھ ہم لوگوں سے گفتگو فرماتے تھے اور حضرت والا کو منشرح پاکر ہم بھی خوب خوب اور بے دھڑک باتیں کیا کرتے تھے۔ خانقاہ کی عمارت بھی نہ بنی تھی مولوی عبدالقیوم صاحب مرحوم کے دالان ہی میں شب کو قیام رہتا۔ اور کبھی کبھی حضرت اقدس خود ہی سینی میں ہمارے لئے کھانا لئے ہوئے مکان سے تشریف لاتے نظر آتے تو کچھ نہ پوچھو مارے شرم کے کٹ ہی تو جاتا تھا، بس حضرت ہوتے اور ہم دو ایک طالب، یہی حضرت اقدس کی ابتدائی مجلس ہوتی تھی۔

راقم عرض کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی شان یا تو کبھی ہم لوگوں کو ایسی فراغت کے ساتھ خدمت والا میں حاضری کا وقت ملجاتا تھا یا بعد میں لوگوں کا ایسا ہجوم ہوا کہ اہل بمبئی اور

اس زمانہ کے واردین اور صادرین کی جماعت ہی سے یہ منظر پوچھا جاسکتا ہے ۔ ہمارے دوست نور خاں صاحب پساہ والے بیان کرتے تھے کہ فتحپور میں ایک مرتبہ بڑی محبت کے ساتھ حضرت والا نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ ـــــ خاں صاحب کچھ کام کر لو اور جلدی کرو، کیونکہ یہ تم مجھے تنہا بیٹھا ہوا جو دیکھ رہے ہو بس تھوڑے ہی دنوں تک کیلئے ہے بعد میں ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ تم لوگ مجھ سے مصافحہ کرنے کو بھی ترس جاؤ گے ۔ دور سے دیکھو گے اور مصافحہ تک نہ کرسکو گے ۔ نور خاں صاحب نے کہا کہ میں اسوقت بالکل نہیں سمجھا کہ حضرت یہ کیا فرما رہے ہیں لیکن قیام بمبئی نے اسکی تصدیق کر دی کہ واقعی ہجوم خواص اور اژدہام ناس کیوجہ سے حضرت سے مصافحہ کرنے کو ہم لوگ ترس ہی گئے

بہر حال اس فراغت اور تنہائی کا ایک فائدہ یہ تو ہوا کہ حضرت والاؒ نے اپنے تمام ذکر و عبادت سے فارغ اوقات کو کتب بینی میں صرف فرمادیا اور خوب ہی مطالعہ فرمایا ۔ حضرت کا یہ طریقہ تھا کہ کتاب زیر مطالعہ کا جو مضمون بھی پسند ہوتا تو کہیں تو حاشیہ پر اس سطر کے سامنے (+) اسطرح کا نشان لگا دیتے تھے اور اکثر و بیشتر کاغذ کی ایک چٹ وہاں رکھدیتے تھے ۔ راقم جب فتحپور حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت کی میز کے پاس ایک لفافہ میں ایک ایک انگل کی چٹ یعنی قرینے سے کٹے ہوئے کاغذ کے ٹکڑے کافی تعداد میں رکھے ہوئے ہیں ۔ معلوم ہوا کہ یہ حضرتؒ نے کتابوں میں نشان رکھنے کے لئے رکھے ہیں کیونکہ بعض مرتبہ ضرورت پڑنے پر ذرا سا کاغذ اگر نہیں ملتا تو وہ ذہنی تعب کا سبب ہوجاتا تھا اسلئے یہ نظم فرمایا تھا ۔ اسپر حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ کا ایک واقعہ یاد آیا غالباً حضرتؒ ہی سے سنا فرمایا کہ مولانا عبدالحی صاحب کا جس کمرے میں لکھنے پڑھنے کا معمول تھا ان کے والد صاحب نے ہر جانب دروازے پر ایک جوتا رکھوا دیا تھا اور ہر نوع کے سکے پیسہ ۔ اکنی ۔ دونی ۔ چونی ۔ اٹھنی اور روپیہ سب چوکی میز پر رکھدیا تھا تاکہ مولانا کو کمرہ سے جس جانب بھی جانا ہوا اسی جانب پاپوش رکھا ملجائے اور جوتا تلاش کرنے کے بارے سے بھی ذہن فارغ رہے یا جس قسم کے پیسوں کی ضرورت ہو موجود مل جائے

روپیہ بھنانے کی فکر سے قلب مشوش نہ ہو۔ اسی طرح حضرتؒ نے بھی خود کو ذہنی تشویش سے بچانے کیلئے یہ تراشے رکھ چھوڑے تھے۔ اللہ اکبر! یہ بزرگ لوگ بھی ایسے با نظم ہوتے ہیں۔ چنانچہ آج بھی حضرت اقدس کی کتابوں میں حضرتؒ کے رکھے ہوئے کاغذات بکثرت موجود ہیں طریقہ مبارک یہ تھا کہ کوئی مضمون مفید اور پسند ہوا اس پر بھی نشان لگادیا اور اس کے بعد جو بھی آنے والا آیا یا اگر کوئی باہر کا نہ ہوا تو بستی ہی کے کسی سمجھدار ذی استعداد کو بلاکر اسے سنایا پھر کل کو کوئی اور آگیا تو وہی کتاب منگواکر وہ مقام نکالا اور اسکو بھی سنایا پھر کوئی تیسرا اہل علم آگیا تو نہایت ذوق و نشاط کے ساتھ پھر اسکو سنایا اسطرح سے دس دس اور بیس بیس بار یہی ایک مضمون سنانے اور بیان فرمانے سے بھی حضرت والاؒ گھبراتے نہ تھے۔ چنانچہ آپ کا یہی انداز طبیعت ثانیہ بن چکا تھا جسکی وجہ سے مضمون سامنے آنے پر نہ صرف کتاب ہی بلکہ اسکا صفحہ اور سطر بھی پیش نظر ہوجاتا تھا اور کسی بھی پہلے سنائے ہوئے مضمون کو بآسانی دوبارہ نکال لیتے تھے۔

راقم عرض کرتا ہے کہ ہم جب حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو شدہ شدہ یہ خدمت ہم سے بھی متعلق ہوئی یعنی کہ نفاق کا کوئی مضمون چلا تو فرمایا کہ احیاء العلوم لاؤ ان مولوی صاحب کو (کسی آنے والے کی طرف اشارہ فرمایا) بھی وہ مضمون سناؤں۔ یا یہ فرمایا کہ ذرا روح المعانی تو لاؤ صاحب روح المعانی نے فلاں مضمون کو بہت اچھا بیان کیا ہے لاؤ ان صاحب کو سناؤں۔ کبھی فرمایا کہ حجۃ البالغہ لے آؤ۔ اسطرح سے کبھی تفہیمات الٰہیہ۔ کبھی الفوز الکبیر کبھی بیان القرآن کبھی تفسیر مظہری طلب فرماتے رہتے تھے مجھ جیسے کندۂ ناتراش نے اس سے پہلے بہت سی کتابوں کا نام بھی نہیں سنا تھا؛ صرف یہاں آکر یہ ضرور ہوا کہ کبھی حضرتؒ نے ان کتب کے مضامین ہمارے سامنے بھی اہل مجلس کو سنائے سب نے سنا ہم نے بھی سن لیا اسلئے اب ہر بار کی طلب پر مضامین کا نکالکر پیش کردینا میرے لئے کارے دارد ثابت ہوتا تھا۔ حضرت والا چاہتے تھے کہ میرے پاس رہنے والے بھی علمی ذوق پیدا کریں اور کچھ میرے لئے آسانی اور سہولت کا ذریعہ بن جائیں کہ جب کہدوں تو مضمون نکالکر فوراً دیدیا کریں لیکن اعرج کو مشی کا حکم کب سبب امتثال بن ہی سکتا تھا

نتیجہ یہ ہوتا کہ حضرت والا خفا ہوتے اور ہم لوگوں کی خاطر خواہ پٹائی ہوتی۔ جب روز روز کی یہ مصیبت دیکھی تو طبیعت نے آخر ایک شکل اس سے مفر کی نکال ہی لیا وہ یہ کہ اسکے بعد سے جب بھی اور جو کتاب بھی حضرت والا سناتے تو مجلس کے اندر تو اسکا صفحہ جھانک کر نوٹ کر لیتے تھے اور مجلس کے بعد اسی کتاب کے اوائل میں ایک اپنی ذاتی فہرست مرتب کر دیتے کہ فلاں صفحہ پر فلاں مضمون ہے۔ آج بھی حضرتؒ کی اکثر کتب کے شروع میں ہم لوگوں کے ہاتھوں کی بنی ہوئی فہرست موجود ہے۔

اب کیا تھا اسکے بعد پھر جب حضرتؒ کوئی مضمون صراحۃً کیا اشارۃً بھی طلب فرماتے حتیٰ کہ بعض مرتبہ صرف مضمون کا عنوان ہی ذکر فرماتے کتاب کا نام بھی نہ لیتے تب بھی سزا کھائی ہوئی عقل نہ صرف کتاب ہی بلکہ اسکا صفحہ تک کھولکر حضرت اقدسؒ کے سامنے پیش کر دیتی۔ حقیقت تو اسکی یہ تھی لیکن وطن سے لیکر الہ آباد تک اور الہ آباد سے لیکر بمبئی تک کے لوگ اس فریب میں مبتلا دیکھے گئے کہ ماشاء اللہ فلاں صاحب بڑے ذہین اور قوی الحافظہ ہیں اور واقعی کمال ہی کرتے ہیں کہ حضرت والا کے ابروئے چشم کا صرف اشارہ پاتے ہی کتاب کھولکر پیش کر دیتے ہیں۔ چنانچہ کبھی کبھی اسکا اظہار ہم لوگوں سے بھی لوگ کرتے تھے اب چونکہ ہم تو حقیقت حال سے واقف ہی تھے اسلئے اپنے دل کو تسلی دے لیتے تھے کہ چلو بہت پٹے ہو یہ اسی کا صلۂ عاجل ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ

بہرحال ہمارے حضرت مصلح الامۃؒ نے اپنی اس فراغت سے خوب کام لیا۔ اور "انیس کنج تنہائی کتاب است" کا عملی نمونہ پیش فرما دیا۔ چنانچہ اس گہرے اور عمیق مطالعہ کا یہ اثر ہوا کہ پھر آخر آخر تک برابر اپنی مجالس میں کتابیں نکال نکال کر اس سے ہر قسم کے مضامین سناتے ہی رہے جس پر حضرتؒ کی مجالس اور تالیفات دال ہیں۔

راقم عرض کرتا ہے کہ کم از کم جب سے احقر فتحپور حاضر ہوا تو حضرت والا کی کتابوں میں نشانات تو رکھے دیکھے لیکن حضرتؒ کو بالاہتمام کسی کتاب کا مطالعہ کرتے میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ حضرت کے معمولات بالکل ظاہر و باہر تھے لوگوں کی آمد و رفت بڑھ چکی تھی مئو۔ کوپا۔ پورہ۔ ادری۔ گھوسی۔ ندوہ سرائے۔ حمید پور۔ کوریا پار۔ کاری ساتھ

کے علاوہ گورکھپور۔ دیوریا۔ بلیا۔ بنارس۔ جون پور۔ الہ آباد۔ کٹک اور مدراس وغیرہ سے لوگ آنے شروع ہو چکے تھے، علاوہ مجلس کے ہر ایک سے شخصی ملاقات بھی فرماتے تھے۔ قاری مبین صاحب وغیرہ کو درس بھی خود ہی دیتے تھے آنے والے اور مقیمین اہل علم حضرات کا حدیث یا تفسیر کا کوئی سبق الگ جاری تھا۔ کبھی خیال ہو گیا کہ لوگ نصف علم یعنی علم المیراث سے بالعموم محروم ہیں تو فارغین کو بھی سراجی معہ شریفیہ شروع فرمادی کبھی دھیان ہو گیا کہ مولوی لوگ عموماً تاریخ سے نابلد ہوتے ہیں تو تاریخ الخلفاء کا درس جاری فرمادیا گیا۔ علاوہ ازیں اہل بستی کے معاملات، مخالفین کے فسادات، لوگوں کے باہمی نزاعات الگ ایک ذہنی الجھن کا سبب بنجاتے تھے (اگرچہ حضرت ان میں دخل دینا پسند نہ فرماتے تھے)۔ پھر واسطہ کے ساتھ طالبین کی اصلاح الگ جاری تھی جسکے لئے کسی وقت کی تعیین بھی نہ تھی تہجد کا وقت ہوا تو کوئی خادم کسی کے پاس خانقاہ چلا آرہا ہے اور پیغام سنایا کہ حضرت نے آپ سے یہ فرمایا ہے، اب وہ جو جواب دیتا وہ حضرت سے کہا جاتا اسطرح سے سوال وجواب کا سلسلہ قائم رہتا۔ کسی کے پاس دوپہر ہی میں ظہر سے پہلے خادم آجاتا اور اسکو سوتے سے جگاتا اور کہتا کہ حضرت نے فرمایا ہے کہ آپ یہاں سونے کیلئے آئے ہیں یا کچھ کام کرنے کیلئے اور پھر سلسلۂ کلام شروع رہتا۔ حضرت کی اصلاح کا ایک انداز یہ بھی تھا جس کا اثر یہ تھا کہ خانقاہ میں ہر شخص بیدار اور مستعد رہتا تھا کہ نہ معلوم مجھ سے بھی کب اور کیا سوال ہو جائے۔ اس طور پر جسے کہنا چاہیئے کہ واقعی حضرت والاؒ نے سالکین کو ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش تادمِ آخر دمے فارغ مباش

(اس راہ میں مسلسل کوشش میں لگے رہو آخر دم تک ایک لمحہ کیلئے بھی فارغ نہ بیٹھو) کا مشاہدہ کرادیا تھا۔ غرض اس نوع کی اصلاح کی اسقدر جزئیات تھیں کہ نہ ہم سب بیان کرسکتے ہیں اور نہ اسکا موقع ہی ہے علاوہ اسکے ایک ختم یا کچھ کم وبیش تلاوتِ قرآن کا اپنا ذاتی معمول پورا کرنا، مناجات مقبول پڑھنا، تہجد، اشراق، چاشت، اوابین پڑھنا اور فارغ وقت میں تسبیح لیکر ذکر کرتے رہنا اور ؎

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

کا عملی نمونہ ظاہر فرمانا یہ معمولات الگ تھے۔ پھر دوپہر میں کھانا کھانے کے بعد خادم سرپر تیل رکھتا کوئی اور شخص پاؤں دباتا تاآنکہ نیند آجاتی۔ ایسطرح بعد عشار تقریباً فوراً ہی تیل رکھواتے رکھواتے سوجانے کا معمول تھا، یہی دیکھا جاتا تھا لہذا شب وروز کے چوبیس گھنٹے اور مہینہ کے تیس دن تو انھیں معمولات پر گذر جاتے تھے۔ اب کتب بینی کا موقع ہی کیا تھا چنانچہ حضرت والاؒ نے بعد میں جو کچھ بھی سنایا وہ حضرتؒ کے قوت حافظہ کی بین دلیل تھی اور یہی وہ منظر تھا جسے دیکھکر حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندویؒ بھی دنگ رہ گئے اور اپنے مضمون " چار منفتہ ایک کہف ہیں" حضرتؒ کے اس وصف کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک ایسا جملہ لکھ گئے کہ ہم جب اس پر پہونچتے ہیں تو چونک ضرور پڑتے ہیں۔ بہرحال تھا معاملہ کچھ ایسا ہی کہ اللہ تعالیٰ کو جس سے کام لینا ہوتا ہے تو اسکے اندر کام کے لوازم بھی پیدا فرما دیتے ہیں۔ حضرت والاؒ خود فرماتے تھے کہ میں جو یہ کتابیں دکھاتا رہتا ہوں تو وہ مضمون مجھے زبانی بھی یاد ہوتا ہے لیکن اسلئے دکھاتا ہوں کہ ان بزرگوں کو بھی اسکا ثواب ملے اور علمی باتیں جو بیان کیا کرتا ہوں وہ اسلئے تاکہ علمار کو مجوج کرسکوں اسلئے کہ جب تک یہ لوگ کسی کو سیر کا سوا سیر نہیں دیکھ لیتے اسکی جانب توجہ نہیں کرتے یعنی ہر زمانہ میں علمار نے جب کسی کو اپنے سے کامل ہی دیکھا ہے جب ہی اسکی جانب رجوع ہوئے ہیں۔ چنانچہ علمار اور مشائخ کے بیشمار واقعات اس سلسلہ میں کتابوں میں لکھے ہیں ـــــ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کا واقعہ مشہور ہے کہ لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ حضرت حاجی صاحبؒ قدس سرہٗ تو عالم نہ تھے پھر آپ نے ان سے کس طرح بیعت کی؟ فرمایا کہ بھائی ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ عالم (اصطلاحی) گو نہ تھے مگر عالم گر تھے۔ وہاں عالم ڈھالے جاتے تھے اور یہ بھی فرماتے تھے کہ کوئی تو انکے کشف وکرامت کی وجہ سے معتقد ہوا ہوگا اور میں تو بھائی انکا معتقد انکے علم کیوجہ سے ہوا۔ معلوم ہوا کہ یہ فطری جذبہ ہی ہوتا ہے کہ ایک عالم کسی جاہل کیجانب رجوع نہوگا بلکہ جب کسیکو اپنے سے سوا علم میں بھی دیکھے گا تب ہی اسکا معتقد ہوگا۔

حضرت مصلح الامۃ جن کتابوں کے مضامین اکثر و بیشتر سنایا کرتے تھے وہ یہ ہوتی تھیں تفسیر میں سے بیان القرآن، روح المعانی اور تفسیر مظہری تو اکثر اور ابن کثیر اور کشاف کبھی کبھی۔ حدیث شریف میں سے فتح الباری اور کبھی کبھی فتح الملہم بھی۔ فقہ میں طحطاوی علی مراقی الفلاح اور شامی۔ تصوف میں احیاء العلوم۔ التنبیہ الطربی اور ان کے علاوہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی کتب حجۃ اللہ البالغہ۔ تفہیمات الٰہیہ۔ خیر کثیر اور الفوز الکبیر کا ذکر اور ان سے استفادہ بھی برابر رہتا تھا۔ نیز خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ خلف رشید حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ کی مکتوبات معصومیہ اور حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کی مالابد منہ اور ارشاد الطالبین اور علامہ شعرانی کی الیواقیت والجواہر یہ کتب بھی زیادہ تر پیش نظر رہا کرتی تھیں۔ یوں خود حضرت فرماتے تھے کہ طریق کے سمجھنے میں مجھے مکتوبات قدوسیہ اور مکاتیب رشیدیہ سے بہت زیادہ مدد ملی اسیطرح مکتوبات یعقوبیہ کی بھی بہت زیادہ تعریف فرماتے تھے۔ اور یہ بھی فرماتے تھے کہ مکاتیب رشیدیہ میں صرف حضرت گنگوہیؒ کے جوابات ہی نقل کئے گئے ہیں، کاش سالک کا خط بھی ہمراہ ہوتا جس سے واضح طور پر معلوم ہوجاتا کہ یہ جواب فلاں بات کا ہے تو اسکا نفع دوبالا ہوجاتا۔

کتابوں کا کافی ذخیرہ خود حضرت اقدس کے پاس اپنا ذاتی ہی موجود تھا لیکن الٰہ آباد تشریف آوری کے بعد مزید کتب کا ایک جدید انتظام یہ ہوگیا کہ ایک مقامی عالم کا مسلم کتب خانہ ہی بقیمت حاصل ہوگیا۔ چنانچہ حسب موقع و ضرورت حضرت والا ان کتب سے بھی مضامین سناتے تھے۔ اسی ذخیرہ میں ترصیع الجواہر المکیہ بھی ملی تھی جسکو حضرت اقدس نے حاضرین خانقاہ میں سے اہل علم حضرات کو سبقاً سبقاً پڑھایا بھی تھا اور بالآخر راقم کو اسکا ترجمہ کرنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ وہ ترجمہ اولاً رسالہ میں حضرت والا کو لفظ بلفظ سنانے کے بعد قسط وار طبع ہوا اور پھر مستقل کتابی صورت میں بھی شایع ہوا۔

انھیں کتابوں میں سے جنکو حضرت والا مجلس میں اکثر سناتے تھے گلستان و بوستاں اور اخلاق محسنی بھی تھی۔ چونکہ حضرت مصلح الامۃؒ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دور میں لوگوں کی اصلاح اخلاق کیلئے منتخب فرمایا تھا اور یہی حضرتؒ کا مخصوص موضوع تھا اسلئے اخلاق پر

جو بھی کتابیں بزرگوں کی متداول تھیں حضرت والا نے ان سب سے کام لیا چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی کتاب "آداب الصالحین" کے قدیم اردو میں کئے ہوئے ترجمہ "ہادی الناظرین" کا جو بامحاورہ اردو ترجمہ "اسوۃ الصالحین" کے نام سے راقم نے کیا (اور وہ بھی پہلے تو رسالہ میں قسطوار اور پھر مستقل کتابی شکل میں شایع ہوا) تو گو وہ حضرتؒ کے وصال کے بعد طبع ہو سکی تاہم اسکی بنیاد حضرت مصلح الامۃ ہی ڈال چکے تھے آپ ہی کی بنیاد پر اسکی تعمیر وجود میں آئی۔

مجلس میں گلستاں بوستاں کے سنانے پر ایک واقعہ یاد آیا۔ جن دنوں حضرت والا کا قیام وطن کے بعد گورکھپور میں تھا تو وہاں میاں صاحب مسلم انٹر کالج (گورکھپور) کے ایک اردو فارسی کے مدرس جناب مولوی شکیل احمد صاحب عباسی بھی حضرت والا کی مجلس میں تشریف لایا کرتے تھے ایک دن انھوں نے خود حضرت والا سے اپنا واقعہ عرض کیا کہ کل جب میں یہاں حضرت کی مجلس سے واپس ہو کر گھر جا رہا تھا تو راستہ میں میرے ایک دوست ملے انھوں نے پوچھا کہ مولوی صاحب اسوقت آپ کہاں سے تشریف لا رہے ہیں میں نے برجستہ کہا کہ گلستاں بوستاں کا سبق پڑھکر آرہا ہوں، دیکھا کہ انھوں نے اس جملہ کو بہت تعجب سے سنا کہنے لگے کہ آپ نے تو نجانے کتنوں کو گلستاں بوستاں پڑھا دیا ہوگا یہ آپ کیا فرما رہے ہیں کہ اسکا سبق پڑھکر آرہا ہوں! میں نے جب انکو متحیر دیکھا تو خود ہی اپنے قول کی یوں شرح کی اور کہا کہ بھائی میرے میں اسوقت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کی مجلس سے آرہا ہوں اور حضرت نے تمام مجلس گلستاں بوستاں ہی سنائی اور اس سلسلہ میں ایسی ایسی باتیں حضرت نے بیان فرمائیں کہ کیا کہنا سبحان اللہ میں نے تو اس سے قبل اس انداز سے اسکا مطلب کسی سے نہیں سنا تھا حضرت سے سننے کے بعد میں نے سمجھا کہ جو اب تک اس کو پڑھا پڑھایا وہ کچھ نہیں تھا دراصل گلستاں بوستاں ان حضرات سے پڑھنے کی کتاب ہے اور بڑوں کے پڑھنے کی کتاب ہے ہم لوگوں نے جو بچوں کے حوالہ کر دیا ہے حق یہ ہے کہ یہ شیخ سعدیؒ پر ظلم ہے۔ اسی کو میں نے آپ سے یوں کہدیا کہ میں گلستاں بوستاں کا سبق پڑھکر آرہا ہوں۔

راقم عرض کرتا ہے کہ دیکھئے گلستان بوستاں کے اشعار اور اسکی حکایات کو کو اکثر مشائخ اور واعظین بیان فرماتے ہیں لیکن حضرت اقدس کا انداز اسکی شرح کا اور اس سے تصوف اور طریق کا مسئلہ مستنبط کرنے کا کچھ نرالا ہی تھا کہ مولوی صاحب موصوف بھی اس سے اسدرجہ متأثر ہو گئے

حضرت والاؒ کی منتخب کتب اور انکے بیان کو احقر نے بالقصد قدرے تفصیل سے ذکر اسلئے کر دیا ہے تاکہ شاید کسی محب کو اپنے محبوب کی پسندیدہ کتب سے خاص ذوق اور مناسبت ہو جائے اور یہ بات ان سے استفادہ کا سبب بنجائے۔ مجھے یاد ہے کہ مدرسہ مظاہر علوم سے فراغت کے سال ساتھیوں میں سے کسی نے حضرت استاذی مولانا محمد اسعد اللہ صاحب مدظلہ العالی سے دریافت کیا کہ حضرت اب مکان جاکر کن کتابوں کو اپنے مطالعہ میں رکھوں تاکہ علمی استعداد تازہ رہے۔ فرمایا کہ تفسیر میں روح المعانی کافی ہے اور شرح حدیث میں فتح الباری اور فقہی جزئیات کے لئے بحرالرائق کا مطالعہ انشاء اللہ کافی و وافی ہوگا۔ الحمد للہ کہ یہی انتخاب حضرت مصلح الامۃؒ کا بھی دیکھا اور گو خود اسپر عامل نہ ہو سکا تاہم ارباب شوق اور اصحاب ذوق کے سامنے اسے بیان کر دیا شاید اللہ تعالیٰ کسی کو اسکی وجہ سے مطالعہ کی توفیق عطا فرما دیں۔

نظام الاوقات

یہ عنوان احقر نے اسلئے قائم کیا تاکہ ناظرین کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے حضرت مصلح الامۃؒ نے جو اس قدر کام کر لیا تو وہ حق تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ساتھ عالم اسباب میں محض اسلئے ہوا کہ حضرتؒ نے اپنے اوقات کا بہت ہی خیال رکھا تھا چنانچہ ہر کام کے لئے ایک وقت اور ہر وقت کے لئے جدا جدا مشاغل مقرر فرما رکھے تھے اور اس باب میں بھی اپنے شیخ حضرت حکیم الامۃ علیہ الرحمہ کا اتباع آپکو حاصل تھا کیونکہ میں نے حضرت حکیم الامۃؒ کی حیات مبارکہ ہی میں بوقت حاضری خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون حضرتؒ کی سہ دری کی بائیں جانب ایک بڑا اعلان جلی حرفوں میں لکھا ہوا آویزاں دیکھا تھا جسکا

عنوان غالباً یہ تھا " اعلان انضباط اوقات احقر " تاکہ نہ میرا وقت ضائع ہو اور نہ اہل حاجت ہی کو کوئی دقت پیش آئے اور اسکے نیچے ہر ہر وقت کے کام تحریر فرما دیئے تھے اس سے ہر شخص کو ہر کام کا مثلاً درخواست بیعت کا۔ تعویذ طلبی کا۔ مجلس خاص و عام کا اور خانقاہ میں قیام کا اصول معلوم ہو گیا تھا اور اسی کے مطابق کام ہوتا تھا

ہمارے حضرتؒ اپنے یہاں ان میں سے بہت سی باتوں کو تو بوقت معاملہ زبانی فرما دیا کرتے تھے اور چند باتیں لکھکر خانقاہ میں آویزاں بھی فرما دی تھیں۔ مثلاً کوئی صاحب باہر سے تشریف لاتے دو چار دن چھ دن قیام کرتے اور عین جانے کے دن نہیں بلکہ عین روانگی کے وقت بوقت مصافحہ یوں کہتے کہ گھر کے لوگوں نے سلام عرض کیا تھا اور ایک تعویذ کی فرمائش کی تھی اسپر حضرت خفا ہوتے اور فرماتے کہ آپ چار پانچ دن سے مقیم ہیں اب تک نہ آپ نے سلام کہا اور نہ انکا پیام کہا اب چلتے چلتے جو فرمائش کی ہے تو اسکی وجہ سے مجھ پر بار ڈالنا نہیں ہوا اور یہ مجھے مقید کرنا نہیں ہے کہ میں مجبور ہو جاؤں کہ ابھی تعویذ لکھوں چاہے مجھے اس سے بڑھکر ہی کوئی اپنی ذاتی ضرورت ہو، مثلاً اب اذان ہو گئی ہے نماز کو چلنا ہے اگر مجھے استنجے جانا ہو یا وضو کرنا ہو تب کیا کروں اگر تعویذ نہ دوں تو آپ کو آپ کے اہل خانہ کو ناگواری ہو اور دیدوں تو آپ لوگوں کی اصلاح کیسے ہو۔ یہ سب باتیں تو موٹی عقل سے سمجھ میں آجانا چاہیئے ان رعایات کو نہ سمجھو گے تو طریق کو کیا طے کرو گے اور اسکے آداب خاک سمجھو گے۔

اسی طرح سے مثلاً تین دن قیام کرنے کے بعد جانے کے دن کوئی صاحب کسی کا خط پیش کرتے کہ فلاں صاحب نے حضرت کو یہ خط دیا تھا اسپر ناراض ہوتے اور ان صاحب کی خوب ہی خوب خبر لی جاتی کہ خط آپ کے پاس امانت تھا اسکو آتے ہی دینا چاہیئے تھا معلوم نہیں اس نے کیا لکھا تھا اور آپ نے اسکو رکھ لیا اب جاتے وقت یاد آیا۔ جب آپ کے حافظہ کا یہ حال ہے تو کسی کی امانت کو لینا ہی نہ چاہیئے تھا۔

غرض اس نوع کی بے اصولیوں کی تو بر وقت اصلاح کیجاتی تھی اور اس میں شک نہیں کہ دوسرے لوگوں کو بھی اس سے فائدہ ہو جاتا تھا۔ باقی چونکہ ہم لوگوں میں غفلت

ایک عام مرض ہے اس لئے بہت سی باتوں کو بذریعہ اعلان بھی ذہن نشین فرمادیا تھا تاکہ لوگوں کو قیام خانقاہ سے نفع ہو اور ایسا نہو کہ یہاں کا قیام اور گھر کا قیام یکساں ہی ہو کر رہ جائے۔

کیونکہ چار آدمی جہاں جمع ہو جائیں اس مجمع کا محذورات شرعیہ سے خالی ہونا اس زمانہ میں جسقدر دشوار ہے بالکل ظاہر ہے حضرت کو اس سلسلہ میں تجربہ تھا اس لئے اسکا اہتمام تھا کہ لوگ یہاں کے قیام کے ایام کو بیش از بیش یہاں کے مقصد اور کام میں گذاریں اور خانقاہ کو سه

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد　　کسے را با کسے کارے نباشد

(بہشت دراصل اسی جگہ کا نام ہے جہاں ضرر و ضرار ایذاء و آزار کا نام نہو اور کسی شخص کو کسی سے کوئی شکایت نہو)

کا مصداق بنالیں۔ چنانچہ اس زبانی طور پر زجر و توبیخ کے ساتھ ساتھ یہ اعلان بھی خانقاہ میں آویزاں تھا:-

ہدایات

۱ - خانقاہ میں مہمانوں کے قیام کا انتظام مولوی عبدالرؤف صاحب و مولوی جامی صاحب سے متعلق ہے ان دونوں میں سے کسی صاحب سے ملکر پہلے اپنے قیام کا کمرہ معلوم کریں۔

۲ - چارپائی اور بستر کا انتظام خانقاہ کیجانب سے نہیں ہے ہر شخص خود اپنا بستر اپنے ہمراہ لاوے اور کمرہ میں بچھے ہوئے ٹاٹ اور چٹائیوں کو کمرہ سے باہر نہ نکالا جائے۔

۳ - طعام کا انتظام عقیل صاحب سے متعلق ہے ان سے تفصیلی حالات معلوم کریں۔

۴ - خانقاہ میں چونکہ طلبہ بھی رہتے ہیں اسلئے سب کو ہدایت کیجاتی ہے کہ وہ دوسری جماعت کے کسی فرد کے ساتھ اور آپس میں بھی اختلاط سے سخت اجتناب کریں کوئی سالک کسی طالب علم کے حجرہ میں نہ جاوے نہ انکے ساتھ خورد و نوش رکھے۔

۵ - خانقاہ میں بڑی سگریٹ پینے، زور زور سے باتیں کرنے اور بلا ضرورت بالخصوص دنیوی اور سیاسی گفتگو کرنے کی ممانعت ہے۔

استعمال نکرے۔

۶۔ کوئی شخص کسی دوسرے کی چیز بدون اسکی صریح اجازت کے استعمال نکرے۔

۷۔ ہر شخص اپنی چیز کے تحفظ کا خود ذمہ دار ہے اگر کسی کی کوئی چیز خانقاہ میں سے چوری ہوگئی تو سارق اور مسروق منہ دونوں کا اخراج کردیا جاویگا کیونکہ جو شخص اپنی دنیا کی حفاظت سے قاصر ہوگا وہ بھلا دین کی کیا حفاظت کرسکے گا (مطلب یہ تھا کہ صوفی کو بھولا بھی نہیں ہونا چاہیے بلکہ متیقظ اور ہوشیار ہونا چاہیے جیسا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ مومن نہ دھوکا دیتا ہے اور نہ دھوکا کھاتا ہے المومن لایَخدَع ولا یُخدَع۔

۸۔ یہاں کے آنے جانے والے حضرات اثنار قیام میں مسائل صرف حضرت والا مدظلہ العالی سے دریافت کریں یا مولوی جامی صاحب سے پوچھ لیں کسی تیسرے سے پوچھنے کی اجازت نہیں ہے تجربہ سے اسکا مضر ہونا ثابت ہوا ہے۔ لوگ یہاں بھی آکر تبکحّن (لغو ولا طائل باتیں) کرتے ہیں۔

۹۔ آنیوالوں کو چاہیئے کہ آنے کے ساتھ ہی اگر وقت مناسب ہو تو اطلاع کرا کے حضرت والا سے ملاقات کریں۔ اگر چند دن قیام کا ارادہ ہو تو جانے کی اطلاع ایک دن قبل ہی کردیں

۱۰۔ تعویذ لینے والوں اور پانی دم کرانے والوں کو چاہیئے کہ جس کے متعلق یہ کام ہے معلوم کرکے اسکو اطلاع کردیں انکا کام کرادیا جائے گا حضرت والا کے پاس کوئی صاحب براہ راست اس غرض کیلئے نہ جائیں۔

۱۱۔ جو صاحب خانقاہ سے باہر بغرض تفریح یا آس پاس کے موضع میں کسی ضرورت سے جانا چاہیں تو حضرت والا مدظلہ سے اجازت لیکر جائیں، اسی طرح گاؤں میں کسی سے ملنے کی ضرورت ہو تو بھی بغیر اجازت کسی سے نہ ملیں۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے خانقاہ وصی اللّٰہی فتحپور تال نرجا میں حضرت مصلح الامۃؒ کا اعلان اور سالکین کے متعلق آپ کی ہدایات۔ اس سے آپ کو بھی اندازہ ہوا ہوگا کہ حضرت اقدس نے مسلمانوں کے جس دینی شعبے کی خدمت انجام فرمائی تھی وہ نہایت ہی بانظم طور پر اور اصول کے ساتھ انجام فرمائی تھی۔ چنانچہ رسالہ قشیریہ سے یہ عبارت اکثر ہم لوگوں کو سناتے کہ انما حرموا الوصول لتضییعھم الاصول یعنی لوگ اصول کے چھوڑ دینے ہی کیوجہ سے

وصول سے محروم ہیں۔ اور فرماتے تھے کہ یہ تصوف نہایت ہی با نظم اور با اصول شئے ہے ایسا نہیں ہے جیسا کہ لوگوں نے آج اسکو سمجھ رکھا ہے یعنی یوں سمجھتے ہیں کہ۔ ع:

یہ وہ جامہ ہے کہ جسکا نہیں الٹا سیدھا

اللہ تعالیٰ کے راستہ پر چلنے والوں کو متیقظ اور بیدار مغز ہونا چاہیئے یہ نہیں کہ وہ شخص بھی اس میں داخل ہونے کی ہمت کرے جسکی فہم کا یہ حال ہو کہ سمجھتا ہو کہ گائے بھی گابھن اور بیل بھی گابھن۔

چنانچہ اہل خانقاہ ان اصولوں کی سختی سے پابندی کرتے تھے اور حضرت اقدس کیطرف سے واردین اور صادرین کی نگرانی کیلئے بھی بعض حضرات بھی متعین ہوتے چنانچہ لوگوں کے بے اصول ہو جاتے پر اکثر وہ حضرات نرمی سے سمجھا دیتے، یوں کسی سے ایسی ہی کوئی بے اصولی ہو جاتی جس کا ضرر عام ہوتا تو حضرت والا کو بھی اسکی اطلاع کر دیجاتی اور پھر اسکا معاملہ سنگین ہو جاتا۔ اسلئے لوگ بڑی احتیاط سے خانقاہ میں قیام کرتے تھے اور پوری کوشش ہوتی کہ کوئی بات کسی سے حضرت والا کے منشاء کے خلاف نہ ہونے پائے۔

ایک اعلان تو آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ اسکے علاوہ طلبہ اور طالبین سے متعلق ایک مشترک اعلان بھی آویزاں تھا۔ ملاحظہ فرمائیے۔

(نظام الاوقات برائے طالبین وحاضرین خانقاہ)

بعد نماز فجر : تلاوت قرآن مجید و مناجات مقبول وغیرہ۔

بعد اشراق : ناشتہ و حوائج ضروریہ۔

بعد ناشتہ : مطالعہ تصانیف حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ مواعظ و دیگر کتب۔

بعد مطالعہ : مطالعہ سے اخذ کردہ مضامین کا باہم مذاکرہ۔

بعد مذاکرہ : کھانا و قیلولہ۔

بعد نماز ظہر : شرکت تقریر بعدہٗ تلاوت قرآن (تھوڑی دیر تک کوئی صاحب حضرتؒ کے حکم سے کچھ بیان فرماتے تقریر سے مراد یہی ہے)۔

بعد ۸ : شرکت مجلس حضرت والا
بعد عصر: تفریح و مذاکرہ ملفوظات مجلس حضرت والا
بعد مغرب : نوافل و ذکر
بعد نوافل : طعام
بعد عشاء : استراحت

ھدایات

(۱) طلوع صبح صادق سے تقریباً ایک گھنٹہ قبل آخر شب کو معمولات کیلئے اٹھ جانا

(۲) بعد اذان ظہر کوئی صاحب جہر کے ساتھ تلاوت نکریں۔ اور نہ قرآن شریف لیکر صف میں بیٹھکر پڑھیں (اس سے دوسروں کو انتشار ہوتا ہے)

(۳) بعد اذان فجر ذکر جہر نکریں (لوگوں کو سنت کی ادائیگی دشوار ہو جاتی ہے)۔

(۴) بعد نماز عشا بات چیت نہ کیجائے بلکہ سو رہنا چاہیئے تاکہ آخر شب میں اٹھنے میں آسانی ہو۔ نیز حدیث شریف میں بھی اسوقت کلام دنیوی کرنے کی ممانعت آئی ہے۔

(۵) اوقات ذکر میں تلاوت یا اوقات تلاوت میں ذکر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جسکو جس سے انس ہو وہی کرے کیونکہ مقصود کام میں لگنا ہے نہ کہ کسی خاص فعل کا پابند ہونا

(۶) کچھ کتابیں خانقاہ میں موجود ہیں اہل خانقاہ ان سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ ذمہ دار خانقاہ سے حاصل کیجاویں اور انھیں کو واپس کردیجائیں۔

دیکھا آپ نے ان ہدایات اور اعلانات کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی بانظم مدرسہ کا کوئی اعلان ہو یہ صوفیوں کے اس مکتب کا اعلان ہے جو فتحپور تال نرجا میں قائم تھا اور حضرت مصلح الامۃؒ اسکے مہتمم تھے مجال نہیں تھی کہ کوئی شخص اسکے خلاف کوئی کام کرسکے حالانکہ ہر قسم کے لوگ آتے تھے انمیں علماء اور طلبا بھی تھے امیر کبیر رئیس اور تعلقہ دار بھی ہوتے تھے تاجر اور ملازم بھی تھے سیٹھ اور فقیر بھی تھے پروفیسر اور حکومت وقت کے باعزت صاحب منصب حضرات بھی ہوتے تھے مگر یہاں خانقاہ آکر ان اصول و قواعد کے سب ہی مکلف تھے سب بطوع و رغبت اسپر عمل کرتے تھے اور جو جسقدر فہم و دانش سے متصف ہوتا تھا وہ حضرت کے اس نظم کو دیکھکر عش عش کر جاتا۔

یوں خانقاہ میں کچھ برتن پتیلی اور لکڑی وغیرہ کا بھی انتظام تھا چنانچہ آس پاس کے غرباء جو دو چار دن کے قیام کی نیت سے آتے تو ایسا بھی ہوتا تھا کہ وہ جنس وغیرہ کا انتظام کرکے دستِ خود دہانِ خود کا معاملہ رکھتے تو اسکے لئے پکانے کا برتن اور سوختہ وغیرہ کا خانقاہ ہی سے انتظام تھا۔ یہ نظم تو ضرور تھا لیکن اسکے ساتھ ساتھ حضرت مصلح الامۃؒ کی اسپر بھی کڑی نظر رہتی تھی کہ آجکل لوگوں کا ایک مزاج یہ بھی ہوگیا ہے کہ کام کرتے کرتے جب گھبرائے تو تفریح کے لئے مہینہ بھر میں پندرہ دن میں کسی ایک دن سامان خورد ونوش یعنی گوشت مسالہ وغیرہ لیکر اپنی پوری جماعت کے ساتھ کہیں باغ جنگل وغیرہ نکل جاتے ہیں اور وہیں کھاتے پکاتے ہیں اور خوب جشن مناتے ہیں اسکو آجکل کی زبان میں پکنک کہا جاتا ہے اور اطراف کے لوگ اسی نوع کی ایک تفریح انگشتی نامی کے بھی عادی رہ چکے تھے جسکی اصلاح حضرتؒ ہی نے فرمائی تھی، تو خیال ہوتا کہ کہیں لوگ یہاں آکر کھانے پکانے کی سہولت پاکر یہاں کے قیام کو اسی نوع کی تفریح میں نہ استعمال کریں اسلئے برابر مختلف عنوان سے روک ٹوک بھی رکھتے تھے اور ظہر کے بعد کی مجلس عام میں جب کسی ایسے شخص کو سوتا ہوا دیکھتے تو مجمع کو مخاطب کرکے فرماتے کہ بھائی سونا دلیل ہے اطمینان قلب کی اور سکون نفس کی اور یہ ظاہر ہے کہ شیخ کی مجلس سے بڑھکر اور کون سی جگہ ایسی ہوسکتی ہے جہاں انسان کو سکون قلب حاصل ہو اسلئے سونے کے لئے پیر کی جگہ سے بہتر کوئی اور سکون کی جگہ ہوسکتی ہے؟ لہٰذا سونا ہے تو پیر ہی کی مجلس میں سوؤ اور بالکل انکے سامنے بیٹھکر اونگھو۔ اسکو سنکر اور دوسرے لوگ تو مسکرا دیتے اور صاحب معاملہ نادم ہوجاتا اور اسکی نیند کافور ہوجاتی۔ کبھی یہ فرماتے کہ گھر سے سامان لاؤ اور یہیں پکاؤ اور خوب کس کر کھاؤ اور مجلس میں آکر سوؤ یہی غرض رکھو اپنے اس آنے جانے کی، اس سے بڑھکر دوسرا نفع شیخ کی مجلس میں حاضری کا اور کیا ہوسکتا ہے؟

اس طور پر مواخذہ فرمانے سے لوگوں کے دلوں میں ایک ڈر سا پیدا ہوجاتا تھا پھر اسکی وجہ سے لوگ سونے کی ہمت کم کرتے تھے اور یہاں کے کھانے پکانے کے معاملہ کو

بس بقدر ضرورت ہی رکھتے تھے تفریح بنانے سے اسکو بچاتے تھے۔ حضرت والاؒ کے اسی نظم واہتمام کی وجہ سے خانقاہ کا قیام باہر سے آنے والوں کیلئے بڑی ہی طمانینت اور سکون قلب کا ذریعہ ہوتا تھا چنانچہ دفاتر کے ملازمین یا اہل تجارت وزراعت میں سے جو حضرات یہاں چند دن قیام کر جاتے تھے تو اپنے اپنے مکان کی واپسی کے بعد جو خط لکھتے تھے اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس ماحول میں اور انکے اپنے ماحول میں کس قدر زمین وآسمان کا فرق تھا۔ اسی لطف نے مولانا ندویؒ کے قلب میں ڈالا کہ انھوں نے اپنے یہاں کے سفرنامے کا عنوان "چار ہفتہ ایک کہف میں" تجویز فرمایا۔ لوگ خانقاہ کے قیام کو دلجمعی اور سکون قلبی کا ذریعہ سمجھتے تھے اور اپنے قدیمی ماحول کو اپنے لئے ایک مصیبت وآزمائش اور جنجال خیال کرتے تھے چنانچہ تمنا کرتے تھے کہ خدا جلد وہ وقت لائے کہ پھر خانقاہ شریف کی حاضری نصیب ہو۔ چنانچہ اسی حسن خلق اور حسن معاشرت کی تعلیم کا یہ اثر تھا کہ گاؤں کے نہ صرف مسلم بلکہ غیر مسلم کو بھی اہل خانقاہ کی کسی خدمت سے انکار نہ تھا۔ جہاں جانے کے لئے چاہئے مزدور مل جاتے اور عام طور سے سودا سلف بیچنے والوں کی خواہش یہی ہوتی تھی کہ ہم اپنا سامان اہل خانقاہ کے ہاتھ فروخت کریں۔ اور اہل خانقاہ کو آپس میں جس حسن معاشرت کے ساتھ رہنے سہنے کا حکم تھا اسکا اندازہ آپکو حضرتؒ کی ہدایات سے ہوا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جو جماعت اپنوں کا اسقدر خیال رکھے گی وہ دوسروں کے ساتھ رعایات کیوں نہ ملحوظ رکھیگی اسی کا نتیجہ یہ تھا کہ گھر بیٹھے ایک دیہات میں جن چیزوں کے ملنے کی توقع کیجا سکتی تھی اہل خانقاہ کو وہ سب میسر تھیں۔ ان حضرات کو یہ فکر دامن گیر رہتی کہ کہیں ہم سے کوئی غلط معاملہ نہ ہو جائے اور ہم حضرتؒ کے مواخذے کے مورد بنیں، اور ان بیچنے والوں کو یہ اطمینان تھا کہ یہ سب مولانا صاحبؒ کی خانقاہ کے لوگ ہیں، بڑے اچھے لوگ ہیں اور بڑے سچے لوگ ہیں۔ اسی سلسلہ میں راقم کو ایک واقعہ یاد آیا خانقاہ کے آنے جانے والوں کے کھانے کا نظم جن حضرات سے متعلق تھا ان میں مولوی ابوالحسنات صاحب کوپا گنجی بھی تھے چنانچہ ایک صاحب کہیں باہر سے حضرت والاؒ

کی خدمت میں فتحپور حاضر ہوے حضرت والاؒ نے یہ خیال فرما کر کہ بڑی جگہ کے لوگ ہیں مبادا انھیں یہاں دیہات میں کچھ تکلیف پہونچے اسلئے انکے کھانے کا نظم مولوی ابو الحسنات کے سپرد فرمایا اور ان سے فرمایا کہ فلاں جگہ سے ایک صاحب تشریف لائے ہیں ان سے جا کر ملو اور ان سے کہدو کہ آپ کے کھانے کا انتظام مجھ سے متعلق ہے لہٰذا آپ اپنی مطلوبات و مرغوبات بیان فرما دیں کھانا میرے یہاں سے پک کر آجائے گا نیز ناشتہ اور چائے وغیرہ کے متعلق آپ کے جو معمولات ہوں وہ بھی ارشاد فرما دیں انشاء اللہ سب چیزیں آپ کو وقت پر مل جائیں گی۔ اور اس کے بعد ان چیزوں کی جو قیمت تھی وہ بھی ان سے بیان کر دی مثلاً یہ کہ گوشت چاہیں گے تو فی خوراک اتنا ہوگا اور دال سبزی چاہیں گے تو اسکی قیمت اتنی ہوگی۔ ایک انڈا اتنے کا ہوگا ایک پیالی چائے اتنے کی ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ معاملہ ہوگیا اور وہ صاحب رہنے لگے اور کھانا و ناشتہ مولوی صاحب کے یہاں سے آنے لگا جب ان کے جانے کا دن آیا تو حساب کی رو سے انکی جانب جو کچھ نکلتا تھا ان مہمان صاحب نے مولوی صاحب کو اس سے کچھ زیادہ دیا مولوی صاحب بقیہ پیسے واپس کرنے لگے تو اس پر وہ بولے کہ ارے سب رکھ لیجئے واپسی کی ضرورت نہیں ہے مولوی صاحب نے کہا کہ نہیں یہ تو بالکل نہیں ہو سکتا اسلئے کہ یہ فاضل رقم ظاہر ہے کہ ہماری شرح اور ریٹ سے زائد ہے اسلئے ہم اسکو کیوں لیں اور زائد دیئے ہوئے پیسے اگر آپکی طرف سے ہدیہ ہیں تو اسکی یہاں کے رہنے والوں کو اجازت نہیں ہے اسلئے ہمکو معاف رکھئے اور یہ لیجئے اپنے پیسے۔ اس پر ان صاحب نے کہا کہ ارے سبحان اللہ یہاں یہ سب بھی سکھایا جاتا ہے۔ یعنی صفائی معاملہ کی قدر کی اور اس سے خوش ہوئے یہ واقعہ تو میں نے اپنی یادداشت سے لکھا تھا بعد میں ایک کاپی پر خود حضرتؒ کا ملفوظ ہی مل گیا اسکو بھی نقل کرتا ہوں وھو ہٰذا۔

فرمایا کہ —— کل یہاں ایک واقعہ پیش آیا بار بار اسکو سوچتا ہوں حیرت ہوتی ہے اور حضرت مولاناؒ کا اصول یاد آتا ہے اور سمجھتا ہوں کہ بس اسی میں فلاح

اس زمانہ میں ہے۔ مال وغیرہ کے بارے میں مرید کا بھی اعتبار نہیں۔ ایک صاحب بمبئی سے آئے تھے خانقاہ میں ٹھہرے تھے جن صاحب سے متعلق کھانے وغیرہ کا انتظام ہے ان سے چار وغیرہ پی چلتے وقت ان سے حساب پوچھا تو چھ آنے ہوئے تھے انھوں نے بتا دیئے ان مہمان صاحب نے ایک روپیہ نکالکر دیا اور کہا کہ یہ لیجئے اور پیسے واپس کرنے کی ضرورت نہیں ہے انھوں نے کہا کہ یہ تو نہیں ہوسکتا' بزرگوں کے یہاں ہم لوگ رہتے ہیں وہ اسلئے تھوڑا ہی رہتے ہیں' اسلئے ہم لوگ اسکو بالکل جائز نہیں سمجھتے لہذا ہم اسکو لے نہیں سکتے۔ بالآخر مجبور ہوکر اور نہایت افسوس کے ساتھ انھوں نے وہ پیسے واپس لئے اور کہا کہ یہ تو عجیب جگہ ہے ہم نے ایسے لوگ تو کہیں دیکھے ہی نہیں۔ انتہی (ملفوظات ص۷)

راقم عرض کرتا ہے کہ ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت مصلح الامت تو ان اخلاق کے سکھلانے اور بتلانے والے ہی تھے مگر جب اسکو عملی جامہ میں ملاحظہ فرمایا اور اسکا نفع دیکھا تو کس قدر مسرور ہوئے باقی ان صاحب نے جو یہ فرمایا کہ اچھا یہاں یہ سب بھی سکھایا جاتا ہے تو اسکا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ خوانق کے متعلق عام خیال آج لوگوں کا یہی ہے کہ وہاں یہ صوفی لوگ کچھ ذکر واذکار کرتے ہیں اور کچھ شغل مراقبہ وغیرہ کیا کرتے ہیں بس باقی مسائل شرعیہ کا لحاظ اور حسنِ معاشرت کے اصول کی پابندی تو اسکے متعلق سمجھتے ہیں کہ خانقاہ کو ان سب چیزوں سے کیا تعلق! یہی تصور اس خانقاہ کے متعلق بھی ان صاحب کا رہا ہوگا لیکن یہاں کے خادم کا ایک ادنی سا معاملہ جب اس انداز کا دیکھا تو اپنی معلومات کے خلاف اسکو پاکر انھیں استعجاب ہوا چنانچہ بیساختہ انکی زبان سے نکلا کہ "اچھا یہاں یہ سب بھی سکھلایا جاتا ہے" چنانچہ خانقاہ کا یہ نظم و نسق اور اصلاح نفس کا اہتمام تو حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے دور ہی میں ہوچکا تھا یہی وجہ ہے کہ آپ کو طریق کا مجدد کہا گیا پھر آپ کے بعد ہمارے حضرت مصلح الامۃؒ نے اس منصب کو سنبھالا اور کام کو آگے بڑھایا اور اصول کے مطابق لوگوں کو اس پر لگایا۔ چنانچہ تجربہ سے یہ ثابت بھی ہوا کہ بغیر نظم و اہتمام کے جس طرح دین و

دنیا کا کوئی کام درست نہیں ہوتا۔ اسی طرح سلوک کو بھی جب تک کوئی شیخ کامل اپنی نگرانی میں طے نہیں کراتا اسوقت تک سالک کو بھی خاطر خواہ فائدہ نہیں پہونچتا اور مرشد کے متعلق حضرت محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہی ہیں کہ اس میں دین انبیار کا سا، تدبیر اطبار کی سی اور سیاست بادشاہوں کی سی ہونی چاہیئے۔

حضرت مصلح الامتؒ سے جو لوگوں کو اسقدر نفع ہوا اور آپ کا فیض تیزی کے ساتھ جو لوگوں میں جاری ہوا تو اسکی وجہ یہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ میں ان اوصاف ثلثہ کو جمع فرما دیا تھا۔ تقویٰ اور تدین آپ میں جیسا کچھ تھا آپ کے حالات کے ہر گوشہ میں اسکی جھلکیاں نمایاں طور پر موجود ہیں، رہا فہم و تدبر تو آپ کی زندگی کے اُن حالات میں جہاں اسکی ضرورت پڑتی تھی سمجھی اور دیکھی جا سکتی ہے حضرتؒ کے معاملات اس پر شاہد ہیں کہ آپ نے کس خوش اسلوبی کے ساتھ ایسے وقت کی گتھیوں کو سلجھایا ہے اور کس طرح سے خود اپنے کو نیز قوم کو ضرر سے بچایا ہے اسی طرح یہ کہ شیخ کے اندر سیاست یعنی ایک شوکت اور دبدبہ بھی ہونا چاہیئے جس کے ذریعہ وہ اپنے احکام کو لوگوں پر نافذ اور جاری کر سکے اور لوگوں کے ساتھ معاملات کے جاری رکھنے میں اسکو نہایت ہی تدبیر اور حزم والا ہونا چاہیئے تو اسکے متعلق دیکھا یہ گیا ہے کہ حضرت والاؒ الحمد للہ اس وصف میں بھی نمایاں مقام رکھتے تھے اور جیسا کہ مشہور ہے کہ جسکا پیر تڑا نہ ہو گا اسکے مریدین کی اصلاح مشکل ہے حضرت والاؒ بھی اپنی کریم النفسی اور انتہائی خوش خلقی کے باوجود اصلاح کے باب میں نہایت ہی سخت تھے اور بقول قائل ؎

کچھ تو ہوتے ہیں محبت میں جنوں کے انداز اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنا دیتے ہیں

ایک تو اصلاح خود سیاست کی مقتضی ہوتی ہے اسکے ساتھ ساتھ لوگوں کی کج خلقی اور بے راہ روی ایک مصلح کو مزید سختی کرنے پر مجبور کر دیتی ہے جیسا کہ خود حضرت والاؒ فرماتے تھے کہ ـــــ میں پہلے بالکل سیدھا سادہ تھا اور اب بھی ہوں لیکن یہ آنے جانے والوں نے مجھے سبق پڑھایا ہے، یہ سب میرے استاد ہیں۔ جانتے ہیں

کس چیز میں اس میں کہ دیکھو جو شخص تمھارے یہاں آئے اور تمھاری تعریف کرے
یا سے لکھے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ دل میں بھی تمھیں ایسا ہی جانتا ہو اس سے ہوشیار رہو
یعنی اسکے اسی طرز عمل سے نفاق اور ظاہر و باطن کے تخالف کا علم ہوا۔ میں نے
بھی بعض لوگوں سے پوچھا کہ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جب ایک شخص دل سے
میرا معتقد نہیں ہے تو آخر زبان و قلم سے میری تعریف کیوں کرتا ہے؟ لوگوں نے کہا
کہ اسلئے تعریف کرتا ہے کہ جس کے سامنے تعریف کی ہے جب اسکے ذریعہ تمھیں اطلاع
ملے گی تو تم اس تعریف کرنے والے سے خوش ہوگے۔ یہ دیکھئے لوگ چاہتے ہیں
کہ مجھے دھوکا دیکر سند لے جاویں تو میں بھی اب اچھی طرح لوگوں سے واقف ہو گیا
ہوں دیکھوں کوئی کیسے دھوکہ دیکر نکل سکتا ہے (وصیۃ الاحسان ۳ء)۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ان الفاظ میں غور فرمائیے اور یقین جانئے کہ
اگر آپ نے حضرت سے ملاقات نہ کی ہو اور پہلی بار آپ کو حضرت کی زیارت ہو تو
حضرت کی خوش خلقی اور تواضع کا مشاہدہ کر کے آپ باور نہیں کریں گے کہ یہ کلام حضرت
نے فرمایا ہوگا۔ بات یہ ہے کہ جب کوئی منصب خدا کی طرف سے کسی کو عطا کیا جاتا ہے
تو اسکے لوازم کو بھی اسکے اندر موجود کر دیا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ اصلاح امت کے مرتبہ
پر آپ فائز تھے اور آپ جانتے ہیں کہ مخلوق میں کیسے کیسے بدنفس اور کج خلق لوگوں
سے بھی سابقہ پڑنا ناگزیر ہے اسلئے ایسے لوگوں کے سامنے اگر شان موسوی کے ساتھ
کوئی مصلح نہ آئیگا تو عادۃ اللہ یہی ہے کہ اس سے اصلاح کا کام نہ ہو سکے گا۔ چنانچہ
حضرت مولاناؒ بھی حدیث دیگراں کے طور پر کبھی کبھی اس شان کی ضرورت کا بیان
فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایکبار فرمایا کہ کسی بستی میں کوئی بزرگ تشریف لے گئے لوگ ان سے
ملنے کے لئے جانے لگے ایک صاحب تھے انھیں بھی زیارت کا شوق پیدا ہوا ملنے
کے لئے چلے راستہ میں اپنے ایک دوست سے انکی ملاقات ہوئی دوست نے
ان سے پوچھا کہاں جا رہے ہو انھوں نے کہا سنا ہے کوئی بزرگ تشریف لائے ہیں انکی
ملاقات کیلئے جا رہا ہوں۔ اس دوست نے کہا بس چلو واپس چلو میں وہیں سے آرہا ہوں

ارے وہ بزرگ وزرگ کچھ نہیں ہیں وہ تو اپنے کو حقیر فقیر سراپا تقصیر کہتے ہیں۔ ان جانے والے صاحب نے صورت حال کو سمجھ لیا اور اپنے دوست سے کہا کہ جب گھر سے نکلے ہیں تو ملتے ہی آویں چنانچہ ان بزرگ کے پاس پہونچے اور تنہائی میں ان سے عرض کیا کہ حضرت یہاں بہت سخت قسم کے لوگ رہتے ہیں لہٰذا آپ اپنے متعلق بہت زیادہ تواضع کے کلمات نہ استعمال فرمایئے اسکی وجہ سے لوگ آپ کو خاطر ہی میں نہ لائیں گے بلکہ آپ تو ان سے یوں کہیئے کہ میں یہاں خدا تعالیٰ کی جانب سے تم لوگوں کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا ہوں اگر سیدھے سے بات نہ مانو گے تو تم کو مار مار کر درست کردونگا۔ مقصد اس قسم کے واقعات کے سنانے کا یہی ہوتا تھا کہ لوگوں کے ذہن نشین ہو جائے کہ باب اصلاح میں تھوڑی بہت سختی ناگزیر ہوا کرتی ہے۔ خدا کا کرنا ایسا کہ حضرت کو بھی کام کے لئے جو میدان ملا وہ بھی کچھ سہل نہ تھا بلکہ خاصی سخت زمین تھی اس لئے کہ حضرت والا سے پہلے عام دینداری کا یا علم دین کا وہاں کوئی خاص چرچا نہ تھا اور نرمی کا یہی ذریعہ ہوتا ہے، پھر اپنی برادری میں اور اپنے لوگوں میں کام کرنا جس قدر دشوار ہوتا ہے ظاہر ہے۔ رشتہ کا دباؤ اور اپنی بڑائی کا ناز بہت سے انسانوں کو اپنے ہی میں سے کسی کے آگے جھکنے نہیں دیتا۔ چنانچہ یہی منشا رہا تھا اسکا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی شفقت اور محبت آمیز تبلیغ اور بیحد خیرخواہانہ نصیحت کے جواب میں ابو لہب نے یہ کہدیا تھا کہ تبًا لک یا محمد الہٰذا اجمعتنا اے محمد تمہارا ناس ہو کیا اسی کے لئے تم نے ہمیں جمع کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت عالی کے مقابلہ میں ابو لہب کی اس گالی کا جوڑ لگانا مشکل ہے سوائے اسکے کہ یہ کہا جائے کہ نخوت غرور و پندار اور رشتہ کے لحاظ سے اپنی بڑائی کے خیال نے اسے اس پر ابھارا تھا چنانچہ ایسا ہی ہر دور میں ہوا ہے کہ ہر ایک مصلح کو اپنوں سے اور پرایوں سے کچھ اسی نوع کے معاملات کا سابقہ پڑا ہے پھر بھلا ہمارے حضرت مصلح الامتؒ اس سے کیوں مستثنیٰ رہتے چنانچہ اصلاح نفس جس جس کو شاق گذری اس نے ہر ہر طریقہ سے حضرتؒ کو بدنام کرنا چاہا۔

آپ خود خیال فرمائیے کہ کسی کام کرنے والے کے سامنے جب فضا ایسی موجود ہو تو اب اسکے لئے طریقہ کار اسکے سوا کیا ہے کہ وہ محض اللہ تعالےٰ کے لئے منکرات مروجہ پر نکیر کرے اور منکرین کی حقیقت انکی حرکات کے مناشی اور شاعت اور انکی نفسانیت کو کھول کھول کر لوگوں سے بتائے اور اس میں کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت کی پروا نکرے۔ بجز اسکے کسی ناموافق ماحول میں کام کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ اگر ہر جگہ شیریں کلامی ظاہری خوش خلقی وغیرہ ہی مفید ہوتی تو رحمت عالم خلق مجسم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلوار اٹھانے کی نوبت ہی نہ آتی اور اللہ تعالیٰ آپ کو یہ حکم نہ فرماتا کہ اے نبی آپ کفار اور منافقین سے جہاد فرمائیے اور ان کے ساتھ معاملہ کرنے میں ذرا سختی سے کام لیجئے۔ بہرحال بہ تقاضائے اصلاح امت حضرت والا نے نرمی کی جگہ نرمی اور سختی کی جگہ سختی اختیار فرمائی چنانچہ اسی طریقہ کو حکمائے اسلام نے بھی بہتر فرمایا ہے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ؎

درشتی و نرمی بہم در بہ است   چو فاصد کہ جراح و مرہم نہ است

یعنی سختی و نرمی دونوں ملکر محمود ہوا کرتی ہیں کہ جسطرح سے کہ ڈاکٹر آپریشن بھی کرتا ہے اور زخم پر مرہم بھی رکھتا ہے۔ اب یہ کہ کونسا موقع سختی کا ہے اور کس موقع پر نرمی کرنی چاہیئے یہ مصلح کی اپنی رائے پر موقوف ہے اس میں کسی دوسرے کے مشورہ کی اسکو حاجت نہیں کیونکہ مشائخ کے متعلق یہ بھی آتا ہے کہ اسکو مستبد ہونا چاہیئے یعنی اپنی رائے پر واثق اور خود اعتماد۔ اس سلسلہ میں خود حضرت اقدس رحؒ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ :-

میں تو سمجھتا ہوں کہ کوئی کہنے والا ہو تو آج بھی لوگوں پر اثر ہو کیونکہ جس طرح ظاہری (دین کی) باتیں کہی سنی جاتی ہیں اور انکا کچھ نہ کچھ اثر پایا جاتا ہے اسی طرح اگر آج باطن کو بھی کہا جائے گا تو کچھ نہ کچھ اللہ کے بندے ضرور سنیں گے باقی اسکے لئے یہ ضروری ہے کہ کہنے والا نہایت قوت کے ساتھ کہے اور دل میں یہ یقین رکھے میں لوگوں سے اپنی بات (جو کہ میری بانسے ہے باقی ہے اللہ و رسول کی بات) منوا لوں گا۔

کیونکہ اگر عین دوسروں کو وعظ کہتے وقت دل میں یہ خیال کرے گا کہ یہ لوگ میری بات مانیں گے نہیں تو واقعی لوگ نہ مانیں گے اور یہ تو اس سمجھنے والے کا کھلا نفاق ہوا کہ زبان سے انکو دعوت بھی دیہ رہا ہے اور دل میں اسکے غیر قبول ہونے کا خیال لئے ہوئے ہے ہم ایسا کیوں کریں؟ اللہ تعالیٰ کے لئے بات پہونچا دیں نفع و ہدایت فرمانے والے اللہ تعالیٰ ہیں اور انکی قدرت سے کچھ بھی بعید نہیں پھر مایوسی کی کیا بات ہے؟ اصل چور کہنے والوں ہی میں ہوتا ہے کہ اسی وقت یہ دل میں لئے رہتے ہیں کہ ہماری بات کا اثر ہوگا نہیں تو ایسا ہی ہوجاتا ہے۔ ورنہ اگر عزم ویقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے بھروسے کام کریں تو ناممکن ہے کہ اثر نہ ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بوڑھے شخص کی عیادت کو تشریف لے گئے اسکو تیز بخار چڑھا ہوا تھا آپؐ نے اسکے سر پر اپنا دست مبارک رکھا اور فرمایا لا بأس طھورٌ انشاء اللہ تعالیٰ (یعنی کچھ نہیں گناہوں کا کفارہ ہے انشاء اللہ تعالیٰ جاتا رہیگا) اس پہ وہ بولا کہ نہیں یہ بہت شدید اور جوش مارنے والا بخار ہے جو بوڑھے کو قبر کی زیارت کرا کے رہے گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ خیر ایسا ہی سہی۔ چنانچہ وہ بوڑھا پھر مر ہی گیا۔"

الغرض کہہ یہ رہا تھا کہ شیخ کو باب اصلاح میں اپنی رائے میں مستقل ہونا چاہئے اور اسی کے مطابق عمل کرنا چاہئے۔ اب اگر شیخ ہی مریدین کی اصلاح لوگوں کے صلاح ومشورے سے کرنے لگے تو پھر وہ شیخ ہی کیا ہوا، اصل مصلح تو وہ کمیٹی ہوئی۔ پھر یہ کہ جس زمانہ میں لوگ ایسے ہوں کہ نفسانیت کا شکار ہو چکے ہوں اور دین وتدین سے انکو دور کا واسطہ نہ رہ گیا ہو تو ایسوں کے لئے نرمی کیا مفید ہوسکتی ہے۔ چنانچہ حضرت اقدسؒ کی اسی دار وگیر، نظم وضبط اور ہر شخص پر کڑی نگرانی رکھنے ہی کی وجہ سے لوگوں میں کچھ ڈر اور خوف پیدا ہو جاتا تھا اور نفس کو شرارت کا موقع کم ملتا تھا۔ شروع شروع میں جب حضرت والاؒ نے اپنی بستی کے لوگوں پر توجہ فرمائی یا یوں کہئے کہ جب برادری اور بستی کے چند حضرات نے حضرت والاؒ سے تحصیل دین اور حصول اصلاح کی خواہش ظاہر کی تو پھر حضرتؒ نے بھی انھیں خوب ہی خوب کسا اور ماحول کی گندگیوں اور معاشرہ کی

خرابیوں سے نکالنے کے لیے ایک ایک شخص پر بڑی محنت فرمائی۔ چنانچہ لوگوں نے ظاہری نظر سے یہ تو دیکھا کہ حضرت مولانا اپنے مکان پر کسی کو ڈانٹ رہے ہیں اور بہت زور زور سے بول رہے ہیں اور تڑپ رہے ہیں، چنانچہ لوگ بیان کرتے تھے کہ جب حضرت مولانا اپنے بالاخانہ پر کسی کے ساتھ اسی نوع کی داروگیر فرماتے تو تقریباً پورے گاؤں میں آواز سنائی پڑتی تھی اور ہر شخص اپنی جگہ سہم جاتا تھا، تھوڑی دیر کیلئے اس راستہ سے گذرنے کی لوگوں کی ہمت نہ پڑتی تھی جو حضرت کے مکان کے نیچے سے ہوکر گذرتا تھا۔ اب آپ خود خیال فرمائیے کہ اسقدر شدت اور غیظ وغضب اختیار کرنے میں حضرت والا کا ذاتی نفع کیا تھا، ظاہر ہے کہ اس تعب کا اثر خود حضرت کی صحت جسمانی پر پڑ سکتا تھا اور پڑتا تھا لیکن اسکے باوجود حضرت والاؒ نے یہ طرز جو روا رکھا اور مسلسل رکھا تو محض اسی لئے کہ حضرت سمجھتے تھے کہ انسان سازی کچھ آسان چیز نہیں ہے لوگ میرے پاس اصلاح کیلئے آئیں اور میں انھیں صرف وظیفہ بتاکر رخصت کردوں یہ تو کوئی خدمت نہ ہوئی، یوں اللہ اللہ کرنے کیوجہ سے قلب میں کچھ سوز وگداز پیدا ہوجائے یا کچھ حالات بھی مل جائیں لیکن نفس جو کہ سرچشمۂ فساد ہے وہ توجوں کا توں باقی رہ جائے گا حالانکہ اصلاح نام ہے اسی کی درستگی کا۔

پس حضرت مصلح الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کے قلب مبارک میں چونکہ اصلاح امت کا جذبہ موجزن تھا اسلئے بزرگان دین کی تعلیمات کی روشنی میں حضرت والاؒ نے اپنے زمانہ میں جو طریقہ مناسب جانا اختیار فرمایا۔ جس میں تواضع، حلم، نرمی اور محبت کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں کچھ سختی بھی نظر آتی ہے، جس پر ابنائے زمانہ کے حالات نے حضرت والاؒ کو مجبور کر رکھا تھا اسی دبدبہ اور رعب کی وجہ سے لوگ حضرت کے سامنے آتے کانپتے تھے اور پھر بوقت ملاقات حضرت والا کے کریمانہ اخلاق اور محبانہ کرم فرمائیوں نیز خاطر مدارات کو دیکھکر نہایت ہی گرویدہ اور محب صادق ہوجاتے تھے۔ چنانچہ حضرتؒ کو اس وصف میں بھی اتباع سنت حاصل تھا اسلئے کہ علماء نے لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان تھی کہ فوری ملاقات پر نیا آدمی ڈر جاتا تھا اور گھبراجاتا تھا لیکن ذرا دیر صحبت اٹھانے

کے بعد اور آپ کے اخلاق عالیہ کا مشاہدہ کرنے کے بعد پھر تو وہ آپ کا عاشق و شیدا ہی ہو جاتا تھا۔ اذا راٰہ ھابہ واذا اختلط بہ احبہ۔

بہر حال عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اصلاح امت کیلئے مصلح میں جس رعب و شوکت اور دبدبہ کی ضرورت ہوا کرتی ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت والاؒ کو عطا فرمایا تھا چنانچہ ایک مولوی صاحب نے اپنے ایک مضمون میں اسی نوع کا تأثر ظاہر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو فرماتے ہیں کہ:۔

"ایک مرد کامل کی شان"

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ ہمارے زمانہ میں بہت بزرگ صاحب حال گذرے ہیں جنکی بزرگانہ جلالت شان کے سامنے زمانہ کے جید علماء و حکماء اور وزرائے دولت و اہل ثروت متواضع اور جھکے جھکے رہتے تھے اور مارے انکے رعب و جلال کے تھر تھر کانپتے تھے۔ ایسے بزرگ اس ظلمت کے عہد میں بندہ نے کہیں نہیں دیکھا یوں تو بہت سے اللہ کے بندے اور اللہ والے ہیں لیکن میری بصیرت کے اعتبار سے نایاب ضرور ہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ بسبب علاج لکھنؤ تشریف لانے والے تھے تو اہل شہر کے معززین میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی تھی آپکو اپنے گھر لیجانے کیلئے سب ہی لوگ کوشاں تھے لیکن آپ نے کسی کے گھر جانے سے قطعی انکار کر دیا بالآخر (سید) مظفر حسین صاحب جو بنارسی باغ میں رہتے تھے ان کے گھر کے سامنے بہت بڑا میدان ہے وہیں پر قیام فرمانے پر راضی ہو گئے حکیموں نے کسی سے زیادہ ملنے جلنے سے پرہیز کرنے کا حکم دیدیا تھا لیکن حضرت ملنے پر عوام سے مخاطب ہوتے تھے اسلئے حکیموں نے کہا کہ ملاقاتی ایک ایک منٹ ملاقات کر کے چلے جائیں (چنانچہ) آپ سے ملنے کے لئے سو سو کی لائنیں لگتی تھیں اور ہزاروں کی تعداد میں معلوم نہیں کہاں کہاں سے مسلمان آکر اسی وسیع میدان میں نماز آپ کے ساتھ ادا کرتے تھے اگر حضرت ایک ماہ اور وہاں ٹھہر جاتے تو مسجد تو وہاں ضرور تعمیر ہو جاتی۔

یہ ہے شان مرداں جہاں پیشانی رکھدی وہاں کی سرزمین سجدہ گاہ الٰہی بنجائے

صبح و شام آدمیوں کا ہجوم رہتا تھا۔ بنارسی باغ لکھنؤ کے میدان میں ایک سے ایک اللہ والوں کے جمگھٹے لگے رہتے تھے۔ اللہ والوں کی جیسی شان ہوتی ہے ویسی جلالت شان کا سماں دیکھنے میں آیا۔ حضرت نے اپنی زندگی کو رضا رحق کے حصول کیلئے سپرد کر دیا تھا حضرت کا وصال دوران سفر حج جہاز میں ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کے فیوض کو دنیا میں جاری رکھے۔ آمین"۔

(آئینۂ نصیحت و عبرت صفحہ مرتبہ مولنا ریاض احمد رشیدی رحمانی)

دیکھا آپ نے لکھ رہے ہیں کہ ——— "زمانہ کے جید علماء و حکماء اور وزرائے دولت و اہل ثروت متواضع اور جھکے جھکے رہتے تھے اور حضرت کے رعب و جلال کی وجہ سے تھر تھر کانپتے تھے، ایسا بزرگ بندہ نے اس دورِ ظلمت میں کہیں نہیں دیکھا تھا"۔ اور خود حضرت والاؒ بھی فرمایا کرتے تھے کہ بھائی لوگ اس زمانہ میں نہایت ہی سرکش اور کائیاں ہو گئے ہیں۔ اگر میں ڈانٹ ڈپٹ کا طریقہ روا نہ رکھوں اور انکی بد اخلاقیوں کا آئینہ انکے پیش نظر نہ کروں تو یہ لوگ کسی کو خاطر میں لانے والے نہیں ہیں، اس سے نفع کیا اٹھائینگے نفع کیلئے قلب میں عظمت و احترام کا ہونا ضروری ہے۔

راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت اقدس کے دبدبہ و شوکت سے متعلق ایک واقعہ میرے مشاہدہ سے بھی گذرا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ معتقدین اور ماننے والوں کے علاوہ غیر معتقدین اور نہ ماننے والے بھی حضرت کا ظاہری احترام کرنے پر مجبور تھے۔ ہوا یہ کہ حضرت والا کے وطن کے قریب ایک دوسری بڑی بستی کے بہت سے لوگ بھی حضرت والا سے متعلق تھے، ان متعلقین میں سے کسی شخص کا کسی اور شخص سے کوئی معاملہ الجھا تو اس دوسرے شخص نے بازار کے ایک ہوٹل میں بیٹھکر کچھ لوگوں کے سامنے زور زور سے یوں کہنا شروع کیا کہ فلاں کے ذمہ میرا یہ حق آتا ہے اور وہ مجھکو نہیں دے رہا ہے۔ اور فتحپور بھی جاتا ہے۔ مطلب یہ تھا کہ حضرت مولانا کا مرید ہے یا حضرت سے اسکا تعلق ہے۔ خیر یہاں تک تو کوئی بات نہ تھی اسکے بعد ظالم نے غصہ میں آکر یہ بھی کہدیا کہ فتحپور جاتا ہے تو وہاں تو یہی سب سکھایا ہی جاتا ہے یعنی یہ کہ کسی سے

بدمعاملگی کرے۔ کسی کا مال ہڑپ کرلے۔ کسی کو تکلیف پہونچاے وغیرہ وغیرہ۔ اسکی یہ بات حضرتؒ کو بھی پہونچ گئی۔ چونکہ اس نے مجمع عام میں بازار کے ہوٹل میں بیٹھکر یہ بات کہی تھی جو سراسر غلط اور اسکے قلبی بغض وعناد کی ترجمان تھی اس لئے حضرت اقدسؒ کو ناگوار ہوئی کہ دیکھو تو اس شخص نے اپنے اس مقابل کے ساتھ ساتھ مجھے بھی بدنام کیا اور یہاں کی تعلیمات کو بھی بدنام کیا اگر اسی طرح سے لوگوں کے حوصلے بڑھتے رہے تو پھر تو غیبت اور بدگوئی کی گرم بازاری ہوجائیگی اور یہ جاہل عوام علمار کی شان میں منھ پھٹ ہوجائیں گے جو شخص جس کے متعلق جو چاہے گا منھ سے نکال دیگا اسطرح تو کسی عالم کی بھی عزت وحرمت محفوظ نہ رہے گی آج اس نے مجھے کہا ہے تو کل کسی دوسرے عالم کو بھی کہدے گا۔ لہٰذا یہ سلسلہ بند ہونا چاہیئے۔ یہ خیال فرماکر حضرت والا نے تین چار آدمیوں کا ایک وفد جن میں ایک صاحب رئیس اعظم تھے ایک صاحب پروفیسر تھے اور یہ راقم الحروف بھی تھا اس بستی کے ایک بڑے عربی مدرسہ میں بھیجا اور وفد سے فرمایا کہ وہاں جائیے اور فلاں فلاں اہل علم حضرات اور فلاں فلاں سیٹھ اور با اثر حضرات کو جمع کرکے کہئے کہ آپکی اس بستی کے بازار میں ہوٹل میں بیٹھکر فلاں شخص نے ایسی ایسی بات کہی ہے۔ پہلے تو آپ لوگ یہ بتائیے کہ میرے یہاں بداخلاقیوں کی اصلاح کیجاتی ہے یا بداخلاقی اور بدمعاملگی سکھلائی جاتی ہے؟ اگر آپ لوگ یہ سمجھتے ہوں کہ یہاں آنے جانے والوں کو حسن خلق اور حسن معاملہ کی تعلیم دی جاتی ہے تو اس شخص کو جہاں بھی ہو تلاش کرکے بلوائیے اور اپنے سامنے پوچھئے کہ تم نے ایسا کیوں کہا؟ حضرت والا فرماتے تھے کہ جاؤ مگر وہ اقرار نہیں کریگا انکار کردیگا کیونکہ منافق کیلئے ضروری ہے کہ وہ ایک بات کہے اور مکر جائے لیکن خیر اسکا نفع یہ ہوگا کہ آئندہ اس قسم کی باتوں کا انسداد ہوجائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا لوگوں نے بازار میں اسے تلاش کیا بڑی مشکل سے ملا اور مدرسہ میں لایا گیا یہاں پوری جماعت موجود تھی اس میں جب اسکی پیشی ہوئی تو لب خشک تھے چہرے پر ہوائیاں اڑرہی تھیں کیا ہوا جرم اسکے چہرے پر پڑھا جاسکتا تھا لیکن جب اس سے پوچھا گیا تو اس نے صاف انکار کردیا کہ میں نے نہیں کہا ہے۔ اور کہنے لگا کہ بھلا میں ایسی بات کہہ سکتا ہوں

ہیں تو مولنا صاحب کو مانتا ہوں گو فتحپور نہیں جاتا لیکن مولنا صاحب کا دل سے احترام کرتا ہوں۔ بہر حال اس نے گو اقرار نہیں کیا لیکن اس مواخذہ کا فائدہ یہ دیکھا گیا کہ اس قسم کی باتیں چھپی تھوڑی رہتی ہیں جس بستی کے ایک ہوٹل میں بیٹھکر کل اس نے یہ جملہ کہا تھا آج اسی کے ہر ہر ہوٹل میں یہ چرچا ہونے لگا کہ فلاں شخص نے مولنا صاحب کے متعلق یہ بات کہی تھی مولانا صاحب کے یہاں سے لوگ آئے ہیں اور اس سے پوچھ گچھ ہو رہی ہے غرضکہ منافق کی جو سزا ہونی چاہئے یعنی رسوائی وہ اسکو مل گئی اور عام طور پر لوگ کسی عالم اور بزرگ کی شان میں زبان کھولنے سے رک گئے۔ یہ تھی وہ شوکت حضرتؒ کی اپنے ضلع میں جو بندہ نے خود مشاہدہ کیا۔ اور ایک یہی نہیں بلکہ اس قسم کے بیشمار واقعات آئے دن پیش آتے رہتے تھے۔

حضرت مصلح الامت رحمۃ اللہ علیہ کے تدبر اور تیقظ کے سلسلے میں ایک دوسرا واقعہ سنیئے، خود فرماتے تھے کہ ایک لڑکا میرے پاس آتا تھا اسکا باپ اسکی وجہ سے اس پر بہت ناراض ہوتا تھا مگر وہ چھپ چھپاکر میرے پاآتا ہی رہا اور اپنے والد کا یہ حال بیان کیا کہ میرے یہاں آنے پر بہت خفا ہوتے ہیں انکو میرا یہاں آنا پسند نہیں میں نے اپنے دل میں سوچا کہ یا اللہ کیا بات ہے میں تو کسی برائی کی تعلیم کرتا نہیں کسی کا گھر نہیں بگاڑتا۔ پھر آخر یہ لوگ کیوں خفا ہوتے ہیں؟ پھر خود ہی سمجھ میں آیا کہ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ دنیا دار ہیں خیال کرتے ہونگے کہ میرا لڑکا وہاں جائیگا تو نماز روزہ ہی میں لگا رہے گا ہمارے کام کا نہ رہ جائے گا۔ جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو میں نے اس لڑکے سے کہا کہ دیکھو جی اگر تم یہاں آنا چاہتے ہو تو تم کو دُہری محنت اٹھانی پڑیگی دین سیکھ کر اس پر عمل بھی کرو یعنی معمولات ادا کرو، مگر اسکی وجہ سے دنیا کے کام میں بھی کمی نہ ہونے پائے۔ اس نے اسکو منظور کرلیا چنانچہ یہی کرتا رہا کہ میرے پاس بھی آتا رہا اور اپنی کھیتی باڑی کا کام پہلے سے زیادہ مستعدی کے ساتھ انجام دینے لگا جب اسکے باپ نے اسکو ایسا کرتے دیکھا تو خوش ہوگیا اور یا تو کبھی میرے یہاں اسکا آنا پسند نہ کرتا تھا یا پھر یہ حال ہوگیا کہ خود سے تقاضا کر کے اسے میرے یہاں بھیجنے لگا

اور کہتا تھا کہ (ارے بابو اتنے دن ہو گئل اور توں مولانا صاحب کے یہاں نا گیلا یعنی اتنے روز ہو گئے اور تم مولانا صاحب کے یہاں نہیں گئے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں بھی ان دنیا داروں کی رگ پہچانتا ہوں، اصل یہ ہے کہ انکو دین کے مقابلہ میں دنیا محبوب ہے انکے دنیا کا نقصان نہ ہو پھر انکا لڑکا تہجد پڑھے ولی ہو جائے ان کا کیا نقصان، یہ تو اس دینداری کے مخالف ہیں جس سے انکی دنیا پر اثر پڑے اور اس میں کمی واقع ہو۔

دیکھا آپ نے باب اصلاح میں ایک مصلح کو کس قدر کاوش کرنی پڑتی ہے مرض کا سرچشمہ اور اسکا منشا معلوم کرنا پڑتا ہے اور پھر اسکا علاج تجویز کرنا پڑتا ہے اور اسطرح معاملہ فرداً فرداً ہر ایک شخص کے ساتھ علحٰدہ علحٰدہ کرنا پڑتا ہے اس میں کسے کس قدر ضیق اور الجھن پیش آتی ہے اسکا اندازہ دوسرا شخص نہیں کر سکتا اور بجز اس ذات کے جو منتخب اور موید من اللہ ہو دوسرا کوئی اس وادی پرخار میں قدم بھی نہیں رکھ سکتا۔ حضرت والا خود فرماتے تھے کہ اس زمانہ میں اہل نفس کی اصلاح کرنا بھڑ کے چھتے کو چھیڑنا ہے، لوگ مصلح ہی پر اعتراض کرنا شروع کر دیں گے اور اہل نفس کا ساتھ دیکر انکو اسکا مخالف بنا دیں گے۔ چنانچہ کبھی کبھی فرماتے تھے کہ "اب اس زمانہ میں رکھی ہے اصلاح" اور دھرے ہیں مصلح، کسی کو کیا غرض پڑی ہے کہ وہ دوسروں کو درست کرنے کی خاطر خود کو بیمار ڈال لے اور اس پر یہ شعر پڑھا کرتے تھے کہ ؎

خون دل پینے کو اور لخت جگر کھانے کو   یہ غذا ملتی ہے جاناں ترے دیوانے کو

حضرت مصلح الامتؒ کے مواخذات اور دار و گیر کا تذکرہ ذرا تفصیل سے ہم نے اسلئے بھی کر دیا ہے کہ دنیا میں ظاہر بیں ہی لوگوں کی کثرت ہے حقیقت شناس کتنے لوگ ہوتے ہیں۔ نیز شیطان بھی مع اپنے لشکر کے ایسے لوگوں کا مدمقابل ہو کر سامنے آجاتا ہے اور انکو ان حضرات کے قریب ہونے سے طرح طرح سے بہکاتا ہے منجملہ انکے اسکا ایک بہکاوا یہ بھی ہوتا ہے کہ بزرگ بڑے غصہ ور ہیں خلق محمدی کے مطابق ان کے اخلاق نہیں ہیں لہٰذا گویا یہ بزرگ ہی نہیں ہیں اسطرح سے انکی ساری اصلاحات

اور انکے تمام کمالات کو خاک میں ملا کر رکھدیتا ہے۔ انکے بغض للہ اور فی اللہ کو ظاہری اور صوری مشابہت کیوجہ سے اپنے نفسانی غصہ کے مانند قرار دیتا ہے اور تملق و خوشامد ظاہرداری اور مداہنت کا نام اخلاق رکھکر عوام کو ایسے حضرات سے برگشتہ کرتا رہتا ہے اور عوام کالانعام اسکی بات کو اپنے نفس کے موافق پاکر اسکی تائید کرتے ہیں اور مشائخ سے بدظن اور بد اعتقاد ہو جاتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ چونکہ ابلیس کی یہ تلبیس عام تھی اور عوام الناس کا اس میں ابتلا بھی کثیر تھا اسلئے اس حقیقت کی وضاحت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ورنہ تو حضرت اقدس نہ غصہ ور تھے اور نہ معاذ اللہ سخت مزاج اور بدخلق تھے، بلکہ نہایت ہی سہل الخُلق، خوش مزاج اور رحیم الطبع اور کریم النفس تھے لیکن یہ صحیح ہے کہ اس امر کی تصدیق کے لئے خود انسان کا عاقل اور معتقد ہونا ضروری ہے ورنہ تو ظاہر ہے جیسا بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ؎

وعین الرضا من کل عیب کلیلۃ ولکن عین السخط تبدی المساویا

اعتقاد و محبت کی آنکھ تو اگر کوئی عیب بھی ہو تو اس سے چشم پوشی کرنے والی ہوتی ہے اور ناراضگی کی نظر غلطی سے بھی کوئی عیب دیکھ لے تو ڈنکا پیٹ دیگی اور شیخ سعدیؒ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ مخالف کے لئے عیب کے ملنے کی بھی ضرورت نہیں ؎

ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیبے است گل است سعدی و در چشم دشمناں خار است

عداوت اور مخالفت کی آنکھ ایسی ہوتی ہے کہ برائی تو بجائے خود رہی ہنر بھی اسکے نزدیک عیب ہی معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ اپنے ہی ساتھ کرم فرماؤں کا یہ معاملہ دیکھ رہا ہوں کہ سعدی کی کوئی بات جو مانند پھول کے بھی ہوتی ہے تو وہ معاندین کو خار اور کانٹا معلوم ہوتی ہے اب اسکو کیا کیجئے۔ آج دنیا کا یہی حال ہے، اعتراض اور تنقید کی بھرمار ہے اور عداوت کی عینک یہ بھی نہیں دیکھنے دیتی کہ یہ بات قابل قبول و تعریف ہے یا لائق رد و انکار۔ سعدی ہوں کہ جامی سب کو اسی راہ گذرنا پڑا ہے۔

بہرحال عرض یہ کر رہا تھا کہ یہ طوالت بیان عوام سے انکی غلط فہمی کے ازالہ کیلئے کرنا پڑا ورنہ جو حضرات کہ محب صادق اور راہ اصلاح کے طالب تھے وہ حضرت والا کی ہر شان کے عاشق تھے

اور حضرتؒ کے غصہ فرمانے کے وقت بھی زبان حال سے یہی کہتے تھے ؎

انکو آتا ہے پیار پہ غصہ
ہمکو غصہ پہ پیار آتا ہے

اور یہ غصہ پہ پیار آنا کچھ شاعری اور مبالغہ نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے کیونکہ سنا ہے کہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب غوریؒ نے ایک مرتبہ حضرت تھانویؒ سے انکے نشاط کے وقت میں عرض کیا کہ حضرت جب بوقت مواخذہ اور معاتبہ آپ غصہ فرماتے ہیں تو بڑا ہی اچھا معلوم ہوتا ہے حضرت مولانا تھانویؒ نے فرمایا، جی ہاں! لیکن ایک شرط کے ساتھ یعنی یہ کہ وہ غصہ میں آپ پر نہ کر رہا ہوں ۔ اب ظاہر ہے غصہ میں لڈو تو بٹتے نہیں انسان کا نفس بقدر اپنے عادم اخلاقی کے بھنتا ہی ہے لیکن عقلی طور پر طالب مولیٰ اس سے خوش ہوتا ہے کہ الحمد للہ اسکے باطن سے رذیلہ زائل کرنے کے لئے یہ رگڑائی اور رلائی ہو رہی ہے ۔ چنانچہ یہ تو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا اور بیشمار حضرات سے سنا بھی کہ حضرت والا جس دن مجلس کی ابتدا کسی پر مواخذہ اور عتاب کی حالت میں فرماتے تھے اس دن مجلس میں نور ہی نور برستا تھا اور ایسی ایسی باتیں بیان ہوتیں کہ لوگوں کا جی خوش ہی ہو جاتا ۔ بس یہی فرق ہے نفسانی غصہ اور رحمانی غصہ میں کہ اول ظلمت اور فساد کا سبب بنتا ہے اور ثانی میں نورانیت اور صلاح پیدا ہوتی ہے ۔ مگر اس نور اور ظلمت کا ادراک ہر ایک کیلئے آسان نہیں یہ صحیح ہے ۔

حضرت مصلح الامتؒ کے اندر سیاستِ شاہانہ اور فراستِ حکیمانہ کا نمونہ تو آپ نے ملاحظہ فرمایا اب اخلاق کریمانہ کا نمونہ بھی ملاحظہ فرمائیے ____ " حضرت والا نہایت ہی متواضع شفیق ۔ حلیم ۔ رحمدل اور ناصح خلائق تھے ۔ یوں ہر شخص کو اسکے مرتبہ پر رکھتے تھے جسکے لئے فرق معاملہ ناگزیر تھا ہر شخص یہی سمجھتا تھا کہ حضرت والا سب سے زیادہ اسی کو مانتے ہیں امیر و غریب شاہ و گدا سب کو ظاہری تلطف اور عنایات کا یکساں حصہ عطا فرماتے تھے باقی ولی قدر حاصل کرنے کیلئے اخلاص شرط تھی اور عظمت و احترام حصہ اہل علم و فضل تھا ۔ چنانچہ مجلس میں بھی اگر کسیکو بالقصد قریب فرمایا جاتا تو وہ اولوا الاحلام والنہیٰ ہی ہوتے کیونکہ انھیں حضرات کے ساتھ خطاب بھی بالطف ہوتا تھا اور انھیں حضرات سے بات کے سمجھنے کی توقع بھی کیجاتی تھی ۔ اس بات کو کبھی کبھی خود حضرت والا ظاہر بھی فرما دیا کرتے تھے "اگر کسی

عہ اہل کے آنے میں تاخیر ہوگئی اور پیچھے ہی بیٹھ گیا اور حضرت کی نظر پڑ گئی تو درمیان ہی میں فرمادیا کہ آئیے صاحب یہاں آگے تشریف لائیے آپ ہی لوگوں سے تو توقع کرتا ہوں کہ میری بات سمجھیں گے اور آپ ہی لوگ دور دور رہتے ہیں۔ یہ عوام ہمارے کس کام کے تصوف کی باتیں ان سے بیان کرونگا تو یہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہمکو دیکھیں گے اس سے مطلب انکا یہ ہوتا ہے کہ یہ سب تم کیا بیان کر رہے ہو ہم تو منتظر ہیں کہ اب تم کوئی ایسا وظیفہ بیان کروگے جسکو الٹا لٹک کر پڑھا جاتا ہے۔ بس یہ رہ گیا ہے خلاصہ تصوف کا جو آج لوگوں کے ذہنوں میں ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ"

غرض علماء اور طلباء علم دین کا خاص خیال رکھتے تھے اور حضرتؒ کی گویا افتاد طبع ہی تھی کیونکہ ابتداء ہی سے حضرت کا یہی انداز تھا۔ علماء تو بجائے خود رہے ایک طالبعلم کا بھی بیحد احترام فرماتے تھے۔ مولوی رومی سلمہ (میرے برادر خورد جو آج آگرہ میں منصب افتاء پر فائز ہیں) کہتے تھے کہ "حضرت مصلح الامۃ کی زیارت پہلی بار مسجد خواص لکھنؤ میں ہوئی تھی جبکہ حضرت حکیم الامۃؒ بغرض علاج لکھنؤ تشریف لائے ہوئے تھے۔ حضرتؒ کی عیادت کیلئے حضرت مصلح الامۃ بھی لکھنؤ تشریف لائے تھے جسکی اطلاع خط کے ذریعہ مجھکو بھی ہوچکی تھی میں ان دنوں سہارنپور میں زیر تعلیم تھا چنانچہ وہاں سے الہ آباد جاتے ہوئے لکھنؤ اتر گیا۔ بعد مغرب مسجد خواص پہونچا رات کا اندھیرا شروع ہوچکا تھا سوچتا ہوا گیا کہ مسجد پہونچکر کسی سے دریافت کرنا پڑے گا (کہ حضرت مصلح الامۃ کون ہیں اور کہاں مقیم ہیں) پھر اطمینان سے حضرت سے ملونگا مگر وہاں صورت عجیب پیش آئی وہ یہ کہ میں متجسسانہ انداز میں جیسے ہی مسجد میں داخل ہوا اور ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ اب یہاں کسی سے دریافت کروں کہ ایک دم سے ایک بزرگ شخصیت نے شاید میرا طالبعلمانہ حلیہ اور انداز تجسس دیکھکر ہی مجھکو پہچان لیا اور خود ہی آگے بڑھکر مصافحہ کیلئے اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے بڑی آہستہ اور دھیمی آواز سے فرمایا "وصی اللہ"

مزاج پرسی وغیرہ کی ضروری بات چیت کے بعد میں نے باہر جاکر کھانا کھانے کیلئے حضرت سے اجازت چاہی اور خیال تھا کہ ابھی واپس آتا ہوں لیکن مجھے واپسی میں کچھ دیر ہوگئی اور یہاں بعد عشاء مسجد کی روشنی بجھادی گئی اور شب نیز حضرات طریقہ مسنونہ کے

عہ حضرت [illegible] مولانا محمد [illegible] کو دیکھ کر حضرت مولانا قاری حبیب احمد [illegible] فرمایا — ! محمد معروف

مطابق بعد عشاء فوراً ہی محو استراحت ہو چکے تھے اس لئے حضرتؒ سے بھی اسوقت ملاقات نہ ہو سکی اور میں رات کی گاڑی سے الہ آباد چلا آیا۔

پھر اسکے بعد سے خط وکتابت جاری رہی اور کچھ دنوں بعد جی چاہا کہ حضرت حکیم الامۃؒ سے کم ازکم بیعت ہی کی درخواست کروں اسکا ذکر پہلے اپنے حضرت مصلح سے عریضہ میں کیا اجازت ورضی معلوم ہو جانے کے بعد حضرت حکیم الامۃؒ سے درخواست کی۔ جواب آیا کہ تعلیم کے زمانہ میں بیعت مناسب نہیں ـــــ جواب پڑھکر مایوسی ہوگئی اور اسی مایوسی میں حضرت مصلح الامۃ علیہ الرحمۃ کو بھی ایک عریضہ تحریر کیا جسکا جواب سراپا تسلی یہ آیا کہ "آپ اپنے کو حضرت ہی سے بیعت سمجھیں"

پھر دوسری بار حضرت مصلح الامۃ کیخدمت میں حاضری فتحپور ۱۹۴۲ء کے تاریخی زمانہ میں ہوئی جس سے کچھ ہی قبل اسٹیشنوں کی سوختت اور لائنوں کی توڑ پھوڑ ہو چکی تھی اور اسکے بعض آثار اسوقت بھی موجود تھے الہ آباد سے اندارا وہاں سے گھوسی وہاں سے براہ کاریا تھ فتحپور پہونچا حضرت والاؒ کے مکان سے متصل جانب غرب مکتب کی عمارت میں قیام تھا اسوقت علیحدہ سے خانقاہ کے نام سے کوئی عمارت نہ بنی تھی کھانے کا انتظام حضرت مصلح الامۃؒ کے دولت خانہ ہی سے تھا حضرت کی نشست گاہ ہی میں ناشتہ اور دونوں وقت کا کھانا مجھے کھلا دیا جاتا تھا۔ چونکہ کوئی خادم وغیرہ مکان میں نہ تھا اس سلئے حضرتؒ ہی کو یہ زحمت اٹھانی پڑتی یعنی اندر سے کھانا حضرت ہی کو بہ نفس نفیس لانا پڑتا لیکن کرتا کیا مجبور تھا۔ بعد ظہر مجلس عام ہوتی جس میں قرب وجوار کے حضرات اور باہر سے آئے ہوئے مہمان شریک ہوتے۔ اشراق کے بعد بھی کبھی کبھی مجلس خاص ہو جاتی تھی بالکل وہی صورت تھی جو حضرت حکیم الامۃؒ کی خانقاہ امدادیہ اشرفیہ میں دیکھی تھی۔

اس دفعہ حاضری شاید دو تین ہی دن کے لئے تھی اس لئے جی چاہتا تھا کہ حضرت کی خدمت میں زیادہ سے زیادہ وقت گذرے۔ چنانچہ حضرت والاؒ سے مجلس اور اوقات حاضری کے متعلق معلوم کرنا چاہا تو فرمایا تم دور سے تھوڑے وقت کے لئے آئے ہو جس وقت چاہو آجایا کرو۔ چنانچہ دن کا اکثر حصہ حضرتؒ ہی کی خدمت میں گذرتا تھا۔

عـــه حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کے مکتب میں" (بیر عفرا)

جب واپسی کا دن ہوا تو صبح حضرت نے بڑی شفقت اور محبت کے ساتھ ناشتہ کرایا
اور واپسی کے سفر خرچ کی بابت دریافت فرمایا کہ کرایہ ہے؟ پھر فرمایا کہ کتنے روپئے پاس موجود ہیں؟ احقر کے عرض کرنے پر جب اچھی طرح اطمینان ہوگیا کہ موجودہ رقم کرایہ کے لئے کافی ہے تو کوپا گنج کے ایک حاجی صاحب کے ہمراہ (غالباً حاجی سلیمان صاحب مرحوم تھے) مجھے رخصت کردیا۔ میں کوپا سے مئو اور پھر وہاں سے الہ آباد چلا آیا۔

الہ آباد سے تال نرجا جانے والوں میں سبقت کا پہلو راقم السطور کیلئے مقدر ہو چکا تھا بعد میں تو الدال علی الخیر کفاعلہ (بھلائی کا بتانے والا بھی مانند کرنے والے کے ہے) کی صرف تسلی ہی بنکر رہ گیا

میرے ساتھ تو حضرت اقدسؒ کی یہ کرم فرمائیاں رہیں لیکن افسوس کہ اس ناکارہ (رومی) کا ساتھ محرومی نے نہ چھوڑا اسلئے عمل تو کچھ کر نہ سکا البتہ محبت اور تعلق کیوجہ سے امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ آخرت میں اللہ تعالیٰ حضرت والاؒ ہی کے زمرہ میں شمار فرمائیں گے کہ المرء مع من احب (انسان اسی کے ساتھ ہوتا ہے جس سے اسکو محبت ہو) ارشاد نبوی ہے۔ اللہ تعالے حضرت اقدسؒ کی قبر کو نور سے بھر دے۔ آمین" انتہی

ملاحظہ فرمایا آپ نے ایک معمولی طالب علم کے ساتھ حضرت اقدس کا یہ کرم اور یہ نوازش۔ اور ایک یہی کیا تمام ہی اہل علم کے ساتھ حضرت والا کا یہی معاملہ رہتا تھا میرے علم میں ہے کہ حضرت اقدس کبھی کبھی اپنے یہاں آنے جانے والے بہت سے حضرات کو بالخصوص اہل علم کو سفر خرچ بھی عطا فرما دیتے تھے اور انکے کھانے کا بھی انتظام اپنی جانب سے فرما دیتے تھے یعنی کھانا پکانے والوں کے پاس کہلوا دیتے کہ فلاں صاحب کے کھانے کے پیسے ان سے نہ لیں گے مجھ سے لے لیں گے۔ اب وہ حضرات جاتے وقت خادم سے جب حساب طلب فرماتے تو وہ عرض کرتا کہ آپ کا انتظام تو "سرکاری" تھا آپ سے کوئی مطالبہ نہیں ہے۔ اسپر وہ صاحب ممنون بھی ہوتے اور شرمندہ بھی۔ پھر جب حضرتؒ کے پاس سے واپسی کا مصافحہ کرکے لوٹتے تو پیچھے پیچھے کبھی حضرت قاری محمد مبین صاحب (خویش و جانشین حضرت مصلح الامۃؒ) یا کبھی کوئی اور خادم آتا اور تنہائی میں حضرت والاؒ

کیجانب سے کوئی لفافہ پیش کرتا کہ حضرت نے یہ عطا فرمایا ہے اسکو قبول فرمالیجئے ۔ آئے دن یہ مناظر سامنے رہتے تھے ۔ یہ اتنا تو صرف علماء کی محبت اور عظمت کے سلسلہ میں عرض کیا باقی اور لوگوں کی مالی خدمت حضرت اقدس نے کیا فرمائی اسکا تو مستقل باب ہے جس کی پوری حقیقت تو قریب سے قریب تر رہنے والے پر بھی شاید وا ہو سکی ہوگی ۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اپنے ایک دوسرے کرم فرما جو حضرت اقدس کے مخصوص لوگوں میں سے ہیں انکا بیان کردہ تاثر بھی پیش کر دوں ۔

تربیت اور اخلاق کا حسن اجتماع

مکرمی جناب قاری حبیب احمد صاحب الہ آبادی نے ایک دن مجھ سے فرمایا کہ "میں مجلس میں حضرت والا کے قریب ہی بیٹھنے کی کوشش کرتا تھا اس تمنا میں کہ مخصوص جذبہ کی حالت میں لوگوں کے سر پر حضرت کا جو ہاتھ پڑا کرتا ہے کاش وہ سعادت ہمیں بھی نصیب ہو جاتی ، چنانچہ ہونے لگی ۔ اب اگر کسی دن مجھے ذرا سی دیر ہو جاتی اور کچھ دور بیٹھتا تو کبھی تو حضرت ہی مجھے اشارے سے قریب بلا لیتے اور کبھی خفگی کا اظہار فرماتے اور یوں فرماتے کہ اور دور بیٹھو کہیں چھینٹ نہ پڑ جائے ، لیکن شفقت کا یہ عالم تھا کہ حضرت کے ہاتھ میں انگوٹھی تھی اسکی وجہ سے جب کبھی زور کا ہاتھ سر پر پڑ جاتا تو چوٹ لگ جاتی تھی مگر یہ دیکھا اور اسمیں کبھی تخلف نہیں ہوا کہ بعد اختتام مجلس میں جب جانے کیلئے ملتا اور مصافحہ کرتا تو حضرت کا ایک ہاتھ تو میرے ہاتھوں میں ہوتا اور دوسرے ہاتھ سے میرا سر پکڑ کر اس کو اپنے سینے کے قریب کر کے میرے کان میں آہستہ سے فرماتے کہ قاری صاحب آپ کی بے ادبی ہوئی معاف کیجئے گا ۔ قاری صاحب کہتے تھے کہ اس جملہ کو سنکر بس ذبح ہی تو ہو جاتا تھا سبحان اللہ ! کیا تربیت تھی اور کیا اخلاق تھے ۔ ان دونوں کا اجتماع مشکل ہی سے ہوا کرتا ہے کہیں اگر اخلاق کا غلبہ ہوا تو تربیت غائب اور اگر کسی کے یہاں تربیت کا اہتمام دیکھا تو ایسا غلو تو دیکھنے میں نہیں آیا ۔ بلا شبہ ہمارے حضرت اخلاق کے موجد تھے ، پیکر تھے اور مجسمہ تھے ۔"

راقم عرض کرتا ہے کہ اور اسکے مصداق تھے ؎

جہاں میں صدہا حسین دیکھے ہزارہا نازنین دیکھے
کہیں نہ دیکھا کہیں نہ پایا جمال ایسا کمال ایسا

حضرت اقدسؒ کے یہ معاملات تو اہل علم حضرات کے ساتھ دیکھے گئے باقی عوام اور غربار نے حضرت کے خلق کریمانہ اور آپکی جانب سے پیار و محبت کا جو حصہ پایا تھا وہ بھی ملاحظہ فرمائیے :-

دیکھا جاتا تھا کہ ایک غریب نادار محب مرید کبھی حاضر ہوتا اور ملاقات و مصافحہ نیز مزاج پرسی کے بعد کوئی چھوٹی سی گٹھری پیش خدمت کرتا حضرت فرماتے یہ کیا ہے؟ کہتا کہ حضرت چنے کا بھوتا ہے اور کچھ ستو ہے گھر میں موجود تھا تو سوچا کہ کچھ حضرت کے لئے بھی لیتا چلوں۔ فرماتے اسکو کھولو اور تھوڑا سا چنایا جو بھی اس میں ہوتا اسکو لیکر اسکے سامنے ہی کھا لیتے۔ بس کچھ نہ پوچھئے وہ تو مارے خوشی کے پھولا نہ سماتا اور سمجھتا کہ میرا ہدیہ تر گیا (یعنی قبول ہوگیا اور ٹھکانے لگا) اسکے بعد حضرت اسکو اندر بھجوا دیتے۔

اسی طرح کبھی کسی دیہات کا کوئی خادم حاضر خدمت ہوتا جس سے بے تکلفی بھی پہلے سے ہوتی تو فرماتے ہمارے لئے کچھ نہیں لائے ہو وہ عرض کرتا کہ حضرت لایا ہوں اور بڑے بڑے رُوٹ (یعنی گڑیا شکر پڑی ہوئی آٹے کی میٹھی موٹی موٹی روٹی جو کیک کے مشابہ ہوتی تھی اور اس اطراف میں سفر میں جانے والے کیلئے بالعموم ایک محبوب زاد راہ ہوتی تھی حضرت اقدس کو بھی بہت پسند تھی اسے) پیش کرتا حضرت والا اسی کے سامنے ایک ٹکڑا توڑ کر نوش فرمالیتے اور فرماتے کہ یہ تو تم اپنے لئے لائے ہوگے اسکو تم رکھ لو وہ عرض کرتا کہ نہیں اب حضرت ہی اسکو قبول فرمالیں میرے پاس اور ہے اور اب تو میں یہاں آگیا ہوں اسکی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اسی طرح سے غربار مخلصین کی بھی دلداری فرمائی جاتی تھی

مجھے یہاں ان واقعات کا احصار مقصود نہیں ہے جو کچھ میرے علم میں تھے میں نے عرض کئے ہو سکتا ہے کہ اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب واقعہ کسی کے ساتھ پیش آیا ہو۔ بہر حال جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ "انزلوا الناس منازلہم" تعلیم نبوی ہے چنانچہ عوام معمولی

ہی خلق سے خوش ہو جاتے ہیں اور علماء و فضلاء کے لئے مزید تعظیم درکار ہوتی ہے اسی طرح امراء اور اہل مناصب بھی شملہ بمقدار علم کے خواہشمند ہوتے ہیں یعنی چاہتے ہیں کہ ہم جس مرتبہ کے ہیں ہمارے ساتھ اسی انداز کا معاملہ کیا جائے الا ماشاء اللہ اور انکا یہ تقاضا کچھ طبعی اور فطری بھی ہوتا ہے اسلئے شریعت میں اسکی اجازت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے بھی اسکا ثبوت ملتا ہے۔ ایک دن آپ تشریف فرما تھے۔ حضرات صحابہؓ آتے گئے اور بیٹھتے گئے یہاں تک کہ مجلس تمام پر ہو گئی آخر میں کسی قبیلہ کے سردار آئے اور اندر جگہ نہ پاکر باہر دہلیز ہی پر وہ بیٹھ گئے آپؐ نے انکو دیکھ لیا فوراً اپنی ردائے مبارک پھینکدی اور فرمایا کہ اسکو بچھا کر اسپر بیٹھ جاؤ۔ انھوں نے چادر کو تو اپنے سر آنکھوں سے لگایا اور دعار دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کا مرتبہ بلند فرمائے جیسا کہ آپ نے مجھ ناچیز کو اکرام سے نوازا ہے چنانچہ انکا یہ اعزاز انکے سردار اور رئیس قوم ہونے کیوجہ سے تھا نہ یہ کہ وہ حضرات شیخینؓ سے مرتبہ میں کچھ زیادہ تھے ——— یہ معاملہ حضرت والاؒ کے یہاں بھی دیکھا جاتا تھا کہ غریب کا توچنا بھی مقبول تھا اور روٹ کی اس سے فرمائش کیجاتی تھی لیکن امراء اور رؤسا کے ساتھ یہ معاملہ نہ تھا بلکہ انکی خاطر مدارات خاطر خواہ کی جاتی تھی۔ میرے سامنے ایک مرتبہ جناب محمد احمد صاحب اور انکے بھائی خلیق احمد صاحب فتحپور تشریف لائے جو غالباً بریلی کے رہنے والے تھے اور پبلک سروس کمیشن کے ممبر تھے جناب صوفی عبدالرب صاحب کے دوستوں میں سے تھے وہ بھی ہمراہ تھے۔ بڑے شخص تھے اور ماشاء اللہ جسماً و صورتاً بھی بڑا وجیہ چہرہ پایا تھا حضرت والا کو معلوم تھا کہ اس مرتبہ کے آدمی ہیں چنانچہ ان کے شایان شان ہر قسم کا انتظام ہوا کھانے کا انتظام حضرت اقدس کے اوپر والے کمرے میں گیا گیا پورے کمرہ میں قالین بچھا تھا کنارے کنارے صرف چار چھ آدمی دسترخوان پر تھے اور سارا دسترخوان پلیٹوں اور برتنوں سے بھرا ہوا تھا انواع و اقسام کے اطعمۂ لذیذہ موجود تھے مختلف قسم کے مربے اور اچار چٹنیاں تھیں اور ہر قسم کے پھل موجود تھے۔ میں نے ایسا دسترخوان حضرت والاؒ کے یہاں اس سے قبل دیکھا اور نہ اسکے بعد دیکھا وہ حضرات بھی حیران تھے کہ یا اللہ اس کوردہ دیہات میں اتنی سب اشیاء فراہم کس طرح سے ہو گئیں۔ چنانچہ اپنے اس اکرام کئے جانے پر یہ حضرات بھی بہت

ممنون ہوئے اور برابر اپنے احباب سے ان الطاف کا تذکرہ کرتے رہے اور پھر اس کے بعد حضرت اقدس کی مجلس سے بھی خوب خوب لطف اندوز ہوئے اور بیعت بھی ہوئے۔

اللہ والوں کا اہل ثروت کے ساتھ یہ معاملہ بھی دیکھا۔ اس موقع پر تو نہیں لیکن اور دوسرے مواقع پر خود حضرت اقدس رحؒ نے اس قسم کے معاملات کی وجہ بھی بیان فرمائی ہے۔ فرماتے تھے کہ بھائی علماء کے سامنے کبھی کبھی علمی مباحث اسلئے بھی چھیڑتا ہوں تاکہ یہ لوگ اپنے کو بہت بڑا علامہ نہ جانیں ورنہ میری جانب رجوع نہ ہونگے اور انکو مجھ سے نفع نہ ہوگا۔ اسی طرح اہل دنیا اگر کسی عالم یا شیخ کو اپنا محتاج یا اپنے مال کی جانب نظر کرنے والا سمجھ لیں گے تو اسکو نظروں سے گرا دیں گے اور یہ سمجھ لیں گے کہ یہ مجھکو کیا نفع پہونچائیں گے میں ہی انکو نفع پہونچاؤنگا اسلئے ان امراء سے بہت احتیاط رکھنی چاہئے۔ پھر جو ان میں سے مخلص ہو جائے اسکا یہ حکم نہیں ہے۔

مجھے یہاں ان چند سطور میں حضرت مصلح الامۃ کی تربیت مصلحانہ بانداز فقیرانہ اور اسکے ساتھ ساتھ آپ کا دبدبۂ شاہانہ دکھلانا منظور تھا جس کا کچھ دھندلا سا خاکہ امید ہے کہ ناظرین کے سامنے آگیا ہوگا انھیں معمولات لیل و نہار کے ساتھ حضرت والاؒ کا ایک طویل زمانہ فتحپور میں گذرا چنانچہ اب اطراف کا آنا جانا منقطع اور وعظ و تبلیغ کیلئے اسفار بند ہو چکے تھے اور ایک جگہ جم کر کام کرنے کا دور آچکا تھا جسکے متعلق حضرت والا برابر فرماتے تھے کہ مجھے لوگوں کا آج یہاں کل وہاں کو دوڑ جانا بالکل پسند نہیں ہے کام کرنے والے کو ایک جگہ (ایک بستی اور ایک خطہ میں) جم کر کام کرنا چاہئے اور وہاں کے لوگوں کی کامل اصلاح کرنی چاہئے یعنی نماز و روزہ کی پابندی کے علاوہ معاملات۔ معاشرات اور اخلاق کی اصلاح کی جانب بھی انکو متوجہ کرنا چاہئے کیونکہ اخلاق کا درجہ خدا تعالیٰ کے یہاں عبادت سے بھی زیادہ ہے اور دنیا میں بھی اسلامی تعلیمات کو متعدی کرنے والا یہی اخلاق ہے۔ اسی کا دوسروں پر اثر ہوتا ہے اور اسی کے ذریعہ لوگ اسلام کی خوبی کو پہچانتے ہیں اور اسکی جانب مائل ہوتے ہیں مگر چونکہ ہے یہ ذرا مشکل چیز اور اس میں نفس کیلئے لذت کا بھی کچھ سامان نہیں ہے اسلئے لوگ اسکی جانب کم آتے ہیں ورنہ تو ابتک خلفاً عن سلف اشاعت دین اور تبلیغ اسلام کا یہی طریقہ ہی رہا ہے۔

چنانچہ مشہور ہے اور صحیح ہے کہ ہندوستان میں اسلام دو طبقوں سے پھیلا، ایماندار تاجروں سے اور اہل حق مشائخ سے۔ پہلے طبقہ کے حسن معاملہ، صداقت، دیانت اور امانت سے لوگ متاثر ہوئے اور دوسری جماعت کی صحبت سے اپنے قلب میں ایک نور پایا جسکی روشنی میں انھیں حق کا راستہ بالکل صاف اور واضح نظر آیا جسکو انھوں نے اپنایا اور نہ صرف یہی بلکہ دوسروں تک اسے پہونچایا اس طرح سے کہ کہیں کوئی بزرگ ہوا اور لوگ اسکی طرف متوجہ ہوئے ان میں سے جس نے حسن عقیدت اور دلی توجہ کے ساتھ اس سے کچھ اخذ کرلیا اور اس نے بھی اسے اہل جانا تو کہیں دوسری جگہ اسکو بٹھلا دیا بس یہیں سلسلہ نور مصطفوی (علی صاحبہا السلام والتحیۃ) جوان حضرات کے ذریعہ مسلسل چلا آرہا ہے اطراف واکناف ہند میں چھاتا چلا گیا۔ چنانچہ آج جو بھی آثار دینی آپ دیکھ رہے ہیں یہ سب انھیں حضرات کی خدمات کا مرہون منت ہے۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ اسطرح پر سچا اور پکا اصلاحی کام جیسا کہ ایک ایک فرد سے اللہ تعالیٰ نے لے لیا ہے وہ بعد کے لوگوں کی ایک جماعت کثیرہ بھی نہ کرسکی۔

بہرحال حضرت اقدس کا کام اسی نہج پر ہورہا تھا کہ تقسیم ہند کا انقلاب سامنے آگیا جس نے یہاں کے تقریباً سب ہی قلوب کو متاثر کردیا بہت سے لوگ یہاں سے چلے گئے اور جو رہ گئے ان میں سے بہت سے متزلزل اور متردد تھے کہ کیا کیا جائے؟ ہمارے حضرتؒ کے لوگوں میں ایک صاحب محمد امین صاحب بگوڑہ میں رہتے تھے کسی گنے کی مل میں ملازم تھے گنا تولنے کا کام ان کے سپرد تھا مالک مل نے ان سے کہا کہ تولکر رسید پر کچھ کم لکھا کرو تا کہ مل کا نفع ہوجائے انھوں نے حضرت والا سے اسکو بیان کیا کہ مالک اسطرح سے مجھے مجبور کرتا ہے۔ اور عرض کیا کہ حضرت میں نوکری چھوڑ دونگا مگر یہ کام نہ کروں گا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ ہاں بھائی یہ کام کیسے کیا جائیگا شرعاً جائز کب ہے؟ اور فرمایا کہ جاؤ اور کوئی کام کرو میں دعا کرتا ہوں انشاء اللہ تم اس سے اچھے رہوگے۔ چنانچہ اسکے بعد انھوں نے شیرہ کا کام شروع کیا ایک دفعہ حضرت کو لکھا کہ حضرت الحمدللہ بہت نفع ہوا ایک لاکھ چوبیس ہزار کا فروخت ہوچکا ہے اور ابھی آدھا مال باقی ہے

پھر کچھ دنوں کے بعد لکھا کہ حضرت کیلئے ایک نہایت وسیع مکان لے رکھا ہے اور لوگ اسوقت ہندوستان سے ہجرت کررہے ہیں، آپ بھی یہاں تشریف لائیے اور یہ مکان تو آپ کے

سب کنبہ کیلئے کافی ہے اور پاس ہی ایک رقبہ زمین ہے اسکو بھی لے سکتا ہوں اگر اہل فتحپور (یعنی وطن کے اور لوگ بھی) آنا چاہیں تو وہ زمین سب کو کفایت کر جائیگی ـــــ حضرت والاؒ نے لوگوں سے اس سلسلہ میں مشورہ لیا۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت والاؒ نے اس بات کو ہم لوگوں سے متعدد بار بیان فرمایا جس سے اندازہ ہوا کہ حضرت والا تو فیصلہ اپنے دل میں فرما ہی چکے تھے محض چونکہ مشورہ کا شرعاً حکم ہے اس سنت پر عمل فرمانے کی غرض سے مشورہ بھی فرمالیا۔ نیز اس میں ایک بڑی مصلحت لوگوں کا امتحان محبت کرنا بھی تھا کہ دیکھیں یہ لوگ مجھ سے اور میری تلخ اصلاحات سے مستغنی ہو گئے ہیں یا کچھ محبت کا رسوخ اور اللہ تعالیٰ کی طلب انکے قلوب میں پیدا ہو چکی ہے، جو ان سے وہی کہلوائیگی جو انھوں نے کہا) چنانچہ مولوی حکیم بشیر الدین صاحب کوپا گنج والے فرماتے تھے کہ میں نے کہا کہ جیسی حضرت کی مرضی۔ فرمایا کہ مشورہ میں اپنی مرضی بتلانی چاہئے، میری مرضی کے حوالے کر دینا یہ مشورہ کیا ہوا؟ کہتے تھے کہ پھر میں نے عرض کیا کہ حضرت مولانا تھانویؒ کے بہت سے خلفاء بلکہ بڑے بڑے تقریباً سب ہی حضرات پاکستان میں پہلے سے ہیں اور کچھ یہاں سے بھی چلے گئے ہیں یہاں تو صرف آپ ہی ہیں جو حضرتؒ (تھانوی) کے طریقہ پر اور اسی طرز پر کام کر رہے ہیں اب کیا اس اتنے بڑے ہندوستان میں ایک بھی ولی اللہ نہ رہ جائے گا تو اسکا حشر کیا ہوگا؟ حضرت والا نے سر جھکا لیا اور تھوڑی دیر کے بعد فرمایا "اچھی بات ہے۔ میں نے طے کر لیا ہے کہ یہاں ہندوستان ہی میں رہونگا اور یہاں سے نہ جاؤنگا" اور خط و کتابت میں تو دیر لگے گی اور پوری بات بھی نہ ہو سکے گی لہٰذا کسی شخص کو وہاں امین کے پاس بھیجدو اور کہلادو کہ میں وہاں نہیں آؤنگا یہ حتماً طے کر لیا ہے۔ اور یہ کہ میرے لئے تم نے جو مکان لیا ہے اگر وہ تمھاری اپنی ضرورت کا ہو تو خیر ورنہ اسکو فروخت کردو چنانچہ انھوں نے اسکو فروخت ہی کر دیا اور اس میں بھی انھیں خاصا نفع ہوا۔ چنانچہ حضرت اقدسؒ کی فرمائی ہوئی بات ٹھیک نکلی۔ کیونکہ یا تو پہلے بھائی امین صاحب ۳۵۔۴۰ روپئے ماہوار کے ملازم تھے یا تھوڑے ہی دنوں میں اللہ تعالیٰ نے انھیں امیر کبیر کر دیا۔ ہمارے حاجی ادریس بھائی مسنہ والے کہتے تھے کہ ہم اور یہ امین بھائی ایک ہی جگہ ملازم تھے اور قریب ہی رہتے تھے، آدمی دیندار اور نیک تھے نماز وغیرہ

کے پابند تھے، چنانچہ حضرت والا کا تعارف ہوا اور حالات اور باتیں سنکر حضرت کی جانب رجوع ہوئے۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ یہ ادریس بھائی قلیل ہی تنخواہ پر وہاں ملازم تھے پھر جب اپنے وطن (ستنہ) رہنے لگے تو معمولی کاشتکاری کے علاوہ کوئی ذریعۂ آمدنی نہ تھا یہاں تک کہ جس زمانہ میں مسجد اور خانقاہ کی تعمیر ہونے لگی تو انکی دینداری اور غربت کے پیش نظر حضرت والا نے چاہا کہ انکے ساتھ بھی کچھ سلوک فرمائیں چنانچہ ان سے فرمایا کہ ادریس! تم تو راجگیری کا بھی کچھ کام کر لیتے ہو؟ تم بھی کام پر لگ جاؤ اور دوسرے کاریگروں کے ساتھ کام کرو۔ سیدھی جانب نہ کرسکو تو دوسری جانب رہا کرنا۔ حضرت اقدس کے حکم فرمانے کے بعد ادریس بھائی نے نہ تو اس کام کے کرنے سے عار کیا اور نہ کچھ عذر کیا بلکہ شیخ کا حکم پاکر فوراً کام پر لگ گئے۔ اب ظاہر ہے کہ فن میں مہارت نہ ہونے کی وجہ سے چھوٹا موٹا ہی کام لیتے تھے لیکن تعمیری ذوق اور اس کام سے مناسبت تھی اسلئے تعمیری مشورہ میں شریک رہتے تھے اور اچھا مشورہ دیتے تھے۔

خانقاہ میں مہمانوں کے کھانے کا نظم اور دوسرے لوگوں سے متعلق تھا لیکن جب مہمان زیادہ ہوجاتے تو حضرت انکو (یعنی ادریس بھائی کو) بھی یہ کام دیدیتے اور مہمانوں کا نظم ان سے متعلق ہوجاتا جس سے انکو بھی کچھ آسانی ہوجاتی، اس کام کو بھی نہایت اخلاص کے ساتھ انجام دیا۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے اسکا صلہ یہ دیا کہ انکو تعمیر کے بدلے تعمیر ملی یعنی تھوڑے ہی دنوں میں ایسی وسعت ہوگئی کہ اپنا نہایت ہی وسیع مکان حویلی نما بنوالیا۔ اور اب حضرتؒ کے بعد جناب قاری محمد مبین صاحب مدظلہٗ سے ان کے سب ہی گھرانے والوں کا تعلق ہے اور ہر طرح سے حضرت اقدسؒ کے تعلق اور محبت پر بحمد اللہ آج بھی قائم ہیں۔ اس موقعہ پر حضرت خواجہ صاحبؒ کا ایک دعائیہ قطعہ یاد آگیا فرماتے ہیں ؎

عیش ہے، بنگلہ ہے، موٹر کار ہے   اور اب دنیا میں کیا درکار ہے
آخرت کی بھی بھلائی ہو نصیب   اے خدا! تیری بڑی سرکار ہے

امین صاحب کے واقعہ میں ضمناً ادریس بھائی کا ذکر آگیا تھا اسپر انکا قدرے حال لکھدیا تاکہ لوگوں کو عبرت ہو کہ اللہ والوں کا تعلق ضائع نہیں جاتا اور ان حضرات سے محبت وعقیدت

ایک نہ ایک دن اپنا رنگ ضرور لاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اسکے اخلاص کا صلہ ضرور عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ حضرت والاؒ کے خدام میں اور بھی حضرات ہیں جنکو حضرت اقدسؒ کے دعا کی برکت اور اسکے اخلاص کا صلہ ملا اور اللہ تعالیٰ نے انھیں بھی بہت نوازا۔ یہاں سب کا احاطہ نہ مقصود ہے نہ ممکن ہی ہے۔

اصل بیان حضرت والاؒ کے اپنی خانقاہ شریف میں مسند ارشاد پر متمکن ہوکر رشد و اصلاح اور طریق کار کا ہو رہا تھا چنانچہ مذکورہ بالا حالات سے حضرت کی شان اصلاح اور کام کا کچھ نقشہ آپکی نظروں میں پھر گیا ہوگا کہ کس قدر شاہانہ انداز سے ان بزرگ نے فقیری کی ہے۔ حضرت جامیؒ نے اپنے زمانہ میں اپنے شیخ خواجہ عبید اللہ احرار کے متعلق جو فرمایا تھا کہ ؎

چوں فقر اندر قبائے شاہی آمد بہ تدبیر عبید اللہی آمد

الحمد للہ کہ آج بھی یہ احقر (نام کا جامی) اپنے شیخ و مرشد کے متعلق بھی اسے بادنیٰ تغیر یوں دہرا سکتا ہے کہ ؎

چو فقر اندر قبائے شاہی آمد بتدبیر وصی اللّٰہی آمد

اور یہ شعر ہمارے حضرت اقدس مصلح الامۃؒ پر لفظاً بلفظاً منطبق ہے۔ چنانچہ حضرت والا ابتدا میں تو نہیں لیکن بعد میں خوش پوشاک نظر آتے تھے، نہایت ہی بارعب اور باوقار تھے۔ قلب کے اعتبار سے بہت ہی زیادہ متواضع، منکسر المزاج، شفیق اور رحمدل، غرباء سے انس رکھنے اور قوم کی دینی و دنیاوی بدحالی کیوجہ سے مستقل غمزدہ رہتے تھے۔ یاد خدا اور فکر آخرت کیوجہ سے ایک دائمی حزن والے محسوس ہوتے تھے۔ اسی طرح کے بعض ظاہری حالات کا مشاہدہ کرکے تو لوگوں نے حضرتؒ کو مجذوب تک سمجھ رکھا تھا مگر آپ کے معاملات، واقعات، تعلیمات اور اصلاحات نے اور ہر کام کو نظم اور پابندی وقت کے ساتھ انجام دینے نے ثابت کر دیا تھا کہ آپ ایک نہایت ہی باہوش، متیقظ، مدبر اور بانظم بزرگ تھے کیونکہ اہل جذب کو نظم و ضبط سے کیا سروکار؟ چنانچہ آپ حضرت والا کے نظم و انتظام کو پہلے کے بہت سے واقعات میں ملاحظہ فرما چکے ہیں کچھ باتیں اور ملاحظہ فرمائیے:۔

سلوک کے متعلق حضرتؒ کا طرز تعلیم اور طریق اصلاح:۔ ایک صاحب نے حضرت والا کو لکھا کہ:۔

"تقریباً دو دن حاضر خدمت رہا بحمد اللہ پاس انفاس جاری رہا اور برابر رہا ذکر قلبی بھی اکثر کرتا رہا۔ موقعہ حاصل کرتا رہا کہ آپ کی دعائیں اور توجہ حاصل کروں مگر محروم رہا۔ ذکر میں لذت ملتی ہے مگر دوام نہیں رہتا آپکی خدمت میں چند روز ذکر و مذکور کی لذت حاصل کرنے کو جی چاہتا ہے"

اسکے جواب میں حضرت اقدسؒ نے تحریر فرمایا کہ :۔

"آپ پہلے تو میرے رسالے دیکھئے جس سے آپکو اندازہ ہو جائے گا کہ مجھ سے اور میرے طریق سے آپکو مناسبت بھی ہے یا نہیں؟ کیونکہ کسی شیخ کے پاس نفع باطنی کیلئے اپنے میں اس چیز کا دیکھنا ضروری ہے ــــــ اور یہ اسلئے کہ ہر شیخ کا طرز تعلیم اور طریقہ اصلاح جدا ہوتا ہے۔ چنانچہ دیکھتا اور سنتا ہوں کہ لوگوں کی زبانوں پر مراقبہ مشاہدہ، پاس انفاس وغیرہ یہ سب چیزیں بہت ہیں اور میری مجلس میں آپ کو ان (سب) کا ذکر نہیں ملے گا۔ بلکہ ازالۂ نفاق۔ تحصیل اخلاص (تزکیۂ اخلاق) اور اتباع سنت وغیرہ یہ سب باتیں آپ یہاں سنیئے گا۔ اس لئے کسی کی صحبت سے قبل ہی سے (اس سے) مناسبت کا معلوم کرلینا ضروری ہے۔ امید ہے کہ آنعزیز میرا مطلب سمجھ گئے ہونگے۔ والسلام۔" (رجسٹر خطوط ۱۹ ص ۳۶۳)

ملاحظہ فرمایا آپ نے اس سالک نے اپنے خط میں کہیں پاس انفاس اور توجہ وغیرہ کے الفاظ لکھدیئے تھے جس سے حضرت والا نے سمجھا کہ یہ دوسری لائن کے لوگ معلوم ہوتے ہیں میرے یہاں یہ سب چیزیں کہاں؟ یہاں تو بحث اخلاص و نفاق سے ہے۔ اخلاق کی اصلاح سے ہے، نفس اور رذائل نفس سے ہے۔ تلاوت قرآن اور اتباع سنت سے ہے۔ اسلئے جس شئے کے یہ صاحب طالب ہیں وہ میرے یہاں نہیں اور جو میرے یہاں ہے اسکے معلوم نہیں یہ صاحب طالب بھی ہیں یا نہیں؟ اس سے حضرتؒ کی تعلیمات کے محور پر پوری طرح روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ یہی کام خانقاہ فتحپور میں ہوتا تھا اور انہی امور کا چرچا تھا اور اسی لائن پر حضرتؒ اپنے لوگوں کو دیکھنا چاہتے تھے۔ حضرت اقدس کے کام کو اسکے سوا کسی اور نہج کا سمجھنا اپنی ناواقفیت اور حضرتؒ سے اور حضرت کے مشن سے عدم مناسبت کا ثبوت دینا ہے۔

اور سنیئے اسی بات کو حضرت والا نے ایک موقع پر کسی کو اپنے قلم سے ان لفظوں میں بھی تحریر فرمایا کہ :۔

میری طرف رجوع ہونے کیلئے یہ شرائط ہیں :۔

(۱) قصد تدین بدین الاسلام (یعنی یہ نیت ہو کہ کامل طور پر دین اسلام اور اسکی تعلیمات میرے اندر رچ بس جائیں)۔

(۲) خلوص فیما بینہ و بین اللہ تعالیٰ (یعنی صدق اخلاص کے ساتھ طریق میں قدم رکھنا)۔

(۳) اعتقاد اور اعتماد رہبر تمام امور اصلاحیہ میں (یعنی اصلاح نفس سے متعلق جو باتیں ہوں ان میں اپنے شیخ پر اعتماد ہو اور اس سے کامل اعتقاد ہو)۔

(۴) رسوم آبا و اجداد کا ترک بالکلیہ اور اتباع سنت سنیہ (یعنی اسکی ہمت ہو داخل سلسلہ ہو کر باپ دادا کا طریقہ بالکلیہ چھوڑ دے گا اور پوری طرح اتباع سنت کرے گا۔ اور سب سے پہلے اپنی اصلاح کی فکر کرے گا)۔

ان شرائط سے واضح ہوا کہ حضرت مصلح الامتؒ کو طریق سنت پسند تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرتؒ کی تصانیف میں تلاوت قرآن۔ اتباع سنت۔ ادعیۂ ماثورہ اور ذکر اللہ پر زیادہ زور آپ کو ملے گا۔ ان سب امور کو نفس کی اصلاح کے لئے معین فرمایا کرتے تھے اور نفس کے رذائل کے علم کو فرض عین اور اصلاح نفس کو ضروری قرار دیتے تھے۔ نیز عام لوگوں کا مرض اس دور میں نفاق تجویز فرمایا تھا اور اس سے نکلکر تحصیل اخلاص کو اپنے یہاں آنے جانے والوں کے لئے لازم فرمایا تھا۔ اسی کو ہمیشہ ان لفظوں میں فرماتے رہے کہ ـــــ یہی اخلاص و نفاق کی بحث میری ساری عمر کی کمائی ہے" اور یہ فرماتے تھے کہ ـــــ میں یہ نہیں دیکھتا کہ آپ نے تہجد میں کتنی رکعتیں پڑھیں بلکہ یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ رذائل نفس سے کسقدر نکلے؟ اور لوگ ہیں کہ اپنے فضائل ہی کی اطلاع مجھے دیتے ہیں۔ رذائل کے سلسلہ میں انکا یہ خیال ہے کہ ع۔

وہ الگ باندھ کے رکھا ہے جو مال اچھا ہے

یعنی نفس کے خباثت، نفاق اور بے اعتقادی ان سب باتوں اور ان حالات کا کچھ ذکر نہیں

کرتے حالانکہ لوگوں سے یہی حال مجھکو مطلوب ہوتا ہے ۔ اس لئے کہ مجھ سے تعلق تو آپ کا اصلاحی ہے اور اصلاح ہوتی ہے رذائل کی لہذا اسکو بیان کرنا مفید ہے ۔ باقی آپ کے اندر اگر کچھ فضائل ہیں تو ماشاء اللہ بارک اللہ بہت اچھی بات ہے انکو اگر آپ مجھ سے نہ بھی بیان کریں تو آپ کا نقصان ہی کیا ہے ؟ ہاں یہ ضرور ہے کہ اچھے حالات سنونگا تو خوش ہونگا اور دعا نکلے گی ، مگر ہوا یہ ایک ضمنی کام اصل مقصود تو نہ ہوا

ترویج دین کے باب میں
حضرت مصلح الامتؒ کا اپنا پسندیدہ طریق کار

جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ حضرت والاؒ کا مدرسۂ دیوبند سے فراغت کے بعد تھانہ بھون میں کافی عرصہ قیام رہا اور پھر اپنے مرشد حضرت تھانویؒ کی حیات ہی میں حضرتؒ سے اجازت لیکر اپنے وطن میں قیام فرمایا ۔ درمیان میں گو دو ایک جگہ عارضی قیام رہا مگر بعد میں پھر مستقل طور سے وطن ہی میں رہکر کام کی ابتدا فرمائی جسکی قدرے تفصیل ناظرین کے ملاحظہ سے گذر چکی ہے ۔ بالآخر سفر کا سلسلہ بالکل ہی منقطع فرما دیا اور اب خانقاہ فتحپور سے بھی وہی کام ہونے لگا جو اب سے کچھ زمانہ پہلے خانقاہ تھانہ بھون سے ہوتا تھا ۔ یعنی یہاں بھی لوگوں کی آمد و رفت اسی طرح شروع ہو گئی سالکین کا قیام اور ہجوم اور ذکر و شغل کا مشغلہ رہنے لگا اور اصلاح نفس کا درس دیا جانے لگا ۔ چنانچہ حضرت اقدسؒ کے زمانہ میں اور حضرت والاؒ کے علم و مشاہدہ میں دینی کام کرنے والی اور بھی جماعتیں جو اپنے اپنے کام اور نظام کے ساتھ اس وقت موجود تھیں ان سے تعلق رکھنے والے بہت سے حضرات ہمارے حضرتؒ سے بھی ملنے آتے تھے لیکن حضرت اقدسؒ کے منصب و مرتبہ اور محنت و مجاہدہ اور لوگوں کی اصلاح کر کے انکی انسان سازی اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے قلوب میں اللہ تعالیٰ کی محبت و معرفت پیدا کرنے کی دُھن ان جیسے مقاصد اور مشاغل کو دیکھکر کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ تبادلۂ خیال تو دور کی چیز ہے اس سلسلہ میں کچھ بھی لب کشائی کر سکے بس یہی دیکھا جاتا تھا کہ جو بھی آیا تو اس نے

اسپیئے سئے حضرت والا سے دعا رکی درخواست کی یا زیادہ ہمت کی تو کچھ نصیحت فرمائے جانے کا سوال کیا اور بس چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ کا ایک خط اور حضرت والا کا جواب اور مولانا ابواللیث صاحب اعظمی (سابق امیر جماعت اسلامی ہند) کی زبانی گذارش اور حضرت والا کا تفصیلی جواب آئندہ صفحات میں پیش کرونگا:-

اسوقت صرف یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ حضرت اقدسؒ نے جو طریقہ اور کام حضرت تھانویؒ سے اخذ فرمایا تھا اور جو امانت آپ کے مرشد علیہ الرحمۃ نے آپکے سپرد فرمائی تھی اسی پر تازیست قائم رہے اور اپنے بعد اپنے لوگوں کو اسی طریقہ پر کام کرنے اور اسی کو آگے بڑھانے کی وصیۃ فرمائی۔ چنانچہ اپنی سب سے آخری تصنیف " وصیۃ السالکین " اسی لئے لکھی ہی کہ بعد کے لوگوں کو بھی آپ کا طریقہ، کار معلوم ہو جائے اور کسی طالب کے لئے آپ کا مسلک مخفی نہ رہے، اور کوئی غرض والا اپنی غرض حاصل کرنے کیلئے آپ کے پسندیدہ طور میں کچھ بھی کمی بیشی نہ کر سکے۔ جو مشرب تھا وہ سب کے لئے واضح رہے اور جو طریقہ اختیار فرما رکھا تھا وہ سب کیلئے عیاں رہے لیکن ان سب تحفظات کے باوجود خدا معلوم کسطرح ہوا کہ حضرتؒ کے بعد حضرت اقدس کی جانب ایسی چیزوں کو منسوب کیا جانے لگا کہ حضرت والا کا تعلق اپنی حیات مبارکہ میں ان چیزوں سے ویسا نہ تھا۔ چنانچہ یہ سننے میں آیا کہ آج اگر حضرت والا حیات ہوتے تو فلاں جماعت کی تائید فرماتے یعنی اس میں شریک ہو جاتے یا کم از کم اپنے متعلقین و منتسبین کے لئے اسی کے طریق کار کو پسند فرماتے " اللہ تعالے نے انسان کے منہ میں زبان بخشی ہے اور قلم میں قوت تحریر عطا فرمائی ہے اب اسکے زور پر اس دور میں کوئی شخص جو بات چاہے مشہور کر سکتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ بات واقعہ کے بالکل خلاف ہے۔ حضرت اقدسؒ اپنے دینی کام کا خود ایک مستقل طریق کار رکھتے تھے۔ اور حضرت نے اپنے لوگوں کو ایک مخصوص اصلاحی پروگرام عطا فرما کر اسی میں مشغول فرما رکھا تھا جسکی تصدیق آپ کی " وصیۃ السالکین " سے نیز حضرت کے ان مضامین سے ہو سکتی ہے جو حضرت کے رسالہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔

چنانچہ جب کبھی کوئی شخص جماعت مودودی یا دوسری جماعتوں کے متعلق حضرت کو کچھ لکھتا تو خفا ہو کر یہی فرماتے تھے کہ :۔

" اصل کمی اور کمزوری خود تمہاری اپنی ہے کیونکہ یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم تو ایک نظم اور پروگرام کے تحت ایک کام کر رہے ہیں اور تمہارے متعلق یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ لوگ اس سے عاری اور خالی ہیں اسلئے تمکو نکما سمجھکر تم سے الجھتے ہیں لہذا اگر تم بھی اپنے اصلاحی کام میں لگ جاؤ اور واقعی کچھ عمل کرنے لگو یعنی اللہ تعالےٰ سے صحیح تعلق اور نسبت پیدا کرلو۔ اپنے اخلاق درست کرو، اخلاص حاصل کرو، اور خلق و خالق کے حقوق ادا کرنے کی فکر اپنے اندر پیدا کرلو تو اور دوسرے لوگ تم سے ملکر شرما جائیں اور تم سے کچھ کہنے کی ان کو جسارت ہی نہ ہو بلکہ عجب نہیں کہ خود اپنی ہی اصلاح کی فکر میں پڑ جائیں مگر جب تم کچھ کرو تب نا۔ نفاق اور ریاکاری اختیار کئے رہو گے تو نکما اور مہمل سمجھکر ہر شخص تمکو اسی طرح پریشان ہی کریگا اور ہر جماعت اپنی طرف تمکو بلائے گی اور اپنے میں تمکو شامل کرنا چاہے گی۔ پس اسکا علاج تو اپنے کام میں مستعدی اور تن دہی سے لگ جانا ہے نہ کہ ان لوگوں سے مناظرہ و مباحثہ یا انکی مخالفت اور انکے ساتھ رد و قدح۔ انتہیٰ۔

باقی یہ جو کہا گیا کہ بعض لوگوں کی زبانوں سے کچھ اسطرح کی بات سنی گئی کہ ـــــ اگر آج حضرت والاؒ زندہ ہوتے تو ایسا کرتے اور ویسا نکرتے، یہ بھی ایک پرلطف بات ہے۔ کیونکہ حضرت کیا کرتے اور کیا نکرتے یہ تو از قبیل غیب ہے کسی کو اسکی خبر ہی نہیں تاہم حضرت اقدسؒ کیا کرچکے ہیں اس ماضی سے تو مستقبل کو سمجھا جا سکتا ہے۔ باقی مستقبل کے طریقے کو ماضی کے خلاف قرار دینا یہ تو رجماً بالغیب ہی معلوم ہوتا ہے۔ اور زمانۂ ماضی میں حضرت کا طریقہ ایسا نہ ہونا یہ تو قائل کو بھی مسلم ہے اور مستقبل میں ویسا ہو جانا یہ تو بڑا ایک دعویٰ ہے جو بلا دلیل ہے

اور مزید لطف یہ کہ اسی نوع کا جملہ حضرت مصلح امت کے پیر و مرشد حضرت حکیم الامۃ رح تھانوی کے لئے بھی انکے وصال کے بعد کہا جا چکا تھا اور اسکا فیصلہ خود حضرت مصلح الامۃؒ ہی

کی عدالت سے چاہا گیا تھا۔ سائل کا سوال اور حضرت والاؒ کا جواب ملاحظہ فرمایئے اور دونوں جگہ ایک ہی بات کہنے والوں کے ذہنی توارد کی داد دیجئے اور دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضرت کو بھی نسبۃ بالشیخ اور مناسبۃ مع المرشد کا کیسا مقام عطا فرمایا تھا کہ جو بات حضرت تھانوی کے متعلق پہلے کہی گئی وہی حضرتؒ کے بارے میں بھی دہرائی گئی وللہ الحمد۔ اب وہ واقعہ سنیئے :۔

تقسیم ہند سے پہلے مسلمانوں میں سیاسی اختلاف جس شباب پر تھا اہل نظر پر وہ مخفی نہیں انھیں دنوں ایک صاحب کی سیاسی رائے جنکا تعلق حضرت مولانا تھانویؒ سے تھا حضرتؒ کے وصال کے کچھ ہی دنوں بعد بدلی اور حضرت تھانویؒ کے مسلک کے خلاف سیاست میں کھلکر وہ حصہ لینے لگے۔ عوام میں شور ہوا اور لوگ انپر معترض ہوئے کہ آپ کے شیخ کا مسلک تو یہ نہیں تھا پھر آپ نے یہ طریقہ اپنے شیخ کے خلاف کیونکر اختیار فرمایا۔ اس کے جوابات اور بھی ہو سکتے تھے لیکن انھوں نے یہ کہکر لوگوں کی تسلی کرنی چاہی کہ اب یہاں کے حالات بدل چکے ہیں حضرت تھانویؒ کا جو خیال تھا وہ اسوقت کے حالات کے لحاظ سے تھا اب اگر آج حضرتؒ حیات ہوتے تو وہ بھی یہی فرماتے جو میں کہہ رہا ہوں اور یہی کرتے جو میں کر رہا ہوں اور اس بات کو ان صاحب نے کچھ تنہائی میں نہیں بلکہ علی رؤس الاشہاد مجمع عام میں کہہ دیا۔ اختلافات چونکہ شباب پر تھے ہی دوسری جماعت کے لوگوں کو ان صاحب کی اس بات اور انکی اس دلیل پر انکار ہوا چنانچہ ایک دوسرے صاحب نے ہمارے حضرت مصلح الامۃؒ کو خط لکھا کہ ہمارے یہاں ایک صاحب ہیں زید جو حضرت مولانا تھانویؒ کے لوگوں میں شمار کئے جاتے ہیں یوں کہتے ہیں کہ آج اگر حضرت مولانا تھانویؒ حیات ہوتے تو حضرت کی سابق رائے ضرور بدل جاتی۔ یہاں بہت سے مسلمانوں کو زید کی اس بات سے اختلاف ہے مگر جواب میں کوئی مسکت بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ جس سے انکو رد کیا جا سکے۔ آنجناب کا چونکہ حضرت مولاناؒ سے خصوصی تعلق ہے اور آپ حضرت کے مزاج شناس بھی رہ چکے ہیں اور کافی عرصہ صحبت میں رہکر حضرتؒ کو بہت قریب سے آپ نے دیکھا ہے اسلئے حضرت مولاناؒ کے مسلک سے واقف آپ سے زیادہ اس زمانہ میں کون ہوگا؟ لہٰذا آپ سے ہم یہ دریافت کرنا چاہتے

ہیں کہ :-

"کیا واقعی زید کا یہ کہنا کہ آج حضرت مولانا تھانوئیؒ اگر حیات ہوتے تو اپنی رائے میں ترمیم فرما دیتے، صحیح ہے؟ اور زید کا یہ خیال درست ہے"؟

حضرت مصلح الامتہؒ نے جواب مرحمت فرمایا کہ ——— "ہرگز نہیں زید غلط کہتا ہے بلکہ حضرت اقدس مولانا تھانویؒ اگر آج حیات ہوتے تو رائے کا بدلنا تو بجائے خود رہا اپنی رائے میں اور بصیرت پر ہو جاتے اور عجب نہیں کہ اور سخت ہو جاتے"

یہ واقعہ کسی سے سنا ہوا نہیں ہے بلکہ اپنے سامنے کا گذرا ہوا ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ لوگ اسقدر ہمت کیسے کر جاتے ہیں اور رائے کی کسی ترمیم و تنسیخ کا ذمہ دار خود کو بنانے اور اسکا بار اپنے سر رکھنے کے بجائے بزرگوں کے سر بلکہ خود اپنے شیخ ہی کے سر کسطرح رکھدیتے ہیں؟ لیکن آپ نے دیکھا کہ اسکا نتیجہ کیا ہوا کہ لوگوں نے اس بات کی تصدیق ان بزرگ کے خواص بلکہ اخص الخواص سے چاہی اور بالآخر حضرت والاؒ نے بھی دیانت کو سربلند فرمانے کیلئے اور اپنے شیخ کا صحیح مسلک و مشرب اور مزاج واضح کرنے کے لئے بلا خوف لومۃ لائم صاف صاف بیان فرما دیا۔ ظاہر ہے کہ حضرت مولانا تھانویؒ کے کسی خاص معاملہ کے بارے میں جو وزن حضرت مصلح الامتہؒ کا یا اور دیگر خلفاء مخصوصین کا ہوسکتا تھا وہ مقام کسی دوسرے کو تھوڑا ہی حاصل ہو جاتا اگرچہ اس شخص کا بھی ظاہری تعلق حضرت تھانوئیؒ ہی سے کیوں نہ رہا ہو اسلئے کہ حاضر باشی اور شئے ہے اور مزاج شناسی اور شئے ہے۔

اسی طرح سمجھئے کہ کسی امر میں حضرت مصلح الامتہؒ کا رجحان، مسلک اور طریق کار کے بیان میں ان ہی حضرات کا قول معتبر ہوگا جو عرصۂ دراز تک حضرت اقدسؒ کے قریب رہ چکے ہیں اور حضرت کے بعد بھی اپنے لئے حضرت ہی کے طریقہ پر رہنا پسند اور طے کر رکھا ہے اور اسی کی تبلیغ و ترویج میں کوشاں رہا کرتے ہیں۔ اور اسکی بھی ضرورت اسوقت پڑتی جبکہ کوئی امر مخفی ہوتا اور معاملہ مشکل میں پڑا ہوتا۔ باقی جب حضرتؒ کا طور و طریقہ، مسلک و مشرب اور طریق کار حضرتؒ کی تالیفات، تصنیفات، ملفوظات و ہدایات و تعلیمات اور مکتوبات سے عیاں ہے تو وہاں پھر کسی بیان کی بھی حاجت نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت اقدس مصلح الامت کا جو پسندیدہ طریقہ اور اختیار فرمودہ مسلک ترویج دین مبین اور تبلیغ و اشاعت دین متین کے باب میں رہا ہے وہ حضرت والا کی اس وصیت سے ظاہر ہے۔ وہو ہٰذہ۔

(از وصیۃ السالکین)

بیعت کا سلسلہ امابعد میں باجازت بزرگان دین بیعت بھی لیا کرتا ہوں جبکہ طالبین اسکی درخواست کرتے ہیں لہٰذا عرض پرداز ہوں کہ آپ حضرات کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ میں چاروں سلسلوں میں بیعت لیتا ہوں یعنی چشتیہ۔ نقشبندیہ۔ قادریہ اور اور سہروردیہ میں۔ کیونکہ یہ سب حضرات اہل حق اکابر اولیاء اللہ صاحب سلسلہ نیز اکابر علماء سے ہیں۔ ان اکابر کی خصوصیات میں سے طریقت اور شریعت کی جامعیت ہے۔ چنانچہ اتباع سنت اور عمل بالشریعۃ میں ان حضرات کا قدم راسخ رہا ہے۔

اسلئے حالات زمانہ کو دیکھتے ہوئے یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ ان بزرگوں کی خصوصیات کو سمجھا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت باطنی کو ان حضرات کے توسل سے حاصل کیا جائے اور انکی عقیدت ومحبت کو حرزِ جان بنایا جائے اسلئے کہ یہ حضرات مقبولان حق ہیں اور مقبول اسی لئے ہیں کہ انھوں نے اتباع رسول میں خود کو فنا کر دیا تھا۔ لہٰذا ہم کو جب ان سے عقیدت ہے تو انکے سارے اقوال و اعمال اور احوال سے بھی محبت ہونی چاہیئے اور انکے حالات کا سب سے نمایاں حال جو ان حضرات کا طغرائے امتیاز تھا یہی اعتصام بالسنۃ اور اور اتباع شریعت تھا۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

"ہر یکے از اولیاء بر قدر علو درجۂ خویش در متابعت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم دمے وقدمے دارد کہ یکے بر دیگرے نہ رسد و فہم آں او را نہ بود"

یعنی اولیاء اللہ میں سے ہر ایک اپنے اپنے درجہ کے بقدر جو اسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے سلسلہ میں حاصل ہے ایک خاص دم اور قدم (مقام) رکھتا ہے ایسا کہ دوسرے شخص کا وہاں تک پہونچنا تو الگ رہا وہ اسکو

سمجھ بھی نہیں سکتا)۔

اتباع سنت کی وصیت چنانچہ میں ان لوگوں کو جنھوں نے مجھ سے بیعت کی ہے خصوصاً اور مرآمد و شد رکھنے والے کو عموماً یہ وصیۃ کرتا ہوں کہ ان مشائخ کے طریق کو لازم پکڑیں اور اتباع سنت نیز دیگر اعمال میں ان حضرات کی سیرت کو پیش نظر رکھیں اور جملہ صالحین کے حالات و ملفوظات کو عموماً اور ان سلاسل اربعہ کے مشائخ کے ملفوظات کو خصوصاً نقل مجلس بنائیں تاکہ صحیح علم ہوتا رہے اور ان سب حضرات کی جانب سے ہماری طرف سلسلہ فیض جاری رہے۔

میرا شجرہ حضرات مشائخ کا دستور ہے کہ وہ اپنے مریدوں کو شجرہ مرحمت فرمایا کرتے ہیں پس جو لوگ مجھ سے محبت رکھتے ہیں وہ میری اس وصیت کو بمنزلہ شجرہ ہی کے تصور کریں اور اسکو (یعنی وصیۃ السالکین کو) کبھی کبھی پڑھ لیا کریں تاکہ مشائخ سے عقیدت و محبت تازہ ہوکر ان سے استجلاب فیض کا ذریعہ بنے۔

دستور العمل جو لوگ مجھ سے بیعت ہوتے ہیں اور سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں ان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ انھیں کوئی دستور العمل (پروگرام اور طریقہ کار) یا نظام کار بتا دیا جائے کہ آئندہ وہ اسی کے مطابق کام کریں۔ تو اسکے لئے یہ سمجھنا چاہیئے کہ ہمارے لئے دستور العمل تو یہی شریعت ہے جسکو اللہ تعالے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا میں بھیجا ہے۔ اسی کا اتباع پہلے بھی ضروری تھا اور اب بیعت ہونے کے بعد بھی لازم ہے جبکہ بیعت کی غرض ہی اپنے کو شریعت کے مطابق بنانا ہے۔ شریعت کا اتباع تو ہر مسلمان پر فرض ہے مگر بیعت سے اسکا نیا اہتمام مقصود ہوتا ہے اور یہ سنت سے ثابت ہوتا ہے۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت مصلح الامۃؒ کا دستور العمل اور تجویز کردہ طریق کار اور پروگرام۔ کس قدر صفائی سے فرما دیا کہ کسی امتی کو دین کے باب میں آج کسی پروگرام کے تجویز کرنے کا حق ہی کیا ہے؟ اللہ و رسول نے مومن و مسلم کے لئے دین کا مکمل پروگرام بتلا دیا ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ

لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ (یعنی آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کردیا اور اسکے ذریعہ اپنی نعمت کو تم پر تام فرمادیا اور تمہارے لئے اسلام کو دین بننے کیلئے پسند کیا۔ چنانچہ جو شخص غیر اسلام کو اپنا دین بنائے گا وہ اس سے مقبول نہوگا اور ایسا شخص آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔ کیونکہ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامَ دین تو حق اور پسندیدہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے۔ دیکھئے اس تعلیم کے دیکھنے ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بزرگ مخلوق خدا کو خدا سے ملانا چاہتے ہیں اور لوگوں سے اپنے لئے کوئی حصہ انھیں لینا مطلوب نہیں ہے۔ مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَہُ اللّٰہُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ وَالنُّبُوَّۃَ ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ کُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلٰکِنْ کُوْنُوْا رَبَّانِیِّیْنَ بِمَا کُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْکِتَابَ وَبِمَا کُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ کسی بشر کے جبکو اللہ نے کتاب حکمت اور نبوت بخشا، شایان شان وہ بات نہیں کہ وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم میرے بندے ہوجاؤ بلکہ یہ کہ یوں کہے کہ تم اللہ والے ہوجاؤ اسلئے کہ تم کتاب پڑھتے پڑھاتے ہو)۔

بیعت کا حاصل

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:-

"سنت اللہ یوں جاری ہے کہ امور خفیہ جو نفوس میں پوشیدہ ہیں انکا ضبط افعال اور اقوال ظاہری سے ہو اور افعال و اقوال ان امور قلبیہ کے قائم مقام ہوں۔ چنانچہ اللہ اسکے رسول اور قیامت وغیرہ کی تصدیق امر مخفی ہے تو اقرار ایمان کو تصدیق قلبی کے قائم مقام کیا گیا۔ اور جس طرح سے رضامندی بائع و مشتری کی قیمت اور بیع کے دینے میں امر مخفی ہے تو ایجاب و قبول کو قائم مقام رضائے مخفی کے کردیا فکذالک التوبہ والعزیمۃ علی ترک المعاصی والتمسک بحبل التقوی خفی مضمر فاقیمت البیعۃ مقامھا۔ یعنی اسی طرح سے توبہ اور عزم کرنا ترک معاصی کا اور تقویٰ کی رسی کو مضبوط پکڑنا امر مخفی اور پوشیدہ ہے تو بیعت کو اسکے قائم مقام کردیا۔

(شفاء العلیل ص ۱۶)

اس سے معلوم ہوا کہ بیعت کا حاصل اپنے سابقہ گناہوں سے توبہ کرنا اور آئندہ کیلئے ترک معاصی کا عزم کرنا اور تقویٰ کی رسی کو مضبوط پکڑنا ہے

بیعت کی ضرورت اور اصل اس میں تو یہی ہے کہ انسان خود ہی اپنے کو امر ونہی کرے اور خود ہی نیکیاں کرے اور برائیوں سے بچے لیکن عادت یوں جاری ہے کہ خود انسان کا نفس اسکے حکم پر چلتا نہیں اسلئے ضرورت ہوئی کہ کسی مرد صالح عاقل، عالم باعمل کو جو کہ واقف طریق ہو اپنے اوپر حاکم بنائے اور خود کو اسکے امر ونہی کے تحت داخل کرے اسکو اپنے اوپر مسلط کرلے اور اصلاح کے باب میں اسکی ہدایت کا پابند ہو جائے چنانچہ اگر اس سے اسکو اعتقاد ہوا اور اسکی باتوں پر اور تعلیمات پر اعتماد کیا اور اپنے حالات کی اسکو اطلاع دیتا رہا اور اسکی ہدایات اور تعلیمات پر عمل کرتا رہا تو پھر انشاء اللہ کامیابی یقینی ہے۔

اصلاح کی ابتداء کام کی ابتداء یوں کرے کہ فرض کی ادائیگی کا خاص اہتمام کرے خواہ وہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد، اسی اہتمام میں یہ بھی داخل ہے کہ ان دونوں میں سے فوت شدہ حقوق کی قضا کرے یعنی بلوغ کے بعد سے لیکر اب تک جو نمازیں (فرض وواجب) قضا ہوگئی ہیں، اسی طرح سے جو روزے رہ گئے ہیں ان کو ادا کرے اور حقوق العباد (خواہ وہ حق عرضی ہو یا مالی) انکو ادا کرے۔ اور فرائض کے بعد اگر شوق اور موقع ہو تو نوافل کا اہتمام کرے کیونکہ یہ سب اعمال انسانوں ہی کے کرنے کیلئے ہیں فرشتے انکو کرنے کیلئے نہیں آئیں گے۔

سب سے زیادہ مفید اور بابرکت وظیفہ تلاوت قرآن ہے لیکن شرط یہ ہے کہ یہ تلاوت محض لسانی نہ ہو قلب کی شرکت کے ساتھ ہو۔ اور قلب کی شرکت سے یہاں مراد فہم معنی نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ قلب غافل سے نہ ہو بلکہ تلاوت کے وقت یہ امر مستحضر ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ہماری ہی ہدایت کے لئے بھیجا ہے۔ اور یہ کہ بندہ جس وقت تلاوت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکی تلاوت کی طرف کان لگاتے ہیں۔

تلاوت کے وقت یا اور فرصت کے وقت میں ایک منزل مناجات مقبول کی پڑھی

جائے اور اس میں بھی یہ استحضار رکھا جائے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقبول دعائیں ہیں جس میں آپ نے دینی اور دنیوی ظاہری اور باطنی، حالی اور مالی تمام چیزوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی ہے اور ہر قسم کی مضر چیزوں سے استعاذہ فرمایا ہے۔ ان دعاؤں کو ذوق کے ساتھ پڑھنے کیلئے میرا مضمون " وصیۃ السنۃ " دیکھ لیا جائے انشاء اللہ تعالیٰ دعاؤں کا ذوق پیدا ہوجائیگا اور پھر ان دعاؤں کو انسان ایک خاص کیف اور ذوق کے ساتھ پڑھے گا جو کہ اسکی اصل روح ہے۔

نفل نمازوں میں سے اشراق - چاشت - اوابین وغیرہ سب ہی کی پابندی ہونی چاہیئے اسلئے کہ ہر ایک کی خاص برکات اور مخصوص آثار ہیں مالا یدرک کلہ لایترک کلہ اگر سب نہیں حاصل کرسکتا تو تھوڑے کو بھی ترک نہ کرے۔ نماز تہجد کے متعلق حدیث شریف میں آیا ہے کہ یہ ہر زمانہ میں صالحین کا شعار رہا ہے اسلئے اس سے محرومی ایک بڑے خیر سے محرومی ہے اسکے متعلق میں نے کسی قدر مفصل کلام اپنے ایک مضمون " مضمون تہجد " میں کیا ہے اگر مل جائے تو اس میں دیکھ لیا جائے۔

قلب کی غفلت کا دور کرنا ضروری ہے بزرگوں کے تجربہ میں اسکے لئے ذکر سے بڑھکر کوئی چیز نہیں یہ اسکے لئے تریاق ہے۔ پہلے ذکر مفرد پھر مرکب بھی کراتے ہیں ذکر مفرد کو مبتدی کے لئے زیادہ نافع بتاتے ہیں۔ اس راہ میں انکا اتباع ازبس ضروری ہے یہ لوگ اطبائے قلوب ہیں۔

مقصود باطن کی درستگی ہے

رسالہ قشیریہ میں امام ابوالقاسم قشیری فرماتے ہیں کہ :- " مریدین کے آداب میں سے اوراد ظاہرہ کی کثرت نہیں ہے اسلئے کہ قوم صوفیہ تو صرف تین چیزوں کے درپے ہے خواطر ردیہ کو اپنے قلب سے دور کرنا۔ اپنے اخلاق کی اصلاح کرنا اور اپنے قلب سے غفلت کو دور کرنا۔ رہی اعمال خیر کی کثرت تو یہ انکا وظیفہ نہیں ہاں انکے لئے جو چیز ضروری ہے وہ فرائض کی ادائیگی ہے اور سنن موکدات کا ادا کرنا ہے۔ رہیں اور نوافل تو ذکر قلبی پر مداومت انکے لئے نوافل سے کہیں زیادہ نافع اور مفید ہوگی۔

اسی طرح شیخ العرب والعجم حضرت حاجی صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں :-

داوقات خود را بعد ادائے فرض وواجبات وسنن درشغل باطن گذارد وبزیادتی نوافل نہ پردازد بلکہ مشغولی باطن را فرض داند وگاہے غافل نشود" (اور اپنے اوقات کو فرائض وواجبات اور سنن کی ادائیگی کے بعد شغل باطن میں گذارے اور نوافل کی زیادتی کی فکر میں نہ پڑے بلکہ مشغولی باطن کو فرض جانے اس سے غافل نہو)

میں کہتا ہوں اسی مشغولی باطن کے (جسکو فرض فرما رہے ہیں) تحصیل کیلئے یہ ذکر مفرد اور مرکب ضروری ہے چنانچہ یہ حضرات اس ذکر کو نوافل وغیرہ سے اس بارہ میں زیادہ نافع سمجھتے ہیں

ہر شخص کے حالات کے لحاظ سے اوراد ووظائف

لہذا اپنی دنیوی مشغولیتوں کے باوجود کچھ وقت اس کے لئے بھی نکالنا چاہیئے اس سلسلہ میں لوگوں کی فرصت اور مشاغل کو دیکھتے ہوئے کسی کو دوازدہ تسبیح بتاتا ہوں اور کسی کو سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ دو دو تسبیح صبح وشام بتا دیتا ہوں اور کبھی صرف لاالہ الااللہ کی دو یا چار تسبیح تجویز کرتا ہوں اس طرح پر کہ نو یا دس بار لاالہ الااللہ کہنے کے بعد دسویں یا گیارھویں بار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ملا دیا جائے اور مقصد یہ ہے کہ گاہے گاہے پورا کلمہ پڑھ لیا جائے اسی طرح بزرگوں سے منقول چلا آرہا ہے

طریقہ دوازدہ تسبیح

اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِیْ عَنْ غَیْرِکَ وَ نَوِّرْ قَلْبِیْ بِنُوْرِ مَعْرِفَتِکَ اس دعا کو چند بار کہے تاآنکہ قلب ذکر کی طرف متوجہ ہو جائے۔ بعدہ :-

استغفار ۱۱ بار ۔ درود شریف ۱۱ بار ۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ دوسو (۲۰۰) بار اسطرح سے کہ دس بار کہنے کے بعد گیارھویں مرتبہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ملا لیا جائے۔ اِلَّا اللّٰہ چارسو (۴۰۰) بار ۔ اَللّٰہُ اَللّٰہ چھ سو (۶۰۰) بار ۔ اَللّٰہُ سو (۱۰۰) بار ۔ درود شریف گیارہ (۱۱) بار استغفار گیارہ (۱۱) بار (دعا مانگ کر ختم کرے) ۔

مطالعہ کتب کی ضرورت منجملہ دیگر ضروریات کے اس زمانہ میں ایک ضروری عمل اسے سمجھتا ہوں کہ حضرت مولاناؒ کے مواعظ اور ملفوظات اور تصانیف کے مطالعہ کا اہتمام رکھیں۔ اور میری کتابوں کو بھی برابر مطالعہ میں رکھیں۔ بالخصوص حیوٰۃ المسلمین۔ جزاء الاعمال۔ تعلیم الدین۔ فروع الایمان۔ قصد السبیل اور بہشتی زیور اسی طرح ــــــ وصیۃ الاخلاق۔ وصیۃ الاحسان۔ وصیۃ الاخلاص۔ وصیۃ التلاوۃ۔ وصیۃ السنۃ۔ عاقبۃ الانکار۔ تلاوت قرآن اور نسبت صوفیہ کا مطالعہ ضرور کریں انشاء اللہ اس سے دین وطریق سے خاصی مناسبت بھی ہو جائیگی اور معتدبہ علم بھی حاصل ہو جائے گا۔

مشائخ کی کتابیں اس سلسلہ میں اتنا اور کہنا چاہتا ہوں کہ علماء نے لکھا ہے کہ مشائخ کی کتابیں انکی غیر موجودگی کی حالت میں نائب اور خلیفہ ہوا کرتی ہیں لہٰذا ان کتابوں کے پڑھنے اور سننے سنانے کا سلسلہ ضرور ہونا چاہیئے اپنے لوگوں کو اس پر زور دیتا ہوں اور یہ اسلئے کہ بہت سے لوگوں نے مجھے لکھا ہے کہ آپ کے رسالہ کے مضامین سنکر دین اور اصلاح کی فکر پیدا ہو گئی ہے۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

اصلاح اخلاق اصلاح کے سلسلہ میں یہ سمجھ لیجئے کہ سب سے زیادہ ضروری اور اہم اخلاق کی اصلاح ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ انسان اپنے سوء خلق کی بنا پر جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں جائیگا حالانکہ وہ دنیا میں عابد ہوگا۔ اسی طرح سے وہ اپنے حسن خلق کی بنا پر جنت کے اعلیٰ طبقہ میں داخل ہوگا حالانکہ اسکی عبادات کچھ زیادہ نہ ہونگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اخلاق کی شریعت میں خاص اہمیت ہے اسلئے بہت ضروری سمجھتا ہوں کہ انسان دوسروں کے درپے ہونے کے بجائے خود اپنے نفس کے درپے ہو۔ بلکہ یہ سمجھتا ہوں کہ دوسروں پر نظر ہوتی ہی اسوقت ہے جبکہ اپنے سے آنکھ بند رہتی ہے۔ اکبر مرحوم نے کیا خوب کہا ہے ؎

اوروں پہ معترض تھے لیکن جب آنکھ کھولی
اپنے ہی دل کو ہم نے گنج عیوب دیکھا

اسلئے اپنے اندر صدق و اخلاص و تواضع پیدا کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے اور کبر و نفاق کے شائبہ سے بکلی بچنا چاہیئے۔ اس سلسلہ میں میری کتاب "وصیۃ الاحسان" اور "تحذیر العلماء" کا مطالعہ مفید ہوگا۔

ادب و احترام شیخ اصلاح نفس کیلئے ضروری ہے کہ انسان اپنے اندر شوق یا خوف پیدا کرے۔ اصلاح کا ظاہری ذریعہ چونکہ شیخ ہوتا ہے اسلئے اسکا ادب و احترام اس سے محبت اور اس کے مواخذہ اور عتاب کا خوف سالک کے اندر ہونا چاہیئے اسلئے وقتاً فوقتاً شیخ کی خدمت میں حاضری دیتا رہے تاکہ تعلق بڑھتا رہے اور اس میں اگر تاخیر ہو تو بذریعہ خط و کتابت تعلق قائم رکھے۔ ورنہ دیکھا تو یہ جاتا ہے کہ اوروں کی دیکھا دیکھی لوگ بیعت تو ہو جاتے ہیں اور پھر برسہا برس تک خبر نہیں لیتے تو ایسا تعلق نہ تو چنداں مفید ہی ہے اور نہ اسکا طریق میں کوئی درجہ ہے۔ مجھے کسی کا یہ شعر بہت پسند آیا ؎

ابدأ بنفسك فانهها عن غيها فاذا انتهت عنه فانت حكيم

(اصلاح کی ابتداء اپنے نفس سے شروع کرو یعنی اسکو برائیوں سے روکو جب وہ رذائل سے نکل جائیگا تو تم حکیم کہلاؤ گے)

اسلئے میرے نزدیک اصلاح کا طریق کار یہی ہے کہ انسان کام کی ابتداء اپنے نفس سے کرے اسکے بعد پھیلائے:۔

اہل و عیال کی اصلاح آیہ قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (اے ایمان والو اپنے آپکو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ) اپنے گھر اور خاندان اور متعلقین کی اصلاح کی جانب متوجہ ہو اسی طرح ہر ہر شخص اگر کرنے لگ جائے تو دین عام ہو کر ایک صالح ماحول پیدا ہو جائے جس کا ہونا دینی بقا اور دینی ترقی کیلئے ضروری ہے۔ ایسا ماحول اگر کسی کو نصیب ہو جائے یا کوئی خود بنالے تو دنیا اسکے لئے جنت کا نمونہ ہو جائے

قاضی صاحبؒ کا ارشاد میری اس نصیحت کے مناسب قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کا یہ مضمون بھی ہے جسے انھوں نے ارشاد الطالبین میں خاتمہ کے عنوان سے بیان فرمایا ہے۔ طالبین کے فائدہ کیلئے اس کو بعینہٖ نقل کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں:۔

"تمام مسلمانوں کو عموماً اور طریقہ نقشبندیہ کے صوفیوں کو خصوصاً جنکے طریق کی بناء

ہی اتباع سنت پر ہے لازم ہے کہ فقہ اور حدیث کی خدمت کریں تاکہ لوگ فرائض وواجبات محرمات ومکروہات، مشتبہات، عبادات اور عادات میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت معلوم کریں اور جہاں تک ہوسکے اتباع سنت کی کوشش کریں خصوصاً فرائض وواجبات کے اتباع میں اور مکروہات ومشتبہات سے بچنے میں سنت کی رعایت کو محکم پکڑیں۔ بدن کپڑے اور جائے نماز کی طہارت اور تمام شرائط نماز میں پوری رعایت کریں لیکن طاہری طہارت میں وسواس کی حد تک اپنے کو نہ پہونچائیں کیونکہ یہ مذموم ہے اور پنجگانہ نماز مسجدوں میں جماعت کے ساتھ پڑھیں اسطرح کہ تکبیر تحریمۂ اول فوت نہ ہو۔ اور جماعت کی تعداد بڑھائیں، اور اچھے آدمی کو امام بنانے کی کوشش کریں۔ حدیث شریف میں آیا ہے الامام ضامنٌ۔ یعنی مقتدی کی نماز امام کی نماز کی ضمانت میں ہے۔ بس جسقدر امام کامل ہوگا اسی قدر اسکی نماز کامل ہوگی۔ جمعہ کی نماز ہاتھ سے نہ جانے دیں اور تمام سنن وآداب کی اچھی طرح رعایت کریں۔ نماز پورے اطمینان سے اداکریں اور قرآن شریف کو صحت وصفائی اور اچھی آواز سے گانے کے طرز کے بغیر پڑھیں۔ نماز مستحب وقتوں میں پڑھیں اور سنن راتبہ کو جو بارہ رکعت ہیں اور تہجد کو جو سنت موکدہ ہے ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ ماہ رمضان کے روزے احتیاط سے اداکریں۔ لغویات یا گناہ یا غیبت سے روزے کا ثواب ضائع نکریں۔ اور نماز تراویح اور ختم قرآن شریف اور اعتکاف عشرۂ اخیرۂ رمضان لازم پکڑیں۔ لیلۃ القدر کی تلاش کریں ذکر کے اوقات کو معمور رکھیں۔ اگر نصاب نامی کے مالک ہوں تو زکوٰۃ کا اداکرنا فرض ہے۔ لیکن اس بارے میں سنت یہ ہے کہ حاجت ضروری سے زیادہ مال قبضہ میں نہ رکھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح خیبر کے بعد اپنی ازواج مطہرات میں سے ہر ایک کو چھ سو سیر سالانہ جو اور خرما دیتے تھے اور اپنی ملکیت میں ایک درم بھی نہیں رکھتے تھے۔ اور کسب حلال سے کھاتے رہیں۔ خرید وفروخت وغیرہ معاملات میں مسائل فقہ کی رعایت رکھیں مشتبہات سے پرہیز رکھیں۔ حقوق الناس اداکرنے میں سعی بلیغ کریں۔ اگر حقوق اللہ کی ادائیگی میں کوتاہی ہوگئی ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پیران عظام کی شفاعت سے مغفرت کی امید ہے

لیکن حقوق العباد نہیں بخشے جاتے۔ نکاح پیغمبروں کی سنت ہے لیکن اگر اسکے حقوق ادا نہ کرسکے اس خوف سے کہ اس سے فرائض اور واجبات فوت ہو جائیں گے تو اس سے باز رہنا بہتر ہوگا اس بارے میں مختصراً حکم دیا گیا ہے۔ اسکی تفصیل کتب فقہ و حدیث میں تلاش کرنی چاہیئے۔

فرائض و واجبات کی ادائیگی کے بعد صوفی پر لازم ہے کہ اپنے اوقات کو ذکر الٰہی سے معمور رکھیں اور بیہودگی میں وقت ضائع نہ کریں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اہل جنت کو جنت میں کوئی حسرت نہ ہوگی بجز دنیا کی اس گھڑی کے جس میں انھوں نے خدا کا ذکر نہ کیا ہوگا۔

فنائے نفس سے پہلے کثرتِ نوافل اور تلاوت قرآن سے قرب الٰہی میں ترقی[۵] نہیں ہوتی۔ دیکھو حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (یعنی قرآن کو لوگ بغیر طہارت کے نہ چھوئیں) تو جس طرح سے کہ ظاہری طہارت نماز کیلئے شرط ہے اسی طرح سے رذائل نفس سے پاک ہوئے بغیر نماز و تلاوت کی برکات بھی نہ حاصل ہونگی۔

تجدید ایمان اور جس طرح سے کہ ظاہری کفر کا ازلہ لا الہ الا اللہ سے ہو جاتا ہے اسی طرح باطنی کفر کا ازالہ بھی اسی کلمہ سے ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جَدِّدُوْا اِیْمَانَکُمْ یعنی اپنے ایمان کو تازہ کرتے رہا کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ایمان کو کیسے تازہ کیا کریں؟ فرمایا کہ کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کے تکرار سے چنانچہ تمام سلاسل کے مشائخ نے مریدوں کے لئے اسی کلمہ کا ذکر تجویز کیا ہے۔ بعض حضرات جہر سے پڑھنے کو کہتے ہیں اور اس طرح سے مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں اور حضرات نقشبند ذکر جہر کو بدعت قرار دیتے ہیں اور ذکر خفی پر اکتفا کرتے ہیں۔ پس فنائے قلب وغیرہ کیلئے

ع۵ قولہ ترقی نہیں ہوتی ۔۔۔ اقول یہ نفی ایک خاص چیز کی ہے، باقی اس سے عام نفع کی نفی لازم نہیں یعنی اور دوسرے قسم کا فائدہ تلاوت سے ہوتا ہے یعنی ان سے مقصود قرب الٰہی ہے۔ اور بسا اوقات فنائے نفس سے پہلے یہ چیزیں عجب و کبر کا سبب بنجاتی ہیں۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ذکر کو حبس نفس کے ساتھ مفید جانا ہے اور بوقت ذکر اس معنی کا لحاظ رکھتے ہیں کہ اس ذات پاک کے سوا کوئی مقصد نہیں یہ ذکر طاق عدد کی رعایت سے کرتے ہیں۔ نفس کے فنا کے لئے کلمہ طیبہ کی تکرار زبان سے جس کے ساتھ معنی کا بھی پورا خیال ہو مفید ہے کیونکہ نفس عالم خلق سے ہے اور فنائے نفس کے بعد کمالات نبوت کے مقام میں اس سے اوپر تلاوت قرآن اور کثرت نماز سے ترقی حاصل ہوتی ہے ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے التجا کی کہ مجھکو بہشت میں آپکی ہمسائگی نصیب ہو آپ نے فرمایا کہ کچھ اور مانگو اس نے کہا مجھے تو بس یہی چاہیئے آپ نے فرمایا کہ اچھا تو پھر (نفس کے مارنے میں) کثرت سجود سے میری مدد کرو۔

صلحاء کی صحبت پھر چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں کہ ذکر و فکر اور فرائض و نوافل سے فارغ ہوکر اگر علماء و مفتیان اور صلحاء کی مصاحبت اور مکالمت میسر ہو تو غنیمت سمجھو بشرطیکہ علماء دنیا داروں کی صحبت سے باز رہنے والے ہوں اور اگر علماء و صلحاء کی صحبت میں اثر نہ ہو تو تنہا بیٹھنا یا سو رہنا بہتر ہے اَلْعُزْلَۃُ خَیْرٌ مِّنَ الْجَلِیْسِ السُّوْءِ وَالْجَلِیْسُ الصَّالِحُ خَیْرٌ مِّنَ الْعُزْلَۃِ (یعنی گوشہ نشینی برے ہمنشین سے بہتر ہے اور نیک ہمنشین گوشہ نشینی سے اچھا ہے) جاہلوں، فاسقوں اور ان لوگوں کی صحبت اور ہمنشینی جو دنیا میں مستغرق رہتے ہیں کارخانۂ باطن کو خراب کر دیتی ہے۔ خصوصاً مبتدی صوفیوں کے حق میں سخت مضر ہے جیسا کہ تھوڑے پانی کو نجاست پلید کر دیتی ہے۔ صوفیوں صاحب دلوں، ولیوں کی ہمنشینی اور صحبت، اللہ کے ذکر اور عبادت سے بھی زیادہ مفید ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باہم کہا کرتے تھے کہ اِجْلِسْ بِنَا نُؤْمِنْ سَاعَۃً یعنے ہمارے پاس بیٹھو تاکہ ہم آپس میں ایمان تازہ کریں۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

یک زماں ہم صحبتت با اولیاء　　　بہتر از صد سال بودن در تقا

(یعنی اولیاء کی صحبت میں تمھارا تھوڑی دیر بیٹھنا سو سال تقویٰ میں گذارنے سے بہتر ہے)

حضرت خواجہ احرار فرماتے ہیں کہ ؎

نماز را بحقیقت قضا بود لیکن　　　نماز صحبت ما را قضا نخواہد بود

یعنی نماز اگر رہ جائے تو اسکی قضا کیجا سکتی ہے لیکن ہماری صحبت کی نماز ایسی ہے کہ اسکی کوئی قضا نہیں۔

ایک شخص نے کسی سے کہا کہ حضرت بایزیدؒ کی صحبت میں رہا کرو اس نے جواب دیا کہ میں خدا کی صحبت میں رہتا ہوں۔ اس شخص نے کہا کہ بایزیدؒ کی صحبت میں رہنا خدا کی صحبت میں رہنے سے بہتر ہے' مطلب یہ تھا کہ تو بقدر اپنی نسبت اور حوصلے کے جناب الٰہی سے فیض حاصل کرسکتا ہے اور حضرت بایزیدؒ کی صحبت میں تجھکو انکے علوِ مرتبہ کے مطابق فیض حاصل ہوگا۔ مولانا رومؒ مثنوی میں فرماتے ہیں ؎

دور شو از اختلاطِ یارِ بد　　یارِ بد بدتر بود از مارِ بد
مارِ بد تنہا ہمی بر جاں زند　　یارِ بد بر جان و بر ایماں زند

یعنی برے لوگوں کی صحبت سے دور رہو کیونکہ بُرا دوست سانپ سے بھی بدتر ہوتا ہے سانپ تو صرف جان کو نقصان پہونچاتا ہے مگر بُرا دوست جان کے ساتھ ایمان کو بھی تباہ کردیتا ہے۔

رسالہ وصیۃ السالکین کا مضمون ختم ہوا۔ حضرت مصلح الامۃؒ کی یہ تالیف الگ کتابی شکل میں بھی شائع ہو چکی تھی اس مقام پر سارا رسالہ ہی مکرر اسلئے نقل کردیا گیا تاکہ حضرت اقدسؒ کا کام اور کم از کم طریقۂ کار حضرتؒ کے حالات پڑھنے والے پر تو مخفی نہ رہے کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ جن حضرات کے مطالعہ میں رسالہ وصیۃ العرفان ہوا انکے پیش نظر رسالہ وصیۃ السالکین بھی رہ چکا ہو۔ بہرحال اب اس رسالہ کے مطالعہ سے آپکو بھی اندازہ ہوگیا ہوگا کہ حضرت اقدسؒ کے سامنے اصلاح امت کا فریضہ تھا اور حضرت والاؒ نے اپنی صوابدید کے مطابق ساری عمر اس کام کو جاری بھی رکھا اور دوسرے حضرات نے مسلمانوں کی اصلاح کیلئے جو طریقۂ کار تجویز کیا تھا اسکو انھیں کے حوالہ فرما رکھا تھا چونکہ تنقید و تبصرہ اور دوسروں کے درپے ہونا اور کسی سے آویزش حضرت اقدسؒ کے مزاج کے خلاف تھی اسلئے اس نظر سے کسی کے کام پر بھی توجہ ہی نہیں فرمائی۔ حتیٰ کہ روافض اور اہل بدعت پر بھی رد و قدح سے آپکی مجلس خالی رہا کرتی تھی اور انکے متعلق یہ فرمادیا کرتے تھے۔ ع۔ آفتاب حاضر اند یا عدا، چہ حاجت است

فرماتے تھے کہ علماء کی ایک جماعت تعلیم و تعلم کے کام میں لگی ہی ہوئی ہے۔ اہل حق کا اہل ہویٰ سے مناظرہ اور اسکے ابطال پر رد و قدح کا سلسلہ بھی جاری ہے جو جس کام کا اہل ہے اسکو کر رہا ہے اب اسکے لئے یہ کیا ضروری ہے کہ سب لوگ تمام دوسرے ضروری امور کو ترک کر کے ایک ہی کام میں لگ جائیں۔ تعلیم بھی ضروری ہے۔ تبلیغ بھی ضروری ہے۔ اصلاح نفس بھی نہایت ضروری ہے جب تک سب کاموں کا مستقل نظام نہ ہوگا مجموعی طور پر امت کی اصلاح نہ ہوگی۔

باقی کسی دوسری جماعت سے آویزش نہ رکھنے کے یہ معنی ہرگز نہ تھے کہ حضرت والا سب جماعتوں کے مؤید تھے ایسا بھی نہیں تھا بلکہ حضرت اقدس دین کے نام پر ہر کام کرنے والی جماعت کی خوبی اور خامی سے خوب واقف تھے لیکن کہیں خیر کو غالب خیال فرما کر خاموشی اختیار فرمالی تھی اور کہیں دیگر علماء اور مشائخ پر بھروسہ فرمالیا کہ وہ سب اہل دیانت ہیں جب خود ہی کام میں کچھ غلو محسوس فرمائیں گے اسکی اصلاح بھی کرلیں گے چنانچہ حضرت اقدس سے متعلق کوئی شخص جب دوسری جماعتوں کے بارے میں کچھ دریافت کرتا تو یہی فرماتے کہ بھائی دین کا کام کرنے کیلئے بہت لوگ ہونے چاہئیں اب یہ کیا کہ ہم کام نہ کریں تو دوسرے کو بھی نہ کرنے دیں۔ یہ تو اکثر فرمایا لیکن یہ کسی سے نہیں فرمایا کہ تم بھی وہ سب طریقے اختیار کرو جو وہ دوسرے لوگ اختیار کئے ہوئے ہیں بلکہ اپنا طریقہ کار سب سے الگ ہی رکھا اور اپنی جماعت کا امتیاز آخر تک قائم رکھا۔ حضرت مولانا ابو الحسن علی صاحب ندوی مدظلہ نے الٰہ آباد تشریف آوری کے موقع پر خانقاہ میں کی جانے والی اپنی ایک تقریر میں اسکا صحیح نقشہ کھینچا تھا فرماتے ہیں کہ:-

"(حضرت) مولانا الیاس صاحبؒ کے یہاں ہم نے روح کی ذہانت کے کھلے نمونے دیکھے اور پھر حضرت (شاہ وصی اللہ صاحب) رحمۃ اللہ علیہ میں۔ میں نے ان دونوں بزرگوں میں بہت زیادہ مشابہت دیکھی اگرچہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں بزرگوں سے الگ الگ کام لیا۔ ذوق بھی دونوں کا الگ الگ تھا لیکن بہت سی چیزوں میں مشارکت تھی خصوصاً قلب کی ذہانت اور روح کی ذہانت میں"

(معرفت حق اکتوبر ۱۹۷۶ء)

واقعی حضرت کا جو طریق تھا وہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے بالکل مختلف ہی تھا یہ دوسری بات ہے کہ چونکہ حضرت مولانا الیاسؒ بھی اپنے ہی اکابر میں سے تھے اسلئے ان کے لوگوں سے بھی حضرت والا محبت فرماتے تھے اور وہ لوگ بھی بڑی عقیدت کے ساتھ حضرت سے ملتے تھے چنانچہ یہ لوگ جب بھی دعا کے لئے حاضر ہوتے تو ناممکن تھا کہ پہلے حضرت والا کی جانب سے چائے سے انکی خاطر نہ کیجاتی ہو پہلے انکو چائے پلا لیتے پھر انکے لئے حصول اخلاص کی دعا بھی فرما دیتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ حضرتؒ کے آخری ایام حیات میں (یعنی سفر حج کی روانگی سے کچھ ہی قبل) کویت کی ایک عربی جماعت بمبئی آئی وہاں کے منتظمین نے حضرت اقدسؒ سے بھی ملاقات کا پروگرام بنایا چنانچہ وہ حضرات ملنے آئے۔ حضرت والاؒ نے اپنے کمرہ ہی میں سب کو بلا لیا اور سب سے پہلے راقم سے فرمایا کہ ان سب حضرات کو میری جانب سے چائے پلاؤ۔ اسکے بعد ایک ترجمان نے انکی جانب سے حضرت والا سے عرض کیا کہ یہ لوگ کویت سے آئے ہیں اور اپنے لئے حضرت اقدس سے دعا کے طالب ہیں حضرت نے سب کیلئے دعا فرمائی اور انھیں صاحب سے فرمایا کہ اب آپ میری جانب سے ان سب حضرات میں سے ہر ایک سے فرداً فرداً میرے لئے دعا کی درخواست کر دیجئے۔ حضرت والاؒ کی یہ بات جب ان حضرات نے سنی تو بہت متاثر ہوئے۔ تو یہ بھی ہوتا تھا بالکل صحیح ہے۔ اور کیوں نہ ہوتا حضرت والاؒ جب دوسروں کو حسن خلق کی تعلیم دیتے تھے تو خود اسکے ساتھ کیوں نہ متصف ہوتے۔ اخلاق برتنے کا حکم تو غیروں تک سے ہے اور یہ لوگ تو اپنے ہی لوگ تھے اور دیندار تھے۔ چنانچہ جہاں تک کہ حسن اخلاق کا تعلق تھا تو اگر دوسرے لوگ مثلاً مودودی جماعت کے لوگ بھی حضرت والا سے ملنے آتے تو حضرت اقدس اپنے اخلاق کریمانہ سے انکو بھی حصہ عطا فرماتے تھے اور ان کے ساتھ بھی اسطرح سے پیش آتے تھے کہ بہت سے لوگوں کو تو یہ شبہ ہو جاتا تھا کہ حضرت والاؒ کا خیال اس جماعت کے متعلق عام علمائے دیوبند کے مقابلہ میں شاید کچھ نرم ہے۔ حالانکہ ایسا نہ تھا بات یہ ہے کہ یہ دور ہے نفسانیت کا اخلاص تو اس زمانہ میں عنقا ہے ہر شخص اپنی غرض کا باؤلا ہو رہا ہے سب کی خواہش یہی رہتی ہے کہ کسی بڑے شخص سے اپنی جماعت کی تائید

مل جاتی تو اسکے لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کرنے میں آسانی ہوتی اسلئے یہ لوگ حضرت والا سے بھی ملتے رہتے تھے اور برابر اس فکر میں رہتے تھے کہ کس گوشے سے موقع ملے اور اس سے اپنی تائید کا اثبات کردیں چنانچہ جہاں سے بھی کوئی شخص کچھ موقع بزعم خود پالیتا تھا تو اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا تھا۔ اسی قبیل سے حضرت والا کا ان حضرات سے خوش اخلاقی کے ساتھ مل لینا بھی ہوتا تھا۔ دیکھتے تھے کہ ہندوستان میں حضرت مولانا تھانوی کی ایک خاصی جماعت موجود ہے اور اس میں شک نہیں کہ ایک بڑی جماعت ہے اور اہل صلاح لوگوں کی جماعت ہے تو ہر شخص کی نظر اس جماعت پر ضرور رہتی تھی یعنی ہر دوسری جماعت والا اس کوشش میں رہتا تھا کہ جس شخص کی گرفت اسکی جماعت سے ذرا ڈھیلی دیکھے تو اسکو بس اپنی جماعت میں شامل ہونے کی دعوت دیدے اور اس طرح سے جب ایک دو دو کرکے لوگ دوسری جماعتوں میں شامل ہوجائیں گے تو تھانوی جماعت کے نام سے جو جماعت پائی جاتی ہے اس کا صرف نام ہی نام رہ جائے گا اور اسکا اپنا مستقل کام ختم ہوجائے گا اور درحقیقت اس میں بہت کچھ خامی خود ہم لوگوں کی ہے جو اپنے کو "تھانوی مسلک" پر کہتے ہیں اور یہ بھی خبر نہیں کہ کیا کر رہے اور کدھر جا رہے ہیں۔ کتنے لوگ آپکو آج ایسے ملیں گے جنکے سر پر تھانوی تاج ہوگا (یعنی گول چوگوشیہ ٹوپی) لیکن ان سے گفتگو کیجئے گا تو مودودی خیالات سے انکو متاثر پائیے گا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اب سمجھ میں آیا کہ شاید اسی تحفظ کیلئے حضرت مصلح الامۃؒ نے صاف صاف یہ فرما دیا تھا کہ:—

"اب حاضری تھانہ بھون کے بعد میں نہ فتحپوری ہوں اور نہ اور کچھ ہوں بلکہ تھانوی ہوں اور صرف تھانوی ہوں اور اپنے مدعا کے اظہار میں اس شعر کو کافی سمجھتا ہوں کہ؎

نیاوردم از خانہ چیزے نخست   تو دادی ہمہ چیز من چیز تست

(یعنی میں اپنے گھر سے تو کوئی چیز لایا نہیں ہوں بلکہ آپ ہی نے سب کچھ عطا فرمایا ہے اور خود میں بھی آپ ہی کا ہوں) (معرفت حق جون ۷۱ء)

اور شاید اسی لئے حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندویؒ کی تصنیفی خدمات کو سراہنے کے بعد انکو یہ بھی تحریر فرمایا تھا کہ:۔

"اب ضرورت اسکی ہے کہ حضرت تھانویؒ کے مسلک کے افراد پیدا کئے جائیں کیونکہ جب تک کسی مسلک کی پشت پناہ (اسکی تعلیمات اور خصوصیات سے متصف) کوئی جماعت نہ ہو اسکا اعتبار کیا؟ مطابقت کوئی "مسلک" ہو وہ جو محفوظ رہتا ہے تو کتاب سے اور خارجاً باقی رہتا ہے افراد سے۔ آپ نے (کتابیں تصنیف فرماکر) ایک تحفظ کا تو ماشاء اللہ خوب انتظام فرمادیا جزاکم اللہ اب دوسری جانب بھی کچھ اور توجہ فرمادیجئے۔"

(معرفت حق دسمبر ۱۹۶۱ء)

اب حضرت مولانا چونکہ بڑے شخص تھے اسلئے سب نے حضرت کی یہ بات قدر کی نگاہوں سے دیکھی اور کوئی دوسرا اس قسم کی بات اس زمانہ میں کہدے تو اسکو تنگ نظر اور اسکی اس بات کو تحزب وغیرہ جانے کن کن الفاظ سے یاد کیا جائے گا۔ لیکن حالات نے بتادیا کہ بات وہی حق تھی جو حضرت مصلح الامتؒ فرما گئے تھے یعنی اگر اپنا طریقہ دوسروں سے ممتاز نہ رکھا جائے گا تو جماعۃ کو من حیثیت الجماعۃ فنا ہی سمجھنا چاہیئے

الغرض میں عرض یہ کر رہا تھا کہ جب دوسری جماعتوں نے حضرت والا کے سکوت اور اخلاق سے غلط فائدہ اٹھانا چاہا تو حضرت نے صاف صاف اعلان بھی فرمادیا اور بتادیا کہ خوش اخلاقی کے ساتھ کسی سے مل لینا اور چیز ہے اور کسی کے مسلک سے متفق ہونا دوسری بات ہے، ان دونوں باتوں میں خلط نہیں کرنا چاہیئے۔ چنانچہ ارباب زمانہ کے اس نوع کے معاملات کے متعلق شکوہ اور دوسرے حضرات نے بھی کیا ہے۔ مولانا مفتی مظفر حسین صاحب نائب ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور رسالہ "کشف حقیقت" کے طبع دوم میں لکھتے ہیں کہ

"اگر جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے کوئی فرد ہمارے پاس تشریف لاتے ہیں تو ہم ان کے ساتھ مہذب و با اخلاق برتاؤ کیلئے اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں ہمیں اسی کی تعلیم دی گئی ہے اور یہ تہذیب ہمیں وارثت

ہیں ملی ہے مگر اس سے دھوکہ نہ ہو بلا شک و شبہ ہمیں جماعت اسلامی سے اختلاف ہے (یہ بات) اور جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے کسی صاحب کی تشریف آوری پر اخلاقی قدروں کا تحفظ یہ دو الگ الگ باتیں ہیں ایک کو دوسرے کے ساتھ مخلوط نہیں کیا جا سکتا اور نہ ایک کو دوسرے کے لئے بطور دلیل استعمال کیا جا سکتا ہے۔ بہت ضروری تھا اس لئے لکھدیا گیا۔ انتہی

(۴۵ رسالہ کشف حقیقت)

ملاحظہ فرمایا آپنے یہ ہے اس زمانہ کا مرض، اسی کے ماتحت یہاں بھی یہی کہا گیا کہ حضرت فتحپوری کا خیال جماعت مودودی کیطرف سے نرم ہے حالانکہ اسکو مطابقت واقعہ سے دور کا بھی تعلق نہ تھا اس سلسلہ میں حضرت کے دو واقعات عرض کرتا ہوں۔ انکے ذکر سے پہلے ایک بات یہ ذہن نشین فرمالیں کہ

خیالات مودودی کی تردید میں حضرات علمائے دیوبند میں سے حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی اور حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری تو بہت ہی پیش پیش اور نمایاں رہے ہیں بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ ان حضرات کو اس باب میں اولیت کا شرف حاصل تھا کیونکہ بعد میں تو پھر بہت سے حضرات نے اس جماعت کے راز سربستہ سے امت کو آگاہ کیا مثلاً پاکستان میں مولانا یوسف صاحب بنوری نے بھی ع۔بی میں سار "الاستاذ المودودی" تصنیف فرمایا اور یہاں حضرت مولانا علی میاں صاحب ندوی مدظلہ العالی نے نہایت دلسوزی اور جذبۂ نصح و خیر خواہی سے لبریز ہو کر اپنی کتاب "عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح" تصنیف فرمائی اور اب دیکھا یہ جا رہا ہے کہ ہر طرف کے علماء کا احساس بیدار ہو گیا ہے اور اپنے اپنے انداز میں بہت سے حضرات نے اس تحریک کے مخفی زہر کو امت کے سامنے پیش کرنا شروع کر دیا ہے۔ بہر حال کہنا یہ ہے کہ جس تیزی اور زوروں کے ساتھ اس جماعت کی تردید آج دیکھی اور سنی جا رہی ہے پہلے اس نے یہ شدت نہ اختیار کی تھی بہت سے علماء و مشائخ جو اپنے اپنے کام میں لگے تھے اسکی جانب سے یکسو تھے یا کسی نے کچھ شر کا احساس بھی کیا تو دوسری جانب بعض خیر کا

تصور یا توقع اسکے لئے رد و قدح سے مانع بنا رہا۔

اسی لئے حضرت مصلح الامۃؒ بھی اپنے مخصوص مزاج کے اعتبار سے ان سب قضیوں اور قصوں سے الگ تھلگ ہی رہنا پسند فرماتے تھے لیکن علماء کی طرف جب اس جماعت پر لے دے سے زیادہ ہوئی اور خود اسکا کام بھی تیزی سے بڑھنے لگا اور اسمیں لوگوں کے عام ابتلاء کا اندیشہ ہوا تو حضرت والاؒ نے بھی اپنا صاف صاف خیال ظاہر فرمادیا تاکہ کسی کو حضرت اقدسؒ کی جانب سے دھوکا نہ دیا جاسکے اور حضرت کو نرم بتلا کر حضرت والا کے کسی متعلق یا منتسب کو اس جانب راغب نہ کیا جاسکے۔

اس سلسلہ میں پہلا جو واقعہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مصلح الامۃؒ کا خیال اس جماعت کی جانب سے نرم نہیں تھا وہ دراصل ایک مکاتبت ہے جو حضرت اقدس کے حکم سے جناب مفتی قاری سعید احمد صاحبؒ سے کی گئی تھی جس وقت کہ انھوں نے اپنا رسالہ "کشف حقیقت" تصنیف کرکے حضرت والا کی خدمت میں بھی اسکا ایک نسخہ ارسال فرمایا تھا۔

نقل خط بنام جناب مفتی قاری سعید احمد صاحبؒ منجانب حضرت مصلح الامۃ قدس سرہٗ بقلم عبد الرحمٰن جامی

(جمعہ ۲۷ رجب ۱۳۷۰ھ)

شاید آپ کے علم میں نہ ہو کہ آجکل کچھ عرصہ سے میرا قیام مرشدی و مولائی حضرت مولانا وصی اللہ صاحب دامت برکاتہم کے پاس فتحپور تال نرجا (اعظم گڈھ) میں ہے حضرت شیخ مدظلہ العالی کے دو رسالے "الاصول النادرہ لاصلاح الامۃ الحاضرہ" اور "تحذیر العلماء عن خصال السفہاء" محترمی جناب مولوی سید ظہور الحسن صاحب کے یہاں سے چھپ کر آئے اسی کے ہمراہ آپ کا فتوی بشکل رسالہ "کشف حقیقت" ایک عدد موصول ہوا۔ حضرت والا مدظلہ العالی کی نظر سے بھی گذرا اور ہم لوگوں نے بھی اسکا مطالعہ کیا۔ حضرت نے اس کو

حرفاً حرفاً ملاحظہ فرما کر مجھے امر فرمایا کہ آج ہی قاری صاحب کو خط لکھو میرا سلام لکھو اور میری جانب سے لکھدو کہ ماشاء اللہ آپ کا رسالہ بہت خوب ہے پڑھکر بڑا جی خوش ہوا آپ نے جو مقصد اس جماعت کا سمجھا بالکل صحیح ہے اور جو تبصرہ اسکے خیالات پر فرمایا بالکل صواب ہے میں آپ سے اس جواب میں متفق ہوں۔ صرف ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی میرا اس بارہ میں ایک اور خیال ہے جس میں نتیجۃً شاید آپ بھی مجھ سے متفق ہوں لیکن آپ کی عبارت سے کچھ اپنی رائے کے خلاف کا ایہام ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ :۔

آپ نے مودودی صاحب (اور انکی جماعت) کی عبارات کا ظاہری مفہوم اور پڑھنے والوں پر اسکا اثر یہ تحریر فرمایا ہے کہ لوگ انکی کتابوں کو پڑھکر نہ صرف ان لوگوں یعنی اساطین اسلام، محدثین، فقہاء، مشائخ اور صوفیاء) سے متنفر ہو جاتے ہیں بلکہ حدیث فقہ اور تصوف سے متنفر ہو کر اپنے قدیم مذہب ہی سے بیزار ہو جاتے ہیں اور ایک نیا مذہب بنانے کی دھن میں لگ جاتے ہیں۔ اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ اس جماعت کا مطمح نظر ہی نہ صرف تصوف بلکہ فقہ اور حدیث تک کو صفحۂ ہستی سے محو کر دینا ہے یہ بھی آپ نے بالکل صحیح فرمایا پھر کچھ دور کے بعد یہ عبارت ہے کہ ــــ "کہا جا سکتا ہے کہ انکا مقصد توہین اور اعتراض نہیں ہے بلکہ انکا مقصد اصلاح ہے۔ ہو سکتا ہے کہ انکی نیت یہی ہو مگر انکا یہ طرز تحریر ناقابل برداشت ہے" الخ ــــ مجھکو یہیں پر کچھ کہنا ہے وہ یہ کہ اس امر کے تسلیم کے بعد آپ کا سابق اعتراض کمزور ہو گیا اور آپ کی آخر عبارت اول کے متعارض ہو گئی عوام اسکی یوں تطبیق دے لیں گے کہ بس جی بات صاف ہو گئی اس جماعت کے مقصد کی صحت اور نیت کی صداقت میں تو کوئی کلام نہیں ہے البتہ لب و لہجہ ذرا سخت ہوتا ہے اُن کو اس سے احتراز کرنا چاہیئے۔ اب اسکے بعد فتنہ کے زہر سے لوگوں کو بچانا مشکل ہو جائے گا کاش اس سوال و جواب سے آپ کی عبارت خالی ہوتی تو پورا کام کرتی۔

میرا خیال ہے کہ ان لوگوں کا مقصد بھی غلط ہے جیسا کہ انکے فقہ و تصوف و حدیث (دین کی اہم بنیادوں) کو ڈھا کر ایک نئے مذہب کی تشکیل کی سعی سے ظاہر ہے اور انکا طریقہ کار بھی صحیح نہیں ہے جیسا کہ انکے ناقابل برداشت طرز تحریر اور درشتت

لب ولہجہ اختیار کرنے سے عیاں ہے۔ اندریں صورت میرے نزدیک یہ تحریک کریلا اور نیم چڑھا" کا مصداق ہے۔ مقصد اگر صحیح ہوتا تو طرز بیان کی تلخی بھی گوارا کیجا سکتی آخر صحت مطلوب ہوتی ہے تو دواوئے تلخ استعمال کرنا پڑتا ہی ہے لیکن جب مقصد ہی سرے سے غلط ہو تو پھر صرف تحریر کی سختی کا کیا شکوہ۔

میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ مودودی صاحب اور انکی جماعت کا مقصد اصلاح دین نہیں افساد دین ہے اور اسکے شیرازہ کو منتشر کرنا ہے۔ انکی نیت تصوف فقہ اور حدیث میں اصلاح نہیں ہے بلکہ اسکا انکار کرنا ہے۔ کسی تحریک سے پیدا شدہ اثرات بانی تحریک کی نیت کا پتہ دیتے ہیں جب ان کے متبعین قدیم مذہب سے بیزار ہیں اور نئے مذہب بنانے کی دھن میں ہیں تو معلوم ہوا کہ یہی بانیٔ مذہب کی بھی نیت ہے اور وہ اس سے راضی ہے ورنہ اسکے ذمہ ضروری تھا کہ دوسروں کو چھوڑ کر پہلے اپنی جماعت کے لوگوں کی اصلاح کرتا۔ پھر اصلاح کسی چیز کی اسکی ذات کا تحفظ کرتے ہوئے انکی خامیوں کی ہوا کرتی ہے مثلاً کسی مدرسہ کی اصلاح کرنی ہے اسکا یہی تو طریقہ ہے کہ اسکے نظم ونسق میں جو خرابیاں پیدا ہوگئی ہوں انکو دور کردیا جائے۔ یہ بھی بھلا کوئی اصلاح ہے کہ اسکا سرے سے خاتمہ ہی کردیا جائے اسی طرح فقہ کی اصلاح مثلاً یہ تھی کہ کوئی شخص حدیث صحیح کے مقابلہ میں امام ابوحنیفہؓ کے قول کو ترجیح دیتا اسکو روکا جاتا۔ یا حدیث میں مثلاً نقد رجال میں مبالغہ سے کام لیتے ہوئے ایسا طرز اختیار کیا جاتا کہ ائمہ مجتہدین تک کو نہ چھوڑا جاتا تو ایک معقول بات تھی لیکن یہ کیا اصلاح ہے کہ سرے سے ان علوم ہی کا اعتبار اور اعتماد لوگوں کے اذہان سے اٹھا دیا جائے۔ انتہی کلامہ۔

(بقلم عبدالرحمن جامی الہ آبادی - ۲۷ رجب ۷۰ھ)

(حضرت استاذی مفتی قاری سعید احمد صاحب رحمۃ کا جواب بنام احقر جامی)

عزیزی المحترم سلمکم اللہ تعالی

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گرامی نامہ موصول ہوا۔ حضرت مولانا وصی اللہ

صاحب زید مجدہم کی راسئے پڑھکر بہت خوشی ہوئی۔ مولنٰا کی خدمت میں میری طرف سے سلام مسنون کے بعد عرض کر دیجئے کہ مجھے آنجناب کی رائے سے کلی طور پر اتفاق ہے میرا مقصد تو رسالہ سے واضح ہے۔ جس عبارت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یہ ایک ضعیف احتمال کے طور پر لکھا گیا ہے، مگر اب مجھے بھی اسکا احساس ہوا کہ یہ جملے اس طرح نہ ہونے چاہیئے تھے۔

اسوقت اس فتنہ کے انسداد کی طرف خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق رکھنے والے کچھ لوگ بھی اس تحریک میں حصہ لینے لگے ہیں مولنٰا اگر اس پر کچھ تحریر فرمائیں گے تو انشاء اللہ اس سے بہت فائدہ ہوگا۔

ابھی حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوری، سہارن پور تشریف لائے تھے رسالہ کو پسند فرمایا اور فرمایا کہ ذرا نرم ہے۔ ہمارے جیسا کوئی لکھتا تو تیز ہوتا انھوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے مودودی کے متعلق دو لفظ سنے تھے "مودودی سطحی اور گمراہ ہے" میں نے ان سے بھی عرض کیا کہ اس پر کچھ تحریر فرمائیں اور وعدہ بھی فرما گئے ہیں۔

سہارن پور میں اسوقت یہ فتنہ زوروں پر ہے۔ بعض مدرسین خاص سرگرمی فرما رہے ہیں اور مدرسہ کیلئے مشکلات کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ اسوقت آپ حضرات خاص طور سے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ عام مسلمانوں کو اور ہمارے مدرسہ کو خاص طور سے اس فتنہ سے محفوظ رکھے۔ فقط۔ والسلام۔

سعید احمد غفرلہٗ

مظاہر العلوم۔ سہارن پور

۶ر شعبان ۷۰ھ

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت اقدس کی نرمی! کہ ذرا سی لچک حضرت قاری صاحبؒ کی تحریر میں محسوس فرمائی تو اسکو ظاہر فرمادیا اور حضرت استاذی قاری صاحبؒ نے اسکو تسلیم بھی فرمالیا اس سے تو معلوم ہوا کہ حضرت والا نرم نہیں تھے بلکہ کچھ سخت ہی تھے۔

دوسرا واقعہ جو اس سلسلے میں میرے سامنے گذرا وہ یہ ہے کہ حضرت مولانا پھولپوریؒ کے کھلکر مودودیت میں حصہ لینے اور حضرت مصلح الامۃؒ کے خاموشی اختیار کرنے کی وجہ سے وطن ہی کے اطراف میں بعض حضرات نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ آخر حضرت تھانویؒ کے تو مولانا فتحپوری بھی خلیفہ ہیں وہ تو جماعت اسلامی کے متعلق کچھ نہیں فرما رہے ہیں، پھر یہ مولانا پھولپوری ہی کیوں اتنے سخت ہیں معلوم ہوتا ہے کہ انکی سختی اس جماعت کی خرابی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ خود مولانا کے اپنے مزاج ہی کی سختی کا اثر ہے۔ شدہ شدہ یہ بات کسی طرح حضرت مصلح الامت کے کانوں تک بھی پہنچی، حضرت اقدسؒ کو اس سے سخت تکلیف ہوئی فرمایا دیکھتے ہو لوگوں کو! مجھکو اور مولانا پھولپوری کو لڑانا چاہتے۔ بھائی میں ان سب باتوں میں پڑنا نہیں چاہتا اس لئے کسی کے متعلق کچھ اپنی زبان سے جلدی کہتا بھی نہیں لیکن اسکا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ مجھ میں اور مولانا پھولپوریؒ میں اس میں کچھ اختلاف ہے، ہرگز نہیں بلکہ اس جماعت کے متعلق جو حضرت مولانا پھولپوری کی رائے ہے وہ صحیح اور صائب ہے اور وہی میری بھی رائے ہے، اس مسئلہ میں میرا اور انکا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس بات کو چند دن مسلسل مجلس میں بیان فرمایا تا آنکہ اس بات کی اطراف میں شہرت ہوگئی کہ حضرت مولانا فتحپوریؒ کو حضرت مولانا پھولپوری سے جماعت مودودی کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ دونوں بزرگوں کا ایک ہی خیال ہے۔

ان دونوں واقعات میں تو قولی تصریح کے ساتھ حضرت اقدس مصلح الامۃؒ کا خیال آپ نے معلوم کیا اب حضرت والا کا ایک معاملہ بھی ملاحظہ فرمائیے اس سے بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت مصلح الامۃؒ کی تشخیص کی رو سے افراد و جماعت کا عام طور پر اور بانیٔ جماعت کا خاص کر کے مرض کیا تھا؟

اس جماعت کے بڑے بڑے لوگ یعنی مقامی امیر جماعت یا ملکی امیر جماعت بھی کبھی کبھی حضرت کے پاس ملاقات کو آجاتے تھے حضرت اقدس بھی ان حضرات سے نہایت تپاک اور اخلاق سے ملتے تھے خاطر تواضع بھی خاطر خواہ فرماتے تھے لیکن بالعموم ان کے سامنے بھی حضرت کو تسبیح لیکر پڑھتا ہی ہوا دیکھا گیا آنے والوں نے کوئی بات دریافت

کرلی تو جواب دیدیا اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ خود سے کلام کی ابتدا کرنے اور خواہ مخواہ ادھر ادھر کی بات کرنیکا حضرت کا معمول ہی نہ تھا بلکہ خلاف مزاج تھا۔ چنانچہ اسی طرح ایک مرتبہ جماعت کے ایک بڑے ذمہ دار اہل علم صاحب تشریف لائے حضرت اقدس حسب معمول خاموش بیٹھے ہوئے تھے کہ انھیں صاحب نے مہر سکوت توڑوائی یعنی عرض کیا کہ حضرت کچھ نصیحت فرمائیے ـــــ ظاہر ہے کہ اس طلب دین کے بعد پھر خاموش رہنا منصب والا کے بھی خلاف تھا اسلئے خادم سے فرمایا کہ ذرا فیض القدیر تو اٹھا لاؤ اس میں سے فوراً یہ حدیث نکالکر اس پر کچھ بیان کرنا شروع فرما دیا

فرمایا کہ دیکھئے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ارشاد فرما رہے ہیں: عن عمرؓ اخوف ما اخاف علی امتی کل منافق علیم اللسان حضرت عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے زیادہ اندیشہ مجھے "اپنی امت پر" علیم اللسان منافق کا ہے۔ ایک روایت میں بجائے اپنی امت کے "اس امت پر" کا لفظ بھی آیا ہے صاحب فیض القدیر یعنی علامہ عبدالروف مناوی" اسکی شرح میں فرماتے ہیں کہ کل منافق علیم اللسان یعنی ایسا شخص جو کہ علم کا تو جاننے والا ہو اور اس پر اسکی زبان خوب چلتی ہو لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ جاہل القلب والعمل اور فاسد العقیدہ بھی ہوگا یعنی لوگوں کو اس نے اپنی زبان کی فصاحت سے دھوکہ میں ڈال رکھا ہوگا چنانچہ اسکے ظاہر سے متاثر ہو کر خلق کثیر اس کا اتباع کریگی اور زلت و لغزش میں واقع ہو جائیگی۔ آگے فرماتے ہیں کہ اسی سے بچتے ہوئے بعض عارفین کا معمول ہی یہ تھا کہ وہ شاگردوں کے سامنے اپنے آپ کو خوب تول کر اور مخصوص حالات سے متصف ہو کر تب ہی آتے تھے کہ مبادا کسی حال میں انکا اتباع کر لیا جائے یا انکی بد حالی کیوجہ سے ان سے سوء ظنی اختیار کی جائے جسکا نتیجہ یہ ہو کہ وہ لوگ انکے حقیقی فیض سے منتفع نہ ہوں اور محروم رہ جائیں۔

علامہ حرانی کہتے ہیں کہ "خوف" کے معنی ہیں نفس کا بچانا اور احتیاط رکھنا ان امور ظاہرہ سے جو اسکے حق میں مضر ہوں۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں ؎

فساد کبیر عالم متہتک　　والکبر منه جاهل متنسک

هما فتنة للعالمین عظیمة　　لمن بهما فی دینه یتمسک

(وہ عالم جو دین کی پردہ دری کرنے والا ہو (یعنی بے عمل ہو) اور اس سے بڑھکر وہ جاہل جو عبادت گذار ہو یہ دونوں شخص اس عالم میں فتنۂ عظیم ہیں اس شخص کے حق میں جو اپنے دین میں ان میں سے کسی کا اتباع کرے)

اسکے بعد سنئے کیا فرماتے ہیں، صاحب فیض القدیر فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اس حدیث کے بیان کرنے کا سبب یہ بیان فرمایا (یعنی جس طرح سے قرآن شریف کی کسی آیت کا شان نزول اور سبب نزول کوئی واقعہ ہوا کرتا ہے اسی طرح سے اس حدیث کا واقعہ یہ ہوا کہ) احنف نامی ایک شخص جو اہل بصرہ کا سردار تھا اور ایک فصیح و بلیغ اور یہ گو عالم و فاضل شخص تھا حضرت عمرؓ کے پاس بیا آیا حضرت نے انکو ایک سال تک اپنے ہی پاس روک لیا اور وہ حضرت عمرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روزانہ صبح و شام مل لیتے تھے اور اس اثناء میں حضرت عمرؓ نے ان سے کوئی بات نامناسب نہیں مشاہدہ فرمائی (پھر سال بھر کے بعد) ایک دن انکو بلایا اور فرمایا کہ احنف جانتے ہو میں نے تم پر اپنے سے ملنے میں یہ پابندی کیوں لگادی تھی اور تمھیں آزاد کیوں نہ رکھا؟ حضرت احنف نے عرض کیا کہ نہیں میں اسکی وجہ سمجھنے سے قاصر ہوں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے یہ حدیث بیان فرمائی ہے اور پھر یہی حدیث انکو سنائی (کہ اخوف ما اخاف علی امتی کل منافق علیم اللسان) اور فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہوا تھا کہ تم بھی انھیں لوگوں میں سے ہو (جن سے اس ارشاد نبوی میں اندیشہ فرمایا گیا ہے) پس اب خدا کا شکر ہے اے احنف (تم اس سے نکل گئے)۔

ابن عساکر کی ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ یہی حضرت احنف حضرت عمرؓ کے پاس تشریف لائے اور آپ کے سامنے خطبہ دیا، حضرت عمرؓ کو انکی فصاحت و بلاغت شیریں بیانی اور حسن خطابت پسند آئی لہٰذا امتحان کے لئے ایک سال انکو اپنے ہی پاس روک لیا (یعنی کہیں آنے جانے میں اور لوگوں سے ملنے جلنے میں اور وعظ و تقریر کرنے میں پابندی لگادی (جیسا کہ آج بھی اصلاحی خانقاہوں میں مشائخ حقانی کا اپنے

مریدین کے ساتھ یہی معمول چلا آرہا ہے کہ کسی باطنی اصلاح کیلئے گفتگو اور تقریر کو مضر جانا ہے تو کچھ دنوں کے لئے اس سے روک دیا ہے یا درس و تبلیغ کو مناسب نہ جانا تو عارضی طور پر اسکو موقوف فرمادیا) اسکے بعد فرمایا کہ بھائی احنف (صاف کہتا ہوں کہ) مجھے اندیشہ تھا کہ تم بھی علیم اللسان منافق ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ہملوگوں کو بہت ڈرایا تھا لیکن اب میں خدا کی ذات سے امید کرتا ہوں کہ تم مومن مخلص ہو گئے ہو گے جاؤ اب اپنے شہر واپس چلے جاؤ (اور اب کام کرو)

(فیض القدیر ص۲۲۲ ج ۱)

سبحان اللہ! حضرت عمرؓ نے سبب تحدیث بیان فرما کر مضمون حدیث میں چار چاند لگا دیئے حدیث شریف کا مطلب نہایت واضح ہو گیا اس واقعہ سے حضرت عمرؓ کی حق گوئی اور صاف گوئی کسقدر نمایاں ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ اتباع سنت کی برکت سے بزرگان دین کے اندر بھی حق بات کے پہونچا دینے کی کیسی قوت جرأت اور ہمت پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ حضرت اقدسؒ کے اس واقعہ خطاب سے خوب ظاہر ہے۔ صاف صاف فرمادیا کہ زبان و قلم بھی کبھی کبھی انسان کیلئے سبب فتنہ بن جاتے ہیں اسکو سمجھنے کی ضرورت ہے ایسا نہو کہ علم اور دین صرف زبان ہی زبان پر رہ جائے اور قلب اس سے خالی ہو۔ ہر عالم، مبلغ اور مصلح اس امر کو استحضار رکھنے کا مکلف ہے اور اگر اس میں کچھ کسر پائے تو اسکو اپنی اصلاح کی جانب توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ حضرت اقدسؒ نے اس بات کے کہدینے میں کسی مصلحت اور کسی رورعایت کو راہ نہ دیکر کھلکر حق بات ان امیر صاحب سے سے بھی فرمادی اور چونکہ اخلاص کے ساتھ فرمائی تھی اسلئے ان پر فی الفور اسکا اثر بھی ہوا چنانچہ انھوں نے اپنی جیب سے ڈائری نکالکر کتاب کا صفحہ اور اسکا تھوڑا سا مضمون نقل بھی کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے حق میں ایک کشش رکھی ہے ناممکن ہے کہ کوئی حق بات اخلاص کے ساتھ دل سے کہی جائے اور وہ اثر سے خالی ہو۔

میں نے کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ حضرت حسن بصریؒ کا گذر ایک جوان کے پاس سے ہوا جو قہقہہ لگا رہا تھا حضرت کو اسکے اس طرح سے ہنسنے میں غفلت کی بو محسوس ہوئی

اس سے فرمایا ارے میاں صاحبزادے ذرا سنو تو سہی کیا تم نے پل صراط عبور کر لیا ہے اس نے کہا نہیں تو زندگی میں پل صراط کہاں وہ تو مرنے کے بعد پیش آتا ہے، فرمایا کہ اچھا تو پھر تمہیں شاید اپنا انجام معلوم ہو گیا ہوگا کہ جنت میں جانا ہے یا جہنم میں کہا نہیں فرمایا کہ تو پھر یہ ہنسی کیسی؟ یعنی ایسے امور مہمہ تمہارے سامنے ہیں پھر تم کیسے ہنسے۔ بیان کرتے ہیں کہ اسکے بعد سے پھر وہ نوجوان کبھی ہنستا ہوا نہیں دیکھا گیا یعنی حضرت حسن بصریؒ کی یہ نصیحت کارگر ہو گئی اور اسکے بعد سے اس نے ہنسنے سے توبہ ہی کر لی۔ یہی حال اگلے زمانے کے علماء کا تھا کہ بات مختصر فرماتے مگر برمحل جس سے لوگوں کو نفع ہو جاتا تھا اور اب لوگ کیسی کیسی باتیں کرتے ہیں مگر نفع سے وہ خالی ہوتی ہیں، وجہ اسکی یہ ہے کہ لوگ خود عمل سے اور اثر سے خالی ہوتے ہیں۔

حضرت مصلح الامۃؒ کی اس گفتگو کو جب بھی سوچتا ہوں تو عش عش کر کے رہ جاتا ہوں کہ سبحان اللہ کیا موقع شناسی تھی اور کیسی حقانیت اور للٰہیت تھی کہ ساری مصالح ایک طرف اور حق کی اشاعت کا جذبہ ایک طرف۔ ہم لوگوں کے لئے بزرگوں کے حالات میں یہی امور سبق لینے کے ہیں اور یہی ہے کہ جب ایسا جذبہ اور اتنی بے لوثی اور کلام میں اتنی شوکت ہوتی ہے تب ہی کام بھی بنتا ہے یعنی وہ بات اثر انداز بھی ہوتی ہے اور قائل کی اس پختگی اور رسوخ کو ہر مخاطب فوراً محسوس بھی کر لیتا ہے۔

بات کچھ طویل ضرور ہو گئی لیکن موجودہ حالات میں ضرورت تھی اس وضاحت کی اس لئے اجمال اور اشارہ پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ باقی یہ بھی صحیح ہے کہ رسالہ کے یہ صفحات کسی جماعت پر نقد و تبصرہ کے بھی متحمل نہیں ہیں اور نہ یہ ہمارے رسالہ کا موضوع ہی ہے (اور جو صفحات کہ اسکا موضوع اور میدان ہیں ان میں اس مسئلہ پر خوب خوب گفتگو کی جا چکی ہے ارباب خبرت پر وہ مخفی نہیں ہے)، تاہم ہمارے پیش نظر جو مقصود تھا وہ صرف یہ کہ حضرت اقدسؒ کے روابط تو کم و بیش سب ہی حضرات سے رہے ہیں کہیں اسکو حضرت والا کی جانب سے انکے مشرب و خیالات کی تائید اور موافقت میں نہ استعمال کیا جانے لگے اسلئے جب بات آ گئی تو اسکی قدرے تفصیل ضروری معلوم ہوئی اور اسلئے بھی کہ حضرت مصلح الامۃ کے متعلقین اور

متبعین میں سے بہت سے حضرات کیلئے حضرت کا طریقہ ہی آئندہ شمع راہ ہوگا تو کم از کم انکو تو معلوم رہے کہ حضرت والا کا خیال کس جماعت کے متعلق کیا تھا اسلئے بھی صاف صاف بیان کرنے کی ضرورت پڑی جسکا حاصل یہ تھا کہ حضرت اقدس کو مودودی جماعت کے نہ مقصد ہی سے اتفاق تھا اور نہ اسکے طریق کار ہی سے آپ متفق تھے لہٰذا عوام الناس میں سے جو لوگ کہ تحقیق کے درجہ تک نہیں پہونچے ہیں تو انکے لئے تو بس یہی کافی ہے کہ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا اس جماعت سے کچھ بھی تعلق نہیں تھا اور اس میں شک نہیں کہ آج ایک بڑی جماعت ایسے ہی لوگوں کی ہے جو تحقیق کے مقام تک نہیں پہونچ سکے ہیں۔ اور جو حضرات اپنے کو مقام تحقیق پر فائز سمجھتے ہوں حضرت مصلح الامۃؒ کا ایسوں سے ایک اصولی جواب یہ ہوتا تھا کہ میرا اپنا جو طریقہ ہے وہ آپ کے سامنے ہے باقی اسکے علاوہ آپکو اگر دوسرا کوئی طریقہ محقق ہو تو ہر شخص کو اپنے دین کا اختیار اور ہر شخص اپنے تدین کا خود ذمہ دار ہے۔ خدا نے عقل دی ہے علم دیا ہے تدین اور تمیز دی ہے اسکو بروئے کار لائیے اور پھر دیانۃً جو طریقہ پسند ہو اسکو اختیار کیجئے اسکے آپ خود ذمہ دار ہیں۔ وما علینا الا البلاغ۔

حضرت مصلح الامۃؒ کے دور سے پہلے دین کا جو کام ہوتا چلا آرہا تھا وہ کسی مخصوص نظام، کمیٹی، جماعت اور کسی خاص دستور و آئین سے محدود نہ تھا بلکہ جماعت سب کی اسلام تھی اور نظام سب کا شریعت تھا اسلام کے اصول و فروع سب کے پیش نظر تھے اسی کی ترویج و اشاعت سب اہل دین کا مطمح نظر رہا کرتی تھی لیکن دین کے شعبے چونکہ بکثرت تھے اسلئے اسکے شعبوں کے لئے الگ الگ حضرات اور جماعت کا ہونا ناگزیر تھا چنانچہ اسی ضرورت کے پیش نظر مدارس اور خوانق کے سلسلے علٰحدہ علٰحدہ قائم ہوئے اول نے علوم ظاہر کی تعلیم و تکمیل اور ثانی نے امور باطنہ یعنی اخلاص و اخلاق کی تحصیل کو اپنا اپنا وظیفہ بنایا اہل زیغ نے اس موقع سے کچھ ناجائز فائدہ اٹھانا چاہا اور یہ راگ الاپنا شروع کیا کہ شریعت اور ہے اور طریقت اور ہے اور اسکے ذریعہ کوشش کی کہ لوگوں کے قلوب سے شریعت کی عظمت ہی نکالدیں اور علم الاخلاص والاحسان

یعنی تصوف کو ایک بازیچۂ اطفال بنا لیا گیا یعنی اہل محبت اور حقیقی اہل اللہ کی بس ظاہری مشابہت اختیار کرکے اس شعبۂ دین کو بس دنیا طلبی کا ایک ذریعہ بنا لیا گیا اور اس میں شک نہیں کہ اس طبقے سے اسلام کو سخت نقصان پہونچا اسلئے اس سے اسلام کو بچانے کے لئے مسلمانوں ہی کے ایک طبقہ نے تو یہ کیا کہ علم احسان یعنی تصوف ہی کا سرے سے انکار کردیا اور خوب خوب طریق کا استہزار اور اہل طریق کا مذاق اڑایا اور اس طرح سے اسکی مذمت کی کہ اہل ہویٰ کے ساتھ ساتھ اہل حق کا بھی انکار کردیا۔ لیکن محققین نے ہر زمانہ میں اس قسم کے زعم باطل کی اصلاح فرمائی ہے اور علمار حق اور علمار سو کی طرح مشائخ حقہ اور مشائخ سور کے مابین بھی فرق قائم کیا ہے۔ چنانچہ قاضی ثنار اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ نے اس زیغ سے امت کو نکالنے کیلئے یہ فرمایا کہ :۔

"خیال نباید کرد کہ حقیقت خلاف شریعت است کہ ایں سخن جہل و کفر است"

(مالا بدمنہ)

یعنی یہ بات وہم و خیال میں بھی نہیں لانی چاہیئے کہ حقیقت (طریقت) شریعت کے مخالف کوئی شے ہے کہ یہ خیال نہ صرف یہ کہ ناشی از جہل ہی ہے بلکہ کفر بھی ہے (نعوذ باللہ منہ)

غرض ہر جگہ لوگ تبلیغ دین کا جس طرح کام کرتے تھے وہ کسی جماعت یا نظام کا پابند نہ ہوتا تھا یوں تعیین کیلئے زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا تھا کہ ایک مشرب اور ایک خیال کے لوگوں کو انکے شیخ و مرشد یا انکے استاد کیجانب منسوب کردیا جاتا تھا باقی اس سے مقصد کبھی یہ نہ ہوتا تھا کہ بس یہی جماعت تو حق ہے اور دوسرے لوگوں کو اپنے متعلق یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ فما ذا بعد الحق الا الضلال یعنی دوسرے سب لوگ بے راہ اور گمراہ ہیں۔

پھر انگریزوں کے ہندوستان میں آنے کے بعد ایک طرف تو یہاں ملکی اور سیاسی ہماہمی شروع ہوگئی اور اس سلسلہ میں وہ جو تحفہ یورپ سے لایا تھا اس سے یہاں کے لوگوں کو بھی نوازا اور دوسری جانب ہر شخص کا مزاج ایک مخصوص نظم و ضبط اور پروگرام کا خواہاں بن گیا اور یوں اسلام سے بڑھکر نظم و ضبط کس نے سکھلایا ہے

تاہم عرض یہ کرنا ہے کہ جہاں اسلام نے آزادی بھی دی تھی اور وسعت کار کا معاملہ فرمایا تھا اس کو بھی مخصوص نظم کے تابع کر دیا گیا ایسا کہ اس سے علیٰحدگی قابل انکار و اعتراض بن گئی چنانچہ سیاسی چاشنی کے ساتھ ساتھ دین اور اسلام کا نام لیکر ایک جماعت نے اپنا منظم کام شروع کیا اور اپنا نام "جماعت اسلامی" رکھا ہمارے اسلاف کو چونکہ اس جماعت سے اختلاف تھا اسکے نظریات اور خیالات پر علماء کیجانب سے تردید بھی کی گئی چنانچہ گذشتہ صفحات میں حضرت مصلح الامۃ رحمۃ اللہ علیہ کے خیالات کی ترجمانی آپ کے سامنے ہے اب ظاہر ہے کہ ردو قدح اور مذمت کا تعلق لفظ "جماعت اسلامی" کے ساتھ جوڑنا طبعاً مکروہ سا معلوم ہوا اسلئے ہم نے جہاں کہیں اس جماعت کا نام لیا ہے تو وہ "مودودی جماعت" کے ساتھ لیا ہے کیونکہ جناب ابوالاعلیٰ مودودی صاحب ہی اس جماعت کی عقل کل تھے اور دوسرے لوگ تو کلاً یا جزواً اصولاً یا فروعاً انھیں کے خوشہ چیں اور مقلد ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عارف باللہ امام ربانی حضرت ابو حنیفہ النعمان کی تقلید کا انکار اور ائمہ اربعہ کی تقلید کا مذاق اور استہزاء کرنے والوں کو ایک ایسی ذات کا مقلد بنا دیا جو بالفاظِ خود نہ مسٹر تھے نہ مولانا بلکہ بیچ کی راس کے ایک آدمی تھے۔ فیاللعجب۔

حضرت مصلح الامۃ رحمۃ اللہ علیہ کا سابقہ ایک تو اس جماعت سے پڑا جس کے متعلق حضرت اقدس کے خیالات گذشتہ صفحات میں ظاہر کئے جا چکے ہیں ——— اور اس سے کچھ قبل ہندوستان میں مسلمانوں کی عام بے راہ روی اور انکے دینی انحطاط کا احساس کر کے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغ دین کا ایک آزمودہ اور مفید نظام کار متعین فرمایا حضرت کے سامنے بزرگوں کی خانقاہیں بھی تھیں جو دوکان معرفت سمجھی جاتی تھیں اور اکابر کے قائم کردہ مدارس دینیہ بھی تھے جنکو اب تک دین کے قلعے کہا جاتا ہے، بلکہ خود حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ان دونوں سلسلوں سے فیض یاب تھے اسلئے ان کی افادیت کی نفی یا انکی ضرورت کا انکار کئے بغیر محض یہ خیال کر کے کہ آج یہ کام جتنا بھی ہو رہا ہے کم پیمانہ پر ہو رہا ہے (کیونکہ آج کتنے لوگ ہیں جو اہل حق کے مدارس سے مستفید ہو رہے ہیں اور کتنے لوگ ہیں جنکو خانقاہ کا فیض پہونچ رہا ہے بلکہ خود اہل حق کے خوانق بھی کتنی تعداد میں موجود ہیں؟

اور جو کچھ موجود بھی ہیں وہ کافی نہیں ہیں کیونکہ ضرورت سے بڑے پیمانہ پر دینی کام ہونے کی اسلئے کہ گمراہی بھی تیزی کے ساتھ بڑھتی جارہی ہے اور ہدایت کے یہ چراغ بہت کم تعداد میں ہیں۔ چنانچہ ضلالات زمانہ کا مقابلہ کرنے کیلئے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نظام اور طریق کار اپنے تجربہ اور صوابدید کے مطابق تجویز فرمایا جس سے مقصد نہ تو یہ تھا کہ اب سب مدارس دینیہ بیکار ہیں اور نہ یہ تھا کہ خانقاہیں اب لغو اور بے سود ہیں بلکہ حضرت مولانا دہلوی یہی چاہتے تھے کہ ہدایت کے یہ چراغ جو روشن ہیں یعنی مدارس دینیہ اور بزرگوں کی جگہیں وہ تو بدستور ضوفشانی کرتی رہیں باقی انکے علاوہ مسلمانوں کی اور جو محافل مجالس انکے ہوٹل، چوپال اور دیگر اسی قسم کے غیر ضروری انکے اجتماعات آج جن لغویات اور دینی جہالات کا شکار ہوتے جارہے ہیں یہ بھی کچھ دین پر لگیں اور علماء و فضلاء اور جو لوگ کہ اہل ہوں وہ کچھ توجہ ان لوگوں پر بھی رکھیں اور اپنے مشاغل خاصہ کا حرج کئے بغیر کچھ موقع انکے لئے بھی نکالیں یعنی ان میں طلب دین پیدا کریں تاکہ دین کے یہ دونوں مراکز یعنی مدارس اور خوانق اور زیادہ بارونق ہوسکیں اور انکے قیام سے جو مقصد ہے وہ علیٰ وجہ الاتم پورا ہوسکے

غرض انھیں اصولوں پر حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے تبلیغ کا کام شروع فرمایا اور اسمیں شک نہیں کہ بڑا کام ہوا چنانچہ تبلیغ کا یہ نظام حضرت مولانا دہلویؒ کی حیات ہی میں کافی شہرت حاصل کرچکا تھا جسکا علم حکیم الامۃ حضرت مولانا تھانویؒ کو بھی پورے طور پر تھا اور آپ کے بعد حضرت مصلح الامۃ کے سامنے بھی جماعت کا یہ کام رہا لیکن حضرت حکیم الامۃؒ اور انکے بعد حضرت مصلح الامۃؒ کا خدمت دین کے باب میں اپنا جو طریق کار تھا اس پر یہ حضرات پابندی کے ساتھ کاربند رہے اور ان حضرات نے اپنی زبان سے کسی موقعہ پر اگر اہل تبلیغ کی خدمات اور انکی سرگرمیوں کی تحسین بھی فرمائی ہے تو اسکے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اپنے مخصوص کام میں کبھی کچھ فرق نہیں آنے دیا چنانچہ حضرت مصلح الامۃؒ جو کہ اپنے وقت میں جانشین حکیم الامۃ کہلائے جب آپ کا زمانہ آیا تو جماعت کے اصاغر و اکابر سب ہی کا حضرت مصلح الامۃؒ سے برابر ملنا ہوتا رہا باہر کی جماعتیں بھی کبھی کبھی زیارت و ملاقات کیلئے خدمت والا میں جہاں بھی حضرت رہے حاضر ہوتی رہیں، آپ علماء و فضلاء کرام سے نہایت ہی محبت اور احترام کے ساتھ ملتے اور عوام کے

ساتھ بھی غایت شفقت اور تلطف سے پیش آتے۔ درخواست پر ان کیلئے خلوص کی دعا فرماتے۔ اور کبھی کبھی ان سے مسلمانوں کے دینی نفع کے واقعات سنکر اس پر اپنی مسرت کا بھی اظہار فرماتے۔

چونکہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ بقول حضرت مصلح الامۃ اپنے اکابر میں سے تھے اور اپنے ایک اصول کے ساتھ ایک طریق کار پر لوگوں کو دین پر لگانے کی سعی فرما رہے تھے اور خلق خدا کو اس سے نفع بھی ہو رہا تھا ظاہر ہے کہ اس صورت میں اس کام سے کسی اہل حق کو اختلاف کرنے کی کیا گنجائش تھی اور ایک نیک کام سے بھلا کوئی بھی دیندار کیوں مزاحمت کرنا پسند کرتا اور اس سے کیونکر آویزش کرتا، اسلئے جماعت اپنا کام کرتی رہی اور حضرت مصلح الامۃؒ اپنا کام کرتے رہے۔ باقی یہ ضرور ہے کہ حضرت مصلح الامۃ کا بنیادی نظریہ (جیساکہ آپ کی تعلیمات و ہدایات کی روشنی میں آپ آئندہ عنقریب ملاحظہ فرمائیں گے) یہ تھا کہ اشاعت دین اور تبلیغ دین کے بہت سے شعبے ہیں اور اسکے مختلف طریق کار ہو سکتے ہیں لہذا جس کو جو طریقہ آسان معلوم ہو وہ اس میں لگے اور جو جس کام کا اہل ہو وہ اسکو کرے چنانچہ دین کے سب ہی سلسلوں کو جنھیں اسلاف نے ہم تک پہونچایا ہے خواہ وہ مدارس ہوں یا خوانق ہوں یا تبلیغی ادارے ہوں اسی طرح چلنا چاہیئے جس طرح سے کہ وہ ابتک چلے آئے ہیں اور چونکہ یہ سب کے سب مہتم بالشان امور ہیں اسلئے ان میں سے ہر ہر کام کے لئے کچھ مخصوص لوگ بھی ہونے چاہئیں اور ہر ایک کو مستقل ہی چلنا چاہیئے تبعاً یا ضمناً کسی دوسرے کے ساتھ چلنے میں یہ سب ہی امور ناقص اور ناتمام رہ جائیں گے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ دینی عربی مدارس میں انگریزی اسباق کی تعلیم ہمارے اسلاف کو پسند نہ تھی فرماتے تھے کہ آگے چلکر دین مغلوب ہو جائے گا اور دنیا غالب آجائیگی اور مقصود حاصل نہو گا چنانچہ آج جن انگریزی مدارس میں صرف دینیات کا گھنٹہ موجود ہے یا جن عربی درسگاہوں میں انگریزی بھی شامل ہے وہاں کا حال آپ کے سامنے ہے کہ دین کا وہاں نام نہیں یا برائے نام ہی موجود ہے۔

اور دوسرے دینی کام کرنے والوں میں سے بعض حضرات کے حالات اور اقوال سے حضرت اقدسؒ کو کچھ ایسا اندازہ لگا شاید یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ہر شخص اور ہر ادارے کو

آج بس یہی کام ہی کرنا چاہیئے۔ چنانچہ ایک مولوی صاحب نے ایک مرتبہ بہت طول طویل تمہید بیان کر کے حضرت مصلح الامۃؒ سے یہ سوال کیا کہ :-

(۱) کیا واقعی حضرت اقدس حکیم الامۃ تھانویؒ جماعت تبلیغی سے اختلاف رکھتے تھے؟

(۲) اور کیا آپ بھی اختلاف رکھتے ہیں اور وہ اختلاف کس نوعیت کا ہے؟

حضرت والا نے ان صاحب کو یہ جواب مرحمت فرمایا :-

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ ایسے استفسارات پہلے (بھی) یہاں آئے ہیں انکا جواب دیا گیا ہے، آپ نے بھی یہی کیا ہے۔ آپ جیسے حضرات سے یہ امر تعجب خیز ہے۔ یہ تبلیغ آج سے نہیں ہے ایک زمانۂ دراز اس پر گذر چکا ہے اور اب یہ عروج پر ہے۔ جب علماء اس میں شریک ہیں انھوں نے اسکی ضرورت کو اور اسکی شرعی حیثیت کو مدنظر رکھکر اس کام کو عمل میں لایا ہوگا اور یہ بات روز روشن کی طرح واضح اور لائح ہے اسکے بعد سوال کی (اور پھر ہم جیسے لوگوں سے) کیا حاجت باقی رہ جاتی ہے۔ کام مقصود ہے اور اسکو شرعی طریقہ سے کرنا ہے اور علماء دونوں کو جانتے ہیں پھر انکی تقلید کو جو ضروری سمجھ رہا ہے اس پر انکی تقلید ضروری ہے۔

جو (شخص کوئی) کام کرتا ہے اسکی اہمیت کو وہ عمل سے پہلے اور شرعی نقطۂ نظر سے اسکو سمجھ لیتا ہے بس یہ دونوں پہلو پیش ہیں پھر اب سوال کی حاجت نہیں۔ سوال عمل سے پہلے ہوتا ہے اور اب اس سوال سے فائدہ کیا ہے؟ اب تبلیغ اپنے عروج پر ہے وہ روز بروز بڑھتی رہیگی جو اس کے موافق ہو خلوص سے اسکو عمل میں لانا چاہیئے، سوال سے تردد کا پتہ چلتا ہے کہ ابھی عمل کے جواز میں تردد ہے۔ یا سب کو اسمیں شریک کرنا چاہتا ہے۔ بہت سے کام ہیں اور ضروری ہیں سب کو کرنا ہے ایک جماعت اسکے لئے بھی ہونا ضروری ہے وبس اور حدود شرع کا پاس و لحاظ ہر جماعت کو ضروری ہے۔ والسلام

وصی اللہ عفی عنہ

حضرت اقدسؒ کا جواب ملاحظہ فرمائیے اور اس سے ذرا پہلے حضرتؒ کا جو خیال عرض کیا گیا ہے اسکو ایک بار پھر پڑھ لیجئے اور دیکھئے کہ اس بیان سے بھی وہی حقیقت معلوم ہوئی یا کچھ اور چنانچہ ہمارا مقصد ان سطور میں صرف حضرت اقدس کے خیالات اور طریق کا پر روشنی ہی ڈالنا ہے کہ شاید کسی طالب حق کو اس سے کچھ رہنمائی حاصل ہو سکے اور بعد والوں میں سے کسی پر حضرت کا طریق مشتبہ اور مخفی نہ رہے چنانچہ امید ہے کہ حضرت اقدس سے صحیح تعلق و محبت رکھنے والے اسکی قدر کریں گے۔

چنانچہ مذکورہ بالا جواب کسی شرح و بسط کا محتاج تو نہ تھا لیکن مزاج والا سے ناواقف اور حضرتؒ کے انداز کلام سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے شاید بات کسی پر واضح نہ ہو سکی ہو اسلئے عرض ہے کہ۔ حضرت نے یہ جواب انتہائی اضطرار اور مجبوری کی حالت میں تحریر فرمایا تھا کیونکہ سائل نے سوال سے پہلے ایک طویل تمہید ایسی ذکر کردی تھی کہ جسکی وجہ سے ایک طرح سے حضرت والا کو گویا مجبور و مقید کر دیا گیا تھا کہ وہ جماعت کی تائید میں اپنا نہایت مؤکد اور واضح بیان عنایت فرمادیں اور حضرت اقدس اسمیں پڑنا نہیں چاہتے تھے کہ مبادا لوگ اس کو فتنہ بنالیں مگر سوال کا جواب بھی دینا ضروری تھا تاکہ لوگ کسی غلط فہمی میں نہ پڑیں اس لئے بہت سنبھل کر اور بہت غور و فکر کے بعد تول تول کر یہ چند الفاظ تحریر فرمائے (جو کہ کسی جگہ شایع بھی ہو چکے ہیں) یہی وجہ ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے اسکو شروع فرمایا ورنہ خط کے جواب میں اس طرح بسم اللہ لکھنے کا حضرت کا کبھی معمول نہ تھا۔ پھر ابنائے زمانہ کے فہم و خلوص کا حضرت کو خوب خوب تجربہ تھا اس لئے کسی کے سوال کا منشا اور اسکی توقع کا بھی حال جانتے تھے لیکن کوئی موقع ایسا بھی آجاتا ہے کہ سائل کی توقع بھی نہیں پوری کیجا سکتی اور اپنی رائے کا کھلکر اظہار بھی قرین مصلحت نہیں ہوتا یہ وقت ایک مصلح اور حکیم کے لئے انتہائی ضیق کا ہوتا ہے، بس اسی کو راقم نے سابق میں اضطراب سے تعبیر کیا ہے۔ یہ سب حالات تو ہمارے سامنے گذرے ہیں ہم پر اعتماد ہو تو سن لیجئے کہ حضرت والا نے مجبور ہو کر یہ تحریر لکھی تھی چنانچہ عدم بشاشت کا اندازہ ان فقروں کی نشست میں موجود ہے جو ادنیٰ تامل ہر پڑھنے والے کو معلوم ہو سکتا ہے۔ سوال پر تعجب فرمانا۔ پھر اپنے سے پوچھے جانے پر راضی نہ ہونا۔ اصولی بات ارشاد فرمادینا کہ کام مقصود ہے

اور طریقہ اسکا شرعی ہونا چاہیئے۔ اور یہ فرمانا کہ ہر عالم کا جو مقلد ہو اسکے لئے اپنے معتقد فیہ کے طریق کا اتباع لازم ہے غیر کے لئے نہیں۔ اور آگے تبلیغ کے عروج پر ہونے کا ذکر کرکے فرمایا کہ جو اسکے موافق ہو خلوص سے اسکو عمل میں لانا چاہیئے۔ معلوم ہوا کسی خاص طریق کا رسے اختلاف بھی ممکن ہے اور ہر ایک پر کسی ایک طریق کا اتباع لازم نہیں ہے۔ چنانچہ آگے یہ جو فرمایا یا سب کو اس میں شامل کرنا چاہتا ہے، یہ عنوان ہی حضرت اقدسؒ کے تیور کا ترجمان ہے کہ سائل کی یہ بات قطعی ناپسند فرمائی جا رہی ہے یعنی وہ ایسا کیوں چاہتا ہے یہ خیال اس کا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ کام بہت ہیں اور ضروری ہیں اور سب کو کرنا ہے۔ ہاں ایک جماعت اسکے لئے (یعنی تبلیغ کیلئے) بھی ہونا ضروری ہے۔ باقی رہا حدود شرع کا پاس و لحاظ تو وہ ہر جماعت کے لئے لازم ہے چاہے وہ اہل مدارس ہوں یا اہل خوانق ہوں یا کوئی ہو۔ حاصل اس جواب کا راقم نے تو یہی سمجھا کہ:۔

(۱) نفس تبلیغ ضروری ہے

(۲) اس کے لئے بھی ایک جماعت کا ہونا لازم ہے۔

(۳) دین کے بہت سے شعبے ہیں اور سب ضروری ہیں سب کو کرنا ہے۔

(۴) مقصود کام ہے اور شریعت کی حد کے اندر اور اخلاص کے ساتھ کرنا چاہیئے

(۵) کسی جماعت کو دوسرے کام کرنے والی جماعت کی من حیثیت الجماعۃ مذمت نہیں کرنی چاہیئے

اگر تحریر سے حضرت والا کا واقعۃً یہی مقصود ہے جو عرض کیا گیا تو فبہا اسکا اظہار کچھ جرم نہیں ورنہ ہر شخص اپنے فہم کا مکلف ہے اور اس میں اسکی دیانت کا اعتبار ہے۔

بہر حال تبلیغ کا جو کام ہو رہا تھا ظاہر ہے کہ حضرت والا اسکی مخالفت کیوں کرتے اور یہ اتنا بھی شاید نہ فرماتے اگر ان سے سوال نہ کیا جاتا یا بقول حضرت والا انکو چھیڑا نہ جاتا۔ کیونکہ اصل کار تو متفق علیہ تھا جو سوال کا محتاج نہ تھا اور طریق کار میں سب لوگوں کا متفق ہونا کچھ ضروری نہ تھا اسلئے اسکی سعی لاحاصل تھی لیکن اس سے بھی شاید انکار نہ کیا جاسکے کہ جماعت کا مسلک نہ سہی اور اسکے ارباب حل و عقد کا خیال چاہے ایسا بالکل نہ ہو (اور حضرت اقدسؒ بھی جانتے تھے کہ یقیناً ایسا نہیں ہے) مگر یہ کہ بعد میں چل کر بعض پر جوش ناتجربہ کار اور کم علم لوگوں نے

اس باب میں غلو سے کام لینا شروع کر دیا تھا چنانچہ انکی جانب سے اپنے کام کی ترویج کیلئے اور دوسرے کاموں کی تقبیح کا طریقہ عمل میں لایا جانا شروع ہو چکا تھا اسکی اطلاع وقتاً فوقتاً حضرت مصلح الامۃ کو بھی ہوتی رہتی تھی لیکن آپ کا عام طریقہ یہی تھا کہ اسکی جانب سے بالکل صرفِ نظر فرما رکھا تھا اور ان لوگوں کی اصلاح ان کے خواص ہی سے متعلق سمجھ لیا تھا۔ یہ فرماتے تھے کہ یہ وقت بولنے کا نہیں ہے کسی دوسرے شخص کی اصلاح کو یہ لوگ اختلاف سے تعبیر کریں گے اسلئے مناسب ہے کہ جماعت کے مخصوص حضرات ہی اسکی اصلاح فرمائیں۔

بایں ہمہ کبھی کبھی اپنے لوگوں سے جب اس قسم کی باتیں سنتے تھے اور یہ سمجھ لیتے تھے کہ اسکو ناگوار نہ ہوگا تو اس سے اس سلسلہ میں کبھی کچھ تیز تیز بھی فرما دیا کرتے تھے۔ چنانچہ میرے ایک دوست مجھ سے خود بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ اہل الہ آباد نے تبلیغی کام سیکھنے کے لئے مجھے اور تمھارے والد صاحب مرحوم کو الہ آباد والوں کی طرف سے جماعت میں بھیجا، ساتھ ایک ایسی جماعت کا ہوا جس میں ماسٹر محمد ابراہیم صاحب الہ آبادی، صوفی عبدالرب صاحب مرحوم اور حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ بھی تھے۔ اعظم گڈھ کے ضلع میں مبارک پور، مئو وغیرہ ہمارے کام کا حلقہ تجویز ہوا کام کرتے کرتے جب ہم لوگ مئو پہونچے تو قریب ہونے کیوجہ سے میں حضرت مصلح الامۃ مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کی خدمت میں بغرض زیارت و ملاقات حاضر ہوا (یہ حضرت والا سے اپنا باقاعدہ اصلاحی تعلق ہونے سے پہلے کی بات ہے) میں نے اپنا تعارف کرایا اور حضرت مولانا تھانوی سے اپنی عقیدت اور حضرت کے طریقہ سے اپنی قلبی مناسبت کا ذکر کیا اور اس کے بعد اپنی طالبعلمانہ شوخی کی وجہ سے حضرت اقدس کے سامنے اپنی اس تبلیغی مساعی کا حال، تبلیغ کے منافع اور اس زمانے میں اس طرح پہ کام کرنے کی ضرورت وغیرہ امور پر ایک مفصل اور اپنی دانست میں مدلل تقریر کی حضرت والا میری ساری تقریر تسبیح پڑھتے ہوئے اور مسکراتے ہوئے سنتے رہے اور جب میں اپنی تقریر ختم کر چکا تو حضرت نے مختلف کتابوں سے عبارات نکال نکال کر میری ایک ایک دلیل کا نہایت ہی مسکت جواب دیا گو درمیان درمیان میں حضرت کے ارشادات پر معارضات بھی پیش کرتا رہا لیکن بالآخر حضرت کے دلائل کے آگے مجھے چپ ہی ہو جانا پڑا۔ حضرت والا چونکہ یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ اسکے دل کی آواز نہیں ہے

بلکہ ان لوگوں سے جو کچھ سنا ہے اسی سے متاثر ہے اس لئے میری خاموشی کے بعد یہ بھی فرمایا کہ آپ لوگ مجھ سے گفتگو کریں تو میں انھیں بتاؤں (یعنی صحیح طریق کار) اور تبلیغ کا معیار اور اسکے اصول انھیں سمجھاؤں آخر میں یہ بھی تو حضرت مولانا کے یہاں رہ کر کچھ سیکھا ہے" انتہیٰ۔

اس گفتگو کے نقل کرنے سے غرض یہ ہے کہ بلا وجہ حضرت اقدسؒ نے جماعت اور اسکے کام سے کبھی منازعت اور مزاحمت نہ خود فرمائی اور نہ اپنے لوگوں سے پسند فرمائی لیکن جب کوئی موقع ایسا آپڑا ہے کہ جس سے کسی طالب کے غلط فہمی میں پڑ جانے کا اندیشہ ہوا ہے تو اس سے نکالنا بھی حضرت اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے، یہ بھی صحیح ہے۔ چنانچہ اسی دور کا ذکر ہے کہ ہندوستان کے ایک مشہور عالم جو کہ تبلیغ کے سرگرم کارکن بھی تھے انھوں نے ایکمرتبہ حضرت اقدسؒ کو خط لکھا، مضمون اپنے تبلیغی مرکز اور اسکے کام کے لئے دعا کرانا اور خود حضرت والاؒ کو بھی تحریک کی جانب ادب کے ساتھ متوجہ کرنا تھا۔ ان محترم کا خط تو نہ مل سکا بہرحال جواب ملاحظہ ہو (اسی سے مضمون خط کی جانب بھی رہنمائی ہو جائے گی) ان کے جواب میں تحریر فرمایا

مکرمی و محترمی دامت عنایاتکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بحمداللہ بعافیت ہوں۔ یاد آوری نے ممنون فرمایا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ خیرالجزاء واکملہ۔ میں نے کچھ روز سے معمول بنالیا ہے کہ علماء کے لئے نیز مدارس اسلامیہ کے لئے وحفاظتِ شریعتِ مقدسہ کے لئے بالخصوص اور تمام امت محمدیہ (علی صاحبہا التحیۃ) کے اتباع شریعت کیلئے بالعموم دعا کیا کرتا ہوں۔ جناب والا کے تبلیغی مرکز کے بقاء و ترقی کے لئے بھی دعا کیا کرونگا تعمیلاً للارشاد۔ کتاب ابھی نہیں پہونچی۔ کسی اہل کے پاس پہونچتی تو زیادہ قدر و انتفاع کی امید تھی بہرکیف دل سے قبول کرونگا اور منتفع ہونے کی کوشش کرونگا۔ آخر میں (جناب نے) یہ فرمایا ہے کہ ——— "درحقیقت یہ تحریک غیر طالبین کی دینی تعلیم و تربیت کا ایک نظام ہے یا بالفاظ دیگر یہ کہ غافلوں میں طلب اور فکر پیدا کرنے کی ایک منظم کوشش ہے" ——— اسکے متعلق یہ عرض ہے کہ "فی المشکوٰۃ عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعم الرجل الفقیہ فی الدین ان احتیج الیہ نفع وان استغنی عنہ اغنا نفسہ رواہ رزین

(مشکوٰۃ میں ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ کیا ہی اچھا

وہ عالم دین ہے کہ جنکی جانب اگر لوگ احتیاج ظاہر کریں تو وہ انکو نفع پہونچائے اور اگر اس سے استغنیٰ برتیں تو وہ بھی اُن سے بے نیاز ہوکر اپنا کام کرے (تو) اگر کوئی اس حدیث پر عمل کرے تو ملوم نہ ہوگا۔

(نیز) حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کی دو جماعتیں ایسی ہیں کہ جب وہ درست ہوں گی تو سب آدمی درست ہو جائیں گے اور جب وہ فاسد ہوں گی تو سب آدمی فاسد ہو جائیں گے ایک جماعت امراء وملوک (کی ہے) دوسری (جماعت) علماء کی ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ عوام کی اصلاح موقوف ہے خواص کی اصلاح پر وانی لنا۔

اور جو امور غیر اختیاری ہیں انمیں بجز الحاح وزاری بجناب باری کیا چارہ کار ہے ؎

ہر کسے روز بہی می طلبد از ایام
مشکل این است کہ ہر روز بتر می بینم

(ہر شخص زمانہ سے ایام کی خوبی ہی تلاش کرتا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ مجھے تو ہر آنیوالا دن گذشتہ سے بدتر ہی نظر آتا ہے)

چونکہ جناب نے خطاب کا شرف بخشا ہے اسلئے یہ عرض کیا ورنہ میں اس قابل نہیں ہوں کہ کچھ عرض کرسکوں۔ جناب کیلئے اخلاص اور اتباع مرضیات الٰہیہ کیلئے دل سے دعاء کرتا ہوں اور جناب سے بھی اپنے لئے اسی کی درخواست کرتا ہوں۔ والسلام۔ خیر ختام۔ وصی اللہ عفی عنہٗ

(از بیاض حضرت والاؒ)

حضرت والا کا جواب آپ نے ملاحظہ فرمایا خلاصہ اسکا یہ ہے کہ ان مولوی صاحب نے اپنی تبلیغی مساعی اور تبلیغی مرکز کی بقاء و ترقی کے لئے حضرت اقدسؒ سے دعاء کی درخواست کی حضرت نے جواب مرحمت فرمایا کہ تعمیلاً للارشاد (یعنی آپ کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے (انشاء اللہ تعالیٰ) دعاء کیا کرونگا۔ نیز آں مولوی صاحب نے کوئی کتاب ارسال فرمائی تھی جسکا ذکر خط میں کیا ہوگا اس پر حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ابھی تک تو کوئی کتاب ملی نہیں مگر آپ نے بھی میرے پاس بھیجنے کی خوامخواہ زحمت فرمائی ارے کسی اہل کے پاس وہ پہونچتی تو اسکی قدر بھی ہوتی اور وہ منتفع بھی ہوتا بہرکیف جب آپ نے بھیج ہی دی ہے تو آجانے پر دل سے قبول کرونگا اور منتفع ہونے کی بھی کوشش کرونگا۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ اس جواب کے اندر حضرت اقدسؒ کا ایک خاص مزاج اور مذاق کارفرما ہے

وہ یہ کہ حضرت والا اب قوم کی ضرورت رسائل، کتب اور مضامین سے زیادہ عمل کو سمجھتے تھے اور رذائل کی اصلاح، ترک نفاق، حصول اخلاص، اتصاف بالاخلاق کی جانب ان کو متوجہ کرنا اہم تصور فرماتے تھے رہے مضامین اور مقالے تو اس سلسلہ میں اب تک اسلاف جو خدمات کر چکے ہیں اسکو کافی و وافی خیال فرماتے تھے، چنانچہ علامہ خولی یا اور کسی مصری عالم کی اس بات کو بہت سراہتے تھے اور اکثر و بیشتر اسکو لطف سے لیکر حاضرین کو سناتے تھے۔ فرماتے تھے کہ دیکھو کیسا فرمایا ہے کہ "اے لوگو! تم اس قدر بولے ہو کہ یہ جو (یعنی فضا تمھارے کلام سے بالکل بھر چکی ہے اب یہ بتلاؤ کہ تم عمل کب کرو گے؟"

چنانچہ اسی جذبہ کا وہ بھی اثر تھا کہ حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندویؒ نے جب جب جامع المجددین، تجدید تصوف و سلوک اور تجدید تعلیم و تبلیغ تصنیف فرماکر حضرت اقدس کے پاس بنظر اصلاح ملاحظہ کیلئے بھیجی تو باوجودیکہ یہ سب حضرتؒ کے طریقہ اور مسلک ہی کی چیزیں تھیں اور حضرتؒ کے شیخ ہی کے کلام کی نشاۃ ثانیہ تھی مگر انکو بھی یہی تحریر فرمایا تھا کہ

"آپ کی درخواست (ملاحظہ بنظر اصلاح سے) خواہ تواضع کی رہی ہو یا نہ رہی ہو (کیونکہ انھوں نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ۔ بنظر اصلاح ملاحظہ کی درخواست نہ تواضعاً بلکہ واقعتاً اپنی غلطیوں پر مطلع ہونا مقصود ہے تاکہ دوسری طباعت میں اصلاح ہوسکے) لیکن دوسروں کو تو آپ کے سامنے تواضع کرنی ہی پڑے گی اسلئے کہ خلاف تواضع وہ شخص کچھ کر سکتا ہے جو پہلے اس سے بڑھکر یا کم از کم اسکے برابر کوئی خدمت اس کے مقابلے میں پیش کرے اور اگر اپنا دامن اس سے خالی ہے تو اہل خدمت کی خدمات کا اعتراف کئے بغیر چارہ کار نہیں حضرت (مولانا تھانویؒ) رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اور حضرتؒ کے مسلک کو اس علمی دنیا میں انھیں کی زبان میں آپ نے ایک نئے اور مخصوص طریقہ سے پیش فرما دیا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔

اب ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے افراد پیدا کئے جائیں اور اس جماعت میں یوماً فیوماً اضافہ ہو کیونکہ جبتک

کسی مسلک کی پشت پناہ کوئی جماعت نہ ہو اسکا اعتبار ہی کیا؟"

چونکہ حضرت والا کا یہی مزاج اور مذاق ہی تھا اسلئے کسی کتاب وغیرہ کی تصنیف و تالیف سے کوئی خاص دلچسپی نہ لیتے تھے بلکہ کسی کی کوشش اور ترغیب سے اگر کوئی اللہ کا بندہ دین پر لگ جاتا تھا اور اپنی اصلاح کیجانب متوجہ ہو جاتا تھا تو اسکو زیادہ پسند فرماتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ افراط و تفریط سے خالی ہوکر جو شخص تبلیغی مساعی کا اور اسکے ذریعہ مسلمانوں کے نفع کا تذکرہ حضرتؒ سے کرتا تو اس سے خوش ہوتے کہ چلو کامل دین کی جانب (یعنی مکمل اصلاح کی جانب ابھی متوجہ نہیں ہو سکا ہے نہ سہی نماز روزہ میں تو لگ گیا آگے وہ بھی ہو جائے گا)۔

تیسری بات جوان مولوی صاحب کے خط میں تھی اسکے الفاظ کا تو خود حضرت والاؒ نے اعادہ فرمایا ہے اور پھر اسکا جواب عنایت فرمایا ہے۔ مولوی صاحب مدظلہٗ نے تحریر فرمایا تھا کہ:-

"درحقیقت یہ تحریک (یعنی تبلیغ) غیر طالبین کی دینی تعلیم و تربیت کا ایک نظام ہے یا بالفاظ دیگر یہ کہ غافلوں میں طلب اور فکر پیدا کرنے کی ایک منظم کوشش ہے"

خط کی اس تیسری بات کا جواب حضرت والا نے ذرا تفصیل سے دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اقدسؒ نے بھی مولوی صاحب موصوف کی اس بات کو کچھ اہمیت دی اور اسکا کوئی خاص منشا اپنے ذہن میں سمجھا جسکی ترجمانی خود حضرت والا کے جواب کے الفاظ کر رہے ہیں۔

راقم جو سمجھ سکا وہ یہ ہے کہ ان مولوی صاحب نے اپنے اس کلام سے کہ "درحقیقت یہ تحریک الخ" تحریک تبلیغ کا کچھ تعارف حضرت اقدس سے کرانا چاہا تو حضرت نے اس سے یہ سمجھا کہ میں تو آخر اس سے واقف ہی ہوں اور میں خود بھی ایک کام کر رہا ہوں پھر جوان مولوی صاحب نے یہ زحمت گوارا کی تو اسکا منشا، یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید میرے متعلق کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو کر اور مجھے اس کام کا مخالف جانکر میرے ذہن کو صاف کرنا منظور ہے اور یا میری عملی شرکت نہ دیکھکر یا میرے اپنے کام کو کافی نہ سمجھکر مجھکو ہی ترغیب دینا مقصود ہے،

ظاہر ہے ان امور سے رفع غلط، ضروری تھا اس لئے حضرت اقدسؒ نے صاف صاف فرمادیا کہ بھائی مولوی صاحب سنو! مشکوٰۃ شریف میں حضرت علیؓ سے جو حدیث شریف نقل فرمائی گئی ہے تو اگر مجھ جیسا) کوئی شخص اس پر عمل کرلے تو انشاء اللہ تعالیٰ وہ ملوم (ملامت کیا ہوا) نہ ہوگا لہذا لوگوں کو بھی اس پر یا اسکے فعل پر ملامت نہ کرنی چاہیئے۔

اور اسی پر بس نہیں فرمایا بلکہ آگے ابن عباسؓ کی ایک اور حدیث نقل فرمائی جس میں عوام کی اصلاح کو خواص کی اصلاح پر موقوف ہونے کو فرمایا گیا ہے۔ مطلب حضرت اقدسؒ کا واللہ تعالیٰ اعلم یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرمانا چاہا ہے کہ آپ کی تحریک کا مقصد غافلین عوام کی دینی تعلیم و تربیت ہے تو بہت بہتر لیکن دیکھنا یہ ہے کہ عوام سے مقدم خواص و علماء کی اصلاح ہے کیونکہ جب خواص ہی بدحال ہونگے تو اسکی وجہ سے عوام کا بدحال ہونا لازم ہے (جیساکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ انکی اصلاح مشائخ ہی سے اور انکے تعلیم فرمودہ مجاہدات ہی کے ذریعہ ہوسکتی ہے جس کے لئے اسلاف نے خوانق کی بنا ڈالی ہے اور اسی سلسلہ سے بقدر اپنی استطاعت و ہمت کے میرا بھی تعلق ہے بس ہم بھی تو وہی کام کر رہے ہیں بلکہ اصل کارہی کی طرف متوجہ ہیں۔ اسی کو آگے "وانی لنا" کہکر اشارہ فرمایا کہ افسوس کہ ایسے اداروں کی جنکی ضرورت فی زمانہ زیادہ ہے آج بہت کمی ہے بلکہ نایابی ہے لہذا اسکی فکر اور انکی بقاء کی فکر بھی ازبس ضروری ہے۔

اسی کو میں نے عرض کیا تھا کہ حضرت والا خود سے اور ابتداءً تو اس سلسلہ میں اپنی زبان بند ہی رکھتے تھے لیکن اگر کسی کو بطور خود یا اپنی جانب سے کسی غلط فہمی کا شکار ہوتا دیکھتے تو اسکا ازالہ بھی نہایت نرمی اور حسن خلق کے ساتھ ضرور فرمادیا کرتے تھے جیساکہ مکتوب بالا کے جواب باصواب میں آپ نے ملاحظہ فرمایا۔

حاصل یہ کہ اس باب میں بھی حضرت والاؒ کا طریق تو نہایت واضح اور بالکل عیاں تھا معلوم نہیں لوگوں کو کہاں سے اس سلسلہ میں غلط فہمی ہوگئی، جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں شاید اسکا منشاء یہ ہوا ہو کہ نفس تبلیغ کو تو حضرت مصلح الامۃؒ بھی ضروری اور کتاب و سنت سے مبرہن سمجھتے تھے اور تبلیغ کرنیوالوں کیلئے کچھ شرائط کو بھی ضروری قرار دیتے تھے لیکن کسی مخصوص

صورت کے ساتھ اسکو مقید اور منحصر نہیں خیال فرماتے تھے بلکہ دین کے اور دوسرے شعبوں مثلاً تعلیم وتدریس، وعظ ونصیحت اور رشد وہدایت ان سب امور کو بھی تبلیغ دین ہی کا فرد قرار دیتے تھے چنانچہ جسطرح سے جماعت تبلیغ کے نظام کو مطلق تبلیغ کا ایک فرد سمجھتے تھے اسی طرح سے خود اپنے اختیار کردہ طریق کار کو بھی اسکا ایک فرد سمجھتے تھے۔ لہٰذا جب بھی کسی جانب سے افراط و تفریط ملاحظہ فرماتے تو اسکی اصلاح بھی فرمادیا کرتے تھے۔ اب اس اصول کے تحت اگر کبھی اور کہیں سے خود حضرتؒ ہی کے لوگوں کے متعلق کسی نے کچھ شکایت حضرتؒ تک پہونچائی۔ تو حضرت اقدسؒ سے اپنے لوگوں کی تنبیہ بھی ثابت ہے اور اس کے برعکس اگر کہیں اہل تبلیغ نے غلو اور افراط سے کام لیا اور وہ حضرت والا کے علم میں آگیا ہے تو حضرت نے اپنے منصب اصلاح کی روسے انکی بھی اصلاح فرمائی ہے۔ حضرت اقدس کے حالات میں دونوں طرح کے معاملات ملتے ہیں (جو آئندہ صفحات میں انشاء اللہ ناظرین کے ملاحظہ سے بھی گذریں گے) چنانچہ جس شخص کے سامنے ان دونوں قسم کے معاملات میں سے کوئی ایک ہی آیا تو وہ حضرت اقدسؒ کی جانب سے کچھ غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا۔ مثلاً جس نے یہ دیکھا کہ حضرت والا اپنے لوگوں کو تبلیغی جماعت کی مخالفت کرنے سے منع فرما رہے ہیں اور اس سلسلہ میں انھیں تنبیہ وہدایت فرمائی جارہی ہے تو اس نے سمجھا کہ حضرت والا بالکلیہ جماعت کے کاموں سے متفق ہیں، اور جس کے سامنے اور بھی دوسرے حالات وواقعات کی تفصیل آئی تو بہت سے لوگوں نے اس کے مجموعہ سے یہ اخذ کیا کہ حضرت والا کو جماعت کے ساتھ دعاءً شریک ہیں لیکن عملاً شریک نہیں ہیں (نہ اس سے مخالفت کی بناء پر بلکہ خود ایک مستقل کام میں مشغولیت کی وجہ سے جس کا تحفظ بھی اسلاف کے طریقہ پر ضروری ہے) اور راقم کے نزدیک بھی اس جماعت کا خیال صحیح تھا لیکن بعضوں نے اور ترقی کرکے یہ سمجھ لیا کہ حضرت والا اس تحریک ہی کے مخالف ہیں، راقم کے نزدیک ان حضرات کا یہ استنباط صحیح نہ تھا اسلئے کہ طریق کار کا مختلف ہونا اور بات ہے اور کسی جماعت ہی کا مخالف ہونا اور بات ہے چنانچہ حضرت اقدسؒ جماعت کے مخالف نہ تھے ہاں حضرت والا کا طریق کار اسکے طریق کار سے جدا اور مختلف ضرور تھا اس میں دو رائے نہیں۔ اور جس طرح سے یہ غلط فہمی خلاف اور اختلاف والی حضرت اقدسؒ کے بعض لوگوں کو ہوئی اسی طرح سے دوسری جانب

بھی بعض حضرات کو ہوگئی کہ انھوں نے بھی حضرت والاؒ کیجانب اختلاف اور مخالفت کی نسبت سمجھی اور بدگمانی کا شکار ہوگئے۔ حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ حضرت مصلح الامتہ نے اسکی مخالفت کبھی نہیں فرمائی جس طرح سے کہ اسمیں عملی شرکت بھی کبھی نہیں فرمائی اور نہ کبھی اپنے مخصوص لوگوں کیلئے سلک جماعت میں منسلک ہوکر اسی طرح کام کرنے کی ضرورت محسوس فرمائی۔ اور مخصوص لوگ اسلئے عرض کیا کہ اگر کبھی کسی کو حضرت والا کی جانب سے اختیار و اجازت کا بھی ثبوت ہو تو راقم کے علم و مشاہدہ کے مطابق وہ ایسے ہی چند افراد ہوں گے جن کا تعلق جماعت کے کاموں سے سابقاً رہا ہوگا اور انھیں حالات میں وہ حضرت اقدس کیجانب رجوع ہوکر حضرت والا سے بیعت بھی ہوگئے ہوں گے پھر بعد تعلق جدید بھی اپنے قدیم تعلق کی بنا پر کبھی کہیں جانے کی اجازت حضرت والا سے چاہی ہوگی تو حضرت والاؒ نے بھی معاملہ کو انھیں کے حوالہ فرماتے ہوئے اور یہ خیال فرماکر کہ ہیں متاع رالیخیر کیوں بنوں انکو اجازت دیدی ہوگی، چنانچہ ایسے بعض حضرات میرے بھی علم میں ہیں۔ باقی جن حضرات کا اولین تعلق حضرت اقدسؒ سے ہوا یعنی جن کے پیش نظر سب سے پہلے اپنی اصلاح تھی اور ان کے حالات اور اپنے تجربات کی بنا پر حضرت والاؒ نے بھی انکو سمجھ لیا تھا تو غالباً ایسا کوئی نہ ملے گا جس کو حضرت والاؒ نے کبھی چلے میں نکالا ہو یا صلاح کے دور میں اصلاح کی اجازت دی ہو۔ بلکہ اس کے برخلاف یہ تو دیکھا گیا ہے کہ بعض مخلصین طالبین کے ساتھ (جو راقم کے علم میں بھی ہیں) انھیں کے اصلاحی مصالح کے پیش نظر حضرت والاؒ نے بھی وہی معاملہ فرمایا جو گذشتہ صفحات میں امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت احنف بصری کے ساتھ فرمایا تھا (یعنی ایک سال کیلئے انکو وعظ و تقریر بلکہ اختلاط تام ہی سے قطعی روک دیا تھا)

دینی جماعتوں کے متعلق حضرت مصلح الامتہؒ کا خیال جو اوپر عرض کیا گیا ہے اگرچہ وہ بھی حضرت والاؒ ہی کے طریق سے ماخوذ ہے تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود کو درمیان سے علٰحدہ کرکے حضرت والاؒ کے بعض حالات و مقالات بعینہٖ پیش کردوں جو آپ کے ان خیالات کا ماخذ ہیں امید ہے کہ وہ ناظرین کے لئے عموماً اور حضرت مصلح الامتہؒ سے محبت و عقیدت رکھنے والوں کیلئے خصوصاً انکی تسلی خاطر اور اطمینانِ قلب کا ذریعہ ہوں گے۔

مکرر عرض ہے کہ ان صفحات میں کسی جماعت یا اسکے طریق کا رد یا نقد و تبصرہ کرنا منظور نہیں ہے بلکہ صرف حضرت اقدس مصلح الامۃؒ کا مسلک ضرور واضح کرنا مقصود ہے تاکہ وہ پردۂ خفا میں نہ رہے۔ اور اس باب میں حضرتؒ کا طریق طالبین پر ظاہر ہو جائے۔

(بعض تعلیمات و اصلاحات حضرت مصلح الامۃؒ)

①

(ہر کام میں خدا کی مرضی اور اپنے اخلاص کی فکر ضروری ہے)

عرض حال: حقیقت یہ ہے کہ اس زمانہ میں حضرت والاؒ کے یہاں جو چیز ملتی ہے اپنی آنکھوں نے ابھی تک کہیں نہیں دیکھی۔ حضرت والاؒ نے رخصت ہونے سے کچھ دیر قبل جو ارشاد فرمایا تھا اور عملی کوتاہیوں پر جو تنبیہ فرمائی تھی بحمدہ تعالیٰ اسکا دل پر کافی اثر ہے اسی وقت یہ طے کر لیا تھا کہ زندگی کے جو بھی دن باقی ہیں انکو بیکار ضائع کرنے سے کچھ فائدہ نہیں یہ کوئی عقلمندی کی بات نہیں ہے کہ دوسروں کی تو اصلاح کی فکر کرے اور اسکے لئے سب کچھ کرنے کیلئے تیار رہو اور اپنی اصلاح سے غافل رہے یہ نفس کا دھوکا اور مکر ہے۔ عقلی طور پر تو اسکا احساس اس سے قبل بھی ہوتا رہا مگر اس احساس نے عملی شکل کوئی نہ اختیار کی اگر کچھ دن عمل ہوا بھی تو اس پر مداومت نہ ہو سکی۔ حضرت والا کی توجہ کی برکت سے اب اس پر عمل شروع کر دیا ہے۔ جو دعاء ارشاد فرمائی تھی اور مولانا جامی صاحب نے پرچہ میں لکھکر جو اوراد و عنایت فرمائے تھے بفضلہ تعالیٰ اس پر عمل شروع کر دیا ہے۔ حضرت والا دعاء فرمائیں کہ اللہ پاک خلوص و استقامت نصیب فرما دیں۔

ارشاد مرشد: الحمدللہ۔ دعاء کرتا ہوں۔

(اور جواب میں یہ تحریر بھی گئی)

آپ کا خط حضرت والا کے نام آیا۔ (فرمایا) ـــــ ماشاء اللہ خوب بات لکھی۔ آپ جیسے انسان کی ایک بات سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس نے بات کو سمجھ لیا ہے اور اسی کی دراصل ضرورت ہے، آج صحیح بات ہی تو لوگوں کو سمجھانا مشکل ہو رہا ہے۔ بہرحال اب سے سہی اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ نے نفس کا یہ چور خوب پکڑا کہ "یہ

کوئی عقلمندی کی بات نہیں کہ دوسروں کی تو اصلاح کی فکر کرے اور اسکے لئے سب کچھ کرنے کے لئے تیار ہو اور اپنی اصلاح سے غافل رہے یہ نفس کا دھوکا اور مکر ہے" ـــ بالکل صحیح بات ہے۔ بس اگر اسی کو سمجھ لیجئے گا تو بڑے عقبہ سے نکل جائیے گا۔ کسی سے کام در اصل اللہ تعالیٰ لیتے ہیں اور فائدہ اور فیض بھی اللہ تعالیٰ ہی پہونچاتے ہیں۔ بس انسان مخلص بننے کا مکلف ہے پھر تو لوگ ناک رگڑیں گے اور اسی سے اصلاح کی خواہش کریں گے اور اگر اخلاص ہی نہوا تو خود سوچئے کہ پھر یہ سب ہماہمی کا ہے کیلئے ہے؛ خدا تو اس کام سے راضی نہیں اسلئے اس کام میں برکت بھی نہیں ہے اسلئے آدمی کو ہر کام میں خدا کی مرضی اور اپنے اخلاص کی فکر ضروری ہے۔ (رجسٹر نقل خطوط ص۴۵ ج ۱۱)

(یہ خط کسی عامی کا نہیں ہے بلکہ ایک محترم بزرگ کا ہے جو بحمد اللہ ایک شیخ جامعہ اور مشائخ وقت میں سے ہیں)

(۲)

(اصلاح کیلئے پہلے صلاح ضروری ہے)

عرض حال: گزارش خدمت عالی میں اینکہ خاکپائے کا دارالعلوم دیوبند میں یہ دورۂ حدیث کا سال گذر رہا ہے۔ احقر کے وطن قصبہ ... کا نازک ترین حال ہے یعنی یعنی اسلام کا ٹمٹماتا ہوا چراغ جل رہا ہے اور امر و نواہی سے کوسوں دور، علم وعمل کا لعدم فسق و فجور کی حد نہیں، رسم و رواج بدعات میں جہلائے عرب سے کم نہیں، ہمارے علماء حضرات جو کہ فارغ ہو کر مکان تشریف لیجاتے ہیں محض معمولی تنخواہ پر بوجہ فکر معاش درس عالیہ (مولوی فاضل) جس میں کہ علم نبوی کا مکمل درس نہیں ہوتا، درس اختیار کر لیتے ہیں جسکا نتیجہ عام طور پر یہ رونما ہوتا ہے کہ غیر تو غیر اپنے اہل پر بھی علم وعمل کو آشکارا نہیں کر سکتے اسلئے کہ گھر میں رہنے کا موقع ہی نہیں ملتا غرض عوام الناس سے لیکر خواص تک حال ابتر ہے۔

ان حالات کے پیش نظر مجروح طائف (صلی اللہ علیہ وسلم) کی یاد دل میں تڑپ اور اور جوش پیدا کرتی ہے کہ تبلیغ کا سلسلہ جاری کروں لیکن اس بارگراں کا اہل خاکسار اپنے کو نہیں پاتا اسلئے دربار فیض بار میں بعد فراغ امتحان سالانہ حاضر ہو کر حضور والا کے دست مبارک پر بیعت کرنے کی آرزو ہے اللہ کرے کہ پوری ہو۔

آرزوئے دیگر: چونکہ خاکپا کو غریب خانہ جانے کے بعد مالی مشکلات اور کچھ معاملات میں پھنس جانے کا خطرہ ہے جس سے استغنار کیلئے حضور کی توجہ کی ضرورت ہے لہٰذا حضور والا سے گذارش ہے کہ کہ بارگاہ مجیب الدعوات میں اپنے مخصوص وقت میں اپنی مقبول دعار سے نوازیں تاکہ قاضی الحاجات آنیوالی جمیع مشکلات کو دور کر دے بالخصوص مالی مشکلات۔ نیز میرے والد صاحب تقریباً آٹھ نو سال سے اپنی زمین کیلئے چند مقدمے لڑ رہے ہیں احکم الحاکمین جلد فیصلہ کرا دے۔ نیز والد صاحب کا کل قرضہ ادا ہو جائے۔ اور میرے لئے علم نافع اور عمل حسنہ کی توفیق کی دعار فرماویں اور جواب میں اپنے نیک اور مفید مشورہ سے بھی نوازیں، عین کرم ہوگا۔ والسلام۔

ارشادِ مصلح: بھائی مولوی صاحب! باتیں تو آپ نے بہت عمدہ لکھی ہیں لیکن ابنار زمانہ سے میرا اس میں تھوڑا سا اختلاف ہے وہ یہ کہ عام طور پر تو یہی دیکھتا ہوں کہ جو لوگ نیک اور دیندار بھی ہوتے ہیں تو ان کے پیش نظر صلاح سے پہلے اصلاح ہوتی ہے۔ انکا ذکر نہیں کرتا جو اصلاح کے لئے صلاح کی ضرورت ہی کے قائل نہیں۔ اور نہ انکو کہتا ہوں جنکا مقصد تحصیل دین سے نہ صلاح ہے نہ اصلاح بلکہ محض دنیا کمانا ہے یہ لوگ تو لا یُعبأ بہ کے درجہ ہیں، ان لوگوں سے کہتا ہوں جو (دوسروں کی) اصلاح کیلئے اولاً (اپنے اندر) صلاح کی ضرورت تسلیم کرتے ہیں کہ آپ کو فکر صرف اپنی اصلاح ہی کی ہونی چاہیئے۔ دوسروں کی اصلاح اللہ تعالیٰ جس سے چاہتے ہیں لے لیتے ہیں چنانچہ جس کسی کو اس منصب کیلئے ادہر ہی سے چنا جاتا ہے اسی سے کچھ کام بھی ہو جاتا ہے۔ باقی خود انسان کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا لیکن اپنی اصلاح چونکہ ذرا تلخ ہے اسلئے نفس کبھی تو اس سے ٹکرا اور کبھی اس کے ساتھ ہی ساتھ اصلاح ناس کی شیرینی ملا لیتا ہے جو کہ اس مرتبہ میں یعنی (ابتدئی ہونے کی حالت میں) اس کے لئے سم قاتل ہوتی ہے اسلئے اس اتنے جزو کو اپنے مضمون سے خارج کر دیجئے (یعنی ابھی سے دوسروں کی اصلاح کی فکر چھوڑ دیجئے) باقی سب صحیح ہے۔ اللہ تعالےٰ ارادہ میں آسانیاں بہم پہونچائے، اور سب مشکلات دور فرمائے، مقدمات میں کامیابی ہو اور والد صاحب کا قرض ادا ہو جائے۔ آپ کے علم و عمل کے لئے بھی دعار کرتا ہوں۔ والسلام

(رجسٹر نمبر ۷، ۱۱ ص ۱۸۳)

(۳)

(پہلے اپنی اصلاح ضروری ہے اسلئے کہ اصلاح صلاح کی فرع ہے)

عرض: خدا کا شکر ہے کہ آخرت کا خیال غالب ہوتا جا رہا ہے۔ اہتمام و فکر اسباب دنیا کسی قدر کم ہوتی جا رہی ہے۔ بیوی کہتی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم ویرانہ (یعنی جنگل) اختیار کرو گے یاد الٰہی (الحمدللہ) تھوڑی تھوڑی بڑھ رہی ہے۔ غصہ میں ایک دن اپنے بچہ کو مار دیا ایک ضد کی بنا پر اسکی عمر ۳ سال کی ہے جو کہ حد تادیب سے کم ہے۔ قوت غضبیہ کا اشتعال تھا۔ اللہ تعالیٰ اسے دور فرما دے۔

ایک دن ایک صاحب نے بڑی محبت سے بلایا اور کہا کہ چائے پی لو جماعت کا وقت ہو رہا تھا قدرے انتظار کر کے میں چلدیا ان کے لڑکے نے روکا میرے منھ سے بات سخت نکل گئی کہ مجھے غرض نہیں ہے تمہیں غرض (پلانے کی) ہو تو مسجد میں لاؤ چنانچہ عصر کے بعد وہ چائے لایا اور کہا کہ مجھے غرض تھی اسلئے میں لایا، مجھے (اسپر) ندامت ہوئی۔

اسی مجلس میں انکے والد صاحب نے کہا کہ میرے لئے دعا کرو۔ اس وقت بھی میرے منھ سے بات سخت نکلی کہ خدا نے تمکو منھ نہیں دیا ہے (تم خود دعا کرو) خدا تو سب کی سنتا ہے۔ حالانکہ عادۃً میرا معاملہ ایسا کبھی نہ تھا۔ (اب) اگر کوئی پاس بیٹھتا ہے تو وحشت ہوتی ہے۔ بعض مرتبہ جی چاہتا ہے کہ کہدوں کہ چلے جاؤ۔ ہر معاملہ میں اعتدال کی راہ بہت مشکل معلوم ہوتی ہے۔ بعض دفعہ جی گھبراتا ہے کہ کہاں چلا جاؤں۔

ایک دن ایک صاحب نے جو تبلیغی جماعت کے آدمی ہیں اور سرگرم کارکن بھی مجھ سے بڑی منت سماجت سے کہا کہ آج اجتماع میں تم کچھ کہدو آج کوئی کہنے والا نہیں ہے میں نے کہا کہ یہ کام میں چھوڑ چکا ہوں، اس معاملہ میں میں نے اپنے اوپر جبر نہیں کیا طبیعت خود تقریر کرنے سے رک گئی۔ پھر انھوں نے کہا کہ مشکوٰۃ ہی سنا دینا۔ میں نے صاف کہدیا کہ میں آپ لوگوں کے کام کا نہیں رہ گیا آپ کو کوئی نہ کوئی مل ہی جائے گا۔ اب تبلیغی طور طریق کے آدمی جو مجھ سے کچھ تعلق رکھتے ہیں کہتے ہیں کہ ——— ہاں بھائی تم ٹھیک کہتے ہو کہ اپنی اصلاح پہلے ضروری ہے۔

ایک اور بات ہے جو کھٹک رہی ہے کہ کہیں یہ سب میرے راستے میں دانہ و دام تو نہیں ہے کہ آگے پھانس لیں۔

ایک صاحب کہتے تھے کہ تمہاری وجہ سے تمہارے شیخ سے انس معلوم ہوتا ہے (حالانکہ) یہاں کی انجمن نے بہت سے مشاہیر علماء بلوائے مگر کسی کی طرف میرا میلان نہیں ہوا (مجھے) بڑا ڈر یہ ہے کہ میں اپنے بزرگوں کی بدنامی کا ذریعہ نہ بنوں۔ لوگ مجھ جیسے لوگوں سے جو بزرگوں کے طریق پر اپنے کو بتلاتے ہیں بزرگوں کو پہچاننے کی کوشش کریں گے، انھیں مبادا (میری بدعملی سے) یہ خیال ہو کہ ان کے بزرگ بھی ایسے ہی ہوں گے۔ چنانچہ ان صاحب کی آمد و رفت میرے پاس بڑھ گئی ہے اور مجھ سے بڑا تاثر ظاہر کرتے ہیں ..... کوئی خط حضرت والا کی خدمت میں بھی انکا پہونچا ہوگا معلوم ہوتا ہے وہ دل سے محبت کرتے ہیں کوئی دن مشکل ہی سے ناغہ جاتا ہوگا کہ وہ کچھ نہ کچھ میرے گھر کھانا بھیج نہ دیں باوجود میرے منع کرنے کے ابتک یہی کرتے ہیں کہتے ہیں کہ جی نہیں چاہتا کہ کوئی چیز گھر میں پکے ہم کھائیں اور تمھارے بچے نہ کھائیں۔

کل بعد عصر مسجد میں تلاوت کر رہا تھا اسوقت فکر آخرت غالب تھی۔ سورہ مریم شروع کی خلاف عادت توجہ بجائے لفظ کے معنی کی طرف رہی حضرت زکریا علیہ السلام کا واقعہ۔ اولاد کیلئے دعاء۔ بھائی بندوں سے خوف اور آل یعقوب و اسحٰق کی وراثت کا ذکر بڑی سرعت سے دل میں اتر کر گیا، بس کھو گیا میں اس میں ایسا انہماک مجھے تلاوت قرآن پاک میں کم ہوا ہوگا عجیب تاثر تھا، قریب تھا کہ آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے دل بھر آیا اسی حال میں اچانک وہی صاحب گرم گرم پھلوریاں لئے ہوئے آگئے اور مزہ تھوڑی دیر کے لئے بدل گیا۔

اسوقت سے ابتک یہ فکر غالب ہے کہ جو کوتاہیاں تم نے عبادت میں کی ہیں وہ کیسے معاف ہوں گی جو گناہ یاد بھی نہیں وہ کیسے معاف ہوں گے؟ ابتک تمھارے ہاتھ اور زبان سے تکلیف جن جن کو پہونچی انکی معافی کی کیا صورت ہے؟ ان میں سے کتنے لوگ دنیا سے جا چکے اور کتنے ایسے ہیں جن سے ملاقات کی توقع نہیں۔ یہ خیال اور غم معلوم ہوتا ہے کہ کھا جائیگا اب اسکے سوا سمجھ میں نہیں آتا کہ ان سب کیلئے دعائے مغفرۃ کرتا رہوں اور گاہے آیتوں کا

ایصال ثواب بھی کرتا ہوں شاید اللہ تعالیٰ کو رحم آجائے اور انکو راضی کر دے اور استغفار کے ساتھ پختہ عہد کروں کہ دونوں حقوق ادا ہوں اور خدائے برتر کی رحمت سے توفیق نصیب ہو جی چاہتا ہے کہ بہت جلد جلد حاضری دوں۔ اللہ تعالیٰ اسباب مہیا فرما دیں اور موانع قطع فرمائیں۔ والسلام۔

الحمدللہ کہ آخرت کا خیال غالب اور فکر دنیا مغلوب ہو رہی ہے —

ارشاد مرشد: کیوں؟ بیوی ایسا کیوں کہتی ہے، دیوانہ اختیار کرنا کوئی کمال تھوڑا ہی ہے۔ کیا اس نے اپنے یا کسی کے حقوق میں کچھ کمی دیکھی؟ نیز مخلوق سے وحشت کا ہونا تو خالق سے انس کی علامت ہے لیکن ان کے ساتھ اس قسم کی سخت کلامی مناسب نہیں ہے

الحمدللہ کہ تبلیغی لوگ بھی متاثر ہیں اور طریق کار انکی سمجھ میں بھی آئے ہیں

یہی بات ہے جو آپ نے لکھی ہے کہ پہلے اپنی اصلاح ضروری ہے پھر دوسروں کی اسلئے کہ اصلاح تو صلاح کی فرع ہے۔ ہاں آپ کے ان دوست کا خط آیا تھا۔ تجربے سے اس قسم کے اختلاط (یعنی یہی کھانے پینے) کی زیادتی کچھ مضر ہی ثابت ہوتی ہے اور مولوی تو یوں بھی کھانے پینے میں بدنام ہیں اسلئے اجتناب ہی میں سلامتی ہے بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ کوئی اعتقاد بھی ظاہر کرے بقول آپ کے یہ چیزیں واقعی دانہ و دام ہی ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ (ترجمہ) مضر ترین شے ایک سالک کیلئے) دوسرے لوگوں کا اسکو اثبات اور تبرک کی نظر سے دیکھنا ہے۔ اسلئے کہ لوگ تو ان باتوں کو سمجھتے بوجھتے نہیں (کہ کون شخص واقعی خدا رسیدہ ہے اور کون نہیں ہے۔ ظاہری حالات دیکھکر ایک شخص کے معتقد ہو جاتے ہیں) حالانکہ اسکی ارادت تک ابھی درست نہیں ہوئی ہوتی تو پھر بھلا اسکو متبرک بنا لینا کب درست ہے۔ لہٰذا اہل سلوک کیلئے حب جاہ سے نکلنا واجب ہے اسلئے کہ یہ تو انکے لئے سم قاتل ہی ہے (اور جو شے سم قاتل ہو اسکے حصول کا سبب بننا کب روا ہے) (قشیریہ)

آخر میں آپنے حقوق العباد سے سبکدوشی کا طریقہ دریافت کیا ہے تو طریقہ اس کا یہی ہے کہ جو لوگ موجود ہوں انکے حقوق کو ادا کر دیا جائے یا اُن سے معاف کرا لیا جائے اور جو موجود نہیں ہیں تو اگر حقوق معلوم ہوں تو معلوم ہونے کی صورت میں انکی جانب سے

صدقہ کردیا جائے ورنہ اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار اور ان کے لئے دعائے مغفرت کیجائے ممکن ہے کہ اسی احسان کے بدلے میں کل کو حشر میں اللہ تعالیٰ اسکو اس سے راضی فرمادے وما ذلک علی اللہ بعزیز ۔ (رجسٹر ۳ صہ ۲۰۵)

(۴)

(کارِخود کن کار بیگانہ مکن)

عرض حال :۔ حج سے واپسی پر میں نے ابتک آپ کو اطلاع نہیں دی

ارشاد مرشد :۔ آپ نے اس سے پہلے متارکت کردی تھی (یعنی ترک تعلق سا کر رکھا تھا)

عرض حال :۔ برابر خیال لگا رہا کہ حاضر ہوکر قدمبوسی حاصل کروں ۔ بہرکیف معافی کا خواستگار ہوں ۔

ارشاد مرشد :۔ خیال سے کیا ہوتا ہے اسکی تفصیل پرچہ ملحقہ میں ملاحظہ ہو ۔

عرض حال :۔ الحمدللہ یہاں جامع مسجد میں درس قرآن کا سلسلہ چند ماہ سے شروع ہوا ہے اس میں تفسیر بھی بیان ہوتی ہے ۔ ایک صاحب بیان کرتے تھے لیکن چار جمعہ سے وہ نہیں تھے میں نے آپکی دعا اور اللہ رب العزت کی ہدایت سے بیان کیا ۔ ۔ ۔ ۔ ایک زمانہ آپکی توجہ کا وہ تھا کہ میں نے وطن میں نماز وغیرہ کی تلقین شروع کی اسکا بہت اثر ہوا اگر اسی قسم کی توجہ پھر فرمادیں تو یہ درس قرآن کی مجالس حقیقت میں میرے لئے اور دیگر مومنین کیلئے نجات کا ذریعہ ثابت ہوں ۔

شاید آپ خیال فرمائیں کہ میں نے اتنے بڑے کام یعنی "تفسیر القرآن" بیان کرنے کا ذمہ کیوں لیا تو عرض ہے کہ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔الآیہ کچھ تو جسارت فطرت انسانی میں داخل ہے اور کچھ یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ اور تبلیغ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ میں نے ہمت کی، اللہ تعالیٰ مدد فرمائے اور آپ خلوص کیلئے دعا فرمائیں

هدایت مرشد (برپرچہ ملحقہ پر) آپ نے بہت دنوں بعد یاد فرمایا اور تشریف

لائے ہوئے اس سے بھی زیادہ زمانہ گذر گیا یہاں کی حاضری کا مقصد آپ نے اصلاح تجویز فرمایا تھا اور میرے متعلق بھی آپ نے اپنی جانب سے محبت وعقیدت ظاہر فرمائی تھی ایک طرف تو یہ سب سلسلہ رہا لیکن ابھی تک آپ نے طریق اوراصلاح میں قدم بھی نہیں رکھا کہ اب دوسروں کی اصلاح کا بیڑا اٹھالیا یہ کیسا ہے؟ حالانکہ مثل مشہور ہے" اول خویش بعدہٗ درویش" ابھی خویش ہی کے خانہ میں صفر تھا تو پھر درویش کی باری کیسے آگئی؟ آخر یہ کیا بات ہے کہ لوگوں کو دوسروں کی اصلاح کی تو فکر ہوتی ہے لیکن خود اپنی اصلاح کی طرف سے بفکر ہوتے ہیں، حالانکہ اسکو سمجھتے ہیں کہ اصلاح فرع ہے صلاح کی۔ یعنی پہلے صلاح ہوگی پھر دوسروں کی اصلاح ہوسکتی ہے۔ مگر آپ نے اپنی اصلاح وغیرہ تو کچھ کی نہیں اور دوسروں کی اصلاح میں لگ گئے، یہ تو قبل از وقت کسی کام کا کرنا ہوا اسکے متعلق یہی کہتا ہوں کہ ـــــــــ " کار خود کن کار بیگانہ مکن" ـــــ آپ حضرات اہل فہم ہیں جب آپ ہی ایسا کریں تو دوسروں سے کیا توقع رکھی جاسکتی ہے۔ (رجسٹر۳ ص۱۹۹)

(راقم عرض کرتا ہے کہ ہدایت ہذا میں حضرت اقدسؒ کا یہ اصول نمایاں ہے کہ حضرت والا اصلاح نفس کو اصلاح ناس سے مقدم خیال فرماتے تھے اسطرح سے کہ اول کے زمانہ میں ثانی میں لگنے کو پسند نہیں فرماتے تھے خواہ وہ شعبۂ وعظ و بیان تفسیر ہو یا دعوت و تبلیغ ہو اور اپنے اس اصول میں حضرت والا کامل بصیرت پر تھے۔ نیز سالک مذکور کے عرض حال سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس باب میں انسان کا نفس کیسا کیسا زور لگاتا ہے دیکھئے اپنی تفسیر بیان کرنے کے کیسے دلائل فراہم کئے کہ شیخ اگر بصیرت پر نہ ہو تو اسکو اجازت ہی دینی پڑ جائے لیکن ناصح مشفق اور حاذق طبیب نے کس قدر نرمی سے مدلل طور پر بات سمجھانے کی سعی فرمائی جسکو کوئی کوئی تو سمجھ لیتا تھا اور کوئی اعتراض کرتا تھا کہ دیکھئے صاحب تفسیر قرآن بیان کرنے سے روکتے ہیں۔ والتوفیق من اللہ)۔

⑤

(دوسروں کی اصلاح کیلئے اپنا دینی زیاں مناسب نہیں)

عرض حال :۔ یہاں تبلیغی جماعت قائم ہے جسکا ہفتہ واری اجتماع مدرسہ کی مسجد میں

ہوتا ہے۔ مہتمم صاحب و دیگر ہمدردان مدرسہ مجھے مجبور کرتے ہیں کہ ہفتہ میں ایک دفعہ جماعت کے ساتھ باہر جاؤں۔ یہی چند آدمی ہیں جو معین ہیں اگر مصلحتاً اس معاملہ میں انکا ساتھ دیتا ہوں تو اپنی رائے کے خلاف عمل ہوگا جو میرے خیال سے ایک قسم کا نفاق ہی ہے۔ ابتک میں ان سے اپنے کو الگ نہ کر سکا یہ جماعت یہاں پانچ سات برس سے قائم ہے مگر نتیجہ صفر کے برابر ہے وقتی طور سے کچھ دین کی ہماہمی ہو جاتی ہے پھر جیسے سیلاب کے بعد پانی نکل جائے۔ اجتماع میں اپنے انداز کی کتابیں پڑھا کرتے تھے آخیر میں جہاد کی آیات پڑھکر باہر نکلنے کی ترغیب کرتے تھے لوگ ڈر سے اپنا نام پیش کرتے تھے اب تو بہت تھوڑے آدمی شریک ہوتے ہیں۔ جب سے میرے ذمہ لوگوں نے یہ کام کیا ہے میں مشکوٰۃ کی احادیث پڑھ دیتا ہوں اور بس مگر اب انشاء اللہ تعالیٰ اپنے کو جلد ان سے علٰحدہ کر لونگا دوسروں کی اصلاح کے زعم میں اپنا معمول ترک کر کے اپنی گردن شیطان کے دام میں کون کسائے۔

ارشاد مرشد: بیشک

عرض حال: — اور بارش کی امید پر اپنے گھڑے کا پانی کون اونڈیلے (یعنی گرائے)

ارشاد مرشد: — خوب۔ (رجسٹر ۳ ص ۱۶۷)

(۶)

(حدود شرکت کی تعیین پر حضرت مصلح الامۃ کی تحسین)

عرض حال: — حضرت والا نے احقر کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا ہے کہ — "دیانۃً جو دینی کام مفید ہو کیجئے" — تو حضرت یہی دیانت ہی تو سیکھنے کے لئے حضرت سے تعلق پیدا کیا ہے — میں اور میری سمجھ ہی کیا؟ البتہ خداوند تعالیٰ کی توفیق اور آپ بزرگوں کی دعائیں شامل حال رہیں تو انشاء اللہ یقین ہے کہ صحیح دیانت سمجھنے کی توفیق ہو جائیگی

ارشاد مرشد: — بیشک، بیشک بہت خوش ہوا۔

عرض حال: — اپنی زندگی بھر تو یہی سبق سیکھنا ہے اگر عمر نوح ہو تب بھی نفس کی اصلاح سے غافل نہیں ہونا چاہیئے۔ خداوند تعالیٰ کید نفس سے محفوظ رکھے۔

ارشاد مرشد :۔ بیشک بیشک ۔ آمین

عرض حال :۔ اپنے اقوال و احوال میں خلوص کی اور (انکو) لوجہ اللہ بنانے کی سعی کرتا ہوں ۔ خدا کی ذات سے امید ہے کہ اگر مستعدی اور تفکر سے کام لیا گیا تو انشاء اللہ ضرور اخلاص پیدا ہوگا ۔ ارشاد مرشد : بیشک

عرض حال :۔ لیکن یہ کام پہلے تبلیغی جماعت میں بہت آسان معلوم ہوتا تھا لیکن اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر پوری زندگی میں بھی نفس کی کما حقہٗ اصلاح ہوجائے تو سب سے بڑی کامیابی ہے ۔ ارشاد مرشد : الحمد للہ

عرض حال :۔ تبلیغی جماعت کے متعلق احقر نے جو فیصلہ کیا ہے بغرض اصلاح لکھ رہا ہوں جو غلطی ہو اس سے متنبہ فرمائیں ۔ وہ یہ کہ جہاں تک ہوسکے تخلیہ اختیار کیا جائے اور پوری جدوجہد کے ساتھ اصلاح نفس کی فکر میں لگ جایا جائے اور جلسہ جلوس سے جس درجہ احتیاط برتی جاسکے ضروری ہے ۔

ارشاد مرشد : الحمد للہ ۔ مبارک ہو ۔ بڑا خوش ہوا ۔

عرض حال : ہمارے تبلیغی احباب جب بھی ملتے ہیں میں ان سے بہت اخلاق سے ملنے کی کوشش کرتا ہوں، بلکہ پہلے سے کہیں زیادہ انکا خیال رکھتا ہوں اور میں نے یہ طے کرلیا ہے کہ کسی ملاقات میں بھی ان حضرات سے مناظرانہ گفتگو نہ کی جائے ۔

ارشاد مرشد : الحمد للہ ۔ خوب

عرض حال : چنانچہ اس رویہ کا یہ اثر ہوا کہ میرے بعض دوست بہت متاثر ہوئے ان میں سے بعض حضرات محترم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب کے یہاں بھی آتے ہیں ۔ میں نے بھی یہ ارادہ کیا ہے کہ اگر کسی خاص موقع پر وہ حضرات جو میرے تبلیغی جماعت کے رفیق کار ہیں تبلیغی سلسلہ میں مجھ سے کچھ، مشورہ لیں گے تو مشورہ بھی دونگا ۔

ارشاد مرشد : بہتر ہے ۔

عرض حال :۔ لیکن جہاں تک ہوسکے گا احتیاط ضروری ہے ۔ تحقیق ۔ الحمد للہ ۔

عرض حال :۔ آج چار مہینہ ہو رہا ہے کہ تبلیغی جماعت میں شرکت نہیں کی اور

نہ ایسا موقع دیا کہ ان لوگوں نے ضد کیا ہو۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ اگر کسی کام کو خدا کیلئے کیا جائے یا ترک کیا جائے تو یقیناً خداوند تعالیٰ کی طرف سے ایسے اسباب خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں جس سے وہ محفوظ رہ سکے۔ ارشاد مرشد: بیشک۔

عرض حال: اگر غلطی ہو تو اصلاح فرما کر معاف فرمائیں۔ تحقیق: خوب، صحیح ہے۔

عرض حال: اور حضور والا دعا فرمائیں کہ خداوند قدوس دینی سمجھ اور اپنے احکام پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ارشاد مرشد: نہایت دل سے دعا کرتا ہوں۔

(۷)

(یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم ہر کام میں شریک ہی ہو جائیں)

(معلوم ہوتا ہے کہ کسی صاحب نے جماعت میں شرکت کے متعلق

ہدایت شیخ حضرت والا سے کچھ دریافت کیا تھا حضرت نے انکو جو جواب دیا وہ آپکے سامنے ہے حضرت والا کی اجازت یا عدم اجازت، رضا یا عدم رضا کس بات کا علم اس سے ہوتا ہے اسے آپ خود استنباط فرما لیجئے۔ باقی گذشتہ نمبر میں جس حد تک اجازت معلوم ہو رہی ہے تو وہ بزرگ نہ ہی تھے جو پہلے سے اس طریق کار کے دلدادہ اور اپنے یہاں کی تبلیغ کے روح رواں رہ چکے تھے)۔

ان صاحب کو تحریر فرمایا کہ۔ آجکل جو جماعتیں تبلیغی کام کر رہی ہیں انمیں شرکت کیلئے اپنے رجحان قلب کو دیکھنا چاہیئے اگر رجحان ہے اور کسی قسم کا کھٹک و تردد نہیں ہے تو شرکت کی ممانعت نہ سمجھنا چاہیئے ورنہ بدون کسی منازعت کے (یعنی کسی سے لڑے جھگڑے، بحث و مباحثہ، مناظرہ و مجادلہ کئے بغیر) سب سے علیحدہ رہنا چاہیئے اور کہدینا چاہیئے کہ دین کا کام سب کو اپنی مقدرت اور اختیار بھر کرنا چاہیئے ہر شخص اپنی ذمہ داری پر کرے اور اسکا وہ مکلف بھی ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اس جواب سے آپکی تسلی ہو جائیگی۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ کہ ہم ہر کام میں شریک ہو جائیں۔ دین کیلئے مسلمانوں کی فلاح کیلئے دعا کرنا بھی تو انکے ساتھ شرکت ہے اگر سمجھ میں آگیا ہو تو تحریر فرمائیے (کہ آپ نے کیا سمجھا؟) والسلام

راقم عرض کرتا ہے کہ بس یہ تھا حضرت مصلح الامۃ کا طریق دربارۂ تبلیغ حاضرہ جو گویا "نہ انکار می کنم و نہ ایں کار می کنم" کا مصداق تھا یعنی حضرت کا اپنا اصلاحی نصاب اور نہ اصلاحی نظام مستقل تھا جس میں کسی بھی دینی کام کرنے والے سے مزاحمت تو بالکل نہ تھی اور یہ بھی پسند نہ تھا کہ کوئی دوسرا بھی ہمیں چھیڑے اور ہمارے کام کو ناکافی قرار دے اسی امر کے اظہار کیلئے یوں فرمایا کرتے تھے کہ میں نے یہ طریقہ یعنی ایک جگہ جم کر کام کرنا اور اصلاح نفس کو مقدم جاننا اسکو سمجھ بوجھکر اختیار کیا ہے۔ چنانچہ ہر شخص کو اپنے دین کا اختیار ہے پھر اپنا تجویز کردہ نظام دوسروں پر مسلط کرنے کا کسی کو کیا حق ہے۔

لیکن افراط و تفریط تو ہر جگہ بری شئے ہے اور سبب فساد بن جایا کرتی ہے اسلئے حضرت اقدس اول تو اس قسم کی بات زبان سے نکالتے نہ تھے کہ مبادا لوگ میری بات کو نہ سمجھکر افراط و تفریط کا شکار ہو جائیں اسلئے کبھی کبھی ان لوگوں سے دریافت بھی فرما لیتے تھے کہ میں نے جو کچھ کہا ہے اس سے آپ کیا سمجھے؟ اپنے الفاظ میں اسکو دہرائیے تاکہ میں بھی سمجھ لوں کہ آپ نے بات سمجھ لی ہے اور غلط فہمی کا شکار تو نہیں ہو گئے ہیں۔ مبادا میری اصلاحی معروضات کو سبب فساد بنا لیا جائے)

(۸)

(میری تعلیمات کا خیال آپ لوگوں کو ضروری ہوگا)

عرض حال برادر موصوف الصدر نے پہلے بھی مجھ سے مشورہ لیا تھا اور حضرت والا کا والانامہ دکھایا جس میں تبلیغ کے متعلق یہاں کے حالات کے باب میں رائے لینے کا حکم ہے میں نے ان سے کہا تھا کہ خیر اس حیلہ سے اسکول کے اساتذہ اور طلبہ کو کچھ اپنی باتیں کہنے سننے کا موقع نکل آئیگا، مگر چند باتوں کا خیال بہت ضروری ہے:۔

ایک یہ کہ اسکا سب سے زیادہ خیال رہے کہ کہیں خدانخواستہ ؎

شد غلامے کہ آب جو آرد آب جو آمد و غلام ببرد

(ایک بچہ دریا سے پانی لینے کیلئے گیا اسکی ایک موج ایسی آئی کہ بچہ ہی کو بہا کرلے گئی اور ڈبو دیا)

کا مصداق نہ ہو جائے مطلب یہ کہ اسکا خیال رہے کہ دوسروں کی خاطر اپنا نقصان نہ ہو۔

دوسرے ۲ یہ کہ آجکل کی تمام خرابی نفاق عملی کی اور صدق و اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے ہے اس تشخیص کے ماتحت علاج کی فکر ہو۔

تیسرے ۳ یہ کہ جس سے ملو اور جہاں جاؤ اپنے اکابر کے مسلک سے ذرہ برابر نہ ہٹو یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ دوسرے تمھارے اثر کو لینے والے ہوں اور تم کسی سے متاثر نہ ہو کہیں کسی جگہ تم سے زیادہ اثر رکھنے والا ساتھ ہو تو اسوقت کچھ عذر کر کے تم ہمراہ نہ جاؤ

چوتھے ۴ یہ کہ جماعت کے طریقۂ کار کی پابندی کا لحاظ نہ رکھو اور اسکی مخالفت بھی نکرو۔ ہاں ایک بات ضروری ہے کہ جماعت کے بعض کارکنوں کے اندر یہ احساس پیدا ہو رہا ہے کہ مدارس غیر ضروری ہیں اور نفس کی اصلاح جماعت کے کارکنوں کی خوب ہو جاتی ہے مشائخ کے یہاں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ حتیٰ کہ بعض ایسے لوگوں کو جو مشائخ کے پاس جانا چاہتے تھے کچھ لوگوں نے ورغلایا (یہ کہکر) کہ ہم نے دیکھا ہے کہ خانقاہوں میں رہنے والوں کے نفس کی اصلاح نہیں ہوئی، اور جماعت میں کام کرنے والوں کی ہو گئی۔ میں نے اس شخص سے جس نے مجھے یہ آکر سنایا یہ کہا کہ خانقاہ میں رہنے والوں میں سے جسکی اصلاح نہیں ہوئی تو یا تو وہ خانقاہ اصلاحی خانقاہ نہ ہو گی یا جانے والے نفاق عملی میں مبتلا ہوں گے۔ شیخ کو دھوکا دیکر (وہاں سے) نفاق میں ترقی لیکر آئے ہوں گے۔ غرضیکہ یہ دونوں خیالات نہایت خطرناک ہیں۔ حکمت عملی کے ساتھ اسکی اصلاح نہایت ضروری ہے۔

ایک ۵ بات یہ ہے کہ اس میں غلو نہ ہو اور دور نہ جائیے گا، گاہے ماہے فرصت کے وقت ایک آدھ دن کیلئے تبلیغ کیلئے نکل سکتے ہیں پھر اسکے بعد جب ساتھ آنیوالے متوجہ نظر آئیں تو ضرور اپنے یہاں پاؤ آدھ گھنٹہ کوئی وقت مقرر کر کے ان کے اندر رسوخ پیدا کرنے کیلئے "وصیۃ الاحسان" وغیرہ سنایا کریں حضرت والا کے "متفرق ملفوظات" جو طویل مضمون کی شکل میں میں وہاں سے نقل کر کے لایا تھا وہ بھی برادرِ موصوف کے حوالہ کر دیا ہے کہ اسکو بھی سنایا کرو۔

ارشاد مرشد: آپ خود فہیم ہیں اور آپ کے برادر بھی۔ میری تعلیمات کا خیال

آپ دونوں حضرات کو ضروری ہوگا وبس ۔ وصی اللہ عفی عنہ

(۹)

(اب آپ لوگ بھی میرے طریقے کو نہ سمجھیں گے تو کس سے توقع رکھوں)

عرض حال : آجکل یہاں مولانا محمد یوسف صاحب تبلیغی جماعت کے جلسے میں تشریف لائے ان کے بعض مواعظ میں شرکت کا موقع ملا ۔ ان کے اخلاص اور للّٰہیت کا دل پر اثر ہے مواعظ بھی مؤثر تھے ۔ وہ مجھے بھی اس جماعت میں شرکت کیلئے ساعی ہوئے اور دوسرے بااثر احباب کے ذریعہ بھی مُصر ہوئے لیکن میں نے صرف یہ عرض کیا کہ آپ کے کام سے مجھے محبت ہے لیکن اپنے آپ کو تبلیغی جماعت میں داخل ہوکر کام کرنے کا اہل نہیں پاتا ۔ میں ناقص ہوں اسلئے دوسروں کی تکمیل کا سبب نہیں بن سکتا ۔ رہے چلّے گذارنا تو خدا رکھے اسکے لئے میرے شیخ کا در زندہ ہے اور میں اپنی تکمیل کا واحد مقام اپنی مرشد کی درگاہ ہی کو سمجھتا ہوں اگر ہو سکا تو وہیں چلّے گذاروں گا ۔ احباب کے اصرار پر میں نے کہا کہ بھائی یہاں فوج تیار ہوتی ہے مگر میرے مرشد کے یہاں سپہ سالاروں کی تربیت ہوتی ہے اسلئے " مرا مرشدِ من بس است " میں سپہ سالار بننے کے بجائے سپاہی کیوں بنوں ۔ خدا گواہ انھیں دیکھنے اور ان کے جلسے کی بھیڑ بھاڑ اور دھوم دھام دیکھنے کے بعد حضور والا کی محبت وعظمت پہلے سے بھی کہیں زیادہ محسوس ہونے لگی فالحمد للہ علی ذلک والسلام

ارشاد مرشد : الحمد للہ بخیریت ہوں ۔ آپ کے جوابات سے خوش ہوا ۔ اب آپ لوگ بھی میرے طریقے کو نہ سمجھیں گے تو کس سے توقع رکھوں ؟

(رجسٹر نقل خطوط ص ۱۷۸ ج ۹)

(راقم عرض کرتا ہے کہ صاحب عریضہ ایک عالم دین ہیں حضرت اقدسؒ کے تلمیذ اور مسترشد ہیں بچپن میں حضرت والا کی تربیت میں عرصہ تک رہے ہیں، حضرت والا نے انکے لئے جو طریق پسند فرمایا وہ جواب میں نمایاں ہے انکی فہم اور جواب پر مسرت کا اظہار فرمایا اور آخر میں جو جملہ ارقام فرمایا ہے وہ کسقدر حسرت اور محبت میں ڈوبا ہوا ہے حضرت اقدس

سے محبت اور عقیدت رکھنے والوں کیلئے تو بس ایک تازیانۂ عبرت ہی ہے کیونکہ حضرت والا یہی چاہتے تھے کہ لوگ میرے طریقے کو خود سمجھیں مجھے اپنی زبان سے نہ کہنا پڑے کہ تم یہ کرو اور وہ نہ کرو، باقی اہل علم اور خواص میں بھی مجھ سے تعلق کے بعد اگر اتنی بھی فہم نہیں پیدا ہوسکی ہے تو افسوس ہے اور اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ میں دین کے کسی بہتر طریقے سے انکو روکتا ہوں تو اپنر مزید افسوس ہے کہ یہ بات تو عقیدت کے بھی خلاف ہے)

(۱۰)

(جو لوگ حضرت کے طریق پر نہیں ھیں مجھے ان سے مناسبت نہیں ھے)

عرض حال: الحمد للہ تحدیث بالنعمۃ کے طور پر کہتا ہوں کہ حضرت والا کا طریق تعلیم وتلقین اور طرز امتیازی کہ سب سے زیادہ نظر خلوص وصدق پیدا کرانے کیطرف رہتی ہے اور اصلاح اخلاص کا نہایت درجہ اہتمام اور پھر مجھ سیاہ کار کا ہل اور مشاغل میں منہمک (شخص کے) اندر جو انقلاب ہو رہا ہے کہ اپنے عیوب برابر پیش نظر رہتے ہیں اس کھلی کرامت کو دیکھ رہا ہوں تو میرا اعتقاد ہے کہ بجز اس طریقہ کے اور طریقوں میں تضییع عمر ہے۔

ارشاد مرشد: اعتقاد ہی اس طریق میں نافع ہے مگر جبکہ معرفت وبصیرت کے ساتھ ہو (اور یہ جو فرمایا کہ اور طریقوں میں تضییع عمر ہے تو یوں کہنا چاہیئے کہ) خلوص کے بغیر تضییع عمر ہے (مطلب یہ کہ خلوص کے ساتھ اور طریقے بھی مفید ہوسکتے ہیں اور خلوص ہی نہ ہو یا اعتقاد وبصیرت ہی نہ ہو تو یہ طریقہ بھی چنداں مفید نہیں)۔

عرض حال: کسی سے حضرت والا کے مناقب سنتا ہوں تو اس سے مجھے بڑی راحت تو ہوتی ہی ہے (لیکن) بڑی خوشی بھی حاصل ہوتی ہے کہ واللہ میں عقیدت اور بصیرت میں ان مناقب بیان کرنیوالوں کا محتاج نہیں ہوں۔ اسمیں تو میرا عقیدہ یہ ہے کہ ع۔ زعشق ناتمام ما جمال یار مستغنی است (ہمارے ناتمام اور ناقص عشق سے ہمارے یار کا جمال بے نیاز ہے)۔ **ارشاد مرشد:** الحمد للہ۔ بیشک۔

عرض حال: جو لوگ مشائخ اور علماء میں سے (بکلی) حضرت والا کے طرز و طریق پر نہیں ہیں مجھے تو ان سے ذرہ بھر مناسبت نہیں ہے۔ ویسے کسی مصلحت کی بناء پر (کہ خواہ مخواہ شورش اور فتنہ نہ ہو) وہ یہاں آتے ہیں تو ان کے پاس جاکر مل لیتا ہوں۔ حضرت مولانا۔۔۔۔۔ صاحب اہتمام کے ساتھ صرف مجھ سے ملنے کیلئے دو دفعہ تشریف لائے مگر حضرت اقدس مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سے ذرا ہٹے ہوئے نظر آئے اور انھوں نے بار بار فرمایا کہ میرے متعلق تجھے کوئی بات کھٹکتی ہو تو صاف کہدے اسلئے میں نے کہا کہ بس یہی بات کھٹکتی ہے کہ آپ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں اور فرما رہے کہ فلاں صاحب سے بیعت ہوکر آرہا ہوں۔ آپ کی یہ بیعت اُن سے، اپنے استنے بڑے شیخ و مجدد فن کی توہین سی معلوم ہوتی ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ میں نے صرف۔۔۔۔۔ کے سلسلہ میں بیعت کی ہے۔ میں نے کہا کہ عام لوگوں کو کیا معلوم ہوگا اور وہ کیا فرق کریں گے (وہ تو) بس یہی سمجھیں گے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ قدس سرہٗ سے جو کچھ حاصل ہوا ہے اسمیں کسر باقی رہی تھی اب یہاں اسکی تکمیل ہوئی۔۔۔۔ میری اس گفتگو سے بہت متاثر معلوم ہوئے۔ **تحقیق**: الحمدللہ

عرض حال: اور مجھ سے فرما گئے کہ اب میں تیری جیسی رائے ہے اسی کے مطابق وطن جاکر بیٹھ جاؤں گا یا ہر نہ نکلونگا وہیں بیٹھکر تبلیغ کرنے والوں کو کچھ ہدایتیں کرتا رہوں گا۔ **ارشاد مرشد**: بہتر ہے۔ خدا کرے اس پر عمل کریں۔

عرض حال: اسکے پیش نظر کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ جہاں تک مجھے احساس ہے کسی سے متاثر نہیں ہوتا ہوں۔ **ارشاد مرشد**: الحمدللہ۔

عرض حال: اور کسی سے خود جاکر حضرت والا کے متعلق دریافت بلکل نہیں کرتا خود ہی کوئی یہاں آکر اپنے طور پر کچھ کہدے تو اس میں اگر حضرت کی ذرہ توہین ہوئی تو اس میں مداہنت بلکل نہیں ہوتی۔

ارشاد مرشد: الحمدللہ۔

(۱۱)

(آپ لوگوں کی بدفہمی سے تو میں عاجز آگیا ہوں)

عرض حال: تبلیغی جماعت کا ایک اجتماع یہاں شہر میں ہونے والا تھا۔ ہمارے محلہ کی مسجد میں بھی جماعت کے چند اصحاب آئے ہوئے تھے۔ بعد مغرب مولوی۔۔۔۔ صاحب نے وعظ فرمایا، وعظ کا ماحصل تو دین کی اہمیت اور دنیا سے نفرت ہی تھا اس سلسلہ میں اپنا طریقہ کار پیش کیا وعظ کے ختم پر فرداً فرداً جماعت کے اصحاب جماعت کی تبلیغ کرنے (جانے) کے لئے وقت کا وعدہ کرانے میں کوشاں ہوئے مجھ سے بھی ایک صاحب نے نہایت نرمی ہی سے کہا۔ میں نے انکو یہی جواب دیا کہ "اپنی خیرخواہی رہنے دیجئے میں نے مولانا صاحب کا سن لیا ہے اب میں خود فیصلہ کرونگا (ہاں دفعتاً یہ کلمات بیڈھڑک اور تیزی میں نکلے) اسکے بعد وہ بھی خاموش ہو گئے اور میں نماز میں مشغول ہو گیا۔ اس واقعہ میں میری غلطی تیز لہجہ میں جواب دینا ہے یا بالکل جواب ہی نہ دیا ہوتا

ارشاد مرشد: یہ ٹھیک تھا (کہ خاموش ہی رہتے اور تیز جواب نہ دیتے)

عرض حال: ایسا اتفاق پڑتا تو ہے لیکن بہت کم حتی الوسع میں رعایت ملحوظ رکھتا ہوں تبلیغ میں نکلنے کے اسقدر فضائل بیان ہوتے ہیں گویا قیامت میں اللہ تعالےٰ اسی کی پرسش فرمائیں گے۔ اہل اللہ کی خدمت میں ایک لمحہ کے لئے بیٹھنا بہتر کہ اس سے بڑھکر تبلیغ میں نکلنا ہے۔ میرے نزدیک تو اہل اللہ کی صحبت کے مقابلہ میں کوئی عبادت نہیں (یکزمانے صحبت اولیاء + بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا) حضرت میری اصلاح فرمائیں۔

ارشاد مرشد: خود جانتے ہو۔

(جواب کے ساتھ یہ تنبیہ بھی فرمائی)

آپ لوگوں کی بدفہمی سے تو میں عاجز آگیا ہوں۔ اخلاق سکھاتے سکھاتے تھک گیا لیکن جب سنتا ہوں تو کوئی نہ کوئی بدخلقی کر لیتے ہیں۔ آپ لوگوں کو اسکا احساس بھی نہیں ہے

کہ اسکا اثر اور ضرر کہاں تک پہونچتا ہے۔ قرآن شریف پڑھتے ہیں اس میں ہے کہ قول معروف و مغفرۃ خیر من صدقۃ یتبعھا اذی (یعنی خوبصورتی کے ساتھ کچھ کہدینا اور سائل کی ضد اور ہٹ کو معاف کردینا اس صدقہ سے کہیں بہتر ہے جس کے بعد اسکو ایذار بھی دیجائے) لیکن وقت پر کسی سے نرم بولی بولنے پر جیسے (آپ لوگ) قادر ہی نہیں ہیں۔ اسی لئے کہتا ہوں کہ عبادت گذار ہونا آسان ہے مگر اخلاق کے ساتھ متصف ہونا بڑا دشوار کام ہے۔ خلیق آدمی مخالف کو بھی موافق کرلیتا ہے اور بد خلق موافق کو بھی مخالف بنالیتا ہے۔ حسن خلق کی مدد سے لوگ کیسے کیسوں کو نبھا دیتے ہیں اور آپلوگوں کیلئے چار آدمیوں کے ساتھ زندگی گذارنی مشکل ہے۔ آپ کا یہ معاملہ (یعنی یہ تیز جواب) پسند نہیں ہوا۔ اب بھی بات سمجھ میں آئی یا نہیں۔ نہ سمجھو گے تو یہاں آنے کی بھی اجازت نہ دونگا۔ جب کچھ سمجھنا ہی نہیں ہے تو کہیں آنے جانے سے فائدہ؟

(راقم عرض کرتا ہے کہ یہ تھا حضرت مصلح الامۃ کا اعتدال کہ عملاً گو کار تبلیغ میں شریک نہیں تھے لیکن ان حضرات کے ساتھ اپنے لوگوں کی اس نوع کی بدخلقی بھی پسند نہ تھی دیکھئے سالک مذکور پر کیسا مواخذہ فرمایا اور یہ ظاہر ہے کہ یہ مواخذہ انکی تیز کلامی ہی پر ہوا تھا کہ یہ طرز و عمل آئین خانقاہ اور وضع صوفی کے خلاف تھا اور لوگوں کو حضرت اقدس رحؒ ہی سے بدگمان کردینے کے مرادف تھا اسلئے کہ آجکل لوگ مرید سے اس قسم کے امور کا مشاہدہ کرکے براہ راست اسکی نسبت شیخ ہی کی جانب کردینے میں بھی تکلف نہیں کرتے۔ پس جس معاملہ میں حضرت والا سکوت اختیار فرمانا چاہتے ہوں اور اپنی زبان سے کچھ نہ کہنا چاہتے ہوں وہاں جس طرح سے اس خاموشی سے تائید اور شرکت کا استنباط صحیح نہیں ہے اسی طرح سے غیر عالم اور عوام کے لئے دوسروں سے رد و قدح بھی ناپسند تھا رہے علمار تو اگر وہ کسی امر منکر پر دلیل شرعی کی رو سے نکیر کریں تو یہ انکا منصب ہے۔ باقی مرید کے افعال کی نسبت پیر کیجانب کرنا یہ کچھ صحیح طریقہ بھی نہیں کیونکہ لوگ نبیؐ کے امتی ہوکر بھی خلاف سنت کام کرتے اور اللہ تعالیٰ کے بندے ہوکر بھی معصیت کرتے ہیں تو اس سے معاذ اللہ اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر کیا الزام لیکن اہل زمانہ کا حال چونکہ ایسا ہی اسلئے حضرت اقدس کسی خلاف کام کرنے کو اس خیال سے بھی پسند نفرماتے تھے)

(۱۲)

(الدّینُ النصیحۃ)

(ہدایت مصلح الامۃ برائے متعلقین و منتسبین خصوصاً و عامۃ المومنین عموماً)

مجھے مختلف مقامات سے اور معتبر ذرائع سے یہ بات پہونچی ہے کہ کہیں لوگ اسوقت تبلیغی جماعت سے کچھ الجھ رہے ہیں، ایک دینی کام کو نہ خود ہی (اپنے طور پر بھی) انجام دیتے ہیں اور نہ دوسرے ہی لوگوں کو کرنے دیتے ہیں بلکہ طرح طرح سے انکے کام میں روڑا اٹکاتے ہیں میں اسکو نہایت ہی برا سمجھتا ہوں کہ آدمی نہ تو خود کوئی کام کرے اور نہ کسی دوسرے کو کرنے دے بلکہ کام کرنے والوں پر اعتراضات کی اسقدر بھرمار کرے کہ وہ ان سے گھبرا کر اس کام ہی کو ترک کردے۔

اس زمانہ میں دینی کام کرنے کی جسقدر ضرورت ہے ظاہر ہے اور اسکے لئے کسقدر زیادہ کام کرنے والوں کی حاجت ہے یہ بھی مخفی نہیں ہے اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ ہر زمانہ میں کچھ نہ کچھ اللہ کے بندے ایسے ضرور رہیں گے جو اسکے دین کی خدمت اور اسکی حفاظت دل وجان سے کریں گے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس ایک ہی مقصد کے لئے طریق کار مختلف ہوں۔ چنانچہ اس زمانہ میں بھی علماء اہل حق شکر اللہ مساعیہم اپنے اپنے صوابدید کے موافق دینی جد جہد فرما رہے ہیں۔

اب اگر کسی کو کسی خاص طریق کار سے کچھ اختلاف ہو تو زیادہ سے زیادہ وہ یہ تو کرسکتا ہے کہ اپنے طریقہ اور ہمت کے مطابق کام کرے لیکن دوسرے دینی کام کرنے والوں کی بھی ہمت افزائی نصرت اور انکے لئے دعائے خیر کرنا ضروری ہے اور اگر انکے کسی تسامح پر مطلع ہو تو بطور نصح و خیر خواہی کے نرمی سے اسکو سمجھا دے نہ یہ کہ اس جماعت ہی پر لعن طعن شروع کردے اور بعض افراد یا عوام کی بدسلیقگی کیوجہ سے جماعت کے اکابر کو بھی مورد الزام قرار دینے لگے۔ میں اسکو نہایت ناپسند کرتا ہوں اور اس زمانہ میں اسکو بھی مسلمانوں کی تفریق کا موجب سمجھتا ہوں اور یہ وقت ان سب باتوں کا نہیں ہے۔

ضرورت ہے کہ اسکی کوشش کیجائے کہ سب مسلمانوں میں باہم الفت ومودت پیدا ہو اور بغض و عداوت قلوب سے دور ہوں کیونکہ کسی بھی دینی اور عمومی کام کے بارآور ہونے کا سب سے پہلا زینہ افراد کا باہمی اتفاق و اتحاد ہی ہے۔

لہٰذا میں تمام مسلمانوں کو عموماً اور اپنے متعلقین اور منتسبین کو خصوصاً یہ ہدایت کرتا ہوں کہ کسی بھی دینی کام کرنے والی جماعت سے (خواہ وتبلیغی جماعت ہو یا کوئی اور) الجھیں نہیں بلکہ بحدامکان انکی نصرت اور اعانت ہی کردیا کریں اور کچھ نہو سکے تو دعائے خیر تو اسکے حق میں بہرحال کیا ہی کریں کیونکہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ بھی اپنے اکابر میں سے ہیں معاذاللہ وہ کوئی مبتدع یا غیر مخلص شخص نہیں ہے کہ انکی جماعت پر رد وانکار کیا جائے (یعنی جو اصول صحیحہ کے ساتھ کام کرنی والی ہو)

رہی یہ بات کہ بعد کے لوگوں میں کچھ طریق کار میں کوتاہی ہو رہی ہے تو اسکے متعلق بھی مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ خود جماعت کے اہل علم حضرات اور خواص کے علم میں یہ چیزیں آگئی ہیں اور اسکی طرف سے وہ غافل نہیں ہیں لہٰذا وہ خود ہی اسکی اصلاح کرلیں گے۔ ہم کو اور آپکو اسکی کیا ضرورت ہے کہ ایک کام دین کا جو ہو رہا ہے اس میں رخنہ اندازی کرکے خوامخواہ مسلمانوں کے لئے ایک نیا باب فتنہ کا کھولدیں۔

اس نازک زمانہ میں معمولی سے معمولی فتنہ کو بھی مسلمانوں کے حق میں مہلک ہی سمجھتا ہوں لہٰذا خود بھی اس سے دور رہنا چاہتا ہوں اور اپنے محبین کو بھی اس سے دور رہنے کی نصیحت کرتا ہوں کہ دین نصیحۃ ہی کا نام ہے۔

حضرت مصلح الامۃ نے اپنے اس ارشاد میں حسب ذیل امور پر اپنے لوگوں کو تنبیہ فرمائی ہے:۔

(۱) کسی دینی جماعت سے الجھنا اور کسی بھی دینی کام میں رخنہ اندازی کو میں پسند نہیں کرتا

(۲) دین کے کام کے لئے بہت لوگ درکار ہیں، انسان خود بھی کوئی کام نکرے اور دوسروں کو بھی نکرنے دے یہ تو بہت برا ہے۔

(۳) یہ ہو سکتا ہے کہ ایک ہی کام کے لئے طریق کار مختلف ہوں۔

(۴) کسی خاص طریقۂ کار سے اگر کسی کو اختلاف ہو تو اپنے طریقہ اور ہمت کے مطابق ہی کام کرے یہ صحیح ہے کیونکہ اصل کام ضروری ہے نہ کہ کوئی خاص طریق کار

(۵) کسی دینی کام کرنے والی جماعت سے الجھے نہیں بلکہ اگر ہو سکے تو اسکی اعانت اور نصرت ہی کر دے، اور کم از کم اسکے لئے دعا کرنا بھی اعانت ہی ہے۔

(۶) کسی جماعت کی کوتاہی کی اصلاح مناسب ہے کہ اسکے اکابر خود کریں۔ دوسروں کے اصلاح کرنے میں مخالفت کا شبہ کیا جا سکتا ہے جو مفید نہیں ہوا کرتا۔

(۷) خواص کو عوام کی جانب سے غافل نہیں رہنا چاہیئے بلکہ انکی خامیوں کی اصلاح کر دینی چاہیئے ورنہ یہی لوگ انکو بھی بدنام کر دیں گے۔ چنانچہ اسی کی کڑی یہ تحریر اور اس سے پہلے کا جواب بھی ہے کہ حضرت اقدسؒ کو اپنے لوگوں کے متعلق تجاوز کی ذرا بھی اطلاع ملی تو خطاب خاص اور خطاب عام کے ذریعہ انھیں ضرور تنبیہ فرما دی گئی۔ حضرت والاؒ یہی بات اور حضرات سے بھی چاہتے تھے کہ عوام کو حد سے نہ بڑھنے دیں اور انکے کام پر کڑی نگرانی رکھیں۔

(۸) ہر ناصح کو اپنا مخالف ہی نہ جاننا چاہیئے بلکہ معترض کے شبہ کی تحقیق کرے اور اگر واقعی ہو تو اعتراف کرے اور پھر اصلاح کی کوشش کرے۔

(۱۳)

(جو طریق اسلم اور انسب سمجھ میں آئے اختیار کیجئے)

(خواہ سکوت و خاموشی۔ یا۔ اخلاص و نرمی کیساتھ کچھ کہہ دینا)

عرض حال: حضرت والا نے فتحپور (تال نرجا) میں وہاں سے میرے رخصت ہونے کے دن نصیحت کے طور پر چند ارشادات فرمائے تھے منجملہ ان کے ایک یہ بھی تھا کہ جماعت آئے تو انکی تقریر میں بھی بیٹھ جا۔ انکی دعوت بھی کبھی کر دے۔ کوئی ایسی صورت پیش نہ آنے دے کہ وہ تجھے اپنا مخالف سمجھنے لگیں باقی اپنے اکابر کے اصول پر مضبوط رہ۔ الحمدللہ اتنک

اس ارشاد کے مطابق عمل کر رہا ہوں۔

اب ان حضرات کو دیکھ رہا ہوں کہ بالکل ہی حدود سے باہر ہو رہے ہیں اپنی تقریروں میں بے باکانہ ان علماء اور مشائخ پر طنز طعنے اور حملے شروع کر دیئے ہیں جو ان کے ساتھ باہر نہیں نکلتے۔ ابھی قریب میں یہاں ایک جماعت آئی تھی ایک مقرر نے کہا کہ "تجربہ کے بعد اکابر نے کہا ہے کہ بڑے سے بڑا شیخ، صاحب نسبت اس کام میں حصہ نہ لے تو اسکی نسبت ختم ہو جاتی ہے ۔۔۔ دوسرے نے کہا کہ حضرت مولانا ۔۔۔ رح کے ایک خلیفہ کو حضرت مولانا ۔۔۔ رح نے خواب میں آکر حکم کیا کہ ہم کو قبر میں پہونچنے کے بعد جماعت کی عظمت کا احساس ہوا کاش کہ اگر زندگی میں یہ بات معلوم ہوتی تو میں مدرسہ چھوڑ کر اس کام میں لگتا۔ اب تم کو تاکید کرتا ہوں کہ اس کام میں شریک ہو جاؤ۔

اس قسم کی تقریر یں کھلکر کرتے رہتے ہیں جس سے سخت اذیت ہوتی ہے۔ ایک نئے فتنہ کا بڑا اندیشہ معلوم ہوتا ہے۔ حضرت والا اب ان لوگوں کے ساتھ کیسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے میرا تو یہ حال ہے کہ ؂

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد وگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

گذشتہ ماہ یہاں بڑا اجتماع ہوا جس میں مولانا ۔۔۔۔۔ صاحب نے بھی شرکت کی تھی اور مدرسہ ۔۔۔ کے ایک مولانا ۔۔ صاحب بھی آئے تھے، تعجب ہو رہا تھا کہ مولانا صاحب نے مدرسہ کا کام چھوڑ کر شرکت کیوں کی؟ میں نے خلوت میں دریافت کیا کہ حضرت کی یہاں تشریف آوری کی غرض کیا ہے؟ تو جواب دیا "میں نے مولانا الیاس صاحب رح کا کام بھی قریب رہکر دیکھا ہے بلکہ اس میں عملی طور سے حصہ بھی لیا ہے لیکن آج کی نوعیت ہی کچھ اور ہو گئی ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ خیر کی صورت میں شر پھیل رہا ہے۔ یہ لوگ اور علماء سے کٹ رہے ہیں۔ بڑے فتنہ کا اندیشہ ہے۔ جو عالم مدرسہ چھوڑ کر اس میں حصہ لینے لگتا ہے تو پھر اسکے لئے درس و تدریس کیطرف رخ کرنا وبال جان معلوم ہونے لگتا ہے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اسکا سد باب کیسے ہو اور کیا کہکر سمجھایا جائے؟" (یہ ساری باتیں مولانا صاحب ہی نے فرمائیں)۔

مولانا صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ یہ لوگ کسی کی نہیں سنتے۔ اگر کوئی ان کے جلسہ میں آکر

ایک آدھ بات کوئی اصلاحی کہہ دے تو دوسرے موقع پر وہ نہ آسکے ایسا طریقہ اور معاملہ کردیتے ہیں، گو زبان سے اسکی شرکت اور اصلاحی بات پر خوشی کا اظہار بھی کردیتے ہیں۔ میں ہی ایک آدمی مستثنیٰ ہوں کہ چونکہ مولانا محمد الیاسؒ صاحب کے ساتھ بھی میں نے کام کیا ہے اور دوسری بھی بعض خصوصیتیں ہیں جنکی وجہ سے میرے ساتھ ایسا معاملہ کرنے کا موقع نہیں ہے اسلئے میرے کہنے کو برداشت کرلیتے ہیں۔ ان حالات کے پیش نظر مجھے عجیب الجھن اور پریشانی اسکے متعلق ہے۔

اس وقت معلوم ہوا کہ یہ لوگ یہاں آرہے ہیں عوام خالی الذہن کے ذہن میں معلوم نہیں کیا کیا ڈالا جائے یہ نیا علاقہ ہے گو میری ضعیف العمر والدہ اسوقت فریش بھی ہیں یہ بھی ایک قوی مانع موجود تھا اور پھر مدرسہ کا تعلیمی حرج دس بارہ دن کا دوسرا مانع ہوتے ہوئے میں نے سفر اختیار کیا ۔۔۔۔۔ صاحب نے بھی اسکو نہایت اہم سمجھکر رخصت دی۔ میں نے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی نظر میں مدارس اور علماء و مشائخ سے وابستگی اور عظمت کی جو کچھ اہمیت تھی اسکو اجتماع میں بیان کیا ــــ اور مولانا یوسف صاحب نے بھی کسی موقع پر دوسرے علماء کی طرف سے علماء و مدارس سے کٹنے پر احتجاج سنکر کہا تھا کہ ــــ

ــــ "خدا وہ دن کبھی نہ دکھائے کہ جس میں جماعت کے کارکنوں کے اندر ذرا بھی علماء و مدارس سے بے اعتنائی پیدا ہونے لگے" ــــ مجمع عام میں میں نے اسکو بھی سنادیا بس اسی کام کی غرض سے میرا سفر ہوا"۔ انتہی کلامہ۔

حضرت والا! اب آئندہ ان کے ساتھ کیا طریقہ اختیار کرنا مناسب ہوگا؟ ایسے الجھے ہوئے حالات کے متعلق حضرت والا ہی کے حکمت آمیز ارشادات پر عمل کرنے سے فتنوں سے امن و حفاظت کی امید ہے ورنہ خاموشی اختیار کرنے میں بھی شر پھیلنے کا اندیشہ ہے اور کچھ کہنے میں بھی فتنہ کا اندیشہ ہے۔ گو حضرت والا کی برکت سے یہاں کچھ حکمت آمیز طریقہ سے کہنے میں خاصکر اپنی بستی میں زیادہ فتنہ کا اندیشہ تو بظاہر معلوم نہیں ہوتا۔

بہر حال حالات میں نے حضرت کی خدمت میں پیش کردیئے ہیں حضرت کے ارشادات سراپا حکمت پر مبنی ہوتے ہیں اور فتنوں کی حکمت عملی سے بیخ کنی ہو جاتی ہے اور

حضرت والا بہت بہت دعا بھی فرمائیں کہ حق تعالیٰ تمام ظاہری و باطنی فتنوں سے محفوظ رکھکر اہل ایمان کے ساتھ دنیا سے اٹھالیں۔

(جواب باصواب حضرت مصلح الامۃؒ جو آج بھی منتسبین حضرت والا کیلئے شمع راہ بنائے جانے کے لائق ہے)

آپ نے جو باتیں لکھی ہیں وہ بالکل صحیح ہیں۔ میں کسی جماعت سے آویزش کو پسند نہیں کرتا مگر جہاں کسی کو از خود چھیڑنا پسند نہیں ہے وہیں یہ بھی چاہتا ہوں کہ ہمیں بھی کوئی نہ چھیڑے جس کو جو کام پسند ہوا ختیار کرے، معاملہ دین و دیانت کا ہے اور ہر شخص کو اپنے دین کا اختیار ہے مجھ سے تو کوئی اس قسم کی باتیں کرتا نہیں۔ یہاں جو لوگ آتے ہیں وہ منقاد و مطیع ہی نظر آتے ہیں۔ باقی آپ جو حالات کہہ رہے ہیں اسکے متعلق اتنا ہی کہتا ہوں کہ آپ وہاں کے مقتدا ہیں وہاں کے تفصیلی حالات آپ کے سامنے ہیں لہٰذا جو طریق اسلم اور انسب سمجھ میں آئے اختیار کیجئے۔

بعض موقع پر سکوت اور خاموشی مناسب ہوتی ہے اور بعض مواقع پر سکوت سبب غلط فہمی بن جاتا ہے۔ بہرحال اخلاص کے ساتھ نرمی سے حق بات کہدینا مفید ہی ہوتا ہے قلوب کا معاملہ حق تعالیٰ کے قبضہ میں ہے اور حق میں تاثیر بر حق ہے، ہاں اگر نفسانیت آجائیگی تو کام بگڑجائے گا۔ اس وقت اس سے زیادہ کوئی بات ذہن میں نہیں ہے۔ والسلام۔ وصی اللہ عفی عنہٗ۔

(رجسٹر نقل خطوط ۱۶ ص۹)

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت مصلح الامۃؒ کا جواب۔ بلاشبہ یہ حضرت والا کے منتسبین کے لئے اس سلسلہ میں حرف آخر ہی کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ ابتدا خط سے معلوم ہوا تھا کہ حضرت والا نے اپنے لوگوں کے لئے (اپنا نظام کار جماعت کے کام سے الگ رکھتے ہوئے) اسکی اجازت دے رکھی تھی کہ انکی تقریر وغیرہ میں تو لوگ شرکت کرہی سکتے ہیں اور

سب دینی کام کرنے والوں کیلئے دعائے خیر کریں، اسکے برخلاف ایسا طریقہ رکھنے کو پسند نہیں فرماتے تھے جس سے کہ دوسرے لوگ ہم کو اپنا مخالف سمجھیں یا اس سے بڑھ کر یہ ہمارا طرز عمل ان حضرات کو حضرت اقدس ہی کی جانب سے کسی غلط فہمی میں واقع ہوجانے کا سبب بن جائے۔ لیکن اسکے ساتھ ہی ساتھ (یعنی جبکہ حضرت والا خود بھی اپنے متعلقین کے لئے دوسروں کی رعایت کو پسند فرماتے تھے) یہ بھی چاہتے تھے کہ دوسرے لوگ بھی ہماری رعایت کریں یعنی اپنا کام کریں اور علماء و اہل خانقاہ کو چھیڑیں نہیں۔ چنانچہ جب اس قسم کی بعض اطلاعات معتبر ذریعہ سے حضرت اقدس تک پہونچیں کہ اب کچھ لوگ ایسا ایسا بھی کہنے لگے ہیں تو ظاہر ہے کہ بزرگوں اور اسلاف کے طریق کی نصرت کرنے والوں پر یہ امر کتنا شاق گذرا ہوگا چنانچہ حضرت اقدس نے بھی حالات کی تبدیلی سنکر اپنا جواب بھی تبدیل فرمادیا، چنانچہ آخر میں فرمایا کہ یہ صحیح ہے کہ میں کسی جماعت سے آویزش تو قطعی پسند نہیں کرتا اور آپ کو بھی ابتک سکوت ہی کا حکم کرتا رہا کہ فتنہ کا زمانہ ہے اور البلاء موکل بالمنطق، زبان سے کسی بات کا کہنا کبھی فتنہ کا سبب بن جاتا ہے اسلئے خاموشی سے اپنے کام میں لگے رہیئے اور اپنے اکابر کے اصول پر مضبوطی سے قائم رہیئے دوسروں کے درپے نہ ہوجیئے اور کسی سے منازعت کا تو کوئی سوال ہی نہیں ہوتا۔ اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب چونکہ اپنے اکابر میں سے ہیں ان پر اعتماد کرتے ہوئے ان کے طریقہ کار سے نفرت کیا معنی اسکی مخالفت کو بھی پسند نہیں کرتا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ وہ بھی دین کا ایک مفید کام ہے ہوتا رہے۔

باقی آپ کے لکھے ہوئے حالات سے اندازہ ہوا کہ مرور دہور کے سبب اب اس کے طریقہ میں تبدیلی ہونی شروع ہوگئی ہے اور بعض لوگ علماء و مدارس اور صاحب نسبۃ بزرگوں کی شان میں بھی حد سے تجاوز کرنے لگے ہیں اور اپنی بات کو کھلم کھلا اکابر کی جانب منسوب کردیتے ہیں تو ظاہر ہے ان سب باتوں کو خاموشی کے ساتھ کیسے سنا جاسکتا ہے اور اس پر کیسے راضی رہا جاسکتا ہے ع۔ اَاُحبہٗ واحب فیہ ملامۃ کی رو سے یہ کیسے ممکن بھی ہے لہٰذا اب آپ کے لئے وہ پہلا حکم نہیں ہے بلکہ آپ اپنی جگہ مقتدار کی

حیثیت رکھتے ہیں کہ خود عالم وفاضل اور مفتی ہیں) جیسا موقع مناسب ہو کام کیجئے۔ کیونکہ بلاشبہ کبھی تو کسی جگہ خاموشی ہی مناسب ہوا کرتی ہے لیکن کہیں ایسا بھی ہوتا ہے کہ خاموشی سبب غلط فہمی بھی بن جایا کرتی ہے اسلئے اسے دور کرنا ایک عالم کا بفحوائے ؂

دگر بینم کہ نابینا و چاہ است　　　اگر خاموش بنشینم گناہ است

اپنا شرعی فریضہ ہوجاتا ہے ظاہر ہے کہ اس میں دخل دینے والا میں یا کوئی کون ہوتا ہے باقی اس سلسلہ میں اتنا ضرور کہتا ہوں کہ حق بات اخلاص اور نرمی کے ساتھ کہہ دینے میں انشاءاللہ نفع ہی نفع ہے۔ البتہ نفسانیت سے بہت دور رہنے کی ضرورت ہے ورنہ اسکے بعد تو پھر فساد اور فتنہ دھرا ہوا ہے۔ اس زمانہ میں اس سے بہت زیادہ بچنے کی ضرورت ہے

سبحان اللہ! حضرت نے کیا عمدہ نصیحت، حل اور اپنا پسندیدہ طریق کار موجودہ اختلافات سے بچتے ہوئے اپنے لوگوں کو تلقین فرمایا جو آب زر سے لکھنے کے لائق اور لائحہ عمل بنانے کے قابل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ ونعوذ باللہ من الفتن ماظہر منہا و ما بطن۔ ان ارید الا الاصلاح مااستطعت وما توفیقی الا باللہ

جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ حضرت والا کا ایک مخصوص طریق کار تھا جس پر آپ یکسوئی کے ساتھ تازیست کاربند رہے، اسکو دیانۃً مفید جانکر اختیار فرمایا اور باوجود اسکے کہ خواہش رکھتے تھے کہ سب مسلمان ایسی ہی زندگی گذاریں لیکن کسی دوسری دینی جماعت اور دوسرے طریقہ پر جو لوگ دین ہی کا کام کرتے ان کے درپے کبھی نہیں ہوئے، اور طریق کار کے سلسلہ میں یہی اسلم رویہ ہے بھی کہ جو طریقہ جس کو راس آئے یعنی اسکو مفید جانے اور وہ اسکو پسند ہو اسکو اختیار کرے اور دوسرے کام کرنے والوں کی تنقیص و اہانت قطعی نکرے لیکن چونکہ حضرت اقدس کو اللہ تعالیٰ نے منصب اصلاح امت بھی عطا فرمایا تھا اسلئے موقع آجانے پر آپ نے باب اصلاح میں کسی فرد یا جماعت کی ذرا پرواہ نہیں کی اور بلاخوف لومۃ لائم کسی میں کوئی کوتاہی دیکھی تو اس پر اسکو متنبہ فرمایا، حق بات اور راہ راست

سب کے سامنے پیش فرمادی اب خواہ کوئی اسکو مانے یا نہ مانے۔ چنانچہ اسی نوع کا ایک معاملہ ایک مرتبہ تبلیغی جماعت کے ساتھ بھی پیش آیا جس کا واقعہ یہ ہوا کہ:۔

مئو۔ کوپا اور گھوسی سے ہوتی ہوئی ایک جماعت جو چالیس پچاس افراد پر مشتمل تھی ایک دن شام کو فتحپور تال نرجا آئی، بستی کے شمال کی جانب باہری مسجد میں اس نے قیام کیا قبیل مغرب وہ لوگ حضرت اقدسؒ سے ملاقات کیلئے حضرتؒ کے مکان پر حاضر ہوئے، حضرت اوپر بالاخانہ میں تشریف رکھتے تھے دور سے اتنے لوگوں کو آتا ہوا دیکھکر خدام سے فرمایا کہ یہ کون لوگ آرہے ہیں کسی نے عرض کیا کہ حضرت یہ تو تبلیغی جماعت کے لوگ معلوم ہورہے ہیں۔ بطور ظرافت کے فرمایا کہ پھر یہاں کیوں آرہے ہیں مجھے تبلیغ کرنے آرہے ہیں کیا؟ یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ نیچے سے خادم نے آکر اطلاع دی کہ جماعت آئی ہوئی ہے لوگ ملاقات کیلئے حاضر ہونا چاہتے ہیں حضرت والاؒ نے فوراً اوپر بلالیا سب نے سلام و مصافحہ کیا اور تھوڑا ہی وقت گذرا تھا کہ مغرب کی اذان ہوگئی فرمایا کہ چلئے اب مسجد اذان ہورہی ہے سب لوگ اٹھے اور اتر کر مسجد چلے گئے حضرت والاؒ بھی آخر میں اترے نماز کے بعد حضرت اقدس حسب معمول مکان پر تشریف لائے اور سنت و نوافل سے فراغت کے بعد اپنے معمولات میں مشغول ہوگئے اور سب لوگ نماز سے فارغ ہو کر مسجد ہی سے اپنے جائے قیام پر واپس چلے گئے نہ تو ان حضرات نے اپنی تشریف آوری کی غرض حضرت والا سے عرض کی نہ حضرتؒ ہی کو دریافت کرنے کا موقع ملا۔ (باقی آئندہ)

(ایک مخلص کا سبق آموز خط)

دفتر کو لکھا کہ ــــ (رسالہ کی تمام جلدیں سابق) آپ کے پاس دستیاب ہوسکتی ہیں یا نہیں؟ مکتوبات اصلاحی۔ حالات مصلح الامتؒ۔ ترغیب الفقراء والملوک ترجمہ سلک السلوک۔ کتابی شکل میں شایع ہونگے یا نہیں؟ تحریر فرمادیں۔ میرا اپنا پورا حلقہ بریلویت کا عاشق تھا کتابوں کے مطالعہ سے اہل حدیث کی گلی میں پہنچکر ٹکراب حضرت شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ العزیز کی خانقاہ میں پڑاؤ ڈالا ہے۔ انشاء اللہ یہ پڑاؤ اب آخری ہوگا زندگی پوری بیکار سی لگ رہی تھی اب جینے کا مزہ آرہا ہے ہمارے لئے آپ لوگ مخصوص دعا فرمائیں۔

فقیر سید عبداللہ

دوسرے دن بعد فجر حضرت والا کو یہ اطلاع ملی کہ رات جماعت نے یہاں گاؤں میں بھی اپنا پروگرام جاری رکھا یعنی بعد مغرب گشت ہوا بعد عشار تقریر ہوئی، بعد تقریر چلے اور گشت کیلئے نام لکھوانے کا مطالبہ ہوا۔ حضرت اقدس نے اس کے بعد راقم کو اور مولوی وقار احمد صاحب مرحوم (ابن مولانا عبدالغفار صاحب رئیس گھوسی مرحوم) کو خانقاہ سے طلب فرمایا۔ ہم دونوں حاضر ہوئے تو حضرت والا اپنے بڑے کمرے میں تسبیح لئے ٹہل رہے تھے ہم دونوں سے فرمایا کہ ہمارا ایک کام کردو گے عرض کیا گیا کہ حضرت ہم لوگ حاضر ہیں جو ارشاد ہو انشاراللہ تعمیل ضرور کریں گے۔ فرمایا کہ تبلیغی جماعت یہاں آئی ہوئی ہے باہری مسجد میں شاید یہ لوگ ٹھیرے ہوئے ہیں میں تو کسی جماعت سے ابتداءً آویزشں پسند نہیں کرتا میرا یہ طریقہ بھی نہیں ہے لیکن دیکھ رہا ہوں کہ یہ لوگ حد سے بڑھتے جارہے ہیں اور اب سر چڑھتے جارہے ہیں اسوقت خاموش نہیں رہنا چاہیئے حق بات کہہ دینی چاہئے خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔ انھیں لوگوں سے کچھ باتیں کرنے کیلئے تم لوگوں کو بلایا ہے جاؤ ان سے کچھ گفتگو کرو ——— اسکے بعد اس راقم کا سر اپنے دونوں ہاتھوں سے ہلا کر فرمایا کہ بات کر لوگے یا ڈر جاؤ گے آکر کہوگے کہ ہم کچھ بول ہی نہ سکے کیونکہ وہ لوگ بڑی بڑی پگڑی باندھے ہوئے تھے (یہ حضرت والا کا مخصوص طریقہ تھا اور دراصل یہ تصرف ہوتا تھا اور یہ ہمت دلانا ہوا کرتا تھا کہ مجمع دیکھکر بالعموم ہم لوگ صحیح بات بھی ہوتی تو کہہ نہیں سکتے، اپنے ذاتی جبن اور طبعی ضعف کے سبب سے اسلئے حضرت والا اسی کو زائل فرمانا چاہتے تھے) پھر فرمایا اچھا جاؤ بسم اللہ- اور دیکھو جو کچھ کہنا نرمی سے کہنا مناظرہ نہ کرنے لگ جانا۔ ہم لوگ دعا کرا کے روانہ ہونے لگے تو فرمایا اور دیکھو امیر جماعت کو الگ بلا کر تنہائی میں ان سے گفتگو کرنا مجمع میں کسی سے کچھ نہ کہنا۔ عرض کیا بہت بہتر یہ کہکر ہم دونوں باہر والی مسجد کی جانب روانہ ہوئے اور راستہ میں باہم گفتگو کرتے رہے کہ کیا گفتگو کیجائے حضرت والا نے صراحت تو درکنار اشارۃً بھی نہ فرمایا اب مشکل یہ تھی کہ اگر کوئی سخت بات آنکلتی تو حضرت والا کی ناراضگی کا اندیشہ تھا اور اپنا پتہ کٹنے کا ڈر تھا اور حضرت کے منشار کے مطابق بات نہ کہی گئی تو ڈر تھا کہ پٹائی ہوجائیگی اور بدفہمی کی سند مل جائیگی اسلئے اللہ تعالے سے دعا کرتے کرتے

اور ڈرتے ڈرتے مسجد پہنچے امیر جماعت صاحب کو دریافت کر کے انکو ایک الگ گوشہ میں لیجا کر عرض کیا کہ ہم لوگ خانقاہ شریف سے حاضر ہوئے ہیں آپ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتے ہیں (میں نے تو یہ چاہا تھا کہ مولوی وقار صاحب گفتگو کرتے لیکن انھوں نے باصرار مجھے ہی مجبور کیا) چنانچہ میں نے عرض کیا کہ :۔

" جناب امیر صاحب محترم ۔ آپ سے ہم یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ یہاں جس بستی میں آپ تبلیغ کے لئے تشریف لائے ہیں اس کے متعلق آپ کو پہلے سے کچھ معلومات تھیں یا نہیں ؟ اسی بات کو صاف صاف دوسرے لفظوں میں یہ سمجھئے کہ یہاں جو بزرگ تشریف رکھتے ہیں اور ہندوستان کی ایک مشہور خانقاہ یہاں ہے ان بزرگ کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں۔ آپ کو آنے سے پہلے یہاں کی کچھ معلومات تو رہی ہی ہونگی ؟ اس پر انھوں نے فرمایا کہ ہاں مجھے معلوم تھا کہ یہاں حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ رہتے ہیں۔ مجھے چونکہ حضرت اقدس کی عظمت ہی انکے پیش نظر کرانی تھی اور ان کے اس اتنے جواب کو میں نے ناکافی سمجھا اس لئے بغیر کسی تمہید کے ان سے عرض کیا کہ سنئے حضرت مولانا مدظلہ العالی جو اس بستی میں رہتے ہیں وہ نہ صرف یہ کہ حضرت مولانا تھانوی رح کے ایک خلیفہ ہیں اور بس' بلکہ حضرت والا حضرت حکیم الامۃؒ کے اجل خلیفہ میں سے ہیں اور آپ کو اللہ تعالےٰ نے اس دور میں ایک ایسے مرتبہ پر فائز فرمایا ہے کہ ہند اور بیرون ہند کے بڑے بڑے علماء آپ کا بیحد ادب و احترام فرماتے ہیں حتیٰ کہ جو آپ کی جماعت کے اکابر علماء ہیں مثلاً مولانا علی میاں صاحب ندوی مدظلہ' یا مولانا محمد منظور نعمانی صاحب مدظلہ' یہ حضرات بھی حد درجہ تادب اور عظمت کا معاملہ حضرت کے ساتھ رکھتے ہیں یہاں تشریف لانا ہوتا ہے تو کیسی تبلیغ اور کہاں کا وعظ کہنا کوشش صرف اس امر کی رہتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ وقت حضرت اقدس کی خدمت میں گذرے اور حضرت کے اصلاحی ارشادات سنتے رہیں اور ان سے مستفید ہوتے رہیں۔ حضرت کی مجلس میں شرکت فرماتے ہیں تو بلا مبالغہ کانھم علیٰ رؤسھم الطیر کا منظر آنکھوں کو دکھا دیتے ہیں ان اکابر کو یہ کہتے سنا کہ یہ جگہیں تو مستقل طور پر سفر کر کے آنے کی ہیں۔ ایک بات تو یہ پیش نظر رکھیے

جو حضرت اقدس کے تعارف کے سلسلہ کی ہوئی،

دوسری بات یہ کہ جہاں تک میرے علم میں ہے کہ حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحبؒ کا اصول بھی تھا کہ جماعتوں کو ہدایت فرماتے تھے کہ اگر کسی ایسی بستی میں بھاڑا جانا ہو جہاں کوئی کوئی بڑا عالم یا شیخ موجود ہو تو وہاں جماعت کا کام صرف یہ ہوگا کہ ان حضرات کی خدمت میں دعا کے لئے حاضر ہوں انکی صحبتوں سے مستفید ہوں وہاں اپنا نظام کار نہ جاری کیا جائے اگر میری یہ معلومات صحیح ہیں تو ایک طرف آپ ہی کی جماعت کے اساطین کا تو ایک جگہ کے متعلق ایسا ادب اور دوسری جانب آپ حضرات کا اسکے خلاف نیز مولانا الیاس صاحبؒ کی ہدایت کے خلاف ایسا اقدام کیوں وجود میں آیا یہ غلط فہمی کہاں سے ہوئی اسکو معلوم کرنا چاہتا ہوں ، باقی اسکا جواب یہ تو ہو سکتا ہے کہ آپ یہ فرمادیں کہ ہمکو حضرت والا کی اتنی معرفت نہ تھی جواب ہوئی ہے۔ اسی لئے میں نے دریافت کیا تھا کہ جہاں آپ تشریف لائے ہیں اسکی بابت کچھ معلومات بھی آپکو تھی یا نہیں۔ آپ نے آنے سے قبل یہاں کے متعلق معلومات ضرور فراہم کرلی ہونگی اور جب آپ جانتے تھے تو اکرام عام مسلم جس جماعت کا اصول ہو اس سے عدم احترام اور کسر شان مشائخ کیونکر وجود میں آیا اس پر تعجب ہے۔

پھر ایک بات اور سمجھئے کہ آپ مئو۔ کوپا گنج اور گھوسی وغیرہ سے ہوتے ہوئے آرہے ہیں ان میں سے بالخصوص کوپا گنج کو کہتا ہوں کہ آپ نے وہاں مساجد کو نمازیوں سے بالعموم بھری ہوئی پایا ہوگا اور عام طور پر لوگوں کے چہروں پر داڑھیاں آپ کو نظر آئی ہونگی جس سے آپ نے فی الجملہ اس بستی میں دینداری کا اندازہ لگا لیا ہوگا تو سن لیجئے کہ یہ سب انھیں بزرگ کی سعی و کوشش اور وعظ و تبلیغ کا نتیجہ ہے۔ تن تنہا اس دیار میں حضرت اقدس نے اپنی تمام عمر صرف کردی ہے تب یہ نقشہ یہاں کا نظر آرہا ہے جو آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا۔ چنانچہ اس گاؤں میں بھی نمازی آپنے بکثرت دیکھے ہونگے اور چہروں پر داڑھیاں بھی دیکھی ہونگی اور الحمدللہ کہ بہت سے لوگ اس بستی میں ذاکر و شاغل، شب خیز اور انشاء اللہ تعالیٰ صاحب نسبت ہوں گے، یہ سب حضرت شیخ ہی کی تعلیمات کا

صدقہ ہے ــــــ تو آپ سے یہ کہنا تھا کہ جب یہاں ایک دینی انقلاب آچکا تھا یا آرہا تھا تو یہاں تبلیغ کی ضرورت تھی یا جہاں لوگ دین سے بالکل نابلد اور کورے ہیں وہاں جانے کی زیادہ ضرورت تھی؟ پس آپ کا یہاں کا سفر اور یہ کام کس نوع کا ہوا کہ سارا کام تو حضرت نے کیا انکی اصلاح میں دن رات ایک کردیا اور آخر میں خون لگا کر شہیدوں میں داخل ہونے کیلئے حضرت کی موجودگی ہی میں آپ آگئے آپکو یہاں آنے سے قبل اسکو معلوم کرلینے کی ضرورت تھی یا نہیں؟

نیز ایک بات اور سنیئے وہ یہ کہ یہ ظاہر ہے کہ حضرت والا کا طریقۂ کار جو یہاں ابتک رائج رہا آپ کے طریقۂ کار سے مختلف ضرور ہے اب ایسے دیار میں جہاں لوگ ایک طریقۂ کار میں لگے ہوئے ہوں آپ دین کا کام کرنے کا ایک دوسرا طریقہ رائج کریں گے تو ہوسکتا ہے کچھ لوگ اسکے موافق ہوجائیں اور کچھ لوگ حضرت ہی کے طریقہ کو سراہیں اور اس سے اختلاف کریں تو مسلمانوں کی ایک بستی میں جہاں ایک شیخ وقت موجود ہو اور دین کا کام بھی ماشاء اللہ شاندار طریقہ سے کر رہا ہو اور مقامی وغیر مقامی لوگوں کو اس سے نفع بھی ہو رہا ہو جیسا کہ آپ کی جماعت کے اکابر بھی اسکے شاہد ہیں تو وہاں آپ کے اس فعل کی وجہ سے باہم اتفاق واتحاد کا قیام ہوگا یا باہم اختلاف واقع ہوجانے کا اندیشہ ہے؟ پس یہ آپ کا کام کس درجہ کا ہوا؟ کیا حضرت مولانا یہاں بیکار بیٹھے ہوئے ہیں یا انکو بھی آپ دنیادار پیروں کی طرح تصور فرماتے ہیں اور اس خانقاہ کو بھی معاذ اللہ عشرت گاہ خیال فرماتے ہیں یا اپنے کو ان سے زیادہ مخلص، اللہ والا اور دین کی اشاعت کا زیادہ جذبہ رکھنے والا سمجھتے ہیں اگر سمجھتے ہوں تو آپ جانیں۔ اور اگر نہیں تو پھر یہاں آپ لوگوں کو اس طرح سے تشریف لانے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

بہرحال حاصل اس تمام گفتگو کا یہ ہے کہ یہاں حضرت اقدس جیسی عظیم الشان ہستی جسے مصلح الامۃ کہا جاتا ہے موجود ہے یہاں آپ حضرات کا اس طرح سے آنا کسی طرح مناسب کام نہیں ہوا۔ اور جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں یہاں آکر اسطرح سے اپنے نظام کا اجراء حضرت والا کے مقام سے ناواقفیت بلکہ عجب نہیں کہ سبب کسر شان علماء اور باعث تکدر مزاج والا کو

اللہ تعالیٰ کو بھی کچھ پسند ہوا ہو کہ حق تعالیٰ کو اپنے ولی کی پاس خاطر حد درجہ منظور ہوتی ہے

یہ اپنی جانب سے بطور نصیح کے ایک گذارش تھی جو میں نے عرض کر دی ہے اسپر آپ خود بھی غور فرمالیں اور پھر جو مناسب سمجھیں اسکی تلافی کریں۔ بس مجھے آپ سے یہی عرض کرنا تھا میری جرأت اور گستاخی کو معاف فرمائیے گا اور میری اصلاح کے لئے بھی دعا فرمائیے گا۔ بس اب اجازت چاہتا ہوں۔ السلام علیکم

یہ کہکر ہم دونوں وہاں سے چلنے لگے تو میں نے دیکھا کہ میری اس گذارش کا اثر یہ ہوا کہ امیر جماعت آبدیدہ ہو گئے اور کہا کہ مجھے اب کیا کرنا چاہیئے؟ میں نے کہا کہ اب اسکو تو آپ خود ہی سمجھ سکتے ہیں اپنے احباب سے بھی جی چاہے تو مشورہ کر لیجئے ـــــ ہمیں تو اجازت ہی دیجئے۔ دیر ہو گئی ہے حضرت والا بھی منتظر ہونگے۔

اسکے بعد ہم دونوں وہاں سے اٹھکر حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت ہاتھ میں تسبیح لئے اسی طرح سے بڑے کمرے میں غالباً ٹہلتے ہی رہے ہم کو لیکر اوپر والے کمرہ میں تشریف لے گئے اور ہنسکر فرمایا کہو مولوی جامی کچھ کہدیا کہ ڈر گئے تھے میں نے عرض کیا کہ نہیں حضرت ڈرا نہیں حضرت کی دعا کی برکت سے اچھی طرح بات کہدی حتیٰ کہ امیر جماعت صاحب پر اسکا اثر بھی ہوا اور وہ بیچارے رونے لگے۔ فرمایا کہ اچھا اسکے بعد میں جلدی جلدی بطور خلاصہ کچھ ہی گفتگو نقل کر سکا تھا کہ اطلاع آئی کہ جماعت کے لوگ آئے ہوئے ہیں ملنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ حضرت والا بڑے کمرے میں مسند پر رونق افروز ہو گئے اور فرمایا کہ سب کو بلا لیجئے۔ اجازت چاہنے کے بعد زینے کے اوپر آتے ہی امیر جماعت صاحب بڑی زور سے روئے جس سے حضرت بھی متاثر ہو گئے۔ رونے میں صدق تھا اور اعتراف خطا کی جھلک تھی اور یہی خانقاہ کا وہ تحفہ ہے جو مقدر والوں ہی کو ملا کرتا ہے۔ ع۔ یہاں پگڑی اچھلتی ہے اسے میخانہ کہتے ہیں۔

حضرت والا نے فرمایا کہ بس آپ لوگ اپنی زبان سے کچھ نہ فرمائیے مجھے اس سے تکلیف ہوگی۔ آئیے تشریف رکھیے، جب لوگ آ گئے اور امیر جماعت سسکتے سسکتے خاموش ہو گئے تو حضرت نے بڑی شفقت کے ساتھ ان سے گفتگو فرمائی۔ تبلیغ کی عظمت اور یہ کہ

یہ مخصوص کام حضرات انبیاء علیہم السلام کا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء مبعوث فرمائے پھر یہ کہ اسکے کچھ آداب وشرائط ہیں، ان پر عمل کرنے والوں کا اجر اور اور کوتاہی کرنے والوں پر زجر پر گفتگو فرمائی۔ اور یہ فرمایا کہ تبلیغ کے بہت سے شعبے ہیں تعلیم و تعلم بھی اسی کا شعبہ ہے، اصلاح و تربیت بھی اسی کا شعبہ ہے۔ اور پھر آخر میں ارشاد فرمایا کہ جس شعبے میں بھی آدمی کام کرے سب کے لئے اسکی بڑی شرط اخلاص ہے۔ اس پر اُن لوگوں نے اپنے لئے حصول اخلاص کی دعاء چاہی چنانچہ حضرت نے دعاء فرمائی اور اسی پر مجلس ختم ہو گئی۔ یہ منظر دیکھکر راقم کو بیساختہ یہ شعر یاد آیا کہ ؎

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے مزا تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

واقعی یہ سب سے مشکل کام ہے آج کسی پر اعتراض کر دینا بھی آسان ہے اور تنقید بھی سہل لیکن گرتے ہوؤں کو سنبھالنا بہت مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے ایسے بندوں کے ذریعہ ہماری امداد فرمائے جو ہم سب کے لئے رشد و ہدایت کا منارہ بنیں اور ہم کو انکی معرفت نصیب فرمائے تاکہ انکی اتباع اور انقیاد میں اللہ تعالیٰ کا راستہ بسہولت ہم سے طے ہو جائے۔ آمین۔

تبلیغ اور تبلیغی جماعت کے متعلق حضرت مصلح الامۃؒ کا جو نظریہ تھا امید ہے کہ وہ ناظرین کے سامنے پوری تفصیل کے ساتھ آگیا ہوگا ان سطور کے بیان سے یہی مقصود بھی تھا کہ حضرت والا کا طریقہ واضح کر دیا جائے تاکہ کسی کا ناقص علم اسکے لئے سبب اشتباہ نہ بن سکے۔ چنانچہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت اقدسؒ کا طریقہ الحمد للہ نہایت ہی معتدل تھا اور افراط و تفریط سے خالی۔ مسئلہ چونکہ نازک تھا اس لئے حضرت والاؒ نے عوام کے سامنے کبھی اس بحث کو چھیڑا ہی نہیں بلکہ خواص میں سے بھی اگر کسی نے اظہار حال کے طور پر اپنے لئے اختلاط ناس کا ضرر اور دوسروں کو وعظ و تبلیغ کرنے سے اپنے باطن کے نقصان کو لکھا بھی تو حضرت اقدسؒ نے عام لوگوں کی قلت فہم اور فتن زمانہ سے اجتناب کرتے ہوئے اسکو ان اشیاء سے خود تو منع نہیں فرمایا لیکن اگر کسی نے خود ہی اپنی ذمہ داری پر ان چیزوں کو اپنے سلوک و تسلیک میں قادح

سمجھکر ترک کر دیا ہے تو اس پر خوش بھی ہوئے ہیں اور اسکے عمل کی تصویب فرمائی ہے بے محل نہو گا اگر اس موقع پر ایک مسترشد کا خط اور حضرت والا کا جواب پیش کر دوں. جو انشاء اللہ بہت سے حضرات کے لئے موجب ازدیاد فہم و بصیرت ہوگا۔

حضرت مصلح الامۃ کے خدام میں سے ایک بزرگ تھے صوفی عبدالرب صاحب مرحوم (جو اس راقم کے بھی خاص عزیزوں میں ہوتے تھے) اس میں شک نہیں کہ بڑی ہی خوبیوں کے مالک تھے اور نہایت ہی پُرگو شاعر بھی تھے. تبلیغی جماعت سے بھی انھیں خاصا تعلق تھا چنانچہ جماعت کے کام سے خوشی اور اسکی محبت سے سرشار ہوکر نہایت ہی جوش اور مسرت کے عالم میں ایک طویل نظم " تحریک ایمان " کے عنوان سے لکھی جسے عزیزم مولوی محمد یونس صاحب سلمہٗ نے کلام صوفی کے مجموعہ میں طبع بھی کرا دیا ہے۔ اس نظم پر حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہٗ کا ایک مختصر سا تعارف اور پیش لفظ بھی شایع ہوا ہے اس میں مولانا نے تحریر فرمایا ہے کہ

> " آخر میں میرے لئے اس واقعہ کا ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ تبلیغی جماعت کے کام کے بارے میں صوفی صاحب کا یہی حال اور جذبہ جو اس نظم میں نظر آتا ہے کئی سال تک رہا بعد میں بعض جماعتوں کا یہ حال دیکھکر (اور اس سے زیادہ دوسروں سے سنکر) کہ ان میں اصول کی پابندی اور حدود کی رعایت کی بہت کمی ہے انکی انتہائی حساس طبیعت متاثر ہو گئی تھی اور ذہن و فکر میں تو کوئی کمی نہیں آئی تھی لیکن جذبہ سرد پڑ گیا تھا " (ماخوذ از کلام صوفی)

حضرت مولانا نعمانی مدظلہ نے اس موقع پر جناب صوفی صاحبؒ کے اس تبدیل حال کا ذکر کیوں ضروری جانا؟ یقینی طور پر تو اسکے سمجھنے سے میں اپنی کم فہمی اور کم استعدادی کیوجہ سے قاصر رہا تاہم ہو سکتا ہے کہ منشاء اسکا یہ بھی ہو کہ ارباب تبلیغ کو یہ تنبیہ فرمانی منظور رہو کہ وہ جہاں صوفی صاحب کی اس نظم سے اپنے لئے جذبۂ عمل اور جوش کار کا استنباط فرمائیں وہیں یہ بھی سمجھ لیں کہ اہل جماعت کے بعض لوگوں کی بے اصولیوں اور حد سے تجاوز کرنے

کیوجہ سے یہی لوگ بہت سے مخلصین کو دوسرے نوع کا تاثر دے جاتے ہیں، چنانچہ صوفی صاحب جیسا مخلص، پرجوش اور جذبۂ عمل سے بھرے ہوئے انسان پر بھی اس جماعت کے اس رویہ کا یہ اثر ہوا کہ اگرچہ انکا ذہن وفکر ہنوز محفوظ رہا تاہم جذبۂ عمل تو سرد پڑ ہی گیا، پھر ایک جگہ جب ایسا ہوا تو دوسری تیسری جگہ بھی ممکن ہے اور آج اگرچہ صرف جذبۂ عمل ہی کسی کا سرد پڑا ہے اور خدانخواستہ جماعت کا طور یہی رہا یا بڑھا تو کل کو کسی کا ذہن وفکر بھی بدل سکتا ہے۔ کیونکہ ہر زمانہ میں اسکا مشاہدہ کیا گیا ہے کہ ایک وقت میں ایک عالم کی رائے اور فکر ایک جماعت کا پورا تعاون کرنے کے باوجود دوسرے وقت میں اسکی جانب سے بالکل بدل جاتی ہے اور اسکو اسکی دیانت اور جذبۂ حق پسندی سے دنیا تعبیر کرتی ہے۔ جماعت تبلیغ کو بھی خصوصی توجہ دینی چاہیئے ورنہ تو ان مضر اثرات کے وہی لوگ ذمہ دار ہونگے یا پھر علم وقدرتِ اصلاح کے بعد عدم اصلاح پر ارباب حل وعقد پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے

بہرحال مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ بعض لوگوں میں اصول کی پابندی اور اور رعایت حدود کی کمی کا یہ نقص خود جناب صوفی صاحب کا اپنا مشاہدہ تھا۔ اور ہمارے حضرت صوفی صاحب تبلیغ حاضرہ سے کافی شغف بھی رکھتے تھے اور نہایت ہی سوجھ بوجھ کے آدمی تھے اس لئے ان کا یہ خیال معاذ اللہ کسی تخریب پر محمول نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی یہ کہ ایسا بعض مبتدیوں اور جاہلوں کیجانب سے ہوگیا ہوگا۔ اس لئے کہ جناب صوفی صاحب کچھ ایسے خام بھی نہ تھے کہ اپنے سالہا سال کے حاصل شدہ جذبہ کو چند جاہلوں کے غیر ذمہ دارانہ عمل کیوجہ سے تج دیتے اور اسکو سرد پڑ جانے کا موقع دیتے

رہا صوفی صاحب کے تغیر جذبات تو مولانا نعمانی مدظلہ نے جیسا کہ ارشاد فرمایا ہی صحیح ہے آخری عمر میں جناب صوفی صاحب کا جوش وخروش کافی سرد پڑ چکا تھا جسکی ایک وجہ تو مولانا نعمانی مدظلہ نے بیان فرمائی باقی ہمارے علم میں اسکی ایک دوسری وجہ بھی آئی ہے اسوقت ناظرین کیخدمت میں پیش کرنا مقصود ہے اور اسکے ضمن میں حضرت مصلح الامۃؒ کی احتیاط، حضرت کا حزم اور یہ کہ زمانہ کے فتنہ سے کسقدر احتراز اور اجتناب آپکے پیش نظر رہتا تھا اسکا بھی اندازہ ناظرین کو حضرت والاؒ کے جواب سے بخوبی ہوجائے گا۔

(صوفی عبدالرب صاحب کا خط حضرت مصلح الامہؒ کے نام)

عرض حال : اب آگے اپنا ایک خاص حال عرض کرتا ہوں ۔ میں اس حقیقت کو ایک عرصہ سے محسوس کر رہا ہوں اگرچہ ملازمت اور تبادلوں کے ہنگاموں میں عرض کرنیکا موقع نہیں ملا وہ یہ کہ عمر گذر گئی بڑھاپا آگیا اب موت ہی کی باری ہے اور اگرچہ عمر بزرگوں کی جوتیوں میں گذری لیکن اب تک میری اصلاح نہیں ہوئی ہے جسکا ایک خاص سبب میرے نزدیک یہ ہے کہ میں دوسروں کی اصلاح کے چکر میں اپنی اصلاح سے غافل رہا دوسروں کی اصلاح بظاہر عمل خیر نظر آتا رہا اور میں مغالطہ ہی میں مارا گیا۔ جہاں گیا اور جہاں رہا لوگوں نے (میرے ساتھ) وہ معاملہ کیا جو چھوٹے اپنے بڑوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ اور اگرچہ ہمیشہ میرا دل متنبہ بھی ہوتا رہا پھر بھی میں مغالطہ کا شکار ہوتا گیا۔ جہاں گیا وہاں کی بد دینی کو دیکھکر خدمت اسلام کے خوشنما عنوان سے تبلیغ دیگراں میں مشغول رہا کیا اور اپنی نمازوں اور ذکر و اذکار کو اپنے حق میں کافی سمجھ لیا (راقم عرض کرتا ہے یہی وہ مغالطہ ہے جو اس قسم کے لوگوں کو ہو جاتا ہے جسکا سمجھنا بھی مشکل اور سمجھانا اس سے زیادہ مشکل ۔ پس اللہ تعالیٰ ہی کشو د کار فرما دیں تو آسان ہو سکتا ہے ورنہ مزلۃ الاقدام ہی ہے)

مثلاً اب کروی ضلع باندہ میں ہوں تو اناؤ سے کروی جاتے ہوئے (اناؤ میں حضرت صوفی صاحب رہا کرتے تھے ملازمت کروی میں تھی) اور کروی سے اناؤ آتے ہوئے ہر بار ایک رات باندے میں گذارتا ہوں اور وہاں وعظ کہتا ہوں۔ موضع ہتورہ کے مولوی حافظ محمد صدیق احمد صاحب بھی مجھکو کروی سے اپنے مدرسہ ہتورہ لے گئے اور دو وعظ کہلوائے ان مواعظ سے دوسروں کا فائدہ دیکھکر مجھے اپنے لئے اس مشغولیت کو خیر محض سمجھنے کا مغالطہ ہوتا رہا (راقم عرض کرتا ہے کہ صوفی صاحب نے بھی اپنے مافی الضمیر کو خوب ہی ادا کیا اور خوب ہی چور پکڑا۔ دیکھئے دوسروں کا دینی فائدہ ہو رہا ہے اور اسکو خیر محض کا مغالطہ فرما رہے ہیں۔ اسی گھاٹی میں آج نجانے کتنے لوگ مبتلا ہیں جو کہ خود ہی کسی کی سمجھ میں آجائے تو آجائے باقی کوئی دوسرا وہ بھی اس زمانہ میں کسی کو سمجھا نہیں سکتا۔ مشائخ

نے بھی بالآخر عاجز ہوکر خاموشی ہی اختیار فرمالی - آگے سنیئے صوفی صاحب لکھتے ہیں کہ
اگرچہ ہمیشہ دل کو نفس کی چوری کا احساس بھی ہوتا رہا وہی احساس اب موت کا زمانہ قریب ہونے کے سبب اتنا قوی ہوگیا ہے کہ دل کی بات زبان پر آگئی۔ اب میں اپنا کچا چٹھا پیش کرکے حضرت اقدس سے درخواست کرتا ہوں کہ میری اصلاح کی طرف توجہ فرمائیں اور میرے حق میں احکام صادر فرمائیں جسکی تعمیل اب انشاءاللہ ضرور کرونگا تاکہ مرتے دم تک تو بقدر ضرورت اتنی اصلاح ہوجائے کہ نجات ہوسکے (راقم عرض کرتا ہے کہ اہل تبلیغ سے سنا کہ اسفار تبلیغ بعینہٖ ذریعہ اصلاح نفس ہے معلوم نہیں صوفی صاحب کو اسکا علم کیوں نہ ہوسکا ورنہ وہ اسقدر پریشان نظر نہ آتے اور تبلیغ کے مکتب سے اصلاح کا مکتب جدا نہ تلاش کرتے انکے بیان سے تو ایسا ظاہر ہورہا ہے کہ دوائے دل کی جستجو ہے اور محض وعظ و تبلیغ سے یہ گوشہ پر نہیں ہورہا ہے۔ آگے تحریر فرماتے ہیں کہ)

میرے دل میں یہ آتا ہے کہ اب وعظ کہنا بالکل ترک کردوں اور اپنی نگرانی کروں اور جو کچھ حضرت ارشاد فرمائیں اس پر عمل کروں۔ میرے دل میں جو ترک وعظ اور اختیار عزلت کی بات آگئی ہے اگر حضرت اقدس مدظلہٗ اسکو میرے حق میں صحیح ارشاد فرمائیں تو میں فوراً اس راہ کو اختیار کرلوں گا۔ اب پنشن میں ایک سال رہ گیا ہے اور اب ہر طرف سے غیر متعلق ہوکر اپنی اصلاح ہی میں لگ جاؤں۔

اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ حضرت اقدس کو ایسا طول حیات ارزانی فرمائیں کہ مجھ جیسے پیر نابالغ کی تربیت و اصلاح بھی فرمالیں اور میں حضرت والا ہی کے سامنے اس دنیا سے عافیت سے گذر جاؤں اور خدا کرے ایسا نہو کہ میں حضرت کے بغیر بھٹکنے کے لئے تنہا رہ جاؤں۔ حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحبؒ نے مجھے تکمیل سلوک کی بشارت لکھی تھی کاش کہ میں نے اسکو حضرت اقدس مدظلہٗ کے زیر سایہ رہ کر ترقی دی ہوتی لیکن افسوس کہ میں نے اس دولت کو اپنی غفلتوں پر بھینٹ چڑھا دیا اور دوسروں کی جوتیوں کی حفاظت میں اُس متاع بے بہا کی گٹھری کو ضائع کردیا جو تھانہ بھون اور محی الدین پور (الہ آباد میں ایک موضع ہے حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحبؒ کا وطن شریف یہی تھا) سے مجھکو

بقدر ظرف کے ملی تھی اب میں اپنے ایام برباد رفتہ پر اظہار افسوس کرتا ہوں اور از سر نو اپنی ارادت کو حضرت مدظلہ کے ساتھ مستحکم کرتا ہوں اور درخواست کرتا ہوں کہ حضرت اقدس میری تربیت اور اصلاح کو از سر نو شروع فرما دیں۔ انتہیٰ۔

(ملاحظہ فرمایا آپ نے صوفی صاحب کا یہ خط، دیکھئے اسکا ایک ایک لفظ کس قدر اخلاص اور طلب میں ڈوبا ہوا ہے اور سارے دینی مشاغل کرنے کے باوجود ع جیسے ہر شے میں کسی شے کی کمی پاتا ہوں میں کا منظر دکھلا رہے ہیں۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کی طلب اور لقائے رب کا شوق —— اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس دولت سے کچھ حصہ نصیب فرمائے۔ آپ نے دیکھا کہ کیسا کیسا اپنے مرض اور اسباب نقصان کی نشاندھی فرمائی ہے اور شیخ سے اجازت چاہ رہے ہیں کہ فرمائیے تو وعظ وغیرہ بالکل ترک کردوں لیکن حضرت اقدسؒ بھی واقعی مصلح تھے حالات کی نزاکت کو سمجھتے تھے اس لئے باوجود اسکے لئے مفید ہونے کے خود اپنی زبان سے ترک کرنے کو نہیں فرمایا بلکہ خط کا حکیمانہ جواب یہ مرحمت فرمایا۔

ارشاد مرشد! جزاکم اللہ تعالیٰ، بہت خوشی کی بات ہے۔ اب ایک بات عرض کرتا ہوں، اگر کوئی شخص آپ کے پاس یہی خط لکھتا (جو آپ نے مجھے لکھا ہے) جو اس کا جواب آپ دیتے وہی اپنے خط کا جواب لکھکر مجھے مرحمت فرمائیے۔

(جناب صوفی صاحب مرحوم کا دوسرا خط حضرت مصلح الامۃؒ کے نام)

عرض حال: میرا عریضہ حضرت کے ارشاد گرامی سے مشرف ہو کر ملا۔ حضرت اقدسؒ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جزاکم اللہ تعالیٰ الی قولہ جواب لکھکر مجھے مرحمت فرمائیے —— حضرت کے اس ارشاد کی تعمیل میں اپنی سمجھ کے بقدر جواب بغرض ملاحظہ لکھتا ہوں۔ میں یہ لکھتا کہ:۔

"اپنی اصلاح مقدم ہے۔ معمولات کی پابندی اور رذائل کی اصلاح میں لگ جانا ضروری ہے پھر اگر مربی خود ہی وعظ گوئی کا کام سپرد کرے تو تعمیل کرنی چاہئے ورنہ جو مربی کا

امر ہو اسکی تعمیل کرنا چاہیئے اور اپنے کو بالکل فنا کرکے مردہ بدست زندہ کرکے اپنے معلم و مرشد و شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ دیدینا چاہیئے

میری سمجھ میں یہی بات آتی ہے لہذا یہی حاضر کرتا ہوں اور پھر درخواست کرتا ہوں کہ میرے لئے کوئی لائحہ عمل تجویز فرمائیے اور ارشادات سے ہدایت فرمائیے۔ اللہ تعالےٰ سایۂ اقدس کو تادیر قائم و دائم رکھے۔ آمین۔

(حضرت مصلح الامۃؒ کا جواب)

اگر طالب یہ کہے کہ وعظ گوئی سے مجھکو ضرر پہونچا ہے اور اسی سے میری اصلاح نہیں ہوتی ہے آپ اسکا کیا جواب دیں گے؟ اور اب بھی شیخ ہی پر (عدم اصلاح کا) بار رکھے گا یا اس پر۔

(حضرت صوفی صاحبؒ کا تیسرا خط حضرت مصلح الامۃؒ کے نام)

عرض حال: میرے عریضہ پر ارشاد گرامی موجب بصیرت ہوا کہ اگر طالب یہ کہے کہ وعظ گوئی سے مجھے ضرر پہنچا ہے الخ۔ گذارش ہے کہ میں طالب کو یہ جواب دیتا کہ ـــــ جب اسے احمق تجھکو خود ہی معلوم ہے کہ تجھکو وعظ گوئی سے نقصان پہنچا ہے اور اسی سے تیری اصلاح نہیں ہوئی ہے تو پھر اس ضرر رساں کام میں کیوں مبتلا ہے۔

تحقیق: الحمد للہ بہت صحیح جواب ہے۔

حال: اسکو ترک کرکے اپنی اصلاح کا راستہ کیوں ہموار نہیں کرتا؟

تحقیق: ماشاء اللہ تعالیٰ

حال: اور خوامخواہ شیخ پر کیوں بار رکھتا ہے (کہ باوجود تعلق کے میری اصلاح نہیں ہوئی

تحقیق: بیشک

حال: ایسی صورت میں جبکہ طالب کو خود اپنی ضرر رساں حرکت کا علم ہو تو پھر ہرگز اسکا بار شیخ مدظلہ پر نہیں ہے کہ ایسی ظاہر و باہر علت کو طالب خود تو ترک نہ کرے بلکہ شیخ کے

پیچھے پڑے کہ شیخ نبض دیکھے بیماری تشخیص کرے اور بیمار مرید کو نسخہ بتائے بلکہ طالب کا کام یہ ہے کہ جب نبض، بیماری، نسخہ سب عیاں ہے تو عیاں را چہ بیاں؟

تحقیق: بیشک

حال: مضر راستے کو ترک کردے۔ تحقیق: بیشک

حال: اس لئے میں حضرت اقدس کو اطلاع کرتا ہوں کہ میں نے آج سے وعظ گوئی ترک کردی۔ تحقیق: جزاک اللہ

حال: اور خاموشی اور گوشۂ عزلت اختیار کرلیا۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: اور اپنی اصلاح کا ارادہ کرلیا۔

تحقیق: بارک اللہ

حال: اب حضرت والا سے دعا کا طالب ہوں۔

تحقیق: دعا کرتا ہوں۔

حال: اور جس ہدایت کی حضرت والا ضرورت مزید سمجھیں اسکا ملتجی اور منتظر ہوں۔

تحقیق: بتاتا رہوں گا۔

(ملاحظہ فرمایا آپ نے جناب صوفی صاحب کا خط۔ مخلص آدمی تھے اس لئے اپنا کچا چٹھا لکھکر شیخ کی خدمت میں پیش کر دیا جس میں اپنے وعظ و تبلیغ پر نظر اور اسکا نقصان وضرر جناب صوفی کے قلب و جگر میں کچھ اس طرح سے سمایا کہ دیکھئے دوسروں کے نفع کے باوجود اپنا جو زیاں ہوگیا اس پر کیسا کیسا افسوس کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ احساس بھی سبب بنا اب سے سب کام چھوڑ چھاڑ کر قلب کی جانب توجہ کرنے کا اور اختلاط سے عزلت کی جانب ہجرت کا ——— اسی کو راقم نے عرض کیا تھا کہ ہماری روداد میں اس جذبہ کے سرد پڑ جانے کا ایک اور سبب بھی تھا۔

نیز حضرت مصلح الامۃؒ کے جواب میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اپنی زبان سے اس کام کو منع نہیں فرمایا جو کہ ان کے لئے موجودہ حالات میں ضروری اور مفید تھا اور جس کے بروئے کار لانے پر خود حضرت اقدسؒ بھی مسرور ہوئے لیکن چونکہ حضرت والا حالات کی

نزاکتوں کو سمجھتے تھے اسلئے مواضع تہم سے بھی اجتناب فرمایا۔ حضرت کے متوسلین کے لئے خط اور اسکے جواب دونوں میں تعلیم موجود ہے۔

صوفی صاحب رحمہ اللہ کا ذکر آگیا ہے توجی چاہتا ہے کہ انکا ایک اور عریضہ بھی نذر ناظرین کردوں جس میں محبت شیخ اور "اندریں رہ می تراش و می خراش" کا کیسا نقشہ ہم نااہلوں کو دکھایا ہے۔ لکھتے ہیں کہ:۔

حال: میرا حال زار یہ ہے کہ قبر کی منزل قریب سے قریب تر ہے بدن کے ساتھ ایمان وعمل بھی کمزور ہے لیکن آپ کی اور آپ کے اکابر کی محبت وعقیدت و پیروی کی نسبت کے سبب اللہ تعالیٰ کے فضل کی نہ صرف قوی امید بلکہ پختہ یقین ہے۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: کہ اللہ تعالیٰ ہر منزل آسان کریں گے اور اپنے بندے کو کہیں گرنے نہ دیں گے

تحقیق: انشاء اللہ تعالیٰ۔

حال: اور آپ سب مخادیم کرام اور مشائخ عظام کی معیت ضرور نصیب فرمائیں گے۔

تحقیق: آمین۔

حال: معمولات میں کچھ آنسو ہیں، کچھ آہیں ہیں اور کچھ حسرت وشوق کا ایک انبار ہے۔

تحقیق: خوب آمیزش ہے۔

حال: لیکن یاس وحرماں کا نام ونشان نہیں ہے۔ تحقیق: الحمدللہ۔

حال: جب تک مشاغل میں مصروف رہتا ہوں درمیان میں اللہ تعالیٰ کی یاد تازہ کرتا رہتا ہوں اور جب فارغ ہوتا ہوں تو دل اور زبان سے آپ کے اور اپنے اللہ پاک کا ذکر کرتا رہتا ہوں۔ اور معمولات میں لگا رہتا ہوں اور موت کا استحضار رکھتا ہوں۔

تحقیق: الحمدللہ

حال: کبھی روتا ہوں اور کبھی ذوق وشوق سے انکی اور آپ سب کی محبت کے نغمے گاتا رہتا ہوں۔ تحقیق: الحمدللہ۔

حال: دنیا میں نہ کوئی میرا دوست ہے نہ دشمن ہے، اللہ اور اللہ والوں ہی سے رشتۂ دل سے قائم ہے۔ تحقیق: الحمدللہ۔ (سبحان اللہ کیا عمدہ حال ہے اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے)

حضرت مصلح الامتہؒ کے حالات کے سلسلہ میں اپنا طریق اصلاح جو ساری عمر حضرتؒ کا معمول رہا اس پر گفتگو چل رہی تھی اور اسکی ضرورت یوں محسوس ہوئی کہ بہت سے لوگ اپنے لئے اسی میں فلاح محسوس کرتے ہیں کہ اپنے لئے کسی مسلم بزرگ اور متبع سنت پیشوا کے طریقے کو اختیار کریں جو کہ انکا اپنا آزمودہ اور پسندیدہ طریقہ رہا ہو۔ چنانچہ متعدد طرق کار میں سے کسی ایک طریقے کے اختیار کرنے میں اپنے کسی بزرگ کی پیروی کر لینا شرعاً کچھ مذموم بھی نہیں ہے آپ نے سنا ہوگا کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب امام اعظم حضرت ابو حنیفہؒ کے مزار پر حاضر ہوئے اور وہاں کسی نماز کا وقت آگیا تو اپنی نماز میں آمین آپ نے آہستہ سے کہا بعد میں کسی کے دریافت کرنے پر اسکی وجہ یہ بیان فرمائی کہ جو بزرگ اس قبر میں آرام فرما رہے ہیں انکا طریقہ آہستہ ہی آمین کہنے کا تھا میں نے ان کے ادب کی وجہ سے ایسا کیا چنانچہ اسکو علماء نے حضرت امام شافعیؒ کا غایت ادب شمار کیا۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ سنیئے:۔

قیام فتحپور کے زمانہ میں ایک دن حضرت والاؒ اپنے لب کا قصر فرما رہے تھے مئو کے ایک عالم صاحب بھی تشریف فرما تھے، حضرت والا کو کچھ خیال گذرا ہوگا، اچانک فرمایا مولوی صاحب! اپنے شیخ کا طریقہ بھی لائق اتباع ہوا کرتا ہے وہ سمجھے کہ شاید مجھے اپنے اتباع کی ہدایت فرما رہے ہیں عرض کیا جی ہاں بیشک! فرمایا کہ یہ کہہ رہا ہوں کہ "حلق شارب" کی میں نے جو تحقیق کی ہے وہ اپنی جگہ صحیح ہے اور میں اب بھی اسی رائے پر قائم ہوں کہ حلق ہی امر راجح ہے، باقی اسوقت جو قصر کرا رہا ہوں تو کبھی کبھی ایسا اسلئے کر لیتا ہوں کہ ہمارے حضرت تھانویؒ قینچی ہی سے باریک کرا لیتے تھے حلق نہیں فرماتے تھے اسلئے سنت شیخ پر بھی کبھی کبھی عمل کر لیتا ہوں۔

اب ظاہر ہے کہ ان دونوں واقعات میں صرف اولی و غیر اولی کا فرق تھا تو طریقۂ شیخ بھی کبھی کبھی ایک شق کا مرجح بن جایا کرتا ہے۔ اور ایک محب و معتقد کو طریقۂ شیخ اختیار کرتے میں تسلی بھی ہو جاتی ہے۔

پس ہم نے بھی طریقہ حضرت والا اسلئے مفصل بیان کر دیا تا کہ محبین کیلئے یہ کسی درجہ میں سبب سکون بن سکے کیونکہ الحمد للہ کہ حضرت اقدسؒ اس باب میں بڑے ہی معتدل اور

اور محتاط تھے۔ تحزب اور ٹولی بندی کو تو قطعی ناپسند فرماتے تھے انتہا یہ کہ آج لوگ خود کو جو دیوبندی وغیرہ لکھتے ہیں حضرت والا اسکو بھی کچھ زیادہ پسند نہ فرماتے تھے چنانچہ ایکمرتبہ حضرت والا بمبئی سے الہ آباد تشریف لا رہے تھے راستہ میں ایک اسٹیشن پر ایک مولوی صاحب اپنے دو چار احباب کو لئے ہوئے حضرت سے ملنے آئے یہ مولوی صاحب غالباً حضرت والا کے شاگرد بھی تھے اسلئے بے تکلف تھے اور ماشاء اللہ مناظر بھی تھے جتنی دیر وہ رہے اپنے سابقہ مناظروں ہی کی روداد سناتے رہے۔ جب وہ اپنی سب سنا چکے تو حضرت والا رحؒ نے فرمایا کہ بھائی مولوی صاحب سنو! ہم نہ تو دیوبندی کو جانیں اور نہ بریلوی کو ہم تو محمدی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر اور آپ کے طریقہ پر عمل کرنے والے ہیں اسی کو جانتے ہیں۔ اگر کوئی دیوبندی متبع سنت ہو جائے تو وہ ہمارے سر آنکھوں پر اور اگر کوئی بریلی والا طریقہ رسولؐ پر چلنے لگے تو وہ بھی ہمارا محترم ہو سکتا ہے" حضرت والا سے یہ جملے سنکر وہ مولوی صاحب تو بالکل خاموش ہو گئے اور انکے ساتھیوں نے باہم کچھ گفتگو شروع کر دی بعد میں انھیں مولوی صاحب سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ دوسرے خیال کے تھے پھلوں کے بڑے تاجر تھے راستہ میں آپس میں کہتے جا رہے تھے کہ مولوی صاحب کی بات بھی سنی گئی اور ان کے پیر صاحب کے خیالات بھی معلوم ہوئے، ہاں بھائی بڑے آدمی کی بڑی بات ہوتی ہے۔ اور یہ بھی کہا کہ مولوی صاحب نے ہم سے یہ نہ کہا تھا کہ وہ اتنے بڑے شخص ہیں ورنہ ہم ان کے لئے پھلوں کا ہدیہ لائے ہوتے خالی ہاتھ ملے ہم سے بڑی بے ادبی ہو گئی۔"

یہ واقعہ سنا کر حضرت رحؒ فرماتے تھے کہ دیکھو حق بات میں کتنا اثر ہوتا ہے۔" آج لوگ جو ٹولی ٹولی ہو گئے ہیں اسکی وجہ سے مسلمانوں کا شیرازہ ہی بکھر گیا ہے ورنہ آج بھی لوگ اگر صرف سنت اور شریعت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیں اور اسی کو پیش کریں تو آج بھی عوام کو دین کا حقیقی فائدہ ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرما دیں۔ آمین "

(حصہ اوّل تمام ہوا)